أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

''کیا یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر ان کے تالے لگے ہیں۔''

نِکاتِ قرآنیۃ

جلد اول

تالیف : حافظ جلال الدین قاسمی

تقریظ : مولانا مختار احمد سلفی

مکتبہ أثریہ

جملہ حقوق بحث ناشر ومولف محفوظ

نام کتاب	:	نکات قرآنیہ
مؤلف	:	حافظ جلال الدین القاسمی
سنہ اشاعت	:	مارچ ۲۰۲۶ء
تعداد	:	ایک ہزار
قیمت	:	
صفحات	:	592
کمپوزنگ	:	محمد عاقب

ملنے کا پتہ

مکتبہ اثریہ

0321-8667378

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ اصطفی، اما بعد!

دین اسلام کا اصل سرچشمہ اور منبع قرآن وسنت ہیں جو عربی زبان میں ہیں، قرآن مجید اگرچہ آسان ہے مگر اس کی تبیین کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا، ہم چونکہ عجمی ہیں اس لیے قرآن مجید کو صحیح سمجھنے کے لیے صحیح احادیث اور اقوال صحابہ کے ساتھ ساتھ ہمیں لغت عرب اور اس کے قواعد کی ضرورت بھی ہے۔ قرآن مجید کے ایک ایک لفظ میں علم وحکمت کے خزانے جمع کر دیے گئے ہیں جن کے حصول کے لیے عربی گرامر کی چابی کی بہت زیادہ ضرورت ہے، عربی علوم کی روشنی میں قرآن مجید کو سمجھنے والا بہت سی غلطیوں سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتا ہے اور وہ معانی اور مطالب کی گہرائی تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی قرآن کریم کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے عربی لغت اور گرامر سے بھی لازمی طور پر تعلق جوڑنا پڑتا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک مشہور فرمان ہے کہ تَعَلَّمُوا اللُّغَةَ الْعَرَبِيَّةَ لِأَنَّهَا مِنْ دِينِكُمْ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان کو سیکھے بغیر قرآن وسنت کو سیکھنا مشکل ہے۔

مولانا جلال الدین قاسمی ایک معروف محقق عالم دین اور کئی ایک علمی اور تحقیقی کتب کے مصنف ہیں، ان کی کتاب ”نکات قرآنیہ“ قرآن مجید کی تفسیری نکات پر مبنی ہے۔ اس میں قرآن مجید کے معانی و مطالب کو عربی گرامر کی روشنی میں آسان انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بہت سارے نادر علمی نکات پر مشتمل ہے، اس میں اہم الفاظ کی لغت کو عربی اسلوب میں اصل ماخذ کی روشنی میں حل کیا گیا ہے اور اس کی اصطلاحی معنی کے ساتھ مناسبت کو بھی ذکر کیا گیا ہے، آیات کریمہ کی مختصر مگر جامع تفسیر کی گئی ہے، سورتوں کی باہمی مناسبت کو بھی بیان کیا گیا ہے اور بعض مسائل کو سوال و جواب کی صورت میں بھی حل کیا گیا ہے، اور اگر کسی لفظ کے ایک سے زائد معنی ہیں تو ان کو بھی ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح بعض الفاظ جیسے رحمٰن اور رحیم، مالک اور ملک کے

باہمی فروق کو بھی ذکر کیا گیا ہے، اس میں پیش کردہ آحادیث کی صحت وسقم کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

یہ کتاب علوم القرآن کے شائقین، اہل علم اور دینی مدارس کے طلبہ کے لیے ایک گراں قدر تحفہ ہے، امید ہے کہ اس کتاب سے علومیہ اسلامیہ کے طلبہ اور اساتذہ کے ساتھ ساتھ عام پڑھے لکھے لوگ بھی بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

پاکستان میں پہلی مرتبہ مکتبہ اثریہ کی جانب سے اس کی اشاعت کی اہتمام کیا جارہا ہے۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو دین اسلام کے فہم کے لیے ممد ومعاون اور نافع بنائے اور اسے قبول عام عطا فرمائے اور اس کے مؤلف اور جملہ معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور پاکستان میں اسے طبع کرانے میں ہمارے فاضل شاگرد حافظ احسن کلیم وفقہ اللہ کا بڑا کردار ہے اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں اور کاوشوں کو بھی قبول فرمائے اور اس پر انہیں بہترین بدلہ دے۔

تقبل اللہ مساعیہ۔ آمین

کتبہ

مختار احمد سلفی

الرحمہ انسٹیٹیوٹ واربرٹن (ننکانہ)

مقدمہ

میں اپنی اس تفسیر کی کتاب ''نکات قرآنیہ'' کو جو دو جلدوں پر مشتمل ہے، علوم القرآن کے شائقین اور اہل علم و دانش کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

الحمد للہ! اس کتاب سے پہلے تفسیر کے موضوع پر میری تین کتابیں (تفسیر ذکر للعالمین، تفسیر القرآن بعد قیام اللیل فی رمضان اور دقائق تفسیریہ) مطبوع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں۔ تفسیر کے موضوع پر میری یہ طالب علمانہ تازہ کاوش، کئی خصوصیات کی حامل ہے۔ یہ کتاب ایک طرف نادر علمی نکات پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ عربی ادب کی چاشنی سے بھی معمور ہے، دوسری طرف اس کی طرز تحریر کی سادگی اور دل کشی علماء اور طلبہ کے علاوہ عام افراد کو بھی علم تفسیر کے فیضان سے بہرہ ور ہونے کا موقع بخشتی ہے۔

امید ہے کہ تمام اہل ذوق اس کتاب کی قدر دانی اور پذیرائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے اور امید واثق ہے کہ اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔

اللہ رب العزت کے حضور میری یہ عاجزانہ دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو خواص اور عوام سب کے لیے نافع اور فیض بخش بنائے، آمین۔

حافظ جلال الدین القاسمی

فہرست

پارہ نمبر ا	6
سورۂ فاتحہ	9
سورۂ بقرہ	29
پارہ نمبر ۲	104
سورۂ بقرہ	104
پارہ نمبر ۳	168
سورۂ بقرہ	168
سورۂ آل عمران	199
پارہ نمبر ۴	212
سورۂ آل عمران	212
سورۂ نساء	238
پارہ نمبر ۵	257
سورۂ نساء	257
پارہ نمبر ۶	288
سورۂ نساء	288
سورۂ مائدہ	294
پارہ نمبر ۷	317
سورۂ مائدہ	317
سورۂ انعام	323
پارہ نمبر ۸	345
سورۂ انعام	345
سورۂ اعراف	358
پارہ نمبر ۹	384
سورۂ اعراف	384
سورۂ انفال	417
پارہ نمبر ۱۰	425
سورۂ انفال	425
سورۂ توبہ	427
پارہ نمبر ۱۱	451
سورۂ توبہ	451
سورۂ یونس	462
سورۂ ہود	478
پارہ نمبر ۱۲	483
سورۂ ہود	483
سورۂ یوسف	495
پارہ نمبر ۱۳	511
سورۂ یوسف	511
سورۂ رعد	518

سورۂ ابراہیم	527
پارہ نمبر ۱۴	534
سورۂ حجر	534
سورۂ نحل	543
پارہ نمبر ۱۵	559
سورۂ بنی اسرائیل	559
سورۂ کہف	579

پارہ نمبرا

﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ ﴾ (الاعراف : ۷ / ۹۸) ''پھر جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیں۔''

① شیطان کے وساوس، مَادَّةُ الدَّاءِ (بیماری کے مادے) ہیں۔ پہلے بیماری کے اس مادے کو دل سے ہٹایا جائے تاکہ قرآن جو ''دوا'' ہے، خالی جگہ میں پہنچے اور اس میں اثر کرے۔

② فرشتے، قاریٔ قرآن سے قریب ہوتے ہیں۔ مَلَک (فرشتہ) ضد الشیطان ہے۔ دشمن کو بھگاؤ تاکہ دوست قریب آئے۔

③ استعاذہ، اعلام (اعلان) ہے اور سامع کے لیے تنبیہ ہے کہ اب اس کے بعد قرآن پڑھا جانے والا ہے تاکہ سامع اس کلام کو سننے کے لیے مستعد ہو جائے۔

④ ﴿ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ ، قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ، ثُمَّ يَقُوْلُ : سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ ، وَتَعَالَى جَدُّكَ ، وَلَا اِلٰهَ غَيْرَكَ ، ثُمَّ يَقُوْلُ : لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، ثَلَاثاً ، ثُمَّ يَقُوْلُ : اللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْراً ، ثَلَاثاً اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهِ ، وَنَفْخِهِ ، وَنَفْثِهِ ، ثُمَّ يَقْرَاُ ﴾ (سنن ابی داود : کتاب الصلاۃ ، حدیث ۷۷۵ ، حکم الالبانی : صحیح) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو قیام فرماتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے، پھر یوں کہتے : سُبْحَانَكَ

اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُكَ ، وَتَعَالٰی جَدُّکَ ، وَلَا اِلٰهَ غَيْرَکَ . (تو پاک ہے اے اللہ! اپنی حمد کے ساتھ۔ تیرا نام بڑی برکت والا ہے۔ تیری شان بہت بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔) پھر تین بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے۔ پھر تین مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا کہتے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهِ ، وَنَفْخِهِ ، وَنَفْثِهِ . (میں، اللہ سننے والے جاننے والے کی پناہ چاہتا ہوں کہ شیطان مردود مجھ پر کوئی جنون کا اثر ڈالے، یا مجھے تکبر پر آمادہ کرے، غلط شعر وشاعری کی طرف لے آئے۔" اس کے بعد آپ قراءت فرماتے۔"

⑤ ﴿حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ ، قَالَ : حَدَّثَنِیْ عَدِیُّ بْنُ ثَابِتٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ صُرَدٍ ، رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَغَضِبَ اَحَدُهُمَا ، فَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰی انْتَفَخَ وَجْهُهُ وَتَغَيَّرَ : فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِنِّیْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً ، لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ الَّذِیْ يَجِدُ ، فَانْطَلَقَ اِلَيْهِ الرَّجُلُ فَاَخْبَرَهُ بِقَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ : تَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ، فَقَالَ : اَتُرٰی بِیْ بَاْسٌ ، اَمَجْنُوْنٌ اَنَا ، اذْهَبْ﴾

(صحيح البخاری : الادب ، حديث ٦٠٤٨) سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے...... جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں...... روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں نے گالی گلوچ کی۔ ان میں سے ایک کو بہت زیادہ غصہ آیا، حتیٰ کہ اس کا چہرہ پھول گیا اور رنگ متغیر ہو گیا۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں ایک کلمہ جانتا ہوں۔ اگر یہ شخص وہ (کلمہ) کہہ دے تو اس کا غصہ جاتا رہے گا۔" چنانچہ ایک آدمی اس (غصہ ہونے والے) کے پاس گیا اور اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مطلع کیا اور کہا "شیطان سے

اللہ کی پناہ مانگو۔" اس نے کہا" کیا تمھیں گمان ہے کہ مجھے کوئی بیماری ہے؟ یا میں دیوانہ ہوں؟ جاؤ، اپنا راستہ لو۔"

﴿عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ الثَّقَفِیِّ ، اَنَّهُ شَكَا اِلَی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهُ فِیْ جَسَدِهِ مُنْذُ اَسْلَمَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ضَعْ يَدَكَ عَلَی الَّذِیْ تَاَلَّمَ مِنْ جَسَدِكَ ، وَقُلْ : بِاسْمِ اللّٰهِ - ثَلَاثًا ، وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ : اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ﴾ (مسلم : حدیث ۲۲۰۲) عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے ایک درد کی شکایت کی جو ان کے بدن میں پیدا ہو گیا تھا جب سے وہ مسلمان ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" تم اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھو اور تین بار بسم اللہ کہو۔ اس کے بعد سات بار یہ کلمات کہو : اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ . (میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں، اس چیز کی برائی سے جسے پاتا ہوں اور جس سے ڈرتا ہوں۔"

اَلْاِسْتِعَاذَةُ مَظْهَرٌ مِنْ مَظَاهِرِ التَّوْحِيْدِ . (استعاذہ، توحید کا ایک مظہر ہے۔) کہ اللہ ہی پناہ دے سکتا ہے۔ اس میں توحید کا اظہار ہے اور شرک سے اظہار نفرت وبراءت ہے۔

اَلْعَرَبُ تَقُوْلُ لِلْبَيْتِ الَّذِیْ فِیْ اَصْلِ الشَّجَرَةِ الَّتِیْ قَدِ اسْتَتَرَ بِهَا : عُوَّذ ، بِضَمِّ الْعَيْنِ وَتَشْدِيْدِ الْوَاوِ وَفَتْحِهَا . (عرب اس گھر کو عُوَّذ کہتے ہیں جو درخت کی جڑ میں ہو جس کی وجہ سے وہ چھپ گیا ہو۔)

فَكَاَنَّهُ لَمَّا عَاذَ بِالشَّجَرَةِ وَاسْتَتَرَ بِاَصْلِهَا وَظِلِّهَا سَمَّوْهُ عُوَّذاً . (تو گویا جب اس نے درخت کی پناہ لی اور اس کی جڑ اور سائے میں چھپا تو اسے "عوذ" کہا گیا۔)

فَكَذٰلِكَ الْعَائِذُ قَدِ اسْتَتَرَ عَنْ عَدُوِّهِ بِمَنِ اسْتَعَاذَ بِهِ مِنْهُ ، وَاسْتَجَنَّ بِهِ مِنْهُ . (اسی طرح پناہ مانگنے والا اپنے دشمن سے اس ہستی کے ذریعے چھپ گیا جس کی اس نے اپنے دشمن سے پناہ چاہی تھی اور اس کے ذریعے اپنے آپ کو دشمن سے محفوظ کرلیا۔)

اَصْلُ الرَّجْمِ : الرَّمْیُ ، لِاَنَّ اللّٰهَ طَرَدَهُ مِنْ سَمَاوَاتِهِ وَرَجَمَهُ بِالشُّهُبِ الثَّوَاقِبِ . (رجم کا مطلب ہے، پھینکنا۔ کیونکہ اللہ نے شیطان کو اپنے آسمانوں سے نکال دیا اور اسے چمکیلے شہابوں سے مارا۔)

اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَى اَنَّ لَيْسَ مِنَ الْقُرْآنِ وَلَا آيَةٌ مِنْهُ . (علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم قرآن کی کوئی آیت نہیں ہے۔)

......مستعیذ (پناہ چاہنے والا) بندہ ہے۔

......مستعاذ بہ (پناہ دینے والا) اللہ جل وعلا ہے۔

......مستعاذ منہ (جس سے پناہ چاہی جائے) شیطان رجیم ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ : اَیْ اَعْتَصِمُ بِاللّٰهِ ، اَیْ اَلْتَجِئُ اِلَى اللّٰهِ . (اعوذ باللہ کا مطلب ہے، میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ یعنی میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔)

عیاذہ ولیاذہ میں فرق : اَلْعِيَاذَةُ لِدَفْعِ الشَّرِّ ، وَاللِّيَاذَةُ لِطَلَبِ الْخَيْرِ . (عیاذہ، شر دور کرنے کے لیے ہے، جبکہ لیاذہ خیر کو طلب کرنے کے لیے ہے۔)

شیطان، شَطَنَ سے نکلا ہے اور فَيْعَال کے وزن پر ہے۔ اَیْ بَعُدَ . (یعنی شیطان اللہ کی رحمت سے دور ہوگیا۔)

سورۂ فاتحہ

① سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ ہے جس میں یہود کا تذکرہ ہے اور اس کے بعد آل عمران ہے جس میں نصاریٰ کا تذکرہ ہے۔

② سورۂ فاتحہ کا ربط پورے قرآن سے، سوال و جواب یا استہداء (ہدایت طلب کرنا)

اور ہدایت کا ہے۔

③ اس سورت کا ایک نام "رقیہ" ہے، لہٰذا اسے بیمار پر پڑھ کر دم کرنا جائز ہے۔

نکتہ : یہ سورت شروع ہوتی ہے امور ثلاثہ سے :

① الوہیت ② ربوبیت ③ مالکیت

یہ تینوں امور قرآن کی آخری سورت سورۂ ناس میں موجود ہیں :

﴿ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ ، ﴿ مَلِكِ النَّاسِ ۙ ﴾ ، ﴿ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ ﴾

تو کتنا گہرا ربط ہے قرآن کے اول و آخر کے درمیان!

سورۂ فاتحہ کی فضیلت : ﴿ عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ : شَكَا النَّاسُ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُحُوْطَ الْمَطَرِ ، فَاَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهُ فِي الْمُصَلّٰى ، وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْماً يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ ، قَالَتْ عَائِشَةُ ، فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ ، فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ، ثُمَّ قَالَ : اِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ ، وَاسْتِئْخَارِ الْمَطَرِ عَنْ اَوَانِ زَمَانِهِ ، وَقَدْ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَدْعُوْهُ ، وَوَعَدَكُمْ اَنْ يَسْتَجِيْبَ لَكُمْ ، ثُمَّ قَالَ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ ، اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ ، وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغاً اِلَى حِيْنٍ ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَزَلْ فِي الرَّفْعِ حَتّٰى بَدَا بَيَاضُ اِبْطَيْهِ ، ثُمَّ حَوَّلَ اِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ ، وَقَلَبَ اَوْ حَوَّلَ رِدَاءَهُ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ، ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ ، وَنَزَلَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ، فَاَنْشَاَ اللّٰهُ سَحَاباً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ، ثُمَّ اَمْطَرَتْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ، فَلَمْ يَاْتِ مَسْجِدَهُ حَتّٰى سَالَتِ السُّيُوْلُ ،

فَلَمَّا رَاَی سُرْعَتَهُمْ اِلَی الْكِنِّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ، فَقَالَ : اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ، وَاَنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ ﴾ (مستدرک حاکم : حدیث ۱۲۲۵) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں بارشیں بند ہونے کی شکایتیں کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر بچھانے کا حکم دیا۔ عیدگاہ میں آپ کے لیے منبر بچھایا گیا اور لوگوں کو ایک دن مقرر کر دیا جس دن سب لوگ جمع ہوں گے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب دھوپ خوب چمک پڑی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ گئے۔ پھر تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی۔ پھر فرمایا ''تم نے اپنے علاقے کی خشک سالی اور وقت پر بارشیں نہ ہونے کی شکایت کی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں حکم دیا ہے کہ تم اس سے دعا مانگو اور تم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہاری دعا کو قبول کرے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا :
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ، اللّٰهُمَّ اَنْتَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ ، اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ ، وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ . (سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ وہ انتہائی مہربان ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ اے اللہ! تو ہی ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو بے نیاز ہے، ہم محتاج ہیں۔ ہم پر بارش نازل فرما اور جو نازل کرے، اسے ہمارے لیے قوت بنا اور ایک وقت تک کفایت کا ذریعہ بنا۔)'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے، اتنے بلند کیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف اپنی پیٹھ کر لی اور اپنی چادر کے دونوں کنارے تبدیل کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ بلند کیے ہوئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور منبر سے نیچے اترے۔ پھر دو رکعتیں ادا کیں۔ اللہ تعالیٰ نے بادل بھیجے (اور دیکھتے ہی

دیکھتے) اللہ کے حکم سے گرج اور چمک کے ہمراہ بارش برسنے لگی۔ آپ ﷺ ابھی مسجد ہی میں تھے کہ ندی نالے بہنے شروع ہو گئے۔ پھر جب آپ ﷺ نے لوگوں کو اپنے گھروں کی طرف بھاگتے دیکھا تو آپ ﷺ مسکرا دیے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔“

سورۂ فاتحہ میں یہ راز موجود ہے کہ اگر اسے تم مچھلی کے پیٹ میں بھی کھو گے تو وہاں بھی تمہارے پاس رزق پہنچ جائے گا۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○﴾ 1

نام سے اللہ کے میں کر رہا ہوں ابتدا
جو بڑا ہے رحم والا مہرباں بے انتہا

بِسْمِ اللّٰهِ اَیْ اَبْتَدِءُ بِكُلِّ اسْمٍ لِلّٰهِ. (اللہ کے نام کے ساتھ۔ یعنی میں اللہ کے ہر نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔)

اسم یہاں مفرد ہے اور معرفہ کی طرف مضاف ہے۔ فَيَعُمُّ جَمِيْعَ الْاَسْمَاءِ الْحُسْنٰى. (یہ اللہ کے تمام اسمائے حسنیٰ کو شامل ہے۔)

﴿اللّٰهِ﴾ قَالَ الْمُبَرِّدُ: هُوَ قَوْلُ الْعَرَبِ: اَلِهْتُ اِلٰى فُلَانٍ اَیْ سَكَنْتُ اِلَيْهِ. (تفسیر البغوی: ۱ / ۷۱) مبرد رحمہ اللہ نے کہا ”یہ عربوں کا قول ہے: الهت الى فلان ای سکنت الیه. یعنی میں نے اس کے پاس سکون محسوس کیا۔“

کیونکہ ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد: ۱۳ / ۲۸) ”آگاہ رہو! اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔“

بعض نے کہا ہے کہ لَاهَ يَلِيْهِ اِذَا احْتَجَبَ، اَوْ لَاهَ يَلُوْهُ اِذَا ارْتَفَعَ. (شرح المقاصد فی علم الکلام: ۲ / ۱۷۲) ”وہ چھپ گیا۔ لاہ یلوہ وہ بلند ہو گیا۔“

...... اِحْتَجَبَ جیسے ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾ (الانعام:

٦ / ١٠٣) ''اس (کی حقیقت) کو نگاہیں نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔''

...... اِرْتَفَعَ جیسے ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ○ ﴾ (طٰه : ٢٠ / ٥) ''وہ رحمٰن ہے، عرش پر مستوی ہے۔''

اللہ، یہ اللہ کا علم ذاتی ہے، جیسے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ . (اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ان تین اسماء (اللہ، رحمٰن، رحیم) کے ذکر کرنے کی حکمت :

فَاِنَّ الْاِلٰهَ هُوَ الْمَاْلُوْهُ الْمَعْبُوْدُ . (تيسير العزيز الحميد : ١ / ٧٤)

''کیونکہ اللہ وہ ہے جس کی عبادت کی جائے۔''

اللہ ہی معبودِ حقیقی ہے۔ یعنی وہی عبادت اور استعانت کے لائق ہے۔

رحمٰن کا مطلب : یہ فَعْلَان کے وزن پر ہے۔ اس وزن پر آنے والی صفت یہ بتاتی ہے کہ کسی ذات سے اس صفت کا صدور بدرجۂ عظیم ہو رہا ہے۔ پس رحمٰن کا مطلب یہ ہوا کہ رحمت کا عظیم فعل بڑی وسعت کے ساتھ صادر ہو رہا ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس سے سیراب ہو رہا ہے۔

رحیم کا مطلب : رحیم بروزن فَعِيْلٌ ہے جو صفت ثابتہ، قائمہ و دائمہ پر دلالت کرتا ہے۔ یہ صفت بتاتی ہے کہ صفت رحمت اپنے موصوف سے کبھی منفک (جدا) نہیں ہوتی۔ جب آدمی اللہ کی صفت رحمٰن کو سنے گا تو سمجھے گا کہ رحمت کی بارش بڑے زور و شور سے ہو رہی ہے اور صفت رحیم کو جب سنے گا تو یہ سمجھے گا کہ رحمت کی بارش لگاتار اور غیر مختتم ہے۔

رحمٰن اور رحیم میں فرق :

① اَلرَّحْمٰنُ يَدُلُّ عَلٰى سَعَةِ رَحْمَةِ اللّٰهِ بِجَمِيْعِ الْخَلْقِ ، وَالرَّحِيْمُ يَدُلُّ عَلٰى رَحْمَةِ اللّٰهِ الْخَاصَّةِ بِالْمُؤْمِنِيْنَ . (رحمٰن کا تعلق

رحمت عامہ سے ہے اور رحیم کا تعلق رحمت خاصہ بالمومنین سے ہے۔)

② اَلرَّحْمٰنُ صِفَةٌ لَا يَتَّصِفُ بِهَا سِوَى اللّٰهِ . (صفت رحمٰن سے کسی مخلوق کو موصوف نہیں کیا جا سکتا۔) جبکہ رحیم کا اطلاق مخلوق پر بھی ہوتا ہے۔

③ اَلرَّحْمٰنَ هُوَ الْمُتَّصِفُ بِالرَّحْمَةِ ، وَالرَّحِيْمُ هُوَ الرَّاحِمُ بِرَحْمَتِهِ . (رحمٰن وہ ہے جو رحمت سے متصف ہو اور رحیم وہ ہے جو اپنی رحمت کے ساتھ رحم کرنے والا ہو۔)

④ ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ ﴾ ''وہ رحمٰن ہے، عرش پر مستوی ہے۔'' اللہ تعالیٰ کے عرش پر استویٰ کی بات آئی تو وہاں صفت رحمٰن کا تذکرہ کیا۔ لِاَنَّ الْعَرْشَ مُحِيْطٌ بِالْمَخْلُوْقَاتِ ، وَالرَّحْمَةُ مُحِيْطٌ بِالْخَلْقِ . (کیونکہ عرش تمام مخلوقات کو گھیرے ہوئے ہے اور رحمت تمام مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔) گویا اللہ اپنی اوسع صفات سے اپنے اوسع مخلوقات (عرش) پر مستوی ہوا۔

⑤ صفت رحمٰن آتی ہے تو یا تو اکیلی آتی ہے، جیسے ﴿ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ ﴾ (الرحمن : ۵۵ / ۱-۲) ''(اللہ) رحمٰن نے۔ قرآن سکھایا۔'' اور دوسری صفت کے ساتھ آتی ہے تو وہ صرف ''الرحیم'' ہے۔ اس کے سوا وہ (صفت رحمٰن) کسی دوسری صفت کے ساتھ نہیں آتی۔

خلاصہ : اَلرَّحْمٰنُ بِجَمِيْعِ الْخَلْقِ ، وَالرَّحِيْمُ بِالْمُؤْمِنِيْنَ . (رحمٰن کا مطلب ہے، تمام مخلوقات پر رحم کرنے والا، جبکہ رحیم کا مطلب ہے، صرف مومنوں پر رحم کرنے والا۔)

''الرحمٰن'' کو ''الرحیم'' پر مقدم کرنے کی وجہ :

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ صفت رحمٰن تمام اصولی نعمتوں پر دلالت کرتی ہے، جبکہ صفت رحیم تمام جزئی ضرورتوں پر دلالت کرتی ہے۔

سوال یہاں ''بسم اللہ'' کیوں کہا، ''باللہ'' کیوں نہیں کہا؟ یعنی بِاللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

الرَّحِیْمِ کہا جاتا۔

(جواب) یہ طریق تعبیر، عام اور معروف ہے۔ جب کسی بادشاہ کے حکم سے یا اس کی خاطر کوئی کام کرنے لگیں جو خالصاً اسی کی جانب منسوب ہو تو بولا جاتا ہے کہ یہ کام میں بادشاہ کے نام سے کرتا ہوں تا کہ یہ بات بالکل واضح ہو جائے کہ یہ کام خالصاً اسی کے حکم سے ہو رہا ہے۔ ﴿وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى﴾ (النحل : ١٦ / ٦٠) ''اور اللہ کے لیے اعلیٰ مثال ہے۔''

اسم : وَالْاِسْمُ هُوَ الْمُسَمّٰى وَعَيْنُهُ وَذَاتُهُ ، قَالَ اللّٰهُ : يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اِۨسْمُهٗ يَحْيٰى . (نام ہی مسمّٰی، اس کی حقیقت اور اس کی ذات ہے۔ فرمان ہے ''اے زکریا! بے شک ہم تمھیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔'')

اَخْبَرَ اَنَّ اسْمَهُ يَحْيٰى ، ثُمَّ نَادَى الْاِسْمَ يَا يَحْيٰى . (اللہ نے خبر دی کہ ان کا نام یحییٰ ہے، پھر نام کو پکارا ''اے یحییٰ!'')

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِذَا قَرَاْتُمْ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ، فَاقْرَءُوْا : بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (الفاتحة : ١) ، اِنَّهَا اُمُّ الْقُرْاٰنِ ، وَاُمُّ الْكِتَابِ ، وَالسَّبْعُ الْمَثَانِیْ ، وَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِحْدَاهَا﴾ (سنن الدار قطنی : كتاب الصلاة ، حديث ١١٩٠) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم سورۂ فاتحہ پڑھو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھو کیونکہ یہ ام الکتاب، ام القرآن اور سبع مثانی ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کی ایک آیت ہے۔''

جب آپ سورۂ فاتحہ پڑھیں تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی پڑھا کریں کیونکہ سورۂ فاتحہ ام القرآن، ام الکتاب، سبع مثانی (سات بار بار پڑھی جانے والی آیات) ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کی ایک مستقل آیت ہے۔ یہ روایت موقوف ہے، اس کی سند حسن ہے،

اس کا مرفوع ہونا خطا ہے۔

2 ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝﴾

وجوہ تعریف : دنیا میں انسان چار وجوہ سے کسی کی تعریف کرتا ہے :

① وہ شخص اپنی ذات وصفات میں کامل ہے۔ عیوب ونقائص سے بری ہے۔

② ماضی میں اس نے احسانات و انعامات کیے ہیں تو گزشتہ احسانوں کی وجہ سے تعریف کرتا ہے۔

③ مستقبل میں اس سے انعامات کی توقع رکھتا ہے۔

④ اس کے غیظ وغضب اور قہر وقدرت سے ڈر کر اس کی تعریف کرتا ہے۔

اللہ کی تعریف : اللہ یہ کہہ رہا ہے کہ......

① اگر تم کمال ذات کی وجہ سے میری تعریف کر رہے ہو تو پھر میری ذات کامل ہے۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

③ اگر گزشتہ نعمتوں کی وجہ سے تعریف کر رہے ہو کہ وہ ساری نعمتیں میں نے تمھیں عطا کی ہیں، لٰہذا میری تعریف کرو۔ اس کی طرف ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے اشارہ ہے۔

③ اگر مستقبل میں نعمتیں حاصل کرنے کے لیے میری تعریف کر رہے ہو تو ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

④ اگر خوف وڈر کی وجہ سے تعریف کر رہے ہو تو اس کی طرف ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝﴾ سے اشارہ ہے۔

حمد کی نقیض، ذم (مذمت) ہے :

① خود اپنی تعریف ناپسندیدہ ہے، تاہم اگر کسی غرض صحیح کی بنا پر کوئی اپنی تعریف کرے تو جائز ہے۔ جیسے عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کے سامنے اپنی تعریف کی تاکہ وہ بغاوت سے باز آجائیں اور ان پر اللہ کی حجت تمام ہو جائے۔

② منہ پر تعریف کرنے سے منع کیا گیا اور بعض روایات میں اس کا جواز ہے۔ تطبیق کی

صورت یہ ہے کہ بے جا تعریف یا تعریف میں مبالغہ یا دنیاوی طمع ہو یا خدشہ ہو کہ اکڑ جائے گا تو منع ہے۔ نیک خصلت پر برقرار رکھنے کے لیے بھی تعریف درست ہے۔

نکتۂ عجیبہ : اِقْتِرَانُ الْعَطَاءِ بِاسْمِ الرَّبِّ بِالْقُرْآنِ الْكَرِيْمِ. (قرآن کریم میں عطا کے ساتھ رب کی صفت آئی ہے۔)

لَمْ يَرِدْ فِي الْقُرْآنِ لَفْظُ الْعَطَاءِ مَعَ اسْمٍ مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ غَيْرَ اِسْمِ الرَّبِّ ، مِثْلُ : رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ، وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ . (پورے قرآن میں لفظ عطا کے ساتھ اللہ کا کوئی اسم نہیں آیا ہے، سوائے اسم رب کے۔)

نکتہ : وَاَصْلُ عَالَمِيْنَ كُلُّ مَا سِوَى اللّٰهِ ، فَلَيْسَ ثَمَّ اِلَّا رَبٌّ وَمَرْبُوْبٌ ، اَلْعَالَمُ : مَرْبُوْبٌ ، وَاللّٰهُ : رَبٌّ ، فَالْعَالَمُ مَنْ سِوَى اللّٰهِ تَعَالَى ، قَوْله تَعَالَى : فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ، وَالْمُرَادُ عَالَمُ زَمَانِهِمْ . (عالمین میں ماسوی اللہ ہر چیز داخل ہے۔ کائنات میں ایک تو رب ہے اور ایک مربوب ہے، لہٰذا عالم مربوب ہے اور اللہ رب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول ''میں نے تمھیں جہانوں پر فضیلت دی'' ان کے زمانے کا عالم مراد ہے۔)

﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ 3

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ میں توحید الوہیت اور توحید ربوبیت ہے۔

﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ میں توحید اسماء وصفات ہے۔

سوال مَا نَوْعُ هٰذِهِ الرَّبُوْبِيَّةِ ؟ هَلْ هِيَ رُبُوْبِيَّةُ اَخْذٍ وَانْتِقَامٍ ، اَمْ رُبُوْبِيَّةُ رَحْمَةٍ وَاِنْعَامٍ ؟ (یہ ربوبیت کی کون سی قسم ہے؟ کیا یہ گرفت اور انتقام کی ربوبیت ہے، یا رحمت اور انتقام کی ربوبیت ہے؟)

جواب رحمت، ربوبیت کی سمۃ بارزہ (نمایاں خصوصیت) ہے۔

سوال رحمٰن کو رحیم پر کیوں مقدم کیا گیا؟

(جواب) اِنَّ الرَّحْمٰنَ دَالٌّ عَلَى الصِّفَةِ الْقَائِمَةِ بِاللّٰهِ ، وَالرَّحِيْمُ دَالٌّ عَلَى رَحْمَتِهِ بِخَلْقِهِ ، اَىْ دَالٌّ عَلَى تَعَلُّقِهَا بِالْمَرْحُوْمِ ، فَالْاَوَّلُ دَالٌّ عَلَى اَنَّ الرَّحْمَةَ صِفَتُهُ ، وَالثَّانِىْ دَالٌّ عَلَى اَنَّهُ يَرْحَمُ خَلْقَهُ بِرَحْمَتِهِ . (لفظ رحمٰن اس صفت پر دلالت کرتا ہے جو اللہ کے ساتھ قائم ہے اور لفظ رحیم اللہ کی اس رحمت پر دلالت کرتا ہے جو رحمت اس کی مخلوق پر ہے۔ یعنی لفظ رحیم، مرحوم کے ساتھ رحمت کے تعلق پر دلالت کرتا ہے۔ پہلا (لفظ رحمٰن) یہ بتاتا ہے کہ رحمت اللہ کی صفت ہے۔ دوسرا (لفظ رحیم) یہ بتاتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق پر اپنی رحمت کے ساتھ رحم کرتا ہے۔)

اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴾ اور اس کے قول ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ پر غور کریں۔

4 ﴿ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ ﴾

(سوال) اللہ نے ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ کہا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ کسی چیز کا مالک اس وقت ہوتا ہے جب شے مملوک موجود ہو، لیکن قیامت ابھی موجود نہیں ہے تو کیا یہ مناسب نہیں تھا کہ مَالِكٌ يَوْمَ الدِّيْنِ (مالک کی تنوین کے ساتھ) کہا جاتا؟ اس دلیل کے مطابق کہ اگر تم اَنَا قَاتِلُ زَيْدٍ کہو تو یہ اقرار ہوگا اور اگر تنوین کے ساتھ اَنَا قَاتِلٌ زَيْدًا کہو تو یہ دھمکی ہوگی۔

(جواب) چونکہ قیام قیامت ایک یقینی چیز ہے اور وہ یقیناً آئے گی تو قیامت کے وجود کو اس شے کی طرح کر دیا گیا جو فی الحال موجود ہو۔

......رب، رحمٰن، رحیم میں ترغیب ہے، نرمی ہے۔

......مالک یوم الدین میں ترہیب ہے، سختی ہے۔

مالک اور مَلِک میں فرق :

مالک وہ ہے جو اپنی مملوکہ چیزوں میں جس طرح چاہے تصرف کرنے پر قادر ہو۔

ملک وہ ہے جو اپنی رعایا میں احکام (امر و نہی) نافذ کرتا ہو۔

﴿ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ﴾ (الانفطار : ۸۲ / ۱۹) ”اس دن کوئی شخص کسی کے لیے کچھ بھی اختیار نہ رکھے گا۔“

دین : لفظ ”الدین“ قرآن میں ۹۲ مرتبہ آیا ہے۔ یہاں اس کا مطلب جزا ہے اور وہ بھی ﴿ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴾ (النبا : ۷۸ / ۲۶) ”(انھیں) پورا پورا بدلہ ملے گا۔“

یوم قیامت کی مقدار : پچاس ہزار سال ہوگی، مگر مومن پر اتنی تخفیف ہوگی جتنی دنیا میں وہ ایک فرض نماز پڑھتا تھا۔ (مسند ابو یعلی : ۱۳۹۰) یا سورج کے مائل بہ غروب ہونے سے اس کے غروب ہونے تک کا دورانیہ۔ (مجمع الزوائد :)

دنیا میں راحت اور مصیبت کا آنا مکمل جزا و سزا نہیں۔

﴿ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى ﴾ (السجدة : ۳۲ / ۲۱) ”اور ہم انھیں (دنیا کا) چھوٹا عذاب ضرور چکھائیں گے۔“

کیونکہ ان کے جرائم کے مقابلے میں ان کی سزا کم ہوتی ہے اور بھلائیوں کے مقابلے میں راحت کم ہوتی ہے، اس لیے ایک جہان کی ضرورت ہے جہاں مجرموں کو ان کے جرموں کی پوری سزا دی جائے اور نیک لوگوں کو ان کی نیکیوں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے۔

دین وملت اور مذہب : دین وملت متحد بالذات اور مختلف بالاعتبار ہیں کیونکہ شریعت بحیثیت اطاعت ”دین“ ہے، بحیثیت ضبط اور تحریر ”ملت“ ہے اور جس حیثیت سے اس کی طرف رجوع کیا جائے، وہ ”مذہب“ ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ دین اللہ کی طرف، ملت نبی کی طرف اور مذہب مجتہد کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

خلاصہ :

① جو عقائد اور اصول تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہیں، جیسے توحید، رسالت، قیامت، قتل، زنا کی حرمت، اس کا نام دین ہے۔

② زمانے میں مخصوص حالات کے اعتبار سے عبادات اور نظام حیات کے جو مخصوص

احکام بتائے گئے ہیں، وہ شریعت ہے۔

③ اس عقائد اور نظام حیات وغیرہ کو مدون ومنضبط کرنا ملت ہے۔

④ کتاب وسنت سے مجتہد نے جو استنباط کیے، وہ مذہب ہے۔

⑤ کسی مخصوص درس گاہ کے نظریات کو مکتب فکر کہا جاتا ہے۔

⑥ مشائخ طریقت نے جو اوراد و وظائف کے مخصوص طریقے بتائے، وہ مسلک و مشرب ہے۔

کوئی اس طرح کہے:

......دین کے اعتبار سے مسلمان ہیں۔

......شریعت کے اعتبار سے محمدی ہیں۔

......مذہب کے اعتبار سے ماتریدی وحنفی ہیں۔

......مسلک ومشرب کے اعتبار سے قادری ہیں۔

......مکتب فکر کے اعتبار سے بریلوی ہیں۔

5 ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○﴾

یہاں ﴿نَعْبُدُ﴾ اور ﴿نَسْتَعِيْنُ﴾ جمع متکلم کے صیغے لائے گئے۔ هٰذَا اِشَارَةٌ اِلَى اَهْمِيَّةِ الْجَمَاعَةِ فِى الْاِسْلَامِ . (اس میں اسلام میں جماعت کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔) کہ۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

سوال اللہ نے ہمیں کیوں پیدا کیا؟

جواب اپنی عبادت کے لیے۔

سوال عبادت کا مقصد کیا ہے؟

جواب حصول تقویٰ۔

اَلْعِبَادَةُ : فِعْلُ مَا يَرْضَى بِهِ اللّٰهُ . (ہر وہ فعل جس سے اللہ عزوجل راضی ہو، عبادت ہے۔)

(سوال) یہاں ﴿ اِیَّاکَ ﴾ کہا، اِیَّاہُ کیوں نہیں کہا؟

(جواب) هٰذَا مُنَاسِبٌ لِحَالِ الْعَبْدِ مَعَ رَبِّهِ . (یہ رب کے ساتھ بندے کے حال کے مناسب ہے۔)

فَهُوَ وَاقِفٌ بَيْنَ يَدَيْهِ يَدْعُوْهُ بِالتَّذَلُّلِ وَالْاِخْبَاتِ ، وَيَقْرَعُ بِالضَّرَاعَةِ بَابَ الرَّحْمَةِ . (گویا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوا ہے اور عاجزی اور انکسار کے ساتھ اس سے دعا کرتا ہے اور گڑگڑا کر رحمت کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے۔)

(سوال) نَسْتَعِيْنُ عَلَى مَاذَا ؟ (کس چیز پر ہم مدد طلب کرتے ہیں؟)

(جواب) عَلَى كُلِّ شَيْءٍ ، فِيْ كُلِّ شَيْءٍ . (ہر چیز پر اور ہر چیز میں۔)

﴿ اِیَّاکَ نَعْبُدُ ﴾ میں تَبَرُّؤٌ مِنَ الشِّرْكِ (شرک سے بے زاری) ہے۔

﴿ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ میں تَبَرُّؤٌ مِنَ الْحَوْلِ وَالْقُوَّةِ ، وَتَفْوِيْضُ الْاَمْرِ اِلَى اللّٰهِ الْوَاحِدِ الصَّمَدِ (طاقت وقوت سے دست برداری اور معاملے کو ایک بے نیاز اللہ کو سونپ دینا) ہے۔

یعنی اے میرے رب! میرے اندر کوئی طاقت وقوت نہیں ہے اور میں اپنے تمام معاملات تجھے سونپتا ہوں۔

﴿ اِیَّاکَ نَعْبُدُ ﴾ مبنی علی الالوہیہ ہے۔

﴿ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ مبنی علی الربوبیہ ہے۔

﴿ نَسْتَعِیْنُ ﴾ ظاہری اسباب سے مدد لینا توحید کے منافی نہیں۔ جیسے اگر کوئی کسی سے پانی مانگ کر پی لے تو ایسی مدد لینا جائز ہے کیونکہ اس میں مادی وسائل کا دخل ہے۔

عبادت، غایت (بندے کا مقصد حیات اور اس کی منزل) ہے، جبکہ استعانت،

وسیلہ ہے، نیز اَلْعِبَادَةُ حَقُّ اللّٰهِ ، وَالْاِسْتِعَانَةُ طَلَبُ الْعَوْنِ عَلَى الْعِبَادَةِ . (عبادت، اللہ کا حق ہے۔اور استعانت، عبادت پر مدد مانگنے کا نام ہے۔)

سوال استعانت کس سے جائز ہے؟

جواب فِيْمَا يَثْبُتُ اَنَّ بِهِ الْعَوْنَ . (جس کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ مدد کر سکتا ہے۔)

قلب کو دو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں، ریا اور تکبر۔ اگر ان کا تدارک نہ ہوا تو دل کی دنیا تباہ ہو جائے گی۔ ریا کا علاج ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ میں ہے اور تکبر کا علاج ﴿ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ میں ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہا کرتے تھے "﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ ریا کو دور کرتا ہے اور ﴿ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ تکبر کو۔"

استعانت، عون سے ماخوذ ہے۔ ہر وہ چیز جو تمہاری مدد کرے، وہ عون ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ جب قحط آتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے اعوان (ٹڈیاں، مکھیاں، بیماریاں) آتے ہیں۔

دو اہم عمل :

① الاخلاص : ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ میں اخلاص ہے۔

② التوکل : ﴿ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ میں توکل ہے۔

سوال عبادت کیا ہے؟ یہ کیسے معلوم ہوگا؟

جواب اَلْعِبَادَةُ غَايَةُ الْحُبِّ بِغَايَةِ الذُّلِّ وَالْخُضُوْعِ . (عبادت نام ہے انتہائی محبت، انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ۔)

عبادت کا پتہ، طریق رسل (رسولوں کے طریقے) ہی سے ملے گا۔

محبت ہو مگر خضوع نہ ہو تو عابد نہیں۔ اسی طرح خاضع ہو مگر محب نہ ہو تو وہ بھی عابد نہیں۔ کوئی عابد، اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ محب خاضع نہ ہو۔

لُزُوْمُ اِيَّاكَ نَعْبُدُ اِلَى الْمَوْتِ . (اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت زندگی کی آخری سانس تک ۔) اللہ عز وجل نے فرمایا: ﴿ وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ ﴾ (الحجر : ١٥ / ٩٩) ''اور آپ اپنے رب کی عبادت کریں، یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین (موت) آجائے۔''

عبادت کس طرح کی جائے؟ : ﴿اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ﴾ (صحیح البخاری : کتاب الایمان ، حدیث ٥٠) ''اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔''

حکمت یہ ہے کہ عبادت میں صعوبت و مشقت ہوتی ہے، لیکن عابد کی نگاہ معبود کے جمال پر ہو تو مشقت کا پتہ نہیں چلتا۔ جس طرح زنان مصر نے حسن یوسف پر نظر پڑتے ہی اپنی انگلیاں کاٹ لیں اور انھیں درد نہ ہوا۔ ایک انصاری صحابی (عباد بن بشر رضی اللہ عنہ) کو تیر لگا، مگر وہ نماز پڑھتے رہے۔ (صحیح البخاری : کتاب المغازی) ایک واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ نماز میں تتیا نے آپ کو سترہ مرتبہ ڈنک مارا، مگر وہ محو نماز رہے۔

﴿نَعْبُدُ﴾ میں صیغۂ جمع لانے کی حکمت کہ عجب و تکبر کا وہم نہ ہو۔ یعنی میں تیرے عبادت گزار بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔ اس میں انکسار و تواضع ہے۔

عابد نے اپنی عبادت کو ناقص جانا۔ اسے عابدوں کی عبادت کے ساتھ درج کر دیا، اس امید سے کہ تمام عبادات مسترد نہ ہوں گی کیونکہ ان میں مقبولین کی بھی عبادتیں شامل ہیں۔

فلسفہ : تنہا نماز پر جماعت کی نماز ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے۔

کلام کو غیبوبت سے خطاب کی طرف پھیرنے کے اسرار : بلاغت کا ایک اسلوب ہے کہ کلام کے پیرائے کو صیغۂ غائب سے خطاب کی طرف منتقل کر دیا جائے۔ اسے اصطلاح میں ''التفات'' کہتے ہیں کیونکہ آدمی مسلسل ایک ہی طرز میں بات سننے سے اکتا

جاتا ہے۔ کلام کا پیرایہ تبدیل ہو تو سننے والے کا ذہن بیدار ہو جاتا ہے۔ اس کا شوق برقرار رہتا ہے اور اس کا تجسس بڑھتا رہتا ہے۔

نکتۂ التفات : حمد و ثنا کی تو بارگاہ الٰہی میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی کہ اب جو کہنا ہے، میرے سامنے کہو۔ تعریف میں اصل یہ ہے کہ غیوبت میں کی جائے اور سوال میں اصل ہے کہ بالمشافہ ہو، حضور میں ہو۔

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ○﴾ 6

① ثَبِّتْنَا عَلَى الْهُدَى . (ہمیں ہدایت پر ثابت قدم رکھ۔)

② زِدْنَا هُدىً . (ہماری ہدایت میں اضافہ کرتا رہ۔)

...... اِهْدِنَا اِلَى : راستے سے باہر ہیں۔

...... اِهْدِنَا لِ : منزل پر پہنچ چکے۔

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ﴾ چل رہے ہیں اور منزل پر پہنچنا چاہتے ہیں۔

﴿اِهْدِنَا﴾ (ہدایت دے۔) سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت، اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے۔

﴿اِهْدِنَا﴾ طَلَبُ الْهِدَايَةِ اِلَى الصِّرَاطِ بِصِفَةِ الرَّحْمَةِ . (صفت رحمت کے حوالے سے صراط مستقیم کی طرف ہدایت طلبی۔)

صراط مستقیم سے انحراف کے دو کنارے ہیں۔ ایک کنارے کی طرف انحراف، فساد علم و اعتقاد ہے۔ دوسرا وہ غضب ہے جس کا سبب فساد القصد والعمل ہے۔

"لفظ صراط صَرَطْتُ الشَّيْءَ سے مشتق ہے۔ جب آپ کسی چیز کو آسانی سے نگل جائیں۔ صراط کے لیے پانچ اوصاف کا ہونا ضروری ہے : ① سیدھا ہو، ② آسان ہو، ③ رکاوٹ نہ ہو، ④ کشادہ ہو، ⑤ منزل مقصود تک پہنچانے والا ہو۔ عرب ٹیڑھے، مشکل، بند، تنگ اور منزل مقصود تک نہ پہنچانے والے راستے کو صراط نہیں کہتے۔" (بدائع الفوائد لابن القیم : ٢ / ١٦)

سیدھے راستے کی خصوصیات :

① سب سے مختصر ہوتا ہے۔

② سیدھے راستے پر چلنا سہل ہوتا ہے۔

③ سیدھے راستے کو سمجھنا آسان ہوتا ہے۔

④ سیدھا راستہ ہی فطری راستہ ہوتا ہے۔

⑤ ایک مقام سے دوسرے مقام تک ایک ہی سیدھا راستہ ہو سکتا ہے۔

کم از کم سترہ بار ہدایت کی دعا پنج وقتہ فرض نمازوں میں ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان اس راستے سے ہٹانے کے لیے اسی راستے پر بیٹھا ہوا ہے اور ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔

﴿ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ (الاعراف : ۷ / ۱۶) ''میں قسم کھاتا ہوں کہ ان (لوگوں کو گمراہ کرنے) کے لیے تیرے سیدھے راستے پر ضرور بیٹھوں گا۔''

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا ﴾ (سورۃ آل عمران : ۳ / ۸) ''اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔''

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ﴾ اِذَا اشْتَدَّ الْاِخْتِلَافُ . (جب اختلاف بڑھ جائے۔) تو یہ دعا کریں۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ سب سے افضل اور انفع دعا، طلب ہدایت ہے۔ (مدارج السالکین : ۱ / ۱۰۰)

نکتہ : سب سے عظیم شکر، حمد ہے۔اللہ کی سب سے عظیم صفتیں، رحمٰن اور رحیم ہیں۔اللہ کا سب سے بڑا حق ، العبادۃ بالاخلاص والمتابعۃ (اللہ کی عبادت اخلاص اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) ہے۔ بندے کی سب سے بڑی خوش قسمتی ، استعانت (اللہ سے مدد طلب کرنا) ہے۔سب سے عظیم دعا ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ﴾ ہے۔

7 ﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ ... وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○ ﴾

﴿ الْمَغْضُوْبِ ﴾ کا لفظ صرف ایک بار اور ﴿ الضَّآلِّيْنَ ﴾ کا لفظ کل آٹھ بار آیا ہے۔

دو بیماریاں خطرناک ہیں، ضلال (گمراہی) اور غضب (اللہ کا غضب)۔

......ضلال، فسادِ علم کا نتیجہ ہے۔

......غضب، فسادِ قصد کا نتیجہ ہے۔

﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ﴾ هُمْ اَهْلُ فَسَادِ الْقَصْدِ ، الَّذِيْنَ عَرَفُوا الْحَقَّ وَعَدَلُوْا عَنْهُ . (یہ فسادِ قصد والے ہیں جنھوں نے حق کو پہچانا، مگر اس سے ہٹ گئے۔)

﴿ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ هُمْ اَهْلُ فَسَادِ الْعِلْمِ ، الَّذِيْنَ جَهِلُوا الْحَقَّ وَلَمْ يَعْرِفُوْهُ . (یہ فسادِ علم والے ہیں جو حق سے جاہل رہے اور اسے پہچانا نہیں۔)

ضلال : استقامت کا عکس، ضلال ہے۔ ضلال سے مراد ہے، طریقِ مستقیم کو چھوڑ دینا، خواہ عمداً ہو یا سہواً۔

......سہواً ہو، جیسے ﴿ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴾ (الشعراء : ٢٦ / ٢٠) ''اس (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا، میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جبکہ میں راہ بھولے ہوئے لوگوں میں سے تھا۔''

......عمداً ہو، جیسے ﴿ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ○ ﴾ (یوسف : ١٢ / ٩٥) ''وہ بولے، اللہ کی قسم! بلاشبہ آپ اپنی قدیم غلطی پر ہیں۔''

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نگاہ میں یوسف علیہ السلام کے تئیں یعقوب علیہ السلام کی محبت بے جا تھی، طریقِ مستقیم سے کجی تھی۔

ضلال کی اقسام :

① نسیان کے معنی میں ہو، جیسے ﴿ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا ﴾ (البقرة : ٢ / ٢٨٢) ''اگر دونوں میں سے ایک بھول جائے۔''

② غفلت کے معنی میں ہو، جیسے ﴿ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴾ (طه : ٢٠ / ٥٢)
"میرا رب نہ تو غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔"

علم وعمل کے اعتبار سے ضلال کی دو قسمیں ہیں :

① عبادات واحکام شرعیہ میں صحیح راہ سے بھٹک جانا، فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ ﴾ (النساء : ٤ / ١٦٧) "بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا، یقیناً وہ دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں۔"

② اللہ کی معرفت، اس کی وحدانیت، نبوت ورسالت میں کوئی شخص صحیح راہ سے بھٹک جائے۔ ارشاد فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴾ (النساء : ٤ / ١٣٦) "اور جو شخص اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کرے تو وہ یقیناً بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔"

راستے (صراط مستقیم) کا ذکر ہوا۔ اس کے تعلق سے تین گروہوں کا تذکرہ ہوا :

① منعم علیہم : انھوں نے راستے کو پہچانا اور اس پر چلے۔

② مغضوب علیہم : انھوں نے راستے کو پہچانا، مگر وہ اس راستے پر آئے ہی نہیں۔

③ ضالین : انھوں نے راستے کو پہچانا ہی نہیں۔

نکتہ : سورۂ فاتحہ میں محبت، رجاء اور خوف، تینوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ میں محبت ہے۔

﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ میں رجاء (امید) ہے۔ اَیْ نَرْجُوْ رَحْمَةَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمٰنِ . (یعنی ہم اللہ کی رحمت کی امید کرتے ہیں، اس کی صفت رحمٰن سے۔)

﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ میں خوف ہے۔ التَّخَوُّفُ مِنْ يَوْمِ الْقِيَامَةِ . (قیامت کے دن سے خوف۔)

یہ سب، عبادت کے ارکان ہیں جو سورۂ فاتحہ کی ابتدا میں ذکر کر دیے گئے ہیں۔

اللہ نے اپنے بندوں اور اپنے رسولوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسٰرِعُونَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ﴾ (الانبياء : ٢١ / ٩٠) ''بے شک وہ (انبیاء علیہم السلام) نیکیوں میں جلدی کرتے اور ہمیں خوف اور ڈر سے پکارا کرتے تھے۔'' اسی طرح فرمایا: ﴿ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ﴾ (السجدة : ٣٢ / ١٦) ''وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔''

نکتہ : سورۂ فاتحہ میں دس چیزیں ہیں، پانچ اللہ کے لیے اور پانچ بندے کے لیے۔

......اللہ کے لیے : رب، رحمٰن، رحیم، مالک یوم الدین، عبادت۔

......بندوں کے لیے : استعانت (مدد طلب کرنا)، ہدایت طلب کرنا، استقامت (صراط مستقیم پر جمے رہنا) طلب کرنا، نعمت طلب کرنا۔

وضاحت :

① ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں کیونکہ تو اللہ ہے۔

② ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں کیونکہ تو رب ہے۔

③ ہم تجھ سے ہدایت طلب کرتے ہیں کیونکہ تو رحمٰن ہے۔

④ اور ہم تجھ سے اس راستے پر استقامت مانگتے ہیں کیونکہ تو رحیم ہے۔

⑤ وَافِضْ عَلَيْنَا سِجَالَ نِعَمِكَ وكَرَمِكَ لِأَنَّكَ مَالِكُ يَوْمِ الدِّيْن . (اور ہمارے اوپر اپنی نعمتوں اور اپنے کرم کے ڈول کو انڈیل دے کیونکہ تو مالک یوم الدین ہے۔)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے :

① توحید : حَاصِلَةٌ مِنْ تَجَلِّیْ نُوْرِ اسْمِ اللّٰهِ . (یہ اللہ کے نام کے نور کی تجلی سے حاصل ہونے والا ہے۔)

② اقامت صلوٰۃ : ربوبیت ہے کیونکہ بندے کے توحید و ایمان کی تربیت، نماز سے ہے۔

③ ایتاء الزکوٰۃ : اس میں رحمت ہے۔

④ صوم رمضان : لِاَنَّ الصَّائِمَ اِذَا جَاعَ تَذَكَّرَ جُوْعَ الْفُقَرَاءِ ، فَيُطْعِمُهُمْ مَا يَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ . (کیونکہ روزے دار جو بھوکا ہوتا ہے تو وہ غریبوں کی بھوک کو یاد کرتا ہے اور انھیں ضرورت کی چیزیں کھلاتا ہے۔)

⑤ حج : مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ . (قیامت کے دن کا مالک ہے۔) کیونکہ حج میں مفارقۃ الوطن (وطن سے جدائی) ہے۔حج میں سب ایک ہی لباس میں ہوتے ہیں جو قیامت کو یاد دلاتا ہے کہ سب ننگے ہوں گے۔ وَذٰلِكَ يُشْبِهُ سَفَرَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ . (یہ یوم قیامت کے سفر کے مشابہ ہے۔)

حواس خمسہ ظاہرہ :

① ادب البصر (قوت باصرہ......آنکھ......کا ادب) : فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ . (تو اے آنکھوں والو! عبرت پکڑو۔)

② ادب السمع (قوت سامعہ......کان......کا ادب) : الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ . (جو غور سے بات سنتے اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔)

③ ادب الذوق (قوت ذائقہ کا ادب) : كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ . (تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں عطا کیں۔)

④ ادب الشم (قوت شامہ کا ادب) : وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ . (اور اپنے کپڑے پاک رکھیے۔)

⑤ ادب اللمس (قوت لامسہ......چھونے والی قوت......کا ادب) : وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ . (اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔)

سورۂ بقرہ

① زَهْرَاءُ ، اَيِ الْمُضِيْئَةُ لِاَنَّهَا تُنِيْرُ طَرِيْقَ الْهِدَايَةِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ . (اس کا نام زہراء ہے جس کا مطلب ہے، روشن کرنے والی! کیونکہ وہ دنیا

اور آخرت میں ہدایت کے راستے کو روشن کرتی ہے۔)

② اِنَّ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ مَا هِيَ اِلَّا شَرْحٌ تَفْصِيْلِيٌّ لِقِصَّةِ آدَمَ. (سورۂ بقرہ قصہ آدم کی تفصیلی شرح ہے۔)

③ یہ سورت ایمان سے شروع اور ایمان پر ختم ہوتی ہے۔ پس اہم چیز عقیدہ ہے اور اعتقاد، عمل قلب ہے، لہٰذا قلب کی اصلاح پہلے ضروری ہے۔

④ سورۂ بقرہ کے جزو اول میں تین قصے بیان کیے گئے ہیں : قصہ آدم، قصہ بنی اسرائیل اور قصہ ابراہیم ۔ ان میں ایک چیز اختبار للطاعۃ (اطاعت کا امتحان) مشترک ہے ۔ آدَمُ بِالْاَكْلِ مِنَ الشَّجَرَةِ ، بَنِيْ اسْرَائِيْلَ فِيْ ذَبْحِ الْبَقَرَةِ ، اِبْرَاهِيْمُ لِاخْتِبَارَاتٍ كَثِيْرَةٍ فَاَتَمَّهَا . (آدم علیہ السلام کو درخت کے کھانے سے آزمایا گیا، بنی اسرائیل کو ذبح بقرہ سے آزمایا گیا اور ابراہیم علیہ السلام کو بہت زیادہ آزمائشوں میں ڈالا گیا اور وہ تمام آزمائشوں میں پورے اترے۔)

اِخْتِبَارُ آدَمَ كَانَ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ . (آدم علیہ السلام کا امتحان اللہ کی تابع داری میں تھا کہ وہ درخت کا پھل کھائیں گے کہ نہیں۔)

وَاخْتِبَارُ بَنِيْ اسْرَائِيْلَ فِيْ طَاعَتِهِمْ لِاَوَامِرِ اللّٰهِ مِنْ خِلَالِ رَسُوْلِهِ ، (بنی اسرائیل کا امتحان رسول کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکموں کی تابع داری تھی۔)

وَاخْتِبَارُ اِبْرَاهِيْمَ فِيْ ذَبْحِ ابْنِهِ اِسْمَاعِيْلَ . (ابراہیم علیہ السلام کا امتحان اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے میں تھا۔)

خلاصہ : اِنَّ الْاُمَّةَ مَسْئُوْلَةٌ عَنِ الْاَرْضِ وَالْفَرْدُ اَيْضاً مَسْئُوْلٌ ، وَلِلْقِيَامِ بِهٰذِهِ الْمَسْئُوْلِيَّةِ هُوَ مُحْتَاجٌ لِلْعِبَادَةِ وَلِلْاَخْذِ بِالْعِلْمِ وَالتِّكْنُوْلُوْجِيَا . (زمین کے بارے میں جس طرح پوری امت مسئول ہے، اسی طرح ہر فرد بھی مسئول ہے اور اس ذمے داری کو ادا کرنے کے لیے وہ عبادت، علم اور

ٹیکنالوجی کی تحصیل کا محتاج ہے۔)

⑤ سورت کے صدر میں قصہ آدم علیہ السلام وحوا جو آیا ہے، بقیہ سورت اسی کی تفصیل ہے۔

⑥ اس سورت میں انسانوں کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں: (ا) مومنین، (۲) کافرین اور (۳) منافقین۔

......کافر وہ ہے جو کفر کو ظاہر کرے۔

......مسلم وہ ہے جو اسلام کو ظاہر کرے۔

......مرتد وہ ہے جو اسلام سے کفر کی طرف پلٹ جائے۔

......منافق وہ ہے جو ظاہر میں مسلمان اور باطن میں کافر ہو۔

......زندیق وہ ہے جو اسلام کا ملمع اپنے کفریہ عقائد پر چڑھائے۔

نکتہ: پانچ آیات صفات متقین، دو آیات صفات کفار، پھر تیرہ آیات منافقین کے بارے میں ہے۔ متقین کی سب سے اہم صفت ''ایمان بالغیب'' ہے۔

دو منافق:

① جو دل سے قطعی منکر تھے اور دنیاوی مصلحت کی وجہ سے مسلمان ہو گئے۔

② جو شک وتذبذب میں مبتلا تھے۔ مال غنیمت اور زکوٰۃ کو دلی رغبت سے قبول کرتے اور اسلام کی راہ میں جہاد وآزمائش قبول کرنے سے بھاگتے تھے۔

تشریع جنائی: ﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞ ﴾ یہ تقویٰ پر ختم ہے۔

ترکات ووصایا: ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ اِۨلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۞ ﴾ یہ بھی تقویٰ پر ختم ہے۔

تشریع تعبدی: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞ ﴾ یہ بھی تقویٰ پر ختم ہے۔

2

﴿ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ ○﴾

نَفْيُ الرَّيْبُ عَنْهُ يَسْتَلْزِمُ ضِدَّهُ ، وَهُوَ الْيَقِيْنُ . (شک کی نفی اس کی ضد یعنی یقین کو مستلزم ہے۔) یعنی اس کتاب میں کوئی شک نہیں بلکہ یقین ہی یقین ہے۔

شک اور ریب میں فرق : اَلشَّكُّ التَّرَدُّدُ بَيْنَ النَّقِيْضَيْنِ مِنْ دُوْنِ تَرْجِيْحِ اَحَدِهِمَا عَلَى الْآخَرِ عِنْدَ الشَّاكِّ ، اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، اَمَّا الرَّيْبُ : (۱) اَدْنٰى دَرَجَاتِ الشَّكِّ ، (۲) اَوَّلُ دَرَجَاتِ الشَّكِّ ، (۳) هُوَ الشَّكُّ مَعَ الْاِضْطِرَابِ . (دو نقیضوں کے درمیان شک کرنے والا اس طرح پس و پیش میں ہو کہ وہ ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے سکے، جیسے ''کیا (تمھیں) اس اللہ کی بابت شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟'' لیکن ریب کا پہلا معنیٰ ''شک کا ادنیٰ درجہ'' ہے، دوسرا معنیٰ ''شک کا پہلا درجہ'' ہے اور تیسرا معنیٰ ''بے چینی کے ساتھ شک'' ہے۔)

﴿لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ﴾ اَيْ لَا رَيْبَ فِيْ صِحَّتِهِ وَلَا فِيْ كَوْنِهِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَلَا فِيْ كَوْنِهِ مُعْجِزاً . (یعنی اس کی صحت میں کوئی شک ہے، نہ اس کے اللہ کی طرف سے ہونے میں کوئی شک ہے اور نہ اس کے معجزہ ہونے میں کوئی شک ہے۔)

اِنَّ هٰذَا نَفْيُ الرَّيْبِ عَنِ الْكِتَابِ لَا عَنِ النَّاسِ . (یہ کتاب سے ریب کی نفی ہے، لوگوں سے نہیں۔) یعنی کتاب میں کوئی شک نہیں، لیکن لوگ اپنی جہالت اور کم فہمی کی وجہ سے شک کرتے ہیں۔

اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَرْءِ عَيْنٌ صَحِيْحَةٌ
فَلَا غَرْوَ اَنْ يَرْتَابَ وَالصُّبْحُ مُسْفِرُ

''جب آدمی کی آنکھ صحیح نہ ہو تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ صبح روشن میں بھی شک کرے۔''

2 ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾

اَلتَّقْوٰى : اَنْ لَا يَرَاكَ اللّٰهُ حَيْثُ نَهَاكَ ، وَلَا يَفْقُدُكَ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكَ . (تفسير الثعلبى : ١ / ١٤٤) ”تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تجھے وہاں نہ دیکھے جہاں اس نے تجھے منع کیا ہے۔“ اور تمھیں غائب نہ پائے اس جگہ سے جہاں اس نے تمھیں حکم دیا ہے۔

وَسُئِلَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا (التَّقْوٰى) ، قَالَ : هِيَ الْخَوْفُ مِنَ الْجَلِيْلِ ، وَالْعَمَلُ بِالتَّنْزِيْلِ ، وَالْقَنَاعَةُ بِالْقَلِيْلِ ، وَالْاِسْتِعْدَادُ لِيَوْمِ الرَّحِيْلِ . (سبل الهدى والرشاد للشامى : ١ / ٤٢١) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا ”تقویٰ نام ہے : ① اللہ سے ڈرے، ② قرآن پر عمل کرے، ③ تھوڑی چیز پر قناعت کرے، ④ کوچ کے دن کے لیے تیاری کرے۔“

(سوال) متقین تو پہلے سے ہدایت یافتہ ہیں، لہٰذا اس سے تحصیل حاصل لازم آیا؟

(جواب) ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ کا مطلب ہے، وہ لوگ اس قرآن سے ہدایت حاصل کر کے متقین ہو گئے۔

روشنی سب کے لیے ہے مگر حقیقی فائدہ بینا ہی اٹھاتا ہے، اندھا نہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

”اگر دن میں چمگادڑ کو نظر نہ آئے تو اس میں سورج کا کیا قصور!“

3 ﴿ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ... ﴾

الْاِيْمَانُ فِي اللُّغَةِ : التَّصْدِيْقُ . (یعنی ایمان لغت میں تصدیق کا نام ہے۔)

یہ باء اور لام کے ذریعے متعدی ہوتا ہے، جیسے ﴿ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ﴾، ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا ﴾ اور ﴿ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰى ﴾ ہے۔

وَقَدْ يُطْلَقُ بِمَعْنَى الْوُثُوْقِ . (اور کبھی پختگی کے معنی میں آتا ہے۔)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : يُؤْمِنُوْنَ : يُصَدِّقُوْنَ . (تفسیر الطبری : ۱ / ۲٤۰)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''یومنون کے معنی ہیں، وہ تصدیق کرتے ہیں۔''

آمن به اور آمن له میں فرق : آمَنَ لَهُ ، اَىْ صَدَّقَهُ ، كَمَا قَالَ اللّٰهُ : وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا ، اَىْ بِمُصَدِّقٍ لَهَا .

آمَنَ بِهِ ، اَىْ اِتَّبَعَهُ وَاتَّبَعَ دَعْوَتَهُ .

﴿ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ **نماز کی نو شرطیں ہیں** : ① مسلمان ہونا، ② عاقل ہونا، ③ سن تمیز کو پہنچنا، ④ حدث سے پاک ہونا، ⑤ نجاست سے پاک ہونا، ⑥ ستر پوشی کرنا، ⑦ نماز کے وقت کا داخل ہونا، ⑧ قبلے کی طرف رخ کرنا، ⑨ نیت کرنا۔

نماز کے آٹھ واجبات ہیں : ① تکبیر تحریمہ کے سوا نماز کی ساری تکبیریں، ② امام اور منفرد کے لیے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہنا، ③ امام، مقتدی اور منفرد ہر ایک کے لیے رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہنا، ④ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہنا، ⑤ سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہنا، ⑥ دونوں سجدوں کے درمیان رَبِّ اغْفِرْ لِيْ کہنا، ⑦ پہلا تشہد پڑھنا، ⑧ پہلے تشہد کے لیے بیٹھنا۔

نماز کے چودہ ارکان ہیں : ① اگر طاقت ہو تو قیام کرنا، ② تکبیر تحریمہ کہنا، ③ سورۂ فاتحہ پڑھنا، ④ رکوع کرنا، ⑤ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا، ⑥ سات اعضاء پر سجدہ کرنا، ⑦ سجدے سے سر اٹھانا، ⑧ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا، ⑨ نماز کے تمام افعال میں اطمینان کو ملحوظ رکھنا، ⑩ سارے ارکان کو ترتیب سے انجام دینا، ⑪ آخری تشہد کا پڑھنا، ⑫ آخری تشہد کے لیے بیٹھنا، ⑬ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا، ⑭ دونوں طرف سلام پھیرنا۔

نماز کو باطل کرنے والی چیزیں آٹھ ہیں : ① نماز کی حالت میں جان بوجھ کر بات چیت کرنا، ② ہنسنا، ③ کھانا، ④ پینا، ⑤ بے ستر ہو جانا، ⑥ قبلے کے رخ سے زیادہ

مائل ہوجانا، ⑦ نماز میں کثرت کے ساتھ پے در پے بے جا حرکتیں کرنا، ⑧ وضو کا ٹوٹ جانا۔

(سوال) کیا مدرک رکوع، مدرک رکعت ہے؟

(جواب) ﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلَاةَ﴾ (مسلم : کتاب المساجد ومواضع الصلاة ، حدیث ٦٠٧)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے امام کے ساتھ نماز کی ایک رکعت پالی، اس نے نماز پالی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکعت کا پانا ہی نماز کا پانا ہے اور رکعت میں قیام، قراءت، رکوع، سجدہ، تشہد وغیرہ شامل ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جس نے رکوع، سجدہ یا تشہد پالیا تو اس نے نماز پالی۔

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ، قَالَ : لَا یُجْزِئُكَ اِلَّا اَنْ تُدْرِکَ الْاِمَامَ قَائِماً﴾ (جزء القراءة للبخاری : حدیث ١٣١) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تیری رکعت اس وقت تک کافی نہیں ہوتی جب تک تو امام کو حالت قیام میں نہ پالے۔''

اس اثر سے بھی مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ رکوع پانے والا رکعت کو پانے والا نہیں ہوتا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسی کے قائل ہیں۔

4 ﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ ... هُمْ یُوْقِنُوْنَ ○﴾

یہ آیت ختم نبوت کی دلیل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی وحی کا نزول ممکن ہوتا تو بعد میں آنے والی وحی پر ایمان لانا ضروری ہوتا۔ یعنی یوں کہا جاتا : وَالَّذِیْنُ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَما اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَمِنْ بَعْدِکَ .

اس میں قادیانیت کا رد ہے۔

ایمان ویقین : اَلْاِیْمَانُ لُغَۃً - التَّصْدِیْقُ . (لغت میں ایمان کا معنی تصدیق ہے۔)

وَاصْطِلَاحاً - تَصْدِیْقٌ بِالْجَنَانِ (الْقَلْبِ) ، وَقَوْلٌ بِاللِّسَانِ ، وَعَمَلٌ بِالْاَرْکَانِ (الْجَوَارِحِ) . (اصطلاح شریعت میں تین چیزوں کے مجموعے کا نام ایمان ہے : ① دل سے تصدیق ، ② زبان سے اقرار ، ③ اعضاء و جوارح سے عمل ۔)

﴿ اُنْزِلَ اِلَیْنَا ﴾ اور ﴿ اُنْزِلَ عَلَیْنَا ﴾ میں فرق :

① اِنَّ حَرْفَ الْجَرِّ ''اِلَی'' مَوْضُوْعٌ فِی الْاَصْلِ لِبَیَانِ الْغَایَۃِ وَالْوُصُوْلِ وَالْاِنْتِھَاءِ اِلَی الْغَایَۃِ . (حرف جر ''الیٰ'' اصلاً انتہا کے لیے اور انتہا تک پہنچنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔)

جیسے خَرَجْتُ مِنَ الْبَیْتِ اِلَی الْمَسْجِدِ . (میں گھر سے نکلا اور مسجد تک پہنچا۔)

فَقَدْ تَحَقَّقَ غَایَتُكَ بِالْوُصُوْلِ اِلَی الْمَسْجِدِ وَالْاِنْتِھَاءِ اِلَیْهِ . (تو آپ کا مقصد مسجد تک پہنچنے پر پورا ہو گیا۔)

② اِلَی جہات ستہ میں سے ہے۔ کسی جہت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اگر کوئی شے کسی شے کی طرف دائیں سے بائیں، یا اوپر سے نیچے، یا آگے سے پیچھے جائے تو کہا جاتا ہے : اِنْتَھٰی اِلَیْهِ . جبکہ عَلٰی جہات ستہ میں سے ایک جہت (جہت علو) کے ساتھ خاص ہے۔

﴿ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا ﴾ میں خطاب مومنین سے ہے اور مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ قُوْلُوْٓا آمَنَّا بِاللّٰهِ . (کہو، ہم اللہ پر ایمان لائے۔) اور جو ہماری طرف نازل ہوا کیونکہ قرآن ہر مومن پر نہیں اترا بلکہ قرآن، نبی کے واسطے سے مومنوں کو ملا ہے۔

مگر سورۂ آل عمران میں خطاب، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ ارشاد فرمایا گیا : ﴿ قُلْ اٰمَنَّا

بِاللّٰهِ ﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔'' پس یہاں علیٰ مناسب تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا اور امت اس میں مجازاً داخل ہے، حقیقتاً نہیں۔

﴿ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴾ اَلْيَقِيْنُ - هُوَ الْعِلْمُ التَّامُّ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْهِ اَدْنٰى شَكٍّ. (یقین ایسے علم تام کا نام ہے جس کے اندر ذرہ برابر شک نہ ہو۔)

کہا جاتا ہے: يَقِنَ الْحَوْضُ : اَيْ اِمْتَلَاَ بِالْمَاءِ لِآخِرِهِ. (یعنی حوض پانی سے لبالب بھر گیا۔)

وَقِيْلَ : هُوَ الْعِلْمُ الَّذِيْ لَا يَقْبَلُ التَّشْكِيْكَ. (یقین ایسے علم کو کہتے ہیں جو تشکیک کو قبول نہ کرے۔) یعنی اگر آپ کسی کو شک میں ڈالیں تو وہ شک میں نہ پڑے بلکہ اپنے اس علم کے اوپر جما رہے، جیسے موت۔

اللہ کا ارشاد ہے: ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ (الحجر : ۹۹)

''اور آپ اپنے رب کی عبادت کریں، حتیٰ کہ آپ کے پاس یقین (موت) آجائے۔''

یقین اس تصدیق جازم (قطعی تصدیق) کو کہتے ہیں جس میں کوئی شک وشبہ نہ ہو اور وہ جزم واقع کے مطابق ہو اور تشکیک مشکک (کسی شک میں ڈالنے والے کے شک میں ڈالنے) سے زائل نہ ہو۔ اس کی تین قسمیں ہیں :

① علم الیقین ② عین الیقین ③ حق الیقین

......علم الیقین، نظر اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے۔

......عین الیقین، مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔

......حق الیقین، تجربے سے حاصل ہوتا ہے۔

مثلاً کتاب وسنت سے ثابت ہے کہ جنت ہے۔ یہ علم الیقین ہے۔ جنت کو آنکھوں سے دیکھ لینا، یہ عین الیقن ہے۔ جنت میں داخل ہو جائے، یہ حق الیقین ہے۔

قَالَ عَلِيٌّ : لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدِدْتُّ يَقِيْناً ، اَنَّهُ لَوْ قَامَتِ الْقِيَامَةُ ، وَاُحْضِرَتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَا ازْدِدْتُّ يَقِيْناً بِالْاِيْمَانِ

بِهَا ، وَاِنْ كَانَ اِذْ رَآهَا اَبْصَرَ مِنَ التَّفَاصِيْلِ وَالْهَيْئَاتِ مَا لَمْ يَحْضُرْهُ قَبْلَ ذٰلِكَ . (فتاوى العز بن عبد السلام : رقم ١٥٤) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا ''اگر پردہ ہٹا دیا جائے تو بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔ یہ ایسا ہے کہ اگر قیامت قائم ہوجائے اور جنت اور جہنم کو حاضر کردیا جائے تو بھی ان پر ایمان لانے میں میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا، اگرچہ انھیں دیکھنے کے بعد وہ ایسی تفصیلات اور حالتیں دیکھے گا جو اس سے پہلے اسے معلوم نہ تھیں۔''

6 ﴿ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾

مرضی اور مشیت : اللہ کی مرضی کے خلاف ہوسکتا ہے، مشیت کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے، اس کی مشیت سے ہوتا ہے، مگر کفر اور بدعملی سے وہ راضی نہیں کیونکہ یہ انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے اور انسان کو اختیار کی آزادی دی گئی ہے۔

یہی فرق ارادہ اور مشیت میں ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴾ (الحج : ٢٢ / ١٨) ''بے شک اللہ جو چاہے، وہ کرتا ہے۔'' اور ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴾ (الحج : ٢٢ / ١٤) ''بے شک اللہ جو چاہے وہی کرتا ہے۔''

7 ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾

کسی چیز کو اس طرح چھپا دینا اور ڈھانپ دینا کہ اس میں دوسری چیز کسی طرف سے داخل نہ ہوسکے، اسے ''ختم'' کہتے ہیں۔

8 ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ ... وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

بغیر اعتقاد صرف اقرار کا نام ایمان نہیں ہے۔ یہاں دیکھیے، وہ زبان سے کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لائے، مگر اللہ فرما رہا ہے کہ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔

سوال یہاں ﴿ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ کیوں کہا گیا ہے، وَمَا آمَنُوْا کیوں نہیں کہا تاکہ ﴿ اٰمَنَّا ﴾ کے مطابق ہوجاتا؟

جواب ﴿ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ جملہ اسمیہ ہے۔ یہاں اس کا مفاد یہ ہے کہ منافقین

سے تمام اوقات میں ایمان کی نفی کردی گئی۔ اگر ﴿اٰمَنَّا﴾ کے مطابق وَمَا آمَنُوْا لایا جاتا تو صرف زمانۂ ماضی میں ایمان کی نفی ہوتی، جبکہ مراد، نفی مطلق ہے۔ یعنی اِنَّهُمْ لَيْسُوْا مُتَلَبِّسِيْنَ بِشَيْءٍ مِنَ الْاِيْمَانِ فِيْ وَقْتٍ مِنَ الْاَوْقَاتِ. (یقیناً وہ کسی بھی وقت ایمان کی کسی چیز سے آلودہ نہیں تھے۔)

10 ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً﴾

اَلْمَرَضُ : كَلِمَةٌ عَامَّةٌ تُطْلَقُ عَلَى كُلِّ عِلَّةٍ تُصِيْبُ الْاِنْسَانَ اِذَا عُرِفَ نَوْعُهَا ، مِثْلُ : اَمْرَاضُ الْكُلَى ، اَمْرَاضُ الْقَلْبِ . (مرض ایک عام لفظ ہے جو ہر اس بیماری پر بولا جاتا ہے جو انسان کو لاحق ہوتی ہے جب اس کی نوعیت معلوم ہو جائے، جیسے کڈنی کی بیماریاں، دل کی بیماریاں۔)

اَلْمَرَضُ يَكُوْنُ فِى النَّفْسِ وَفِى الْبَدَنِ ، وَالدَّاءُ : هُوَ اِصَابَةُ الْاِنْسَانِ بِعِلَّةٍ وَلَمْ يُعْرَفْ سَبَبُهَا ، وَقَدْ يُطْلَقُ عَلَى صِفَةٍ مَعْنَوِيَّةٍ ، مِثْلُ : دَاءُ الْبُخْلِ اَوْ دَاءُ الْحِقْدِ . (بیماری، نفس اور بدن دونوں میں ہوتی ہے۔ داء اس بیماری کو کہتے ہیں جس کا سبب معلوم نہ ہو اور کبھی کسی معنوی صفت پر بولا جاتا ہے، جیسے بخیلی کی بیماری، کینہ کی بیماری۔)

اَلسَّقَمُ : يُطْلَقُ عَلَى الْمَرَضِ الْمُزْمِنِ الَّذِيْ لَا يُرْجَى بُرْؤُهُ اَوِ الَّذِيْ طَالَ بِصَاحِبِهِ وَاَتْعَبَهُ. (سقم کا اطلاق اس بیماری پر ہوتا ہے جو دیرپا ہو اور جس کے ٹھیک ہونے کی امید نہ ہو، یا جو اپنے مریض کے ساتھ طویل ہو جائے اور اسے تھکا دے۔) جیسے اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ﴾ (الصافات : ۳۷ / ۱۴۵) ''پھر ہم نے اسے چٹیل میدان میں ڈال دیا، جبکہ وہ بیمار تھا۔''

11 ﴿قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾

اس میں بدعتیوں کا بھی رد ہے کہ یہ لوگ بدعت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے۔

12-13 ﴿اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ ... وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ○﴾

(سوال) پہلی آیت میں ﴿لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور دوسری آیت میں ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ کیوں ہے؟

(جواب) کیونکہ ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ کی تعبیر سفہ (نادانی) کے بالکل مطابق ہے کیونکہ سفہ، جہل ہے تو اس کے مطابق علم ہی ہوگا۔ ایمان کا معاملہ اخروی ہے جو دقت نظر کا محتاج ہے۔ پس جس آیت میں یہ ہے، وہاں ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ لایا گیا۔ جبکہ فساد، دنیوی معاملہ ہے جو محسوس کی طرح ہے اور اس میں دقت نظر کی ضرورت نہیں۔ پس جو آیت اس پر مشتمل ہے، اس میں ﴿لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ کی تعبیر لائی گئی۔

13 ﴿اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَهَآءُ﴾

منافقین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جاہل کہا۔ جواب دیا گیا کہ ان کی یعنی منافقوں کی جہالت زیادہ ہے کہ وہ نہ صرف جاہل ہیں بلکہ انھیں اپنی جہالت کا علم بھی نہیں۔ یہ جملہ اسمیہ ہے کہ وہ ہمیشہ جاہل رہیں گے۔

مسائل :

1. صحابہ رضی اللہ عنہم کو سب و شتم کرنا اللہ کو ناگوار ہے۔
2. صحابہ رضی اللہ عنہم جاہل نہیں، ان پر اعتراض کرنے والے جاہل ہیں۔
3. وہ اپنی جہالت سے بھی جاہل ہیں۔
4. ان کی جہالت دائمی ہے۔
5. صحابہ رضی اللہ عنہم پر سب و شتم کرنے والوں کا رد کرنا چاہیے۔
6. صحابہ رضی اللہ عنہم کا دفاع واجب ہے۔

16 ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى﴾

ہدایت دی، ضلالت لے لی۔ نور دے دیا، تاریکی لے لی۔

انھوں نے ہدایت کو ضلالت کی قیمت کے طور پر ادا کیا۔

17

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِيْ اسْتَوْقَدَ نَاراً ... لَّا يُبْصِرُوْنَ ○﴾

اللہ نے منافقین کی ان کے حسب حال دو مثالیں بیان کیں، ناری اور مائی۔

① مَثَلٌ نَارِيٌّ (ناری مثال) : ﴿اسْتَوْقَدَ﴾ ایک آدمی ایک جنگل میں پہنچ گیا۔ رات تاریک تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا اور وہ درندوں سے بھی مامون نہیں تھا۔ اس نے آگ طلب کی۔ گویا یہ آگ مستعار تھی، جیسا کہ منافقین کا الایمان المدعی (فقط دعوے کا ایمان) مستعار ہے، ان کے اندر سے نابع (پیدا ہونے والا) نہیں تھا۔

یہ منافقین، کفر کی تاریکی میں تھے۔ انھوں نے ایمان (نور) کو دیکھا، پھر اندھے ہو گئے۔

آگ میں چمک اور گرمی ہے۔ آگ مادۃ النور ہے اور پانی مادۃ الحیاۃ ہے۔ اللہ نے وحی کو دلوں کی حیات اور اسے روشن کرنے کے لیے نازل کیا، اسی لیے اللہ نے قرآن مجید کا نام ''روح'' اور ''نور'' رکھا ہے۔

آگ جلائی تاکہ روشنی ملے اور اس سے انتفاع ہو۔ ایسے ہی منافقین، اسلام میں داخل ہوئے۔ روشنی ملی، یعنی فائدۂ دنیوی ملا۔ اب چونکہ ان کے دلوں میں نور اسلام نہ تھا، بجھ گیا۔ اللہ ان کا نور لے گیا۔ یہاں نار نہیں کہا۔ نور چھین لیا، احراق باقی رکھا۔

فَهٰذَا حَالُ مَنْ اَبْصَرَ ثُمَّ عَمِيَ ، وَعَرَفَ ثُمَّ اَنْكَرَ ، وَدَخَلَ فِي الْاِسْلَامِ ثُمَّ فَارَقَهُ بِقَلْبِهِ . (پس یہ حال اس شخص کا ہے جس نے دیکھا، پھر اندھا ہو گیا۔ پہچانا، پھر انکار کر دیا۔ اسلام میں داخل ہوا، پھر اپنے دل سے اسے چھوڑ دیا۔)

اضاءۃ اور نور میں فرق : اضاءۃ، نور کا جزو ہے۔ نور کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی وجہ سے اللہ کی صفت ''نور'' ہے۔ تو یہاں اللہ نے یہ فرمایا کہ اللہ ان کا نور لے گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کل چلا جائے تو جزو تو بدرجۂ اولیٰ چلا جائے گا۔

﴿فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ﴾ اَيْ تَعَالَى لَهِيْبُهَا فَاَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ .

(اس کا شعلہ بلند ہوا اور اس کے آس پاس کی ساری چیزیں روشن ہو گئیں۔)

یعنی یہ روشنی ان سے منفصل رہی، متصل نہیں۔ مجاور رہی، ملاصق نہیں کیونکہ انھوں نے اس روشنی سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ پس اللہ ان کے نور کو لے گیا۔

یہ ضوء (روشنی) عارضی تھی اور ظلمت (تاریکی) اصلی تھی۔ پس روشنی اپنے معدن (اصل) کی طرف لوٹ گئی اور ظلمت اپنے معدن (اصل) میں رہ گئی۔ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنی اصل کی طرف لوٹ گئی۔

﴿ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ ﴾ نور واحد ہے۔ معلوم ہوا کہ حق ایک ہوتا ہے۔

باء یہاں مصاحبت کے لیے ہے۔ اشارہ ہے کہ نور، اللہ کا مصاحب ہو گیا اور اب اس کے لوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔ اگر اَذْهَبَ اللّٰهُ نُوْرَهُمْ کہا جاتا تو امکان تھا کہ یہ نور کبھی لوٹ آئے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے نور سے ہٹنے کے بعد منافقین کے دل تاریکیوں سے بھر گئے ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نورِ قلب، اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ پس اس نور کو اللہ کی اطاعت کے ذریعے طلب کرو۔

ایسے ہی نفاق کی وجہ سے منافقین کا نور چلا گیا اور ان کے دل میں صرف کفر اور شکوک وشبہات کی حرارت رہ گئی۔

یہاں بِنَارِهِمْ نہیں، بِنُوْرِهِمْ کہا۔ لِاَنَّ اِيْقَادَ النَّارِ يَكُوْنُ لِلْاِضَاءَةِ وَالْاِحْرَاقِ ، وَالْمَقْصُوْدُ مِنْ اِيْقَادِ النَّارِ الْوَارِدَةِ فِی الْمَثَلِ اِنَّمَا هُوَ الْاِضَاءَةُ . (کیونکہ آگ روشن کرنا روشنی اور جلانے کے لیے ہوتا ہے اور مثال میں بیان کردہ آگ روشن کرنے سے مراد صرف روشنی حاصل کرنا ہے۔)

بِنُوْرِهِمْ کہا، بِنُوْرِهٖ نہیں کہا کیونکہ اَلَّذِیْ کبھی کبھی اَلَّذِيْنَ کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿ وَخُضْتُمْ كَالَّذِیْ خَاضُوْا ﴾ (التوبة : ٩ / ٦٩)

”اور تم بھی فضول باتوں میں الجھے رہے جس طرح وہ فضول باتوں میں الجھے رہے۔“

أُرِيْدُ مِنْهُ (الَّذِيْ) جِنْسُ الْمُسْتَوْقِدِ لَا الْمُسْتَوْقِدُ بِعَيْنِهِ ، فَصَارَ فِيْ مَعْنَى جَمَاعَةٍ مِنَ الْمُسْتَوْقِدِيْن ، وَصَحَّ اَنْ يَعُوْدَ اِلَيْهِ ضَمِيْرُ الْجَمْعِ . (اس (الذی) سے مستوقد (آگ جلانے والے) کی جنس مراد لی گئی ہے، نہ کہ کوئی خاص مستوقد، چنانچہ یہ جماعت مستوقدین (آگ جلانے والوں کی جماعت) کے معنی میں ہوگیا اور اس کی طرف جمع کی ضمیر کا لوٹنا صحیح ہے۔)

اَذْهَبَ اللّٰهُ نُوْرَهُمْ نہیں کہا۔ جیسے تم کہو: ذَهَبَ فُلَانٌ بِالْخَبَرِ ، اِذَا لَمْ يَعُدْ لَكَ اَمَلٌ فِيْ مَعْرِفَتِهِ . (فلاں، خبر لے گیا۔ جب تمھیں اس کی معرفت کی کوئی امید نہ رہ جائے۔) یعنی رسول سے کہہ دیا گیا کہ آپ منافقین سے مایوس ہوجائیں، ان کے پیچھے محنت ضائع نہ کریں۔ ان کے نور کی طرف لوٹنے کی کوئی امید نہیں رہ گئی۔

ذَهَبَ اللّٰهُ بِضَوْءِهِمْ نہیں کہا۔ لِاَنَّ الضِّيَاءَ اَبْلَغُ مِنَ النُّوْرِ ، وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذَهَابِهِ ذَهَابُ النُّوْرِ . (کیونکہ ضیاء، نور سے زیادہ بلیغ ہے اور اس کے چلے جانے سے نور کا چلے جانا لازم نہیں آتا۔) اس کے برعکس نور کے چلے جانے سے ضیاء کا چلا جانا لازم آتا ہے۔

ایمان کی روشنی منافقین کے پاس آئی مگر انھوں نے اپنے دلوں کے دروازے بند کرلیے۔ پس یہ نور لوٹ گیا اور ان کے دل تاریکیوں میں رہ گئے۔

اگر ذَهَبَ اللّٰهُ بِضَوْءِهِمْ کہا جاتا تو وہم ہوتا کہ صرف زیادتی چلی گئی اور اصل رہ گئی۔ جب نور چلا گیا تو شے چلی گئی اور زیادتی بھی چلی گئی، لہٰذا وہ تاریکیوں میں حیران رہ گئے۔ لَا يَهْتَدِيْ سَبِيْلًا وَلَا يَعْرِفُ طَرِيْقًا . (اسے نہ کوئی راستہ ملتا ہے اور نہ وہ کوئی راستہ پہچانتا ہے۔)

﴿ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ ﴾ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَبَقُوْا فِيْ ظُلُمَاتٍ نہیں کہا تاکہ دلالت کرے کہ ان کے اور ان کے رب کے درمیان تعلق ٹوٹ گیا ہے اور

یہ متروک ہوگئے ہیں۔

''ظلمات'' کو صیغۂ جمع کے ساتھ لایا گیا، اس کی شدت میں مبالغے کے لیے۔ گویا ظلمت اپنی کثافتوں کی وجہ سے ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ باطل، متعدد اور مختلف ہوتا ہے۔

فَاِنَّ طُرُقَ مَرَضَاتِهٖ كُلَّهَا تَرْجِعُ اِلَى صِرَاطٍ وَاحِدٍ ، وَهِيَ سَبِيْلُهُ الَّتِيْ لَا سَبِيْلَ اِلَيْهِ اِلَّا مِنْهَا . (پس بے شک اللہ کی رضا کے تمام راستے ایک ہی راستے کی طرف لوٹتے ہیں اور وہی اس کا وہ راستہ ہے کہ اس (اللہ) تک پہنچنے کا کوئی اور راستہ نہیں، سوائے اس راستے کے۔) اللہ نے فرمایا: ﴿ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ ﴾ (المائدة : ٥ / ١٦) ''جس کے ذریعے اللہ اس شخص کو سلامتی کی راہ دکھاتا ہے جو اللہ کی رضا کی پیروی کرنا چاہتا ہے۔''

﴿ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴾ اِذَا امْتَنَعَ النُّوْرُ اِمْتَنَعَ الْبَصَرُ . (جب روشنی رک جاتی ہے تو بینائی بھی رک جاتی ہے۔) اس سے ایک سائنسی حقیقت بھی معلوم ہوئی کہ اِنَّ الْعَيْنَ لَا تُبْصِرُ بِذَاتِهَا ، وَلٰكِنَّهَا تُبْصِرُ بِانْعِكَاسِ النُّوْرِ عَلَى الْاَشْيَاءِ ثُمَّ انْعِكَاسِهٖ عَلَى الْعَيْنِ ، فَاَنْتَ لَا تُبْصِرُ الْاَشْيَاءَ فِى الظَّلَامِ . (آنکھ خود نہیں دیکھتی بلکہ وہ چیزوں پر روشنی کے منعکس ہونے اور پھر اس روشنی کے آنکھ پر منعکس ہونے سے دیکھتی ہے۔ پس آپ تاریکی میں چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے۔)

پس جس چیز نے آنکھ کو دیکھنے کے قابل بنایا، وہ روشنی ہے۔ فَاِذَا ضَاعَ النُّوْرُ ضَاعَ الْاَبْصَارُ . (پس جب روشنی ختم ہوجائے تو نظر بھی ختم ہوجاتی ہے۔) اسی وجہ سے آپ اندھیرے میں چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے۔

﴿ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾ 18

مگر آگے اس کے خلاف کہا گیا ہے، یعنی ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ

وَ اَبۡصَارِهِمۡ ﴾ (البقرة : ۲ / ۲۰) ''اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں چھین لے۔''

صُمٌّ : عَنْ سِمَاعِ الْحَقِّ ، وَاِنْ سَمِعُوْا غَيْرَهُ ، وَجْهُ الْجَمْعِ ظَاهِرٌ ، بُكْمٌ : عَنِ النُّطْقِ وَاِنْ تَكَلَّمُ بِغَيْرِهِ ، عُمْيٌ : عَنْ رُؤْيَةِ الْحَقِّ وَاِنْ رَاَوْ غَيْرَهُ . (بہرے ہیں حق بات کے سننے سے، اگرچہ اس کے علاوہ کچھ اور سن لیں۔ تطبیق کا پہلو ظاہر ہے۔ گونگے ہیں حق بات کے بولنے سے، اگرچہ اس کے علاوہ کچھ اور بول لیں۔ اندھے ہیں حق بات کے دیکھنے سے، اگرچہ اس کے علاوہ کچھ اور دیکھ لیں۔)

نکتہ : اِنَّ مَا لَا يُغْنِيْ شَيْئاً فَهُوَ كَالْمَعْدُوْمِ . (جس چیز سے کوئی فائدہ نہ ہو، وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔)

اَلْعِلْمُ يَدْخُلُ مِنْ ثَلَاثَةِ اَبْوَابٍ : مِنْ سَمْعِهِ وَبَصَرِهِ وَقَلْبِهِ ، وَقَدْ سُدَّتْ عَلَيْهِمْ هٰذِهِ الْاَبْوَابُ الثَّلَاثَةُ . (علم تین دروازوں سے داخل ہوتا ہے : اس کے سننے، اس کے دیکھنے اور اس کے دل سے۔ ان پر یہ تینوں دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔)

فَسُدَّ السَّمْعُ بِالصَّمَمِ ، وَالْبَصَرُ بِالْعَمْيِ ، وَالْقَلْبُ بِالْبَكَمِ . (پس سماعت بہرے پن سے، بصارت اندھے پن سے اور دل گونگے پن سے بند کر دیا گیا ہے۔)

﴿ صُمٌّ ﴾ منافقین حق سنتے نہیں۔

﴿ بُكْمٌ ﴾ منافقین حق بولتے نہیں۔

﴿ عُمْيٌ ﴾ منافقین حق دیکھتے نہیں۔

﴿ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴾ لَا يَرْجِعُوْنَ عَنْ غَيِّهِمْ لِاَنَّهُمْ يَعْتَقِدُوْنَ اَنَّهُمْ مُحْسِنُوْنَ . (یعنی وہ اپنی گمراہی سے نہیں پلٹیں گے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح

کررہے ہیں۔)

قَالَ الْحَسَن : هُوَ الْمُنَافِقُ اَبْصَرَ ثُمَّ عَمِيَ وَعَرَفَ ثُمَّ اَنْكَرَ .

(تفسیر القیم : ۱ / ۱۲۰) حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا "وہ منافق ہے۔اس نے دیکھا، پھر اندھا ہو گیا۔اور پہچانا، پھر اجنبی ہو گیا۔"

﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ ... وَاللهُ مُحِيْطٌ بِالْكَافِرِيْنَ○﴾ 19

② مَثَلٌ مَائِيٌّ (مائی مثال) : ﴿اَوْ﴾ حرف عطف ہے۔یہ تخییر کے لیے، یا شک کے لیے، یا اباحت کے لیے، یا ابہام کے لیے ہے۔یعنی ان دونوں مثالوں میں سے کوئی بھی ایک مثال پیش کردو تو صحیح ہے۔

صَابَ يَصُوْبُ : اَیْ نَزَلَ بِشِدَّةٍ . (یعنی شدت سے نازل ہونا۔)

صَيِّبٌ : هُوَ الْمَطَرُ الَّذِیْ يَصُوْبُ ، اَیْ يَنْزِلُ بِكَثْرَةٍ . (صیب وہ بارش ہے جو شدت سے برستی ہے، یعنی کثرت سے نازل ہوتی ہے۔)

اَلْمَطَرُ يَنْزِلُ مِنْ عُلُوٍّ اِلَى سُفْلٍ . (بارش اوپر سے نیچے کی طرف گرتی ہے۔) پس ہدایت کو بارش سے تشبیہ دی گئی۔ لِاَنَّ الْقُلُوْبَ تَحْيَا بِهِ حَيَاةَ الْاَرْضِ بِالْمَطَرِ . (کیونکہ دل ہدایت سے زندہ ہوتے ہیں جس طرح زمین بارش سے زندہ ہوتی ہے۔)

اس بارش سے جو آسمان سے برسی، منافقین کو اس بارش سے کوئی حصہ نہ ملا، سوائے ظلمات، رعد (گرج) اور برق (بجلی) کے۔بارش سے جو مقصد تھا، وہ حاصل نہ ہوا۔

کچھ لوگ رات میں سفر کررہے تھے اور رات بہت تاریک تھی۔کوئی چیز انھیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔اچانک شدید بارش ہونے لگی۔بارش کے ساتھ دو تاریکیاں ہوتی ہیں :

① ظُلْمَةُ اللَّيْلِ (رات کی تاریکی)

② ظُلْمَةُ السَّحَابِ (بادل کی تاریکی)

یعنی بادلوں کے تہہ بہ تہہ ہونے کی وجہ سے تاریکی ہوجاتی ہے۔ لِاَنَّ الْمَطَرَ النَّازِلَ لَهُ كَثَافَةٌ . (کیونکہ نازل ہونے والی بارش میں کثافت ہوتی ہے۔)

رعد (گرج) اور برق (بجلی)، دونوں سحاب (بادل) میں پیدا ہوتے ہیں۔

﴿ وَّرَعْدٌ ﴾ هُوَ الصَّوْتُ الَّذِيْ يُسْمَعُ مِنَ السَّحَابِ . (رعد وہ آواز ہے جو بادل سے سنی جاتی ہے۔)

﴿ وَّبَرْقٌ ﴾ هُوَ الضَّوْءُ اللَّامِعُ الْمُشَاهَدُ مَعَ السَّحَابِ . (برق وہ چمکنے والی روشنی ہے جو بادل کے ساتھ دیکھی جاتی ہے۔)

﴿ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ ﴾ وہ اپنے کان بند کر لیتے ہیں تاکہ قرآن کو سن کر ایمان کی طرف نہ مائل ہوجائیں اور اپنے آباء و اجداد کا دین چھوڑ دیں۔ ان کے نزدیک یہ موت تھی۔

﴿ مِّنَ الصَّوَاعِقِ ﴾ وَالصَّوَاعِقُ : جَمْعُ صَاعِقَةٍ ، وَهِيَ صَوْتٌ شَدِيْدٌ مِنْ صَوْتِ الرَّعْدِ ، يَقَعُ مَعَهُ قِطْعَةٌ مِنْ نَارٍ تُحْرِقُ مَا تُصِيْبُهُ . (زاد المسير فی علم التفسير : ١ / ٤٠) ”صواعق، صاعقہ کی جمع ہے اور وہ گرج کی تیز آواز ہے جس کے ساتھ آگ کا ٹکڑا گرتا ہے کہ وہ جس پر پڑ جائے، اسے جلا دے۔“

﴿ حَذَرَ الْمَوْتِ ﴾ مَخَافَةَ الْهَلَاكِ . (کہیں وہ ہلاک نہ ہوجائیں۔)

...... یہاں صیب (شدید بارش) سے مراد قرآن ہے۔ یعنی الْمَطَرُ هُوَ الْقُرْآنُ لِاَنَّ فِي الْمَطَرِ حَيَاةَ الْخَلْقِ ، وَكَذٰلِكَ الْقُرْآنُ حَيَاةُ الْقُلُوْبِ . (بارش، قرآن ہے کیونکہ بارش سے مخلوق کو زندگی ملتی ہے۔ اسی طرح قرآن سے دلوں کو زندگی ملتی ہے۔)

...... ظُلُمَات : اَیْ هُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ مَا هُمْ فِيْهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالْحَذَرِ مِنَ الْقَتْلِ . (تفسير الطبری : ١ / ٣٦٧) ”ظلمات سے مراد کفر اور جہاد

میں قتل ہونے کا خوف ہے۔“

...... وَالرَّعْدُ : هُوَ الْوَعِيْدُ الَّذِیْ ذُكِرَ لِلْمُنَافِقِيْنَ وَالْكُفَّارِ فِی الْقُرْآنِ . (تفسیر السمرقندی : ۱ / ۳۲) ”رعد وہ سخت دھمکی ہے جو قرآن میں منافقین اور کافروں کے لیے ذکر کی گئی ہے۔“

...... وَالْبَرْقُ : مَا ظَهَرَ مِنْ عَلَامَاتِ نُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَلَائِلِهِ . (تفسیر السمرقندی : ۱ / ۳۲) ”برق سے مراد محمد ﷺ کی نبوت کی نشانیاں اور اس کے دلائل ہیں۔“

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ، اَیْ لِشِدَّةِ ضَوْءِ الْحَقِّ . (تفسیر ابن ابی حاتم : ۱ / ۵۸) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”یہاں برق سے مراد حق کی روشنی ہے۔“

...... اَلصَّوَاعِقُ : تَكَالِيْفُ الشَّرْعِ الَّتِیْ يَكْرَهُوْنَهَا مِنَ الْجِهَادِ وَالزَّكَاةِ وَغَيْرِهِمَا . ”شریعت کی وہ تکالیف جسے وہ ناپسند کرتے تھے، جیسے جہاد، زکوٰۃ وغیرہ۔“

...... اَیْ لِحَذَرَ الْمَوْتِ وَمَعْنَاهُ : مَخَافَةَ اَنْ يَنْزِلَ فِی الْقُرْآنِ شَیْءٌ يُظْهِرُ حَالَهُمْ . (تفسیر السمرقندی : ۱ / ۳۲) ”اس ڈر سے کہ کہیں قرآن میں کوئی ایسی چیز نازل نہ ہو جائے جو ان کے نفاق کا بھانڈا پھوڑ دے۔“

مولانا عبد السلام بھٹوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے ”بارش سے مراد اسلام ہے، اندھیروں اور گرج سے مراد وہ تکلیفیں اور مصیبتیں ہیں جو اسلام کی راہ میں پیش آتی ہیں، چمک سے مراد مسلمانوں کو حاصل ہونے والی کامیابیاں اور کڑکنے والی بجلیوں سے مراد جہاد کے احکام ہیں جن میں منافقین کو موت دکھائی دیتی ہے۔“ (تفسیر القرآن الکریم ج ۱ ص ۵۵)

دونوں مثالوں کا خلاصہ : ہر محدود نظر کا حال یہ ہے کہ سامنے ظاہر میں جو ناپسندیدہ چیز ہے، اس پر نظر رک جاتی ہے۔ اس کے ماوراء جو محبوب و پسندیدہ چیز ہے، وہاں تک نگاہ

نہیں جاتی۔ یہی اکثر لوگوں کا حال ہے۔ اللہ کے احکام، نماز، روزہ اور حج میں مشقتیں ہیں، لیکن اس کے پیچھے عواقب حمیدہ (بہترین انجام) پر نگاہ نہیں جاتی۔ مثلاً ایک شخص سفر کی مشقت، شدائد کی برداشت، فراق المالوفات (مانوس چیزوں سے جدائی)، مفارقۃ لاہل الوطن (وطن والوں سے جدائی) دیکھتا ہے، اس لیے وہ نہ حج کے لیے نکلتا ہے اور نہ اس کا عزم ہی کرتا ہے۔

آگ جلانے والے کو ضوء کے بعد تاریکی ملی۔ ایسے ہی منافق کو نور کے بعد تاریکی ملی۔ پس منافق کی حالت مستوقد للنار (جلانے کے لیے آگ طلب کرنے والا) کے مثل ہوگئی۔

کافر بھی ظلمات ہی میں رہا، اس سے نکلا ہی نہیں۔

ایسے ہی منافقین کو نور ظاہر (جیسا دنیا میں تھا) دیا جائے گا تاکہ وہ پل صراط کو عبور کرسکیں۔ پھر جب انھیں اس نور کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی، وہ پل صراط ہی پر بجھ جائے گا۔

پہلی مثال میں تاریکی کا حصول ہے جو ضلال ہے جس کی ضد ہدیٰ ہے۔

دوسری مثال حصول خوف کو متضمّن ہے جس کی ضد امن ہے۔ پس اسے نہ ہدایت ہے اور نہ امن۔

منافقین کے دو گروہوں کی مثال : منافقین کا ایک گروہ اصحاب النار (آگ جلانے والے) کے مشابہ ہے اور ان کا دوسرا گروہ اصحاب المطر کے مشابہ ہے۔

چار آیتوں میں منافقین کی دو قسموں کا تذکرہ ہے :

① جن کے دل میں کفر ہی کفر تھا، صرف مفاد دنیوی کی خاطر مسلمانوں کے سامنے اسلام کا دعویٰ کرتے تھے۔

② جو شک اور تذبذب کا شکار تھے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ سے کسی منکر حدیث نے سوال کیا کہ کیا اللہ اتنا وزنی پتھر پیدا کرسکتا ہے جسے وہ خود بھی نہ اٹھا سکے؟

زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے جواب دیا ''اللہ خالق بھی ہے اور ہر چیز پر قادر بھی ہے، لیکن تیرا یہ سوال کفر ہے۔''

وہ منکر حدیث یہ چاہتا تھا کہ اگر شیخ یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ایسا پتھر پیدا کرسکتا ہے تو پھر وہ قادر نہیں ٹھہرے گا اور اگر نہیں پیدا کرسکتا تو خالق نہیں ٹھہرے گا۔ لیکن شیخ نے ایسا جواب دیا کہ وہ منکر حدیث ساکت ہوگیا۔

سوال ملحد نے سوال کیا کہ اللہ قادر مطلق ہے تو کیا وہ اپنے جیسا معبود پیدا کرسکتا ہے؟ اگر نہ بنا سکے تو وہ ﴿ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴾ نہیں اور اگر بنالے تو واحد نہیں۔

جواب یہ سوال غلط ہے کیونکہ اس میں نقیضین (اللہ تعالیٰ کی طاقت اور عجز) کو جمع کردیا گیا ہے۔ سوال یا تو طاقت کے بارے میں کیا جائے، یا عجز کے بارے میں۔

نقیض اور ضد میں فرق: نقیضین کا مطلب ہے کہ دونوں کا اجتماع بھی محال ہو اور ارتفاع بھی، جیسے وجود و عدم، دن اور رات، سچ اور جھوٹ۔ ضدین کا مطلب ہے کہ دونوں کا اجتماع نہ ہوسکے، مگر ارتفاع ممکن ہے، جیسے سفید و سیاہ۔ ایک ہی چیز سفید اور سیاہ نہیں ہوسکتی، مگر بھوری ہوسکتی ہے۔

سوال میں طاقت اور عجز دونوں کو جمع کردیا گیا ہے۔ منطق میں اس قضیے کو قضیہ مانعۃ الجمع کہا جاتا ہے۔ جیسے کوئی کہے ''شیخ! آپ نے اس گنجے کو دیکھا ہے جو بڑے بڑے بالوں والا ہے۔''

علاوہ ازیں اللہ جسے بنائے گا، وہ مخلوق ہوگا، لہٰذا جو مخلوق ہو تو وہ خالق نہیں اور جو خالق ہو تو وہ مخلوق نہیں۔

اسی طرح ایک آدمی نے ایک عالم سے سوال کیا ''اگر اللہ تعالیٰ ﴿ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴾ ہے تو کیا انڈے کے چھلکے اور سفیدی کے درمیان جو ایک جھلی ہے، اس جھلی میں

پوری کائنات کو بند کر سکتا ہے؟'' عالم نے جواب دیا ''تیرا سوال اللہ کی قدرت سے متعلق نہیں ہے، تیرے سوال کا تعلق انڈے کی جھلی کی قابلیت سے ہے۔ یعنی کیا اس جھلی میں یہ قابلیت ہے کہ وہ پوری کائنات کو اپنے اندر سمو سکے؟''

ملحوظہ : محالات زیر قدرت نہیں۔ قدرت کامل ہے، مگر اسی محال میں نقص ہے کہ وہ اس قدرت کے تحت آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

مثال : ایک تار ہے۔ اس میں سو بلب لگائیں۔ دو فیوزڈ بلب لگا دیں۔ ۹۸ بلب جلیں گے، دو نہیں جلیں گے۔ اب کوئی کہے کہ یہ Electricity کا قصور ہے کہ دو بلب نہیں جل رہے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہوگا کہ اگر بجلی کا قصور ہوتا تو ۹۸ بلب کیوں جل رہے ہوتے؟ یہاں بجلی کا قصور نہیں، ان فیوزڈ بلبوں کا قصور ہے کہ وہ بجلی سے فیض حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

جیسے ہمارے نبی ﷺ کی تبلیغ کامل ترین تھی۔ اب کوئی کہے کہ ابوجہل ایمان کیوں نہیں لایا؟ سو جواب یہ ہے کہ یہ تبلیغ کا نقص نہیں تھا بلکہ ابوجہل ہی نبی ﷺ کی تبلیغ کامل کا فیض حاصل کرنے سے قاصر تھا۔

21 ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ﴾

﴿اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ﴾ کا مطلب ہے، اپنے رب کو الٰہ مان کر اس کی تعظیم اور اطاعت کرو۔ (عبادت میں انتہائی تعظیم ہوتی ہے۔)

جب خالق تنہا وہی ہے تو معبود بھی تنہا وہی ہے۔

قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے۔

إِنَّ تَوْحِيْدَ الرَّبُوْبِيَّةِ يَسْتَلْزِمُ تَوْحِيْدَ الْأُلُوْهِيَّةِ وَالْعِبَادَةِ.

(توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور عبادت کو لازم کرتی ہے۔)

قاعدہ : اشیا میں اصل اباحت ہے اور عبادات میں اصل منع ہے۔ یعنی اشیا میں ہم کرتے رہیں گے جب تک کہ اس کے منع کی دلیل نہ آجائے اور عبادات میں رکے رہیں گے جب

تک کہ کرنے کی دلیل نہ آجائے۔

﴿ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ ﴾ میں دَلِیْلُ الْاخْتِرَاعِ وَالْاِنْشَاءِ (ایجاد اور تخلیق کی دلیل) ہے کیونکہ خلق، ایجاد کی اصل کو متضمّن ہے اور ﴿ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا ﴾ میں دَلِیْلُ الْعِنَایَةِ وَالْحِكْمَةِ (توجہ اور حکمت کی دلیل) ہے۔

عبادت و عبودیت : آخرت میں عبادت ساقط ہوجائے گی، عبودیت باقی رہے گی کیونکہ عبودیت یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں اللہ کے سوا حقیقت میں کسی اور کے متصرف ہونے کا عقیدہ نہ رکھے۔

قرآن میں لفظ عبادت کا استعمال : قرآن میں لفظ عبادت کا لفظ توحید اور اطاعت کے لیے آیا ہے۔

① توحید : ﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا ﴾ (النساء : ٤ / ٣٦) ”اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔“

② اطاعت : ﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ﴾ (یاسین : ٣٦ / ٦٠) ”اے بنی آدم! کیا میں نے تمھیں (اس بات کی) تاکید نہیں کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا؟“

قرآن میں عبد کے اطلاقات پانچ ہیں :

① جو مملوک (غلام) ہیں۔ ﴿ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ ﴾ (البقرة : ٢ / ١٧٨) ”غلام کے بدلے وہی غلام۔“

② جو اللہ کی تسخیر سے عبد ہیں۔ ﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴾ (مریم : ١٩ / ٩٣) ”آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں، وہ سب رحمٰن کے پاس غلام بن کر آئیں گے۔“

③ جو اپنے اختیار سے عبد ہیں اور عبدیت میں کامل ہیں۔ مثلاً ﴿ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴾ (الاسراء : ١٧ / ٣) ”بے شک وہ شکر گزار بندہ تھا۔“

④ جو اپنے اختیار سے عبد ہیں اور عبدیت میں ناقص ہیں۔ ﴿ اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ ﴾ (المائدة : ٥ / ١١٨) ''اگر تو انھیں سزا دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں۔''

⑤ جو اپنے اختیار سے غیر اللہ کے عبد ہیں۔ مثلاً ﴿ ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِیۡ ﴾ (الفرقان : ٢٥ / ١٧) ''کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا؟''

(سوال) اللہ کو کس نے بنایا؟

(جواب) اگر Creator کو دوسرے Creator نے بنایا ہو تو وہ تو Creation ہوا۔

(سوال) وہ خود بخود آ گیا۔ کہاں سے؟

(جواب) آپ نے کمپیوٹر بنایا تو کیا آپ کمپیوٹر کے اندر بیٹھے ہیں؟ اللہ عزوجل نے زمان (Time) بنایا تو کیا وہ ٹائم کے اندر ہے؟ اسی طرح مکان (Space) بنایا تو کیا وہ مکان کے اندر ہے؟ جب وہ ٹائم کے باہر ہے تو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اتنے ملین سال پہلے اللہ تھا، اس سے پہلے نہیں تھا۔ اسی طرح کب کا سوال اس کے لیے ہوتا ہے جو ٹائم کے اندر ہے، نہ کہ اس کے لیے جو ٹائم کے لیے باہر ہے۔

(سوال) اگر یہ کہا جائے کہ کائنات خود بخود اور ہمیشہ سے ہے، اسے کسی نے نہیں بنایا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

(جواب) اگر مگر نہ کریں۔ آپ دعویٰ کریں کہ کائنات ہمیشہ سے ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس کی دلیل دو۔ کائنات ہمارے لیے Creator نہیں ہے بلکہ Creation ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک ٹائم سے شروع ہوا اور اسی کو ہم Creation Point کہتے ہیں۔ اللہ Creator ہے، وہ Time Bound نہیں ہے۔

22 ﴿ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا ... مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾

لَا يَذِلُّ الْمَرْءُ اِلَّا لِقَادِرٍ . (آدمی قادر کے سامنے ہی جھکتا ہے۔)

اَلْاِعْتِرَافُ بِالْفَضْلِ لِصَاحِبِ الْفَضْلِ خُلُقٌ مَلَائِكِيٌّ . (صاحب

فضل کے فضل کا اعتراف ملکوتی صفت ہے۔)

23 ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا ...﴾

دَلِيْلُ بَشَرِيَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَكُلُّكُمْ بَشَرٌ وَهٰذَا كَلَامٌ لَا يُضَارِعُهُ الْبَشَرُ . (یہ آیت کریمہ آپ ﷺ کی بشریت کی دلیل ہے کہ تم سب بشر ہو اور یہ ایسا کلام ہے جس کا مقابلہ کوئی انسان نہیں کرسکتا۔)

اِنَّ آيَاتِ التَّحَدِّيْ خَمْسٌ فِي الْقُرْآنِ . (قرآن میں چیلنج کی آیتیں پانچ ہیں۔) یہ آیت ان میں سے ایک ہے۔

اِنَّ مَقَامَ الْعُبُوْدِيَّةِ اَرْفَعُ مَقَامٍ وَاَجَلُّ مَنْزِلَةٍ . (بندگی کا مقام (اللہ کی غلامی) سب سے بلند مقام اور سب سے عظیم مرتبہ ہے۔)

عبد کے شرع اور لغت میں تین معانی ہیں :

① مَقْهُوْرٌ ، وَهٰذَا يَسْتَوِيْ فِيْهِ الْمُؤْمِنُ وَالْكَافِرُ . (مغلوب، اس میں مومن اور کافر برابر ہیں۔)

جیسے ﴿اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ (مریم : ۱۹ / ۹۳) "وہ سب رحمٰن کے پاس غلام بن کر آئیں گے۔"

② عُبُوْدِيَّةٌ بِالشَّرْعِ ، وَهِيَ ضِدُّ كَلِمَةِ حُرٍّ . (شرعی عبودیت، لفظ "حر" یہ (آزاد) کی ضد ہے۔)

جیسے ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾ (البقرة : ۲ / ۱۷۸) "آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام۔"

③ عَبْدٌ فِي الطَّاعَةِ وَالْاِتِّبَاعِ يَنْقَسِمُ اِلٰى قِسْمَيْنِ : طَاعَةُ اللّٰهِ ، وَطَاعَةُ رَسُوْلِهٖ ، وَهُمَا مُتَلَازِمَانِ فِيْ حَيَاةِ الْمُسْلِمِ . (بندگی اور پیروی کے اعتبار سے عبد کی دو قسمیں ہیں : اللہ کی اطاعت کرنے والا، اس کے رسول کی اطاعت کرنے والا۔ یہ دونوں ایک مسلمان کی زندگی میں لازم وملزوم ہیں۔)

24 ﴿ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ ﴾

دَلِيْلٌ عَلَى اَنْ لَا يَخْلُدُ فِى النَّار اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ التَّوْحِيْدِ . (یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل توحید میں سے کوئی بھی جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔)

25 ﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا ... وَهُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ○ ﴾

اللہ نے اس خوش خبری میں تین چیزوں کو جمع کر دیا ہے:

① نعیم بدن...... جو باغات، انہار (نہریں)، اثمار (پھل فروٹس) ہیں۔

② نعیم نفس...... جو ازواج مطہرات (پاک بیویاں) ہیں۔

③ نعیم القلب...... کہ وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

اس آیت میں مُبَشِّرْ (نبی)، مُبَشَّرْ (مومنین)، مُبَشَّرْ بِهِ (جنت)، اَسْبَابِ الْبَشَارَةِ (ایمان و عمل صالح) ہیں۔

﴿ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ سورۂ محمد میں چار نہروں (پانی، دودھ، شراب اور شہد) کا ذکر ہے۔

﴿ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ﴾ مُتَشَابِهاً لَوْنُهُ ، مُخْتَلِفاً طُعْمُهُ . (اس کا رنگ ملتا جلتا ہو، اس کا ذائقہ مختلف ہو۔)

صبح اس پھل کا ذائقہ کچھ ہوگا، شام کو اسی پھل کا ذائقہ کچھ اور ہوگا۔

جیسے کوئی پھل توڑ دیا جائے گا۔ عَادَتْ مَكَانَهَا اُخْرَى . (اس کی جگہ دوسری چیز آجائے گی۔)

﴿ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ﴾ اس سے مراد طہارت ظاہرہ و باطنہ ہے۔

زبان پاک، آنکھیں پاک، کپڑے پاک، حیض و نفاس سے پاک، غائط (پیشاب پاخانہ) و مخاط (ناک کی رینٹ) سے پاک، بصاق (تھوک) سے پاک، اخلاق سیئہ سے پاک۔

سوال جنت میں ایک عورت کے کئی شوہر کیوں نہیں ہو سکتے؟

(جواب) جب کوئی شخص یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اس کے کئی باپ ہوں تو اسے یہ بھی نہیں سوچنا چاہیے کہ ایک عورت کے کئی خاوند ہوں۔ اس قسم کی ناپاک خواہش کا منبع شیطان ہے اور جنت میں شیطان نہ ہوگا، اس لیے یہ ناپاک خواہش بھی نہ ہوں گی۔

26 ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖ ... اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ ○﴾

﴿ مَّا بَعُوْضَةً ﴾ شَيْءٌ عَظُمَ اَمْ شَيْءٌ حَقُرَ ، لِاَنَّ الْعِبْرَةَ بِمَا يَنْجُمُ عَنِ الْمَثَلِ لَا بِعَيْنِ الْمَثَلِ . (کوئی چیز بڑی ہو یا چھوٹی، کیونکہ اعتبار اس نتیجے کا ہوتا ہے جو مثال سے نکلتا ہے، نہ کہ خود مثال کا۔)

مثل قرآنی کو لینے میں دو فریق ہیں، مومن اور کافر۔

اس سے مومن کو نفع حاصل ہوتا ہے، جبکہ کافر کو نفع نہیں ملتا۔ جس طرح بارش برستی ہے تو زرخیز زمین کو فائدہ ہوتا ہے، پتھریلی زمین کو نہیں۔

کفار کا اعتراض : اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں حیوانات خسیسہ (کیڑے مکوڑے) کا ذکر نہ ہوتا؟

(جواب) مثال اگر احقاق حق اور ابطال باطل پر مشتمل ہو تو یہ سب سے حسین شے ہے اور حسن سے بے وقوف لوگ ہی شرماتے ہیں۔

مثال کی حکمت : اِضْلَالُ مَنْ شَاءَ وَهِدَايَةُ مَنْ شَاءَ . (جسے چاہے اسے گمراہ کرنا اور جسے چاہے اسے ہدایت دینا۔)

اضلال کی حکمت : اس میں عدل وانصاف ہے کہ اللہ فسق ہی کی وجہ سے گمراہ کرتا ہے۔
﴿ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴾ ''اور وہ گمراہ تو صرف فاسقوں کو کرتا ہے۔''

28 ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ ... اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○﴾

چار باتیں ذکر کیں جن میں سے تین مشاہد (اس دنیا میں مشہود) ہیں اور چوتھی منتظر ہے اور موعود بہ ہے :

① كَانُوْا اَمْوَاتاً لَا رُوْحَ فِيْهِمْ ، بَلْ نُطَفاً وَعَلَقاً . (وہ مردہ تھے، ان

میں کوئی روح نہیں تھی بلکہ وہ نطفے اور جما ہوا خون تھے۔)

② اِنَّ اللّٰهَ اَحْيَاهُمْ بَعْدَ هٰذِهِ الْاِمَاتَةِ . (یقیناً اللہ نے اس موت کے بعد انھیں دوبارہ زندہ کیا۔)

③ اِنَّهُ يُمِيْتُهُمْ بَعْدَ هٰذِهِ الْحَيَاةِ . (یقیناً اللہ انھیں اس زندگی کے بعد موت دے گا۔)

④ اِنَّهُ يُحْيِيْهِمْ بَعْدَ هٰذِهِ الْاِمَاتَةِ . (یقیناً اللہ انھیں اس موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔)

پس عقل مند تین چیزوں کا اقرار کر کے چوتھی چیز کا انکار کیسے کر سکتا ہے؟ اور چوتھا تخلیق ہی کا تو مرحلہ ہے۔

پس جو تمھیں موت کے بعد زندگی دے سکتا ہے، وہ پھر مار سکتا ہے تو کون سی چیز اسے پھر زندہ کرنے سے عاجز کر سکتی ہے؟

29 ﴿ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾

استویٰ، متعدی نہ ہو۔ اَلْكَمَالُ وَالتَّمَامُ ، يُقَالُ : كَمُلَ عَقْلُهُ وَتَمَّتْ رَجُوْلَتُهُ . (کمال اور تمام کے معنی میں ہوگا۔ کہا جاتا ہے: اس کی عقل کامل ہوگئی اور اس کی مردانگی مکمل ہوگئی۔)

استویٰ، ''علیٰ'' کے ساتھ متعدی ہو۔ اَلْعُلُوُّ وَالْاِرْتِفَاعُ . (بلندی اور اونچائی مراد ہوگا۔)

استویٰ، ''الیٰ'' کے ساتھ متعدی ہو۔ مَعْنَاهُ الْقَصْدُ . (اس کا معنی ارادہ ہے۔)

نکتہ : زمین پہلے پیدا کی گئی اور آسمان بعد میں۔ آسمان دو دنوں میں اور زمین چار دنوں میں تخلیق کی گئی۔ لٰكِنَّ السَّمَاءَ خُلِقَتْ فِيْ يَوْمَيْنِ وَالْاَرْضَ فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ . (لیکن آسمان دو دنوں میں اور زمین چار دنوں میں پیدا کی گئی۔)

آسمان سات ہیں۔ اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں۔

ارشادالٰہی ہے : ﴿ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ ﴾ (الطلاق : ٦٥ / ١٢) ’’اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمینیں بھی ان کی مثل۔‘‘

حدیث ہے : ﴿ مَنْ اَخَذَ شِبْراً مِنَ الْاَرْضِ ظُلْماً ، فَاِنَّہُ یُطَوَّقُہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ سَبْعِ اَرَضِیْنَ ﴾ (صحیح البخاری : کتاب بدء الخلق ، حدیث ٣١٩٨) ’’جس شخص نے زمین کا کچھ حصہ بھی ظلم سے لے لیا تو اسے قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔‘‘

30-34 ﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ ... وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ○ ﴾

آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ قرآن کی سات مکی سورتوں (سورۂ آل عمران ، سورۂ اعراف ، سورۂ بنی اسرائیل ، سورۂ طٰہٰ ، سورۂ حجر ، سورۂ کہف اور سورۂ ص) اور ایک مدنی سورت (سورۂ بقرہ) میں مذکور ہے۔

فرشتوں کا سوال : اگر تو نے زمین میں خلیفہ بنایا تو اس کی طرف سے فساد اور خوں ریزی ہوگی اور تیری حکمت کا تقاضا ہے کہ تو یہ نہ کرے۔ اگر تو خلیفہ بنا رہا ہے تو ایسے کو بنا جو تیری تسبیح و تقدیس کرے اور ہم یہ کر رہے ہیں۔

اللہ کا جواب : خلیفہ بنانے میں وہ حکمت ہے جو تم نہیں جانتے۔ علاوہ ازیں جس فساد کا تم گمان کر رہے ہو، اس میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، وہ تم نہیں جانتے۔

اللہ نے اس خلیفہ سے اور اس کی ذریت سے انبیاء و رسل علیہم السلام ، اولیاء اور سچے مومنین نکالے اور انھیں جنت میں آباد کرے گا ، جبکہ برے لوگوں کو جہنم میں ڈالے گا۔ اس کے ضمن میں بہت سی مصلحتیں ہیں جس کا علم فرشتوں کو نہ تھا۔

آدم علیہ السلام کی پسلی سے حوا کو پیدا کیا۔ دونوں سے دو لڑکے (قابیل اور ہابیل) پیدا ہوئے۔ قابیل اصل میں قاین (لوہار) تھا اور ہابیل کا معنی لڑکا ہے۔

کوے سے انسان نے دفن کرنا سیکھا۔

پھر اللہ نے خلیفہ کو ایسا علم دیا جو فرشتوں کو نہ تھا، نیز اس علم کی وجہ سے خلیفہ کی فضیلت ان پر ظاہر فرمائی اور انھیں سجدے کا حکم دیا جو اس کی تعظیم اور اس کے فضل کے اظہار کے لیے تھا، ایسے ہی جب موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا: هَلْ تَعْلَمُ اَحَداً اَعْلَمَ مِنْكَ ؟ قَالَ : لَا . ''کیا آپ کسی کو اپنے سے زیادہ عالم جانتے ہیں؟'' انھوں نے فرمایا'' (مجھ سے زیادہ کوئی عالم) نہیں۔'' تو جناب خضر کے ذریعے ان کا امتحان لیا اور وہ عاجز رہے۔

(بخاری : ٣٤٠٠)

فرشتوں کو معلوم نہ تھا کہ ابلیس کے دل میں کیا چھپا ہے۔ اللہ نے اسے ظاہر فرما دیا۔

گویا تَمْيِيزُ الْخَبِيْثِ مِنَ الطَيِّبِ (ناپاک کو پاک سے الگ کرنا) بھی تھا۔

فرشتوں کو غیب کا علم نہیں۔ انھیں معلوم نہ تھا کہ ابلیس کے دل میں کیا چھپا ہوا تھا۔

آدم علیہ السلام نے سب نام بتا دیے، فرشتے نہ بتا سکے۔ اس کی تہہ میں جواب چھپا تھا کہ اس کے خلیفہ بنانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ پس اللہ نے خلیفہ کا فضل اور علم ظاہر کر دیا جو ان کے گمان کے خلاف تھا۔

نکتہ : انسان میں سب سے اشرف شے، علم ہے اور انسان کا فضل و شرف، علم ہی کی وجہ سے ہے۔ آگ مٹی کی محتاج ہے، مگر مٹی آگ کی محتاج نہیں کیونکہ فَاِنَّ الْمَحَلَّ الَّذِیْ تَقُوْمُ بِهِ النَّارُ لَا يَكُوْنُ اِلَّا مُكَوَّناً مِنَ التُّرَابِ اَوْ فِيْهِ . (پس وہ جگہ جہاں آگ لگتی ہے، وہ یا تو مٹی سے بنی ہوتی ہے یا اس میں مٹی ہوتی ہے۔)

مٹی، قوی ہے۔ خواہش (ہویٰ) پر غالب آ گئی کہ آدم علیہ السلام نے توبہ کر لی۔ شیطان نے توبہ نہ کی کیونکہ آگ ضعیف ہے۔ پس اس پر خواہش غالب آ گئی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں زمین کے منافع بتائے کہ وہ مہاد (گہوارا) ہے، فراش (بچھونا) ہے، قرار (قیام گاہ) ہے، کفاتا (زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی) ہے۔ آگ کو ہمیشہ معرض تخویف و عذاب میں ذکر فرمایا، سوائے ایک یا دو جگھوں کے جہاں ذکر کیا کہ ﴿ وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴾ (الواقعة : ٥٦ / ٧٣) ''اور مسافروں کے لیے فائدے کی چیز

بنایا ہے۔“

بیت الحرام، زمین (مٹی) پر ہے۔ یہ آگ پر فضیلت ہے۔

آگ، خادم ہے۔ جب ضرورت پڑتی ہے تو بلا لیتے ہیں۔ ضرورت پوری ہونے پر ہٹا دیتے ہیں۔

شیطان نے یہ نہیں دیکھا کہ اَلطِّیْنُ مُرَکَّبٌ مِنْ اَصْلَیْنِ : الْمَاءِ الَّذِیْ جَعَلَ اللّٰهُ مِنْهُ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ، وَالتُّرَابِ الَّذِیْ جَعَلَ خِزَانَةَ النَّافِعِ النِّعَمِ . (مٹی دو اصلوں سے مرکب ہے : پانی جس سے اللہ نے ہر زندہ چیز کو بنایا اور مٹی جسے اس نے نفع بخش نعمتوں کا گنجینہ بنایا۔)

جس امر میں وجہ حکمت معلوم نہ ہو تو اللہ کے حکم کا مقابلہ انکار سے نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ایک قسم کا کفر ہے۔

30 ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ ... مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتے زمین پر انسان سے پہلے، الگ مخلوق ہیں۔

نکتہ : ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ﴾ کے بعد ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ﴾ لایا گیا۔ تَعْنِیْ اَنَّهٗ اِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَكُوْنَ مَسْئُوْلاً عَنِ الْاَرْضِ یَجِبُ اَنْ یَكُوْنَ عِنْدَكَ عِلْمٌ . (اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ زمین کے ذمے دار بننا چاہتے ہیں تو آپ کے پاس علم ہونا ضروری ہے۔)

اَلْمَلَائِكَةُ : اَجْسَامٌ نُوْرَانِیَّةٌ لَا یَاْكُلُوْنَ وَلَا یَشْرَبُوْنَ : لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ . (فرشتے نورانی جسم ہیں جو نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں۔ ”وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے۔“)

فُطِرَتِ الْخَلَائِقُ عَلَى اِنْكَارِ الْمُنْكَرِ وَالْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ . (مخلوقات کو برائی کے انکار اور نیکی کا حکم دینے پر پیدا کیا گیا ہے۔)

﴿ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾ یہاں خلیفہ سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔

اَلْخَلِیْفَةُ : مَنْ یَخْلُفُ غَیْرَهُ وَیَقُوْمُ مَقَامَهُ فِیْ تَنْفِیْذِ الْاَحْکَامِ . (خلیفہ وہ ہے جو کسی دوسرے کا جانشین بنے اور احکام کو نافذ کرنے میں اس کی جگہ لے۔)

اَیْ قَوْماً یَخْلُفُ بَعْضُهُمْ بَعْضاً قَرْناً بَعْدَ قَرْنٍ وَجِیْلًا بَعْدَ جِیْلٍ . (تفسیر ابن کثیر : ۱ / ۲۱۶) ”خلیفہ یعنی ایسے لوگ جو صدیوں تک اور نسل در نسل ایک دوسرے کی جگہ لیتے رہیں گے۔“

﴿ خَلِیْفَةً ﴾ اَیْ خَلَفاً یَخْلُفُ بَعْضُهُمْ بَعْضاً ، وَهُمْ وَلَدُ آدَمَ الَّذِیْنَ یَخْلُفُوْنَ اَبَاهُمْ آدَمَ ، وَیَخْلُفُ کُلُّ قَرْنٍ مِنْهُمُ الْقَرْنَ الَّذِیْ سَلَفَ قَبْلَهُ ، وَهٰذَا قَوْلٌ حُکِیَ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ . (الطبری : ۱ / ۴۷۸) ”خلیفہ یعنی ایسے جانشین جو ایک دوسرے کے بعد آئیں گے اور وہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں جو اپنے والد آدم علیہ السلام کے بعد آئیں گے اور ان میں سے ہر نسل اپنے سے پہلے والی نسل کی جگہ لے گی۔ یہ قول حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے۔“

مفسرین کا مستخلف عنہ (نائب) کی تحدید کے بارے میں اختلاف ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : اَوَّلُ مَنْ سَکَنَ الْاَرْضَ الْجِنُّ ، فَاَفْسَدُوْا فِیْهَا . (تفسیر الطبری : ۱ / ۴۷۷) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”زمین پر سب سے پہلے بسنے والے جن تھے۔ پھر انھوں نے اس میں فساد مچایا۔“

کیا انسان کو خلیفۃ اللہ کہا جا سکتا ہے؟ :

حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ اس آیت ﴿ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں ”خلیفہ سے مراد ایسی قوم ہے جو ایک دوسرے کے بعد آئے گی اور یہ کہنا کہ انسان اس دنیا میں اللہ کا خلیفہ ہے اور نائب ہے، غلط ہے۔“ (تفسیر احسن الکلام : ص ۱۷)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''خلیفۃ اللہ'' کے مفہوم کی سنگینی کا اندازہ کر کے ہی اس پر شرک کا بڑا سنگین فتویٰ صادر کیا ہے کیونکہ اس سے کم از کم اللہ کے اسماء وصفات کا جزوی طور پر کسی کو تفویض ہونا لازم آتا ہے اور جزوی طور پر انسان کی اللہ سے تشبیہ لازم آتی ہے جو ایک گمراہ فرقے مشبہ کا موقف ہے۔

مَنْ جَعَلَ لَهُ خَلِيْفَةً فَهُوَ مُشْرِكٌ بِهِ . (الفتاوى الكبرى لابن تيمية : ٥ / ١٢٣) ''جس نے اللہ کا کوئی نائب بنایا تو وہ اس کے ساتھ شرک کرنے والا ہے۔''

وَاَمَّا مَا يَظُنُّهُ طَائِفَةٌ مِنَ الْاِتِّحَادِيَّةِ ، وَغَيْرُهُمْ اَنَّ الْاِنْسَانَ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ فَهٰذَا جَهْلٌ وَضَلَالٌ . (منهاج السنة : ٧ / ٣٥٣) ''لیکن فرقہ اتحادیہ کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ انسان، اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے تو یہ جہالت اور گمراہی ہے۔''

عَنِ ابْنِ اَبِىْ مُلَيْكَةَ قَالَ : قِيْلَ لِاَبِىْ بَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ : يَا خَلِيْفَةَ اللّٰهِ ! قَالَ : اَنَا خَلِيْفَةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَاَنَا رَاضٍ بِذٰلِكَ ، يَعْنِىْ فَكَرِهَ اَنْ يُقَالَ : يَا خَلِيْفَةَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ . (الشريعة للآجرى : ٤ / ١٧١٦ رقم ١١٨٦) ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا ''اے اللہ کے خلیفہ!'' تو انھوں نے فرمایا ''میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں اور میں اس پر راضی ہوں۔'' یعنی انھوں نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ انھیں ''یا خلیفۃ اللہ'' کہا جائے۔

﴿ مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ﴾ یہ اعتراض فرشتوں نے عَلٰى سَبِيْلِ التَّعَجُّبِ وَالتَّعَلُّمِ (تعجب اور سیکھنے کی غرض سے) کیا تھا، حسد اور اعراض کی وجہ سے نہیں کہ جب اہل اطاعت موجود ہیں تو اہل معصیت کو بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ نیز تو تو حکیم ہے اور اَلْحَكِيْمُ لَا يَفْعَلُ اِلَّا الْخَيْرَ وَلَا يُرِيْدُ اِلَّا الْخَيْرَ . (حکیم صرف خیر ہی کرتا ہے اور خیر ہی کا ارادہ کرتا ہے۔)

يُّفْسِدُ فِيْهَا : بِالْمَعَاصِىْ ، وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ : اَىْ يُرِيْقُهَا بِالْقَتْلِ عُدْوَاناً كَمَا فَعَلَ بَنُوْ الْجَانِّ ، وَكَانُوْا فِيْهَا فَلَمَّا اَفْسَدُوْا اَرْسَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَطَرَدُوْهُمْ اِلَى الْجِبَالِ وَالْجُزُرِ . (یعنی وہ گناہوں کے ذریعے فساد برپا کریں گے۔ ''اور خوں ریزی کریں گے۔'' یعنی سرکشی سے قتل کر کے خون بہائیں گے، جیسا کہ جنوں کی اولاد نے کیا تھا۔ وہ زمین پر رہتے تھے۔ پھر جب انھوں نے فساد کیا تو اللہ نے ان پر فرشتوں کو بھیجا جنھوں نے انھیں پہاڑوں اور جزیروں کی طرف بھگا دیا۔)

سوال فرشتوں کو یہ کیسے معلوم ہوا، یہاں تک کہ انھوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ یہ تو غیب ہے؟

جواب اس کی کئی وجوہات ہیں :

① انھوں نے انسانوں کو جنوں پر قیاس کیا کہ انھیں زمین پر بسایا گیا اور انھوں نے فساد کیا۔ وَسَجَّلَ هٰذَا الْخَلِيْفَةُ مَعَلَّهُ بِدَلِيْلِ قَوْلِهِ اللّٰهِ تَعَالَى : ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ، فَقَاسَ الْمَلَائِكَةُ هٰذَا الْخَلِيْفَةَ عَلَيْهِ . (اور اس خلیفہ آدم علیہ السلام نے فرشتوں کے اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی دلیل سے دیا ''پھر ان کے بعد ہم نے تمھیں زمین میں جانشین بنایا۔'' تو فرشتوں نے اس خلیفہ کو اس پر قیاس کیا۔)

② وہ طَبِيْعَةُ الْمَادَّةِ (مٹی کی طبیعت) سے واقف تھے کہ اس میں خیر اور شر دونوں ہے۔

③ یا اللہ نے انھیں اس کی خبر دے دی تھی۔

④ یا ان کے علم میں یہ بات رہی ہوگی کہ صرف ملائکہ ہی معصوم مخلوق ہیں۔ ان کے سوا کسی میں یہ صفت نہیں ہے۔

تو اللہ نے جواب دیا : اِنِّىْ اَعْلَمُ مِنَ الْمَصْلَحَةِ فِى اسْتِخْلَافِهِ مَا

هُوَ خَفِيٌّ عَنْكُمْ ، وَاَعْلَمُ كَيْفَ تَصْلُحُ الْاَرْضُ وَكَيْفَ تُعَمَّرُ ، فَبِالْخَيْرِ وَالشَّرِّ تَصْلُحُ الدُّنْيَا وَتُعَمَّرُ ، وَبِهَا تَظْهَرُ حِكْمَةُ اِرْسَالِ الرُّسُلِ وَاخْتِبَارُ اللّٰهِ . (میں آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے میں وہ مصلحت جانتا ہوں جو تم سے پوشیدہ ہے اور میں جانتا ہوں کہ زمین کیسے درست ہوتی ہے اور کیسے آباد ہوتی ہے۔ پس خیر اور شر دونوں ہی سے دنیا میں اصلاح و تعمیر ہوتی ہے اور اسی سے رسولوں کو بھیجنے اور اللہ کے امتحان کی حکمت ظاہر ہوتی ہے۔)

پھر فرشتوں کے اس گمان کی تغلیط کے لیے کہ وہ خلیفہ بننے کے لیے آدم علیہ السلام سے زیادہ مستحق ہیں، اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء سکھا دیے۔ اس کے بعد اللہ نے ان چیزوں کے نام فرشتوں کے سامنے پیش کیے اور فرمایا: ﴿ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ ''تم مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔''

اس کے جواب میں انھوں نے اپنے قصورِ علم کا اعتراف کر لیا اور کہا: ﴿ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ﴾ ''تو پاک ہے، ہمیں علم نہیں، سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھایا۔''

﴿ نُسَبِّحُ ﴾ اَصْلُهُ مِنَ السَّبْحِ ، وَهُوَ الْمَرُّ السَّرِيْعُ فِى الْمَاءِ اَوِ الْهَوَاءِ ، وَاَصْلُ الْمَادَّةِ لِلدَّلَالَةِ عَلَى الْبُعْدِ . (اس کی اصل سبح سے ہے اور یہ پانی یا ہوا میں تیزی سے گزرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اس مادے کی اصل، دوری پر دلالت کرنا ہے۔)

اَیْ نُنَزِّهُكَ عَنْ كُلِّ نَقْصٍ . (مطلب ہے، ہم تجھے ہر کمی سے پاک قرار دیتے ہیں۔)

﴿ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ ﴾ یہ جملۂ اسمیہ ہے جو دوام و ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔ اَیْ هٰذَا وَصْفُهُمُ الْمُلَازِمُ لِجِبِلَّتِهِمْ . (ان کا یہ وصف ان کی فطرت کا جزو لازم ہے۔)

یہاں مسند الیہ ﴿ نَحْنُ ﴾ کو خبر فعلی پر مقدم کرنے میں احتمال ہے کہ یہ تخصیص کے لیے ہے۔ نَحْنُ الدَّائِمُوْنَ عَلَى التَّسْبِيْحِ وَالتَّقْدِيْسِ دُوْنَ هٰذَا الْمَخْلُوْقِ . (ہم فرشتے ہمیشہ تسبیح اور تقدیس میں مشغول رہتے ہیں، ہم اس مخلوق کی طرح نہیں ہیں۔)

﴿ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْكَلَامِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ : مَا اصْطَفَى اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهِ اَوْ لِعِبَادِهِ : سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ﴾ (رواه مسلم : الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار ، حديث ٢٧٣١ ، واحمد ، والترمذی ، والنسائی فی الكبری) ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ''اللہ کے ذکر کے لیے کون سا کلمہ افضل ہے؟'' آپ نے فرمایا ''جسے اللہ نے اپنے فرشتوں کے لیے (یا ان سمیت) اپنے تمام بندوں کے لیے منتخب فرمایا ہے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ . میں (ہر نعمت کے لیے) اللہ کی حمد کے ساتھ ہر ناشایان چیز سے اس کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں۔''

تسبیح اور تقدیس کے درمیان فرق : فَيَكُوْنُ التَّسْبِيْحُ نَفْیَ مَا لَا يَلِيْقُ ، وَالتَّقْدِيْسُ اِثْبَاتَ مَا يَلِيْقُ . (تسبیح کا مطلب ہر اس چیز کی نفی کرنا ہے جو اللہ کی ذات کے شایان شان نہ ہو، جبکہ تقدیس کا مطلب ہر اس خوبی کو اللہ کے لیے ثابت کرنا ہے جو اس کی شان کے لائق ہو۔)

وَقَدَّمَ التَّسْبِيْحَ عَلَى التَّقْدِيْسِ مِنْ بَابِ تَقْدِيْمِ التَّخْلِيَةِ عَلَى التَّحْلِيَةِ . (تسبیح کو تقدیس پر اس لیے مقدم کیا گیا کیونکہ تحلیہ سے پہلے تخلیہ ہوتا ہے۔) یعنی پہلے نقائص کو دور کیا جائے، پھر کمال کو ثابت کیا جائے۔

﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ ... ﴾ 31

﴿ وَعَلَّمَ ﴾ امتوں کے عروج وزوال میں علم کا سب سے اہم رول ہوتا ہے۔
قصہ آدم کئی جگہ آیا ہے، مگر علم کا ذکر نہیں آیا۔ مَا هِیَ اِلَّا شَرْحٌ تَفْصِيْلِیٌّ

لِقِصَّةِ آدَمَ . (یہ تو آدم علیہ السلام کے قصے کی ایک تفصیلی وضاحت ہے۔)

﴿ آدَمَ ﴾ ''آدم'' عبرانی لفظ ہے۔ معنی ہے، گندمی رنگ۔

﴿ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰه عَنْهُ ، اَنَّ رَجُلًا قَالَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَنَبِیًّا کَانَ آدَمُ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ : کَمْ کَانَ بَیْنَهُ وَبَیْنَ نُوْحٍ ، وَاِبْرَاهِیْمَ ؟ قَالَ : عَشَرَةُ قُرُوْنٍ ، قَالَ : کَمْ کَانَ بَیْنَ نُوْحٍ ، وَاِبْرَاهِیْمَ ؟ قَالَ : عَشَرَةُ قُرُوْنٍ ، قَالَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! کَمْ کَانَتِ الرُّسُلُ ؟ قَالَ : ثَلَاثُ مِائَةٍ وَثَلَاثَةَ عَشَرَ ﴾ (المعجم الکبیر للطبرانی : حدیث ۷۵۴۵) ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟ فرمایا ''جی ہاں۔'' پوچھا ''آدم علیہ السلام اور نوح و ابراہیم علیہما السلام کے درمیان کتنا وقفہ ہے؟'' فرمایا ''دس پشتیں۔'' پوچھا ''حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے مابین کتنا وقفہ ہے؟'' فرمایا ''دس پشتیں۔'' پوچھا ''اللہ کے رسول ! رسولوں کی تعداد کتنی ہیں؟'' فرمایا ''تین سو تیرہ۔''

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۶۱۹۰) نے صحیح اور امام حاکم رحمہ اللہ (۳۰۳۹) نے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

یہ حدیث نص ہے کہ آدم علیہ السلام نبی تھے۔ اسی طرح قرآن و حدیث میں بہت سے عمومی دلائل ہیں جن سے آدم علیہ السلام کا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

﴿ الْاَسْمَآءَ ﴾ وَالْمُرَادُ بِهِ اَسْمَاءُ الْمُسَمَّیَاتِ فَحُذِفَ الْمُضَافُ اِلَیْهِ لِکَوْنِهِ مَعْلُوْماً مَدْلُوْلاً عَلَیْهِ بِذِکْرِ الْاَسْمَاءِ لِاَنَّ الْاِسْمَ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ مُسَمًّی . (اس سے مراد مسمیات (اسماء کے مدلولات) ہیں۔ پس مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا کیونکہ وہ معلوم تھا اور اسماء کے ذکر سے ان پر دلالت ہو رہی تھی کیونکہ ہر اسم کا ایک مسمّٰی ہوتا ہے۔)

﴿ عَرَضَهُمْ ﴾ یہاں عَرَضَهَا نہیں کہا کیونکہ اس سے مراد مسمیات الاسماء ہیں

جس میں عاقل اور غیر عاقل دونوں داخل ہیں۔ تو یہ بَابُ تَغْلِیْبِ الْعُقَلَاءِ عَلَی غَیْرِ الْعُقَلَاءِ (عاقل کو غیر عاقل پر غالب کرنا) کے باب سے ہے۔

﴿اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اِشَارَةٌ اِلَی اَنَّ الدَّعَاوَی لَا یُؤْبَهُ بِهَا اِلَّا بِاِثْبَاتِهَا بِالدَّلِیْلِ. (یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دعووں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی جب تک انھیں دلیل سے ثابت نہ کیا جائے۔)

32 ﴿سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ﴾

لَا یَنْقُصُ مِنَ الْقَدْرِ قَوْلُ: لَا عِلْمَ لَنَا. ("لا علم لنا" کہنے سے عزت نہیں گھٹتی۔)

﴿الْعَلِیْمُ﴾ الَّذِیْ لَا تَخْفَی عَلَیْهِ خَافِیَةٌ. (وہ ذات جس سے کوئی پوشیدہ چیز چھپی نہیں ہے۔)

﴿الْحَکِیْمُ﴾ فَلَا یَفْعَلُ اِلَّا مَا فِیْهِ الْحِکْمَةُ الْبَالِغَةُ.. (پس وہ جو بھی کام کرتا ہے، اس کے اندر کوئی حکمت بالغہ ہوتی ہے۔)

34 ﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ...﴾

﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ اَلسُّجُوْدُ نَوْعَانِ: سُجُوْدُ عِبَادَةٍ، وَهُوَ لِلّٰهِ وَحْدَهُ، وَسُجُوْدُ تَحِیَّةٍ وَتَکْرِیْمٍ مِنْ غَیْرِ تَاْلِیْهٍ، کَسُجُوْدِ الْمَلَائِکَةِ لِاٰدَمَ وَسُجُوْدِ یَعْقُوْبَ وَاَوْلَادِهِ لِیُوْسُفَ. (سجدے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سجدۂ عبادت ہے جو صرف اللہ کے لیے ہے اور دوسرا سجدہ تعظیم اور تکریم کے لیے ہوتا ہے، نہ کہ عبادت کے لیے، جیسے فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اور یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کا یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا۔)

وَهٰذَا فِیْ رَاْیِ اَکْثَرِ الْعُلَمَاءِ، کَانَ مُبَاحاً اِلَی عَصْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ. (اور سجدۂ تحیت اکثر علماء کی رائے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک جائز تھا۔) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرما دیا۔

دلیل وہ حدیث ہے :

وَالَّذِیْ عَلَیْهِ الْاَکْثَرُ اَنَّهُ کَانَ مُبَاحاً اِلَی عَصْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، وَاَنَّ اَصْحَابَهُ قَالُوْا لَهُ حِیْنَ سَجَدَتْ لَهُ الشَّجَرَةُ وَالْجَمَلُ : نَحْنُ اَوْلَی بِالسُّجُوْدِ لَكَ مِنَ الشَّجَرَةِ وَالْجَمَلِ الشَّارِدِ ، فَقَالَ لَهُمْ : (لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُسْجَدَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ) ، رَوَی ابْنُ مَاجَهْ فِیْ سُنَنِهِ وَالْبُسْتِیُّ فِیْ صَحِیْحِهِ عَنْ اَبِیْ وَاقِدٍ . (تفسیر القرطبی : ١ / ٢٩٣) ''جس پر اکثر علماء کا اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ سجدۂ تحیت رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک جائز تھا۔ جب ایک درخت اور ایک اونٹ نے آپ کو سجدہ کیا تو آپ کے صحابہ نے آپ سے عرض کیا ''ہم آپ کو سجدہ کرنے کے درخت اور آوارہ اونٹ سے زیادہ حق دار ہیں۔'' تو آپ نے ان سے فرمایا ''اللہ رب العالمین کے سوا کسی کے لیے بھی سجدہ کرنا جائز نہیں۔'' یہ روایت ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور بستی (ابن حبان) نے اپنی صحیح میں ابو واقد سے نقل کی ہے۔

امت کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ اَنَّ السُّجُوْدَ لِآدَمَ لَمْ یَکُنْ سُجُوْدَ عِبَادَةٍ وَلَا تَعْظِیْمٍ . (آدم علیہ السلام کو کیا گیا سجدہ نہ سجدۂ عبادت تھا اور نہ سجدۂ تعظیم۔) بلکہ یہ سجدۂ تحیۃ تھا۔

اہل علم کی مدح سرائی :

کَانَ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ یَقُوْلُ لَهُ : دَعْنِیْ اُقَبِّلْ رِجْلَیْكَ یَا اُسْتَاذَ الْاُسْتَاذِیْنَ ، وَسَیِّدَ الْمُحَدِّثِیْنَ ، وَیَا طَبِیْبَ الْحَدِیْثِ فِیْ عِلَلِهِ . (معرفة علوم الحدیث للحاکم : ص ١١٤ ، وسنده حسن) امام مسلم رحمہ اللہ کے بارے میں ہے کہ آپ امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس آئے، ان کے ماتھے کا بوسہ لیا اور کہا ''اجازت دیجیے کہ میں آپ کے پاؤں چوم لوں، اے استاذوں کے استاذ! اے محدثین کے سردار اور اے علل حدیث کے ماہر!''

﴿ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ ﴾ اَلْمَوْقِفُ الْاِبْلِيْسِيُّ : اِسْتِكْبَارٌ وَمُخَالَفَةٌ ، وَالْمَوْقِفُ الْمَلَائِكِيُّ : اِسْتِفْسَارٌ وَمُحَاوَلَةٌ لِلْفَهْمِ . (ابلیسی موقف، تکبر اور مخالفت ہے، جبکہ فرشتوں کا موقف، استفسار اور سمجھنے کی کوشش ہے۔)

35 ﴿ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ﴾

قرآن میں زوج کے معانی :

① خلیلہ : ﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ ... ﴾ (المجادلة : ٥٨ / ١) ”یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو......“

② صنف : ﴿ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا ﴾ (ياسين : ٣٦ / ٣٦) ”اس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے۔“

③ مثل اور شبیہ : ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ﴾ (الصافات : ٣٧ / ٢٢) اَيْ اَشْبَاهَهُمْ وَاَمْثَالَهُمْ . ”ظالموں اور ان کے ہمراہیوں کو اکٹھا کرو۔“

36 ﴿ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ﴾

﴿ فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ﴾ اَلنِّعْمَةُ تَزُوْلُ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ . (معصیت سے نعمت زائل ہو جاتی ہے۔)

﴿ اهْبِطُوْا ﴾ جنت تیار ہے اور جانب علو میں ہے۔

37 ﴿ فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ﴾

بندہ غلطی کرتا ہے، اللہ اسے توبہ کی ہدایت دیتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے، پھر اسی توبہ سے اس کا اکرام کرتا ہے اور توبہ قبول ہوتی ہے۔

ہدایت ربانی کے ارسال کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو گیا۔

اپنا قصور ماننا انسانیت ہے اور اکڑنا شیطانیت ہے۔

توبہ کی دو قسمیں ہیں :

① توبہ توفیق جو ﴿ فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ ﴾ سے ظاہر ہے۔

② توبہ قبول جو ﴿ فَتَابَ عَلَيْهِ ﴾ سے ظاہر ہے۔

عَصَى آدَمُ : فَاَكَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ شَهْوَةً ، مَعْصِيَةَ شَهْوَةٍ ، مَعْصِيَةَ اسْتِكْبَارٍ ، وَعَصَى اِبْلِيْسُ : رَبَّهُ اسْتِكْبَاراً . (آدم علیہ السلام نے خواہش کے تحت نافرمانی کی اور درخت سے کھایا۔ یہ خواہش کی نافرمانی تھی، تکبر کی نافرمانی نہیں۔ جبکہ ابلیس نے اپنے رب کی نافرمانی، تکبر کی وجہ سے کی۔)

گناہ کے بعد : اِعْتَرَفَ آدَمُ بِالْخَطَاِ وَعَالَجَ نَفْسَهُ بِالْوَحْيِ ، وَاِبْلِيْسُ اَعْرَضَ وَاعْتَمَدَ عَلَى الْعَقْلِ . (آدم علیہ السلام نے غلطی کا اعتراف کیا اور وحی کے ذریعے اپنی اصلاح کی، جبکہ ابلیس نے منہ موڑا اور عقل پر بھروسا کیا۔)

﴿ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعاً ﴾ 38

گناہ، استدلال (صحیح بات سمجھنے) میں رکاوٹ کا سبب بنتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ اور نافرمانی کا ارتکاب انسان کو دینی اور عقلی امور کو سمجھنے اور ہضم کرنے سے روکتا ہے اور اسے صحیح استدلال کی صلاحیت سے محروم کردیتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں، گناہ ہدایت کے نور کو ڈھانپ لیتے ہیں اور صحیح سوچنے کی صلاحیت کو کمزور کردیتے ہیں۔

نکتہ : آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے معصیت کی وجہ سے اور تمھیں عزت ملی، پھر معصیت کی وجہ سے تمھیں ذلت ملی۔ فَتَعَلَّمُوْا مِنَ الْاَخْطَاءِ السَّابِقَةِ وَاجْتَنِبُوا الْمَعَاصِيْ لِيَعُوْدَ الْاِسْتِخْلَافُ اِلَيْكُمْ . (تو پھر پچھلی غلطیوں سے سبق سیکھو اور گناہوں سے بچو تاکہ خلافت تمہاری طرف لوٹ آئے۔)

﴿ ءَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ... ﴾ 44

﴿ عَنْ اَبِىْ بَرزَة رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَثَلُ الَّذِىْ يُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَيَنْسَى نَفْسَهُ مَثَلُ الْفَتِيْلَة تضىْء عَلَى النَّاس وَتحرق نَفْسهَا ﴾ (الترغيب والترهيب : حديث ١١) ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

''اس شخص کی مثال جو دوسروں کو خیر و بھلائی سکھاتا ہے اور اپنی جان کو بھول جاتا ہے، اس چراغ جیسی ہے جو لوگوں کو تو روشنی دیتا ہے لیکن اپنے آپ کو جلا ڈالتا ہے۔''

45 ﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾

جَوَازُ الْاِسْتِعَانَةِ بِغَيْرِ اللّٰهِ ، لٰكِنْ فِيْمَا يَثْبُتُ اَنَّ بِهِ الْعَوْنَ ، مِثْلُ اَذَا اسْتَعَنْتَ اِنْسَانًا يَحْمِلُ مَعَكَ الْمَتَاعَ اِلَى الْبَيْتِ جَائِزٌ .

(اللہ کے سوا کسی اور سے مدد طلب کرنا جائز ہے، لیکن اس صورت میں جب یہ ثابت ہو کہ اس میں مدد موجود ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ کسی انسان سے سامان اپنے گھر لے جانے میں مدد لیتے ہیں تو یہ جائز ہے۔)

شکر کے بعد صبر کا ذکر کیا۔ اشارہ ہے کہ بندے کو سکھ ملے تو شکر کرے اور دکھ ملے تو صبر کرے۔

48 ﴿ وَاتَّقُوْا يَوْماً لَّا تَجْزِىْ ... مِنْهَا عَدْلٌ ﴾

پہلی آیت (نمبر ۴۸) میں شفاعت کو فدیے پر مقدم کیا گیا ہے اور دوسری آیت (نمبر ۱۲۳) میں فدیے کو شفاعت پر مقدم کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں نفس سے مراد النفس الشافعہ (سفارش کرنے والا شخص) ہے اور دوسری آیت میں نفس سے مراد النفس الآثمہ (گنہگار شخص) ہے۔ پہلی آیت میں ﴿ مِنْهَا ﴾ میں ''ھا'' کی ضمیر، النفس الشافعہ کی طرف راجع ہے اور دوسری آیت میں ﴿ مِنْهَا ﴾ میں ''ھا'' کی ضمیر دوسرے نفس النفس الآثمہ کی طرف راجع ہے۔

49 ﴿ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ ﴾

قوم اور امت اپنے نوجوانوں سے طاقتور اور کمزور بنتی ہے۔ اس حقیقت کو فرعون سمجھ گیا تھا۔

50 ﴿ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ﴾

اَلْبَحْرُ جُنْدٌ مِنْ جُنُوْدِ اللّٰهِ . (دریا، اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر

ہے۔) اسے حکم دیا گیا تو موسیٰ علیہ السلام بچ گئے اور حکم دیا تو فرعون کو نگل گیا۔

55 ﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً﴾

پھر بنی اسرائیل کی غلطیوں کو بیان کیا گیا اور سب سے بڑی غلطی جس میں کوئی امت گرفتار ہوتی ہے اور استبدال کا سبب بنتی ہے، وہ طغیان المادیہ ہے۔ اَیْ لَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اِذَا رَاَوْا اَمْراً مَلْمُوْساً . (یعنی وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کسی چیز کو وہ محسوس طور پر نہ دیکھ لیں۔) جبکہ صفات متقین ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ ہے۔

نکتہ : اللہ کا حکم محبت کے ساتھ ماننا چاہیے، کراہت کے ساتھ نہیں۔

58 ﴿وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ﴾

وَذٰلِكَ اَنَّهُ قِيْلَ لَهُمْ : قُوْلُوْا حِطَّةٌ ، فَقَالُوْا : حِنْطَةٌ ، عَلَى مَا تَقَدَّمَ فَزَادُوْا حَرْفاً فِي الْكَلَامِ فَلَقُوْا مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَقُوْا تَعْرِيْفًا اَنَّ الزِّيَادَةَ فِي الدِّيْنِ وَالْاِبْتِدَاعِ فِي الشَّرِيْعَةِ عَظِيْمَةُ الْخَطَرِ شَدِيْدَةُ الضَّرَرِ ، هٰذَا فِيْ تَغْيِيْرِ كَلِمَةٍ هِيَ عِبَارَةٌ عَنِ التَّوْبَةِ اَوْجَبَتْ كُلَّ ذٰلِكَ مِنَ الْعَذَابِ فَمَا ظَنُّكَ بِتَغْيِيْرِ مَا هُوَ مِنْ صِفَاتِ الْمَعْبُوْدِ ؟ (تفسیر القرطبی : ۱ / ۴۱۵) بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ تم حِطَّةٌ کہو جس کا مطلب توبہ تھا، لیکن انھوں نے حِنْطَةٌ (گیہوں) کہا۔ انھوں نے ایک حرف کا اضافہ کیا اور پھر انھیں جس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا، وہ انھوں نے دیکھا۔ پس دین میں اضافہ کرنا اور شریعت میں بدعت ایجاد کرنا بڑے خطرے اور شدید نقصان کا باعث ہے۔ یہ ایک کلمے کی تبدیلی تھی، پھر تمہارا اس (تبدیلی) کے بارے میں کیا خیال ہے جو معبود کی صفات میں سے ہو؟

حِطَّةٌ ، اَیْ حُطَّ عَنَّا ذُنُوْبَنَا ، اَیْ اِسْئَلُوا اللّٰهَ غُفْرَانَ ذُنُوْبِكُمْ اِنْ دَخَلْتُمُ الْقَرْيَةَ . (حطۃ کا مطلب ہے، ہم سے ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ یعنی جب تم بستی میں داخل ہو تو اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگو۔)

(سوال) سورۂ بقرہ میں اللہ کا ارشاد ہے: ﴿ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ ﴾
''اور تم دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل کرنا اور کہنا، اے اللہ! ہمیں بخش دے۔''
جبکہ سورۂ اعراف میں فرمایا: ﴿ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ﴾ (۷ / ۱۶۱)
''اور کہو، ہمیں معاف کردے، نیز شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا۔'' کیوں؟

(جواب) لفظ ﴿ حِطَّةٌ ﴾ دعا ہے اور یہ دعا انھیں سجدے میں کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اگر دونوں جگہوں پر ایک ہی طرح ذکر کیا جاتا تو شبہ ہوتا کہ سجدہ الگ ہے اور دعا (قول حطہ) الگ ہے، جیسا کہ واؤ کا مقتضی، مطلق جمع ہے، نہ کہ ترتیب۔ پس دونوں جگہوں پر تقدیم و تاخیر کا لحاظ کیا گیا تاکہ مجموعے سے یہ فائدہ ملے کہ قول حطہ سجدے ہی میں ہے، نہ کہ پہلے اور نہ بعد میں۔ اس تقدیم و تاخیر سے معیت کا معنی متعین ہو گیا جو واؤ کے محتملات میں سے ہے کہ سجدہ اور حطہ ایک ہی ساتھ ہو۔

ملحوظہ (درس عظیم): سجدے میں دعا کی قبولیت کے امکان بڑھ جاتے ہیں۔

60 ﴿ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ﴾

عصا سے پتھر پر مارا تو ماء (پانی) نکل آیا اور پانی پر مارا تو حجر (پتھر) ہو گیا۔

لِاَنَّهَا كُلَّهَا بِـ: قُلْنَا. (یہ سب کچھ ہوا کیونکہ ہم نے کہا تھا۔)

60 ﴿ وَاِذِ اسْتَسْقٰى ﴾

وَاعْضُدْهَا بِفِعْلِ السَّبَبِ: اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ. (اللہ کی مدد کو سبب کے فعل سے مضبوط کر۔ ''اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔'')

61 ﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ يَا مُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ ... ﴾

بنی اسرائیل بڑے بے ادب تھے۔ وہ اپنے نبی (موسیٰ علیہ السلام) کو صرف نام سے پکارتے تھے۔

62 ﴿ وَالنَّصَارٰى وَالصَّابِئِيْنَ ﴾

صَابِئِيْنَ: اِنَّهُمْ مَنْ لَا دِيْنَ لَهُمْ ، مَنْ كَانُوْا عَلَى الْفِطْرَةِ وَلَا

یَتَدَیَّنُوْنَ بِدِیْنٍ . (صابئین وہ لوگ ہیں جن کا کوئی دین نہیں ہے، وہ لوگ جو فطرت پر تھے اور کسی دین کے پیرو کار نہیں تھے۔)

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ ﴾ (البقرة : ٢ / ٦٢) ”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی، عیسائی اور صابی (بے دین) ہوئے، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ انھیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ ﴾ (سورة المائدة : ٥ / ٦٩) ”یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور صابی (بے دین) اور نصاریٰ، ان میں سے جو بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕیْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ○ ﴾ (الحج : ٢٢ / ١٧) ”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابی (بے دین) اور نصاریٰ اور مجوسی اور وہ لوگ جنھوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا، بے شک اللہ ان کے مابین یوم قیامت فیصلہ کرے گا۔ یقیناً اللہ ہر شے پر شاہد ہے۔“

آیت البقرہ کا معنی : جو لوگ اللہ کی پچھلی کتابوں (جیسے صحف ابراہیم علیہ السلام) پر ایمان لائے، جو لوگ تورات پر ایمان لائے، وہ یہودی ہیں اور جو لوگ انجیل پر ایمان لائے، وہ عیسائی ہیں، تو یہ ترتیب اللہ کی کتابوں کے نزول کے مطابق ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تورات سے پہلے تھے اور تورات عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے

والی انجیل سے پہلے تھی۔ پس اللہ نے اس آیت میں ان سب کو اس ترتیب سے بیان کیا ہے جس ترتیب سے ان کی رسالتیں نازل ہوئیں۔

63 ﴿خُذُوْا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ﴾

لَا يَصْلُحُ اَكْثَرُ الْعِلْمِ دُوْنَ اِخْرَاجِهِ فَزَكَاةُ الْعِلْمِ تَعْلِيْمُهُ لِلنَّاسِ. (زیادہ تر علم اس وقت تک فائدہ مند نہیں ہوتا جب تک اسے لوگوں میں پھیلایا نہ جائے، پس علم کی زکوٰۃ اسے لوگوں کو سکھانا ہے۔)

67 ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ ... مِنَ الْجَاهِلِيْنَ ○﴾

﴿اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ گائے کے دودھ میں شفا اور گوشت میں بیماری والی روایت ضعیف ہے۔

﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَمَنُ الْبَقَرِ وَاَلْبَانُهَا شِفَاءٌ وَلُحُوْمُهَا دَاءٌ﴾ (الكامل لابن عدى: ۷ / ۳۰۰) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گائے کا گھی اور دودھ شفا اور اس کا گوشت بیماری ہے۔"

﴿عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ دَاءٍ اِلَّا وَقَدْ اَنْزَلَ لَهٗ شِفَاءً وَفِي اَلْبَانِ الْبَقَرِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ﴾ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم: حدیث ۷۴۲۳، وسنده صحيح) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ نے جو بھی بیماری پیدا کی، اس کا علاج بھی پیدا کیا ہے۔ گائے کے دودھ میں تو ہر بیماری کی شفا موجود ہے۔"

﴿قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا﴾ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں؟ کیونکہ مقتول کا حال معلوم ہونے اور گائے کے ذبح کرنے میں کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ اسی طرح گائے کا ذبح کرنا اور اس کے مس سے مردے کا زندہ

ہوجانا، دونوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔

یہ ان کی سخت ترین جہالت تھی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام آمر (حکم دینے والے) نہیں تھے بلکہ اللہ، آمر (حکم دینے والا) تھا۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ﴾ ''اللہ تعالیٰ تمھیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔''

نکتہ : مذاق کرنا جاہلوں کا کام ہے۔ مزاح جائز ہے۔ مزاح کا مطلب ہے، کوئی نکتہ افروز بات کرنا، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔''

بنی اسرائیل، گائے کے ذریعے دوبار فتنے میں مبتلا ہوئے۔

گائے ابلد الحیوان (جانوروں میں سب سے بے وقوف) ہے، یہاں تک کہ اس کی مثال دی جاتی ہے۔'' وہ اتنی بے وقوف ہے جیسے گائے۔''

اللہ تعالیٰ نے علم کی وجہ سے انسان کو فضیلت دی اور افضل علم وہ ہے جو اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ جہالت بہت بری بلا ہے، اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ ''میں اس بات سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہوجاؤں۔''

68 ﴿ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ ... ﴾

﴿ ادْعُ لَنَا ﴾ دعا کرانا جائز ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ خود دعا کرو۔

﴿ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ﴾ یعنی وہ بڑی اور چھوٹی عمر کے بین بین ہو۔

(سوال) لفظ بَيْنَ دو یا زیادہ چیزوں کا تقاضا کرتا ہے، پھر اس کا ذٰلِكَ پر داخل ہونا کیسے جائز ہوا، جبکہ وہ مفرد ہے؟

(جواب) لفظ ذٰلِكَ سے واحد، تثنیہ اور جمع سب کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال اللہ کا یہ قول ہے: ﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ﴾ (یونس: ۱۰ / ۵۸) ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) کہہ دیجیے، (یہ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے، لہٰذا (لوگوں کو) چاہیے کہ وہ اسی کے ساتھ خوش ہوں۔'' اسی معنی

کے لحاظ سے یہ جملہ بھی ہے ''درمیانی عمر کی گائے جو نہ بوڑھی ہو اور نہ کم عمر۔''

71 ﴿قَالَ اِنَّهُ يَقُوْلُ اِنَّهَا ... وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ○﴾

﴿قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ط﴾ اس کا مطلب یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے پہلے جو کہا، وہ حق نہیں تھا؟ یعنی گائے کے معاملے میں آپ حق نہ لائے۔ یہ کھلا کفر تھا اور انتہائی جہالت تھی۔

﴿بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ﴾ اَیْ اِنَّهَا لَيْسَتْ مُذَلَّلَةً بِالْحِرَاثَةِ وَلَا مُعَدَّةً لِلسَّقْيِ فِي السَّانِيَةِ ، بَلْ هِيَ مُكَرَّمَةٌ حَسَنَةٌ صَبِيْحَةٌ . (تفسیر ابن کثیر : ۱ / ۳۰۰) ''یعنی وہ ایسی گائے ہو جو نہ تو کھیتی باڑی کے لیے سدھائی گئی ہو اور نہ اس سے کھیتی کو پانی دینے کا کام لیا گیا ہو بلکہ وہ خوب صورت ہو اور قابل ستائش ہو۔''

اس میں اشارہ ہے کہ کھیت جوتنے والی اور کھیتی کو پانی دینے والی چیز محمود نہیں ہو سکتی۔

72 ﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْساً فَادّٰرَاْتُمْ فِيْهَا﴾

اِدَّارَاتُمْ : يَعْنِيْ فَاخْتَلَفْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ . (تفسیر الطبری : ۲ / ۱۱۷)
''یعنی تم نے اختلاف کیا اور جھگڑا کیا۔''

اَصْلُهُ تَدَارَاتُمْ (تَفَاعُلٌ) مِنَ الدَّرْءُ وَهُوَ الدَّفْعُ لِاَنَّ كُلَّ فَرِيْقٍ يَدْفَعُ الْجِنَايَةَ عَنْ نَفْسِهِ . (اس کی اصل ''تدارا تم'' (تفاعل کے وزن پر) درء سے ہے جس کا معنی دفع کرنا ہے کیونکہ ہر فریق اپنے اوپر سے جرم کو دفع کر رہا تھا۔)

حُلُوْلُ مُشْكِلَاتِنَا بِاَسْرِهَا لَا بُدَّ اَنْ تَكُوْنَ فِيْ اِطَارِ ''فَقُلْنَا'' ، وَاِلَّا سَنَدْخُلُ فِيْ دَائِرَةِ فَادّٰرَاْتُمْ . (ہمارے تمام مسائل کا حل ''فقلنا'' (ہم نے کہا) کے دائرۂ کار میں ہونا چاہیے، ورنہ ہم ''فادارا تم'' (ایک دوسرے پر الزام تراشی) کے دائرے میں داخل ہو جائیں گے۔)

74 ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ... عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○﴾

تین قسم کے پتھر :

① جن سے دریا پھوٹ پڑتے ہیں۔ یہ سب سے زیادہ اثر پذیر ہیں۔

② جن سے پانی نکل آتا ہے۔اس سے کم اثر پذیر ہیں۔

③ جو خوفِ الٰہی سے گرجاتے ہیں۔ یہ سب سے کم اثر پذیری ہے۔

نکتہ : یہ قرآن حکیم کا حیرت انگیز انکشاف ہے کہ پتھروں میں بھی ادراک ہوتا ہے۔

﴿فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ کبھی آپ دیکھتے اور سنتے ہیں کہ انسان ایسے کام کرتا ہے کہ جانور بھی نہیں کرتا تو تعجب مت کرو۔لوگوں میں بعض ایسے ہیں جن کے دل پتھروں سے زیادہ سخت ہیں۔

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ﴾ 79

دینی کام پر اجرت لینے کا جواز : اس آیت میں ایسے لوگوں کے لیے وعید شدید ہے جو غلط مسائل لکھ کر انھیں دین کا حصہ بتاتے ہیں۔اس آیت کا تعلق تعلیم دین پر اجرت لینے سے نہیں ہے۔

﴿عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ ، قَالَ : انْطَلَقَ نَفَرٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ سَفْرَةٍ سَافَرُوْهَا ، حَتّٰى نَزَلُوْا عَلٰى حَىٍّ مِنْ اَحْيَاءِ الْعَرَبِ ، فَاسْتَضَافُوْهُمْ فَاَبَوْا اَنْ يُضَيِّفُوْهُمْ ، فَلُدِغَ سَيِّدُ ذٰلِكَ الْحَىِّ ، فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَىْءٍ لَا يَنْفَعُهُ شَىْءٌ ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ : لَوْ اَتَيْتُمْ هٰؤُلَاءِ الرَّهْطَ الَّذِيْنَ نَزَلُوْا ، لَعَلَّهُ اَنْ يَكُوْنَ عِنْدَ بَعْضِهِمْ شَىْءٌ ، فَاَتَوْهُمْ ، فَقَالُوْا : يَا اَيُّهَا الرَّهْطُ اِنَّ سَيِّدَنَا لُدِغَ ، وَسَعَيْنَا لَهُ بِكُلِّ شَىْءٍ لَا يَنْفَعُهُ ، فَهَلْ عِنْدَ اَحَدٍ مِنْكُمْ مِنْ شَىْءٍ ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ : نَعَمْ ، وَاللّٰهِ اِنِّىْ لَاَرْقِىْ ، وَلٰكِنْ وَاللّٰهِ لَقَدِ اسْتَضَفْنَاكُمْ فَلَمْ تُضَيِّفُوْنَا ، فَمَا اَنَا بِرَاقٍ لَكُمْ حَتّٰى تَجْعَلُوْا لَنَا جُعْلًا ، فَصَالَحُوْهُمْ عَلٰى

قَطِيعٍ مِنَ الْغَنَمِ ، فَانْطَلَقَ يَتْفِلُ عَلَيْهِ ، وَيَقْرَأُ : الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ فَكَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ ، فَانْطَلَقَ يَمْشِيْ وَمَا بِهِ قَلَبَةٌ ، قَالَ : فَأَوْفَوْهُمْ جُعْلَهُمُ الَّذِيْ صَالَحُوْهُمْ عَلَيْهِ ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ : اقْسِمُوْا ، فَقَالَ الَّذِيْ رَقَى : لَا تَفْعَلُوْا حَتَّى نَأْتِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَذْكُرَ لَهُ الَّذِيْ كَانَ ، فَنَنْظُرَ مَا يَأْمُرُنَا ، فَقَدِمُوْا عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوْا لَهُ ، فَقَالَ : وَمَا يُدْرِيْكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ ، ثُمَّ قَالَ : قَدْ أَصَبْتُمْ ، اقْسِمُوْا ، وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ سَهْماً ، فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴾ (صحيح البخاری : كتاب الاجارة ، حديث ٢٢٧٦) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کسی سفر پر روانہ ہوئے۔ جاتے جاتے انھوں نے عرب کے ایک قبیلے کے پاس پڑاؤ کیا اور چاہا کہ اہل قبیلہ ان کی مہمانی کریں مگر انھوں نے اس سے صاف انکار کر دیا۔ اسی دوران میں اس قبیلے کے سردار کو کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا۔ ان لوگوں نے ہر قسم کا علاج کیا مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ کسی نے کہا ''تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جو یہاں پڑاؤ کیے ہوئے ہیں۔ شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی علاج ہو۔'' چنانچہ وہ لوگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آئے اور کہنے لگے ''اے لوگو! ہمارے سردار کو کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا ہے اور ہم نے ہر قسم کی تدبیر کی ہے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی چیز (علاج) ہے؟'' ان میں سے ایک نے کہا ''اللہ کی قسم! میں جھاڑ پھونک کرتا ہوں، لیکن واللہ! تم لوگوں سے ہم نے اپنی مہمانی کی خواہش کی تھی تو تم نے اسے مسترد کر دیا تھا۔ اب میں بھی تمہارے لیے جھاڑ پھونک نہیں کروں گا جب تک تم ہمارے لیے کوئی اجرت مقرر نہیں کرو گے۔'' آخر انھوں نے چند بکریوں کی اجرت پر انھیں راضی کر لیا۔ چنانچہ (صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے) ایک آدمی گیا اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے لگا تو وہ

شخص (ایسا صحت یاب ہوا) گویا اس کے بند کھول دیے گئے ہوں۔ پھر وہ اٹھ کر چلنے پھرنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے کوئی بیماری تھی ہی نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے ان کی اجرت مقرران کے حوالے کردی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں کہنے لگے ''اسے تقسیم کرلو۔'' لیکن دم کرنے والے نے کہا ''ابھی تقسیم نہ کرو، تاوقتیکہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر اس واقعے کا تذکرہ کریں اور معلوم کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں۔'' چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے یہ واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا ''تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ (سورۂ فاتحہ) سے جھاڑ پھونک کی جاتی ہے؟'' پھر فرمایا ''تم نے ٹھیک کہا۔ انھیں تقسیم کرلو بلکہ اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھو۔'' یہ کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرادیے۔

فَصَالَحُوْهُمْ عَلَى قَطِيْعٍ مِنَ الْغَنَمِ. ''آخرکار انھوں نے چند بکریوں (تیس بکریوں کے ریوڑ) کی اجرت پر انھیں راضی کرلیا۔''

اقْسِمُوْا، وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ سَهْماً. ''آپس میں تقسیم کرلو اور میرا حصہ بھی اپنے ساتھ مقرر کرو۔''

یہ بات اپنی جگہ کہ یہ رقیہ یا علاج تھا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کتاب اللہ پر اجرت لینے کے جواز میں صریح ہے۔

وَاسْتَدَلَّ بِهِ الْجُمْهُوْرِ فِيْ جَوَازِ اَخْذِ الْأُجْرَةِ عَلَى تَعْلِيْمِ الْقُرْآنِ. (فتح الباری: ٤ / ٤٥٣) ''جمہور، تعلیم قرآن کی اجرت کے جواز کے قائل ہیں۔''

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَحَقُّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْراً كِتَابُ اللّٰهِ، وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: لَا يَشْتَرِطُ الْمُعَلِّمُ، اِلَّا اَنْ يُعْطَى شَيْئاً فَلْيَقْبَلْهُ، وَقَالَ الْحَكَمُ: لَمْ اَسْمَعْ اَحَداً كَرِهَ اَجْرَ الْمُعَلِّمِ، وَاَعْطَى الْحَسَنُ دَرَاهِمَ عَشَرَةً وَلَمْ يَرَ

ابْنُ سِيْرِيْنَ بِاَجْرِ الْقَسَّامِ بَاْساً ، وَقَالَ : كَانَ يُقَالُ : السُّحْتُ : الرِّشْوَةُ فِى الْحُكْمِ ، وَكَانُوْا يُعْطَوْنَ عَلَى الْخَرْصِ . (البخاری : ۳ / ۹۲) ابن عباس رضی اللہ عنہما ، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ ''سب سے زیادہ اجرت لینے کے لائق اللہ کی کتاب ہے۔'' امام شعبی رحمہ اللہ نے کہا ''معلم شرط نہ کرے (کہ اسے کچھ دیا جائے)، البتہ اسے جو کچھ دیا جائے، اسے قبول کرلے۔'' حکم رحمہ اللہ کہتے ہیں ''میں نے کسی سے نہیں سنا کہ اس نے معلم کی اجرت کو مکروہ خیال کیا ہو۔'' امام حسن بصری رحمہ اللہ نے دس درہم بطور اجرت ادا کیے۔ ابن سیرین رحمہ اللہ نے تقسیم کرنے والے کی اجرت میں کوئی قباحت نہیں سمجھی۔ انھوں نے کہا ''فیصلے میں رشوت لینے کو سحت کہا جاتا ہے، جبکہ خرص یعنی اندازلگانے والے لوگوں کو اجرت دی جاتی تھی۔''

﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : اَنَّ نَفَراً مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوْا بِمَاءٍ ، فِيْهِمْ لَدِيْغٌ اَوْ سَلِيْمٌ ، فَعَرَضَ لَهُمْ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْمَاءِ ، فَقَالَ : هَلْ فِيْكُمْ مِنْ رَاقٍ ، اِنَّ فِى الْمَاءِ رَجُلاً لَدِيْغًا اَوْ سَلِيْماً ، فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ ، فَقَرَاَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلَى شَاءٍ ، فَبَرَاَ ، فَجَاءَ بِالشَّاءِ اِلَى اَصْحَابِهِ ، فَكَرِهُوْا ذٰلِكَ وَقَالُوْا : اَخَذْتَ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْراً ، حَتّٰى قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ ، فَقَالُوْا : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَخَذَ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْراً ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْراً كِتَابُ اللّٰهِ﴾ (صحيح البخارى : كتاب الطب ، حديث ۵۷۳۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چشمے پر رہنے والوں کے پاس سے گزرے۔ ان کے یہاں زہریلے جانور کا کاٹا ہوا ایک شخص تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس ان کا ایک آدمی آیا اور کہنے لگا ''کیا تم میں کوئی دم جھاڑ کرنے والا ہے؟ کیونکہ اس چشمے پر ایک آدمی کو کسی زہریلے جانور نے کاٹ لیا ہے۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک آدمی اس کے ہمراہ گیا اور چند بکریاں لینے کی شرط پر سورۂ فاتحہ سے دم کیا تو وہ تندرست ہوگیا۔ وہ صحابی بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو انھوں نے اسے اچھا خیال نہ کیا اور کہا ''تو نے اللہ کی کتاب پڑھ کر اجرت لی ہے؟'' آخر جب یہ حضرات مدینہ طیبہ آئے تو انھوں نے عرض کیا ''اللہ کے رسول! اس شخص نے اللہ کی کتاب پر اجرت لی ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جن چیزوں کی تم اجرت لیتے ہو، ان میں سب سے زیادہ اجرت لینے کے قابل اللہ کی کتاب ہے۔''

اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجراً كِتَابُ اللّٰهِ . ''جن چیزوں کی تم اجرت لیتے ہو، ان میں سب سے زیادہ اجرت لینے کے قابل اللہ کی کتاب ہے۔''

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بکریوں کا ریوڑ تیس بکریوں پر اور بعض روایات میں اس سے زیادہ لینا ثابت ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اعتراض تھا کہ انھوں نے قرآن پر اجرت لی ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ حق دار تم اس اجرت کے ہو جو تمھیں کتاب اللہ پر ملے۔ اور تسلی خاطر کے لیے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا، اسے آپس میں تقسیم کرلو اور میرا حصہ بھی مقرر کرو۔

نیز ﴿ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴾ (الانعام : ٦ / ٩٠) کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے :

وَاسْتُدِلَّ بِالْآيَةِ عَلَى اَنَّهُ يَحِلُّ اَخْذُ الْاَجْرِ لِلتَّعْلِيْمِ وَتَبْلِيْغِ الْاَحْكَامِ ، وَفِيْهِ كَلَامٌ لِلْفُقَهَاءِ عَلَى طُوْلِهِ مَشْهُوْرٌ غَنِيٌّ عَنِ الْبَيَانِ . (تفسیر روح المعانی : ٤ / ٢٠٦) ''اس آیت سے یہ دلیل لی گئی ہے کہ تعلیم دینے اور احکام شرعیہ پہنچانے کے عوض اجرت لینا جائز ہے اور اس مسئلے میں فقہاء کا ایک طویل کلام ہے جو مشہور ہے اور بیان سے بے نیاز ہے۔''

قَالَ ابْنُ الْعُثَيْمِيْنَ : وَاَمَّا اَخْذُ الْاُجْرَةِ عَلَى اِقْرَاءِ الْقُرْآنِ اَىْ عَلَى تَعْلِيْمِ الْقُرْآنِ فَهٰذَا مُخْتَلَفٌ فِيْهِ ، وَالرَّاجِحُ اَنَّهُ جَائِزٌ لِاَنَّ

اَلْاِنْسَانَ یَاْخُذُہٗ عَلَی تَعْبِہٖ وَعَمَلِہٖ لَا عَلَی قِرَاءَتِہِ الْقُرْآنَ . (فتاوی نور علی الدرب للعثیمین : ۲ / ۱٦) شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''قرآن پڑھانے یعنی قرآن کی تعلیم پر اجرت لینے کا جو مسئلہ ہے، اس میں اختلاف ہے، لیکن راجح بات یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ انسان یہ اجرت اپنی محنت اور اپنی سروس پر لیتا ہے، نہ کہ قرآن پڑھنے پر۔''

ملحوظہ : قرآن پڑھنا بے شک عبادت ہے، لیکن کسی کو قرآن پڑھانا عبادت کے ساتھ ساتھ کسی کو فائدہ پہنچانا اور اس پر اپنی محنت اور اپنا وقت صرف کرنا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص قرآن کی تعلیم پر اجرت لے رہا ہے تو وہ اصل قرآن پر نہیں بلکہ اس کی تعلیم پر صرف ہونے والے اپنے وقت اور اپنی محنت پر اجرت لے رہا ہے۔

79 ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾

قَدْ یَحْرُمُ الْمَرْءُ الْهِدَایَةَ وَدَلَائِلُهَا بَیْنَ یَدَیْهِ . (کبھی کبھی دلائل سامنے رہتے ہوئے بھی آدمی ہدایت سے محروم ہوجاتا ہے۔)

80 ﴿فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ﴾

غضب اول سے مراد مسیح (عیسیٰ) علیہ السلام سے کفر ہے اور غضب ثانی سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے۔

سوال مَا الْفَرْقُ بَیْنَ الْغَضَبِ وَالسَّخْطِ ؟ (غضب اور سخط میں کیا فرق ہے؟)

جواب اَلْغَضَبُ : یَكُوْنُ مِنَ الصَّغِیْرِ عَلَى الْكَبِیْرِ ، وَمِنَ الْكَبِیْرِ عَلَى الصَّغِیْرِ ، اَمَّا السَّخْطُ : فَلَا یَكُوْنُ اِلَّا مِنَ الْكَبِیْرِ عَلَى الصَّغِیْرِ . (غضب چھوٹے کی طرف سے بڑے پر بھی ہوتا ہے اور بڑے کی طرف سے چھوٹے پر بھی، لیکن سخط صرف بڑے کی طرف سے چھوٹے پر ہوتی ہے۔)

ارشاد ہے : ﴿اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ

جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ (آل عمران : ۳ / ۱٦۲) ''بھلا جو شخص اللہ کی رضا کے پیچھے چل رہا ہو، اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اللہ کی ناراضی لے کر لوٹے اور جس کا ٹھکانا جہنم ہے؟ اور وہ بدترین لوٹنے کی جگہ ہے۔'' نیز فرمایا: ﴿ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ ﴾ (الاعراف : ۷ / ۱۵٤) ''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو انھوں نے (تورات کی) تختیاں اٹھالیں۔''

94 ﴿ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ﴾

لِاَنَّ الْحَبِيْبَ لَا يَكْرَهُ لِقَاءَ حَبِيْبِهِ ، وَالْاِبْنَ لَا يَكْرَهُ لِقَاءَ اَبِيْهِ . (کیونکہ محبوب اپنے محبوب کی ملاقات کو ناپسند نہیں کرتا اور بیٹا اپنے باپ کی ملاقات کو ناپسند نہیں کرتا۔) خاص طور سے جب وہ جان لے کہ ثواب مختص ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو ان کا دعویٰ باطل ہے۔

نکتۂ لطیفہ : بیٹے سے خطا ہو تو باپ تادیب کرتا ہے اور محبوب اپنے محبوب سے بعض ناپسندیدہ چیزیں دیکھتا ہے تو اسے چھوڑ دیتا ہے۔

اس جملے پر غور کریں۔ ﴿ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ ﴾ (المائدة : ۵ / ۱۸)
''آپ کہہ دیجیے، پھر وہ تمھیں تمھارے گناہوں کے باعث سزا کیوں دیتا ہے؟''

کیونکہ تعذیب اور تادیب و ہجران میں فرق ہے۔ گناہ پر تعذیب، غضب کا ثمرہ ہے جو محبت کے منافی ہے۔ بندر بنا دینا، قید کیا جانا، قتل کیا جانا، محبوب اپنے محبوب کے ساتھ اور باپ اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا نہیں کرتا۔ تادیب کا مقصد اصلاح ہے اور تعذیب سزا ہے۔ اصلاح اور سزا میں فرق ہے۔

95 ﴿ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَداً ﴾

یہ معجزہ ہے کہ انھوں نے تمنا ظاہر نہیں کی۔ جھوٹ موٹ ہی کہہ دیتے: نَحْنُ نَتَمَنَّاهُ . (ہم موت کی تمنا کرتے ہیں۔)

﴿ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا ﴾ (الجمعة : ٦۲ / ۷) ''وہ کبھی موت کی تمنا نہ کریں

گے۔"

سورۂ بقرہ میں "لن" (ہرگز نہیں) ہے اور سورۂ جمعہ میں "لا" (نہیں) ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہود کا دعویٰ قطعی تھا کہ جنت صرف انھیں کے لیے خاص ہے۔ ﴿ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ ﴾ (سورة البقرة : ٢ / ٩٤) "(آخرت کا گھر) سب لوگوں کو چھوڑ کر خاص تمھارے ہی لیے ہے۔" ان کا رد لفظ "لن" سے کیا گیا کیونکہ "لن" الفاظ نفی میں سب سے بلیغ ہے۔ یہود کے دعوے کی قطعیت کا تقاضا تھا کہ ان کا رد لفظ "لن" سے کیا جاتا۔ سورۂ جمعہ میں ان کا دعویٰ، ظن اور تردد پر مبنی تھا کہ وہ اللہ کے چہیتے (اولیاء اللہ) ہیں۔ ﴿ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ ﴾ (الجمعة : ٦٢ / ٦) "تمھارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو۔" لہٰذا رد میں "لا" ہی مناسب تھا۔

97 ﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ ﴾

عِدَاءٌ لِلنَّاقِلِ عِدَاءٌ لِلْمَنْقُوْلِ. (ناقل کی دشمنی، منقول کی دشمنی ہے۔)

101 ﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ ... لَا يَعْلَمُوْنَ ○ ﴾

مَنْ تَرَكَ عِبَادَةَ الرَّحْمٰنِ اُبْتُلِيَ بِعِبَادَةِ الْاَوْثَانِ ، وَمَنْ تَرَكَ مَحَبَّةَ اللّٰهِ وَخَوْفَهُ وَرَجَاءَهُ اُبْتُلِيَ بِمَحَبَّةِ غَيْرِ اللّٰهِ وَخَوْفِهِ وَرَجَائِهِ ، وَمَنْ لَمْ يُنْفِقْ مَالَهُ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ اَنْفَقَهُ فِيْ طَاعَةِ الشَّيْطَانِ ، وَمَنْ تَرَكَ الذُّلَّ لِرَبِّهِ اُبْتُلِيَ بِالذُّلِّ لِلْعَبِيْدِ ، وَمَنْ تَرَكَ الْحَقَّ اُبْتُلِيَ بِالْبَاطِلِ. (فوائد من تفسير السعدى : ٦٠) "جو رحمٰن (اللہ تعالیٰ) کی عبادت چھوڑ دے، وہ اوثان (بتوں) کی عبادت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی محبت، اس کا خوف اور اس سے امید کو چھوڑ دے، وہ غیر اللہ کی محبت، اس کے خوف اور اس کی امید میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی اطاعت میں اپنا مال خرچ نہیں کرتا، وہ شیطان کی اطاعت میں اسے خرچ کرے گا۔ جو اپنے رب کے سامنے ذلت کو چھوڑ دیتا ہے، وہ بندوں کے سامنے ذلت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ جو حق کو چھوڑ دے، وہ باطل میں

مبتلا کر دیا جاتا ہے۔"

جیسے یہود کہ کتاب پھینکی تو جادو میں مبتلا ہو گئے۔

102 ﴿وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِيْنُ ...﴾

دلَّ الْقُرْآنُ فِيْ عِدّةِ آيَاتٍ اَنَّ مَنْ تَرَکَ مَا يَنْفَعهُ مَعَ الْاِمْکَانِ ابْتُلِیَ بالْاِشْتِغَالِ بِمَا يَضرّہُ . (قرآن کی کئی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص امکان کے باوجود اس چیز کو چھوڑ دیتا ہے جو اسے نفع دیتی ہے تو اسے اس چیز میں مشغول کر دیا جاتا ہے جو اسے نقصان پہنچاتی ہے۔)

﴿وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ﴾ فَابْتَلَی هٰؤُلَاءِ الْيَهُوْدَ عُقُوْبَةً لَهُمْ عَلَی نَبْذِ كِتَابِ اللّٰهِ باتِّبَاعِ مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِيْنُ . (پس اللہ نے ان یہودیوں کو اس وجہ سے سزا دی کہ انھوں نے اللہ کی کتاب کو ترک کر دیا اور اس کے بجائے ان چیزوں کی پیروی کی جو شیاطین پڑھا کرتے تھے۔)

وَهٰكَذَا مَنْ تَرَکَ الْحَقَّ مَعَ عِلْمِهِ ابْتُلِیَ وَعُوْقِبَ بِاتِّبَاعِ الْبَاطِلِ . (اسی طرح جو شخص جان بوجھ کر حق کو چھوڑ دیتا ہے، وہ باطل کی پیروی کے ذریعے آزمائش اور سزا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔)

مَنْ تَرْکَ عِبَادَةَ الرَّحْمٰنِ اُبْتُلِیَ بِعِبَادَةِ الْاَوْثَانِ . "جو رحمٰن (اللہ تعالیٰ) کی عبادت چھوڑ دے، وہ اوثان (بتوں) کی عبادت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔"

وَمَنْ تَرَکَ مَحَبَّةَ اللّٰهِ وَخَوْفَهُ وَرَجَاءَهُ اُبْتُلِيَ بِمَحَبَّةِ غَيْرِ اللّٰهِ وَخَوْفِهِ وَرَجَائِهِ . "جو اللہ کی محبت، اس کا خوف اور اس سے امید کو چھوڑ دے، وہ غیر اللہ کی محبت، اس کے خوف اور اس کی امید میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔"

وَمَنْ لَمْ يُنْفِقْ مَالَهُ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ اَنْفَقَهُ فِیْ طَاعَةِ الشَّيْطَانِ . "جو اللہ عزوجل کی اطاعت میں اپنا مال خرچ نہیں کرتا، وہ شیطان کی اطاعت میں اسے خرچ کرے گا۔"

وَمَنْ تَرَكَ الذُّلَّ لِرَبِّهِ أُبْتُلِيَ بِالذُّلِّ لِلْعَبِيْدِ . ”جو اپنے رب کے سامنے ذلت کو چھوڑ دیتا ہے، وہ بندوں کے سامنے ذلت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔“

وَمَنْ تَرَكَ الْحَقَّ أُبْتُلِيَ بِالْبَاطِلِ . ”جو حق کو چھوڑ دے، وہ باطل میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔“ (فوائد من تفسير السعدی : ٦٠)

شیطان کی قسمیں : یہ جن بھی ہوسکتا ہے، انسان بھی ہوسکتا ہے اور حیوان بھی۔

﴿ عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ ﴾ (مسند ابن الجعد : حديث ٣٠٨٥) ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”کالا کتا، شیطان ہوتا ہے۔“

﴿ السِّحْرَ ﴾ جادو ہر زمانے میں موجود تھا۔ ﴿ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴾ (الذاريات : ٥١ / ٥٢) ”اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو بھی رسول آیا تو انھوں نے بس یہی کہا کہ (یہ) جادوگر ہے یا دیوانہ۔“

﴿ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ ، قَالُوْا : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! وَمَا هُنَّ ؟ قَالَ : الشِّرْكُ بِاللّٰهِ ، وَالسِّحْرُ ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ، وَأَكْلُ الرِّبَا ، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ ، وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ ﴾ (صحيح البخاری : كتاب الوصايا ، حديث ٢٧٦٦) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”سات ہلاکت خیز گناہوں سے احتراز کرو۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ کیا ہیں؟“ آپ نے فرمایا ”① اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، ② جادو کرنا، ③ کسی

جان کو قتل کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے، مگر حق کے ساتھ جائز ہے، ④ سود کھانا، ⑤ یتیم کا مال ہڑپ کرنا، ⑥ لڑائی کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا اور ⑦ پاک دامن اہل ایمان، بھولی بھالی خواتین پر زنا کی تہمت لگانا۔"

شیاطین اور ان کے متبعین یہود نے جادو کو سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کیا تو اللہ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ﴾ "اور سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کفر کیا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔"

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ اسْحَاقَ : قَالَ بَعْضُ اَحْبَارِ الْيَهُوْدِ : اَلَا تَعْجَبُوْنَ مِنْ مُحَمَّدٍ ، يَزْعُمُ اَنَّ سُلَيْمَانَ كَانَ نَبِيًّا ؟ وَاللّٰهِ مَا كَانَ اِلَّا سَاحِراً ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ : وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ . (التفسير المنير للزحيلي : ١ / ٢٤٢) امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں کے بعض علماء نے کہا "کیا تمھیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر تعجب نہیں ہوتا؟ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سلیمان (علیہ السلام) نبی تھے؟ جبکہ اللہ کی قسم! وہ تو صرف ایک جادوگر تھے۔" پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ﴾ "اور سلیمان (علیہ السلام) نے کفر نہیں کیا تھا۔"

﴿ عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ ﴾ (جامع الترمذی : ابواب الحدود ، حديث ١٤٦٠ ، حكم الالبانی : ضعيف) جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جادوگر کی سزا تلوار سے گردن مارنا ہے۔"

﴿ بِبَابِلَ ﴾ بابل، فرات اور دجلہ کے سنگم سے چند میلوں کی دوری پر ہے۔ یہ کلدانیوں کی راجدھانی تھی اور دنیا کا قدیم ترین شہر ہے۔

اہل بابل، کواکب سبعہ کی پوجا کرتے تھے۔

﴿ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ﴾ قَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ : هُمَا

كَانَا عَلْجَيْنِ مِنْ عُلُوْجِ بَابِلَ ، وَلَمْ يَكُوْنَا مَلَكَيْنِ . (تفسیر سمعانی : ١ / ١١٦) حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ''وہ دونوں بابل کے کافروں میں سے دو کافر تھے اور وہ فرشتے نہیں تھے۔''

اَلْعِلْجُ بِوَزْنِ الْعِجْلِ ، وَالْجَمْعُ : عُلُوْجٌ ، رَجُلٌ ضَخْمٌ قَوِیٌّ مِنْ كُفَّارِ الْعَجَمِ . (علج، عجل کے وزن پر ہے۔ اس کی جمع علوج آتی ہے۔ اس سے مراد عجمی کفار میں سے ایک بھاری بھرکم، طاقتور آدمی ہے۔)

﴿ وَمَا يُعَلِّمٰنِ ... فَلَا تَكْفُرْ ﴾ تو ان میں سے کچھ ایسے تھے جو سیکھتے تھے اور کچھ ایسے تھے جو نہیں سیکھتے تھے۔

﴿ فِتْنَةٌ ﴾ اَلِامْتِحَانُ وَالْاِبْتِلَاءُ . (فتنہ سے مراد امتحان و آزمائش ہے۔)

اَیْ فَتَنْتَ الذَّهَبَ فِی النَّارِ اِذَا اخْتَبَرْتَهُ لِيُعْلَمَ اَخَالِصٌ هُوَ اَمْ مَشْئُوْبٌ . (یعنی تم سونے کو آگ میں ڈال کر پرکھتے ہو تا کہ معلوم ہو کہ وہ کھرا ہے یا کھوٹا۔)

اس میں ان کی آزمائش اور ان کا امتحان تھا کہ وہ اپنے دین کو کتنی مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔

﴿ فَلَا تَكْفُرْ ﴾ معلوم ہوا کہ جادو کفر ہے۔

﴿ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ ﴾ میں من زائدہ ہے اور نفی کی تاکید کے لیے ہے۔ یعنی يَعْلَمَانِ اَیَّ اَحَدٍ مِنَ النَّاسِ . (وہ کسی بھی انسان کو نہیں سکھاتے تھے۔) یہاں تک کہ اس سے کہتے کہ ہم آزمائش ہیں، لہٰذا کفر نہ کرو۔

سوال فرشتے کیسے جادو سکھا سکتے ہیں، جبکہ جادو سیکھنا سکھانا حرام ہے؟

جواب اس سوال پر سوال ہے کہ مَنْ يُحَلِّلُ وَيُحَرِّمُ . (حلال اور حرام کون کرتا ہے؟)

اللہ ہی کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور کسی چیز کو حرام کرتا ہے۔ پس اللہ نے فرشتوں کو حکم

دیا کہ جادو سکھائیں تو ان کا یہ جادو سکھانا اللہ کے اذن سے ہے، لہٰذا یہ کفر یا معصیت نہ ہوگا۔ جیسے غیر اللہ کو سجدہ کرنا شرک ہے، اس کے باوجود جب شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تو شیطان کافر ہو گیا کیونکہ سجدے کا حکم اللہ نے دیا تھا۔

اولاد کو ذبح کرنا حرام ہے، مگر اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کردیں تو ابراہیم علیہ السلام تیار ہو گئے۔ اسی طرح جادو سکھانا حرام ہے، لیکن جب اللہ کا حکم ہوا تو جائز ہو گیا۔

﴿يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ﴾ اِنَّ مَحَبَّةَ الزَّوْجَيْنِ لَا تُقَاسُ بِمَحَبَّةِ غَيْرِهِمَا ، لِاَنَّ اللّٰهَ قَالَ فِيْ حَقِّهِمَا : وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً . (میاں بیوی کی محبت کا کسی اور کی محبت سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے" اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔")

﴿عَنْ جَابِرٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِنَّ اِبْلِيْسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ ، ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ ، فَاَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً اَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً ، يَجِيْءُ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ : فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا ، فَيَقُوْلُ : مَا صَنَعْتَ شَيْئاً ، قَالَ : ثُمَّ يَجِيْءُ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ : مَا تَرَكْتُهُ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَاَتِهِ ، قَالَ : فَيُدْنِيْهِ مِنْهُ وَيَقُوْلُ : نِعْمَ اَنْتَ﴾ (صحيح مسلم : كتاب صفة القيامة والجنة والنار ، حديث ٢٨١٣) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، پھر وہ اپنے لشکر روانہ کرتا ہے۔ اس کے سب سے زیادہ قریب وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ ڈالتا ہے۔ ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے : میں نے فلاں فلاں کام کیا ہے۔ وہ کہتا ہے : تم نے کچھ نہیں کیا۔ پھر ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے : میں نے اس شخص کو (جس کے ساتھ میں تھا) اس وقت تک نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ اس کے

اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرادی۔" کہا" وہ اسے اپنے قریب کرتا ہے اور کہتا ہے: تم سب سے بہتر ہو۔"

﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ هٰذَا دَلِيْلٌ عَلَى اَنَّ السِّحْرَ لَهُ حَقِيْقَةٌ وَاَنَّهُ يَضُرُّ بِاِذْنِ اللّٰهِ اَىْ بِاِرَادَةِ اللّٰهِ. (یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جادو ایک حقیقت ہے اور وہ اللہ کے حکم سے یعنی اس کے ارادے سے نقصان پہنچاتا ہے۔)

وَفِىْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ اَنَّ الْاَسْبَابَ مَهْمَا بَلَغَتْ فِىْ قُوَّةِ التَّاْثِيْرِ فَاِنَّهَا تَابِعَةٌ لِلْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ لَيْسَتْ مُسْتَقِلَّةً فِى التَّاْثِيْرِ. (اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسباب چاہے کتنی ہی قوی تاثیر رکھتے ہوں، مگر وہ قضاء اور قدر کے تابع ہیں۔ وہ اپنا اثر ڈالنے میں آزاد یا خودمختار نہیں ہیں۔)

اِذْنُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ يَنْقَسِمُ اِلَى قِسْمَيْنِ: كَوْنِىٌّ، وَشَرْعِىٌّ، وَالْفَرْقُ بَيْنَهُمَا اَنَّ الْاِذْنَ الْكَوْنِىَّ لَا بُدَّ اَنْ يَقَعَ وَلَا يَلْزَمُ اَنْ يَكُوْنَ مَحْبُوْباً لِلّٰهِ كَالْاِرَادَةِ الْكَوْنِيَّةِ، وَالْاِذْنُ الشَّرْعِىُّ لَا يَلْزَمُ وُقُوْعُهُ وَلَا بُدَّ اَنْ يَكُوْنَ مَحْبُوْباً لِلّٰهِ كَالْاِرَادَةِ الشَّرْعِيَّةِ. (اللہ تعالیٰ کا اذن دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے: اذن کونی اور اذن شرعی۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اذن کونی کا واقع ہونا ضروری ہے، لیکن یہ لازم نہیں کہ وہ اللہ کو محبوب ہو، جیسا کہ ارادۂ کونیہ۔ اذن شرعی کا واقع ہونا ضروری نہیں ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ کو محبوب ہو، جیسا کہ ارادہ شرعیہ۔)

اذن کونی کا مطلب ہے، اللہ کے ارادے، اس کی تقدیر اور اس کی مشیت کے بغیر کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔

فَالْمَنْهِيَّاتُ كُلُّهَا اِمَّا مَضَرَّةٌ مَحْضَةٌ اَوْ شَرُّهَا اَكْبَرُ مِنْ خَيْرِهَا، فَهٰذَا السِّحْرُ مَضَرَّةٌ مَحْضَةٌ. (تمام منہیات (منع کردہ چیزیں)

یا تو خالص نقصان دہ ہیں، یا ان کا نقصان ان کے فائدے سے زیادہ ہے۔ اور یہ جادو خالص نقصان دہ ہے۔)

﴿وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ﴾ اَعْظَمُ الْغَبْنِ اِضَاعَةُ الْعُمْرِ فِىْ عِلْمٍ يَضُرُّ وَلَا يَنْفَعُ. (سب سے بڑا گھاٹا یہ ہے کہ عمر کو ایسے علم میں برباد کیا جائے جو نقصان پہنچائے اور فائدہ نہ دے۔)

فَاَثْبَتَ ضَرَرَهُ وَنَفَى نَفْعَهُ. (اللہ نے جادو کے نقصان کو ثابت کیا اور اس کے فائدے کی نفی کر دی۔)

قاعدہ: اَلصِّفَاتُ الْمَنْفِيَّةُ يُؤْتَى بِهَا لِاثْبَاتِ كَمَالِ ضِدِّهَا. (منفی صفات اس لیے بیان کی جاتی ہیں کہ ان کی ضد کے کمال کو ثابت کیا جا سکے۔)

اس قاعدے کے تحت یہاں اِثْبَاتُ كَمَالِ ضَرَرِ السِّحْرِ (جادو کے مکمل نقصان دہ ہونے کا اثبات) ہے۔

﴿وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ﴾ يَعْنِىْ رَغِبَ فِى السِّحْرِ رَغْبَةَ الْمُشْتَرِىْ فِى السِّلْعَةِ. (مطلب ہے، اس نے جادو میں اس طرح دلچسپی لی جس طرح خریدار کسی سامان میں دلچسپی لیتا ہے۔)

شَرَوْهُ اَىْ بَاعُوْهُ. (یعنی اسے فروخت کر دیا۔) یعنی جادوگر نے سحر کو خریدا اور بطور ثمن (قیمت) اپنا ایمان دے دیا۔

پس جادو کے ذریعے کمائے ہوئے مال میں کوئی برکت نہیں۔

﴿وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ﴾ اَلْجُهْلُ يَقُوْدُ اِلَى بَيْعِ الْوَضِيْعِ بِالرَّفِيْعِ. (جہالت (انسان کو) حقیر چیز کو عمدہ چیز کے بدلے بیچنے کی طرف لے جاتی ہے۔)

﴿مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ خَلَاقٌ اَىْ نَصِيْبٌ، وَالْجَزَاءُ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ، لِاَنَّ السَّاحِرَ كَافِرٌ لَا نَصِيْبَ لَهُ فِى الدِّيْنِ

فَلَا نَصِيبَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ فِي الْآخِرَةِ فَلَيْسَ لَهُ فِيهَا اِلَّا الْخُسْرَانُ وَالْبَوَارُ . (خلاق کا مطلب حصہ ہے۔ بدلہ، عمل کی نوعیت کے مطابق ہوتا ہے کیونکہ جادوگر کافر ہوتا ہے جس کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، لہٰذا آخرت میں بھی اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اور جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوتو اس کے لیے وہاں خسارے اور تباہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔)

﴿لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا﴾ 104

اَصْلُهَا فِي الْعِبْرِيَّةِ رَاعِيْنُوْ ، اَيْ شَرِيْرٌ . (اس لفظ کی اصل عبرانی میں راعینو ہے جس کا معنی شریر ہے۔)

قاعدہ : اِنَّ كُلَّ وَسِيْلَةٍ مُبَاحَةٍ اَدَّتْ اِلَى مَحْظُوْرٍ فَهِيَ حَرَامٌ . (ہر وہ جائز وسیلہ جو کسی ممنوع یا نقصان دہ نتیجے کی طرف لے جائے تو وہ حرام ہے۔)

عرب اس لفظ ﴿رَاعِنَا﴾ (ہمارا لحاظ کریں) کو عام سمجھتے تھے، لیکن بنی اسرائیل کے نزدیک اس کا مطلب گالی دینا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مسلمان، یہودیوں سے لفظی اصطلاحات تک میں بھی ممتاز ہوں، لہٰذا انھیں حکم دیا کہ وہ ﴿اُنْظُرْنَا﴾ (ہماری طرف توجہ فرمائیں) کہیں۔

یعنی ذرا توقف فرمایئے تاکہ ہم آپ کا کلام سمجھ لیں۔ یعنی ہماری عرض و معروض غور سے سنیے! ہمارے سمجھنے تک توقف کیجیے۔

اِسْمَعْ لَا سَمِعْتَ . ''سن، خدا کرے تو نہ سنے۔'' یہ انتہائی فحش گالی تھی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کلمہ بولتے تو انھیں ایک شگوفہ ہاتھ آگیا۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کی فاسد نیت کو پہچان گئے اور فرمایا ''تم پر اللہ کی لعنت ہو۔ اب میں نے یہ کلمہ سنا تو تمہاری گردن اڑا دوں گا۔'' (تفسير القرطبي : ٢ / ٥٧)

نکتہ : کسی صحیح کام سے کسی بڑی برائی کا راستہ نکلتا ہو تو بڑی برائی کے سدباب کے لیے اس صحیح کام کو چھوڑ دینا چاہیے، جیسے ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

﴿فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (الانعام : ٦ / ١٠٨) ''اور مشرکین اللہ کو چھوڑ کر جنھیں پکارتے ہیں، تم انھیں گالی مت دو، پھر وہ بھی جہالت میں، حد سے گزرتے ہوئے اللہ کو گالی دیں گے۔''

نکتہ : لفظ حسین استعمال کریں۔ ایسا لفظ استعمال نہ کریں جس میں برائی کا احتمال ہو۔

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ...﴾ 106

نسخ : هُوَ رَفْعُ الْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ بِدَلِيْلٍ شَرْعِيٍّ مُتَاخِرٍ . (ایک شرعی حکم کو بعد میں آنے والی شرعی دلیل کے ذریعے اٹھا دینا نسخ کہلاتا ہے۔)

نسخ کی صورتیں :

① لفظ اور معنی دونوں منسوخ ہو جائیں۔

② لفظ منسوخ ہو جائے اور معنی باقی رہے۔

③ معنی منسوخ ہو جائے اور لفظ باقی رہے۔

④ نص باقی رہے اور حکم منسوخ ہو جائے۔

نسخ حسب مصلحت اور حاجت ہوجاتا ہے، جیسے ڈاکٹر احوال صحیہ کے پیش نظر دوائیوں اور غذاؤں کو بدل دیتا ہے۔

نسخ اور تخصیص میں فرق : نسخ میں حکم کو بعض زمانے کے ساتھ خاص کرنا ہوتا ہے، جبکہ تخصیص میں بعض افراد سے حکم ساقط کر دیا جاتا ہے۔ نسخ صرف کتاب وسنت سے ہوتا ہے، جبکہ تخصیص کبھی کبھار حس اور عقل سے بھی ہوتی ہے۔ ﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا﴾ (الاحقاف : ٤٦ / ٢٥) ''وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر دے گی۔'' یہاں ﴿كُلَّ شَيْءٍ﴾ میں زمین وآسمان بھی داخل ہیں۔ یہ حس مخصص ہے کیونکہ آندھی سے زمین وآسمان تباہ نہیں ہوتے۔

﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ 106

اللہ، بندوں کے لیے منفعت کے حصول میں ان کا والی وسرپرست ہے اور ضرر کو ان

سے دور کرنے میں ان کا مددگار ہے۔

ولی اور نصیر میں فرق :

......ولی کبھی نصیر سے ضعیف ہوتا ہے۔

......نصیر کبھی ولی نہیں ہوتا بلکہ کوئی اجنبی بھی نصیر ہوسکتا ہے۔

109 ﴿حَسَداً مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ﴾

صاحب نعمت کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ یہ نعمت اس کے پاس رہے اور ہمیں بھی اس کے مثل مل جائے، رشک ہے۔

حسد کے نقصانات : حاسد ہمیشہ جلتا کڑھتا رہتا ہے اور جیسے جیسے دوسرے شخص پر نعمتیں زیادہ ہوتی رہتی ہیں، اس کی جلن بڑھتی رہتی ہے۔

حاسد، اللہ کی تقسیم کو ناپسند کرتا ہے۔

111 ﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾

نکتہ : جو دعویٰ بلا دلیل پیش کرے، اس سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے۔ دعویٰ بلا دلیل ناقابل قبول ہے۔

113 ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارىٰ عَلىٰ شَيْءٍ ...﴾

لَا تَكُنْ مِمَّنْ يُطْفِئُ سُرُجَ الْآخَرِيْنَ لِيُنِيْرَ سِرَاجَهُ . (اپنا چراغ جلانے کے لیے دوسروں کے چراغ بجھانے والے نہ بنو۔)

114 ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ ...﴾

﴿مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ کفار نے مسلمانوں کو ایک ہی مسجد سے روکا تھا۔ اللہ نے جمع لا کر یہ بتایا کہ یہ حکم تمام مساجد کا ہے۔

﴿عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنْ حَفَرَ مَاءً لَمْ يَشْرَبْ مِنْهُ كَبِدٌ حَرَّى مِنْ جِنٍّ وَلَا اِنْسٍ وَلَا سَبُعٍ وَلَا طَائِرٍ اِلَّا آجَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَمَنْ بَنَى مَسْجِداً

كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ اَوْ اَصْغَرَ مِنْهُ ، بَنَى اللّٰهِ لَهُ بَيْتاً فِى الْجَنَّةِ ﴾

(التاريخ الكبير للبخاري : ۱ / ۳۳۲ ، وسنن ابن ماجه : ۷۳۸) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے پانی کا کنواں کھودا، اس میں سے کسی پیاسے جن، انسان، درندے یا پرندے نے پانی نہیں پیا، مگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اجر عطا فرمائے گا۔ اسی طرح جس نے پرندے کے انڈے دینے کی جگہ کے برابر یا اس سے چھوٹی مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔''

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۱۲۹۲) نے صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ منذری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (الترغيب والترهيب : ۱ / ۱۲۰)

﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾ 115

﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ﴾ لام، اختصاص کا ہے۔ یعنی مشرق اور مغرب سب اسی کی ملکیت ہے۔

اَلْمَشْرِقُ اَىْ مَشْرِقُ كُلِّ شَارِقٍ ، وَالْمَغْرِبُ اَىْ كُلِّ غَارِبٍ .
(مشرق سے مراد ہر مشرق میں رہنے والے کا مشرق اور مغرب سے مراد ہر مغرب میں رہنے والے کا مغرب ہے۔)

جیسے اہل یمن شمال کی طرف، اہل شام جنوب کی طرف، اہل نجد مغرب کی طرف اور اہل مصر مشرق کی طرف رخ کرتے ہیں۔

﴿ فَثَمَّ ﴾ اسم اشارۂ بعید ہے اور ظرف ہے۔

فَثَمَّ اَىْ هُنَاكَ ، وَالْاِشَارَةُ اِلَى الْجِهَةِ الَّتِىْ تَوَلَّوْا اِلَيْهَا . (فثم کا معنی ہے، وہاں۔ یہ اس سمت کی طرف اشارہ ہے جس کی طرف وہ پھرے۔)

اَلصَّلَاةُ اِلَى غَيْرِ الْكَعْبَةِ فِىْ حَالِ تَعَذُّرِ اسْتِقْبَالِهَا . (جب کعبہ کی طرف رخ کرنا ممکن نہ ہو تو اس کے بجائے کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔) مثلاً سفر میں سواری (جو اپنے قابو میں ہو) پر نفلی نماز پڑھنا۔

اس میں اللہ کے وجہ (چہرہ) کا اثبات ہے۔

راجح یہ ہے کہ وجہ سے مراد وجہ حقیقی ہے کیونکہ یہی اصل ہے اور معنی اصلی لینے میں کوئی مانع نہیں۔

تو آیت کا معنی ہے : اِنَّکُمْ مَهْمَا تَوَجَّهْتُمْ فِیْ صَلَاتِکُمْ فَاِنَّکُمْ تَتَوَجَّهُوْنَ اِلَی اللّٰهِ . (تم اپنی نماز میں جس طرف بھی رخ کرو، تم اللہ ہی کی طرف رخ کر رہے ہو۔)

116-117 ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَداً ... كُنْ فَيَكُوْنُ ○﴾

اللہ نے خود سے اتخاذ ولد (بیٹا بنانا) کی نفی کی ہے اور چار دلیلیں دی ہیں :

① ﴿ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ملکیت اور ولدیت دونوں جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ ولد، باپ کا جزو ہوتا ہے۔ نہ تو وہ مخلوق ہوگا، نہ مملوک ہوگا۔ بیٹا، باپ کی نظیر ہوتا ہے۔ پس غلام اس کی نظیر کیسے ہو سکتا ہے!

② دوسری دلیل : ﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ پوری کائنات کو عدم سے وجود میں لایا تو اس میں کسی کو اس کی طرف بیٹے کی نسبت کیسے کر سکتے ہیں! یعنی ان چیزوں میں سے کسی کو اس کا بیٹا کیسے کہا جا سکتا ہے؟

③ تیسری دلیل : ﴿ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ جو ایسا قادر ہو کہ "کن" کہہ دے تو ہر شے فوراً ہو جاتی ہے، اسے بیٹے کی کیا ضرورت ہے!

④ هٰذَا يُنَافِيْ خَالِقَ كُلِّ شَيْءٍ . (یہ ہر چیز کے پیدا کرنے والے کے منافی ہے۔)

ولادت کے لیے دو اصلوں کا ہونا ضروری ہے، شوہر اور بیوی۔ ﴿ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ﴾ (الانعام : ٦ / ١٠١) "اس (اللہ) کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے، جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں؟"

﴿ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴾ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا "قرآن میں جہاں کہیں لفظ قنوت ہے، اس کا معنی اطاعت ہے۔" (مسند احمد)

117 ﴿يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾

پہلے وہ چیز بالقوۃ موجود ہوتی ہے، پھر بالفعل موجود ہو جاتی ہے، لہٰذا تحصیل حاصل نہیں ہوا۔

ہر چیز اللہ کے علم میں ہوتی ہے۔ اس علم کی طرف توجہ فرماتا ہے۔

124 ﴿قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَاماً﴾

ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے جب امامت کے بارے میں سوال کیا تو جواب ملا کہ وہ صرف صالح لوگوں کو ملے گی، ظالموں کو نہیں ملے گی۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے پھلوں کا رزق عطا کرنے کی دعا میں ایمان کی شرط اپنی طرف سے بڑھا دی تو اللہ نے فرمایا کہ رزق کے معاملے میں ایمان کی شرط نہیں ہے۔ رزق تو میں اچھے اور برے سب کو دوں گا۔ ایمان کی شرط صرف امامت کے لیے ہے، رزق کے لیے نہیں۔

استخلاف اور امامت مَقْرُوْن بِالطَّاعَةِ (اطاعت سے وابستہ) ہے۔ لَا بِالنَّسَبِ. (نسب سے وابستہ نہیں ہے۔)

اَلْاِمَامَةُ فِى الدِّيْنِ لَا تُنَالُ اِلَّا بَعْدَ التَّخَرُّجِ مِنْ مَدْرَسَةِ الْاِبْتِلَاءِ. (دین میں ابتلاء و آزمائشوں کے مدرسے سے فارغ ہوئے بغیر امامت حاصل نہیں ہوتی۔)

125 ﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَاَمْناً وَّاتَّخِذُوْا﴾

﴿مَثَابَةً﴾ ثَابَ بِمَعْنىٰ رَجَعَ سے مشتق ہے۔ اَىِ الْمَكَانُ الَّذِىْ يَرْجِعُ اِلَيْهِ النَّاسُ فَتْرَةً بَعْدَ فَتْرَةٍ. (وہ ایسی جگہ ہے جہاں لوگ بار بار واپس آتے ہیں۔)

ثَابَ اَىْ رَجَعَ وَعَادَ. (ثاب کا مطلب ہے، لوٹنا۔)

يُقَالُ: ثَابَ اِلَى اللّٰهِ، اَىْ رَجَعَ اِلَى اللّٰهِ بَعْدَ مَعْصِيَتِهِ. (کہا

جاتا ہے، اس نے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ یعنی اپنی نافرمانی کے بعد اللہ کی طرف لوٹ آیا۔)

وَيُقَالُ : ثَابَ مَالُهُ ، اَیْ كَثُرَ وَاجْتَمَعَ . (کہا جاتا ہے، اس کا مال زیادہ ہوگیا اور اکٹھا ہوگیا۔)

نیز ﴿ مَثَابَةً ﴾ کے آخر میں تائے مربوطہ، مبالغہ کے لیے ہے، جیسے عَلَّامَةٌ وَدَاعِيَةٌ . (۔) مطلب یہ ہوا کہ یہ گھر (البیت الحرام) ایسا ہے کہ لوگ فترۃ بعد فترۃ یہاں آئیں گے اور کثرت سے آئیں گے اور لوگوں کا ہمیشہ یہاں جمگھٹا رہے گا۔

نکتۂ عجیبہ : لَمْ يَقُلْ مَثَابَةً وَاَمْناً لِلنَّاسِ . (یہ نہیں کہا کہ لوگوں کے لیے مثابۃ اور امن ہے۔) کیونکہ یہ گھر ﴿ مَثَابَةً ﴾ تو انسانوں کے لیے ہے، مگر امن عام (سب کے لیے) ہے، یہاں تک کہ درختوں اور پرندوں کے لیے بھی۔

130 ﴿ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ ... ﴾

رَغِبَ عَنْ : تَرَكَ وَاَعْرَضَ . (یعنی اس نے چھوڑ دیا اور منہ موڑ لیا۔)

سوال مَا مِلَّةُ اِبْرَاهِيْمَ ؟ (ابراہیم علیہ السلام کی ملت کیا ہے؟)

جواب ﴿ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَیُّ الْاَدْيَانِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ ؟ قَالَ : الْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ ﴾ (مسند احمد : حديث ٢١٠٧ ، صحيح لغيره) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ دین کون سا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو سب سے یکسو ہو کر ایک اللہ کے لیے ہو اور کشادہ و وسیع ہو۔"

اَلسَّهْلَةُ ، الْيَسِيْرَةُ . (جس میں شدت اور غلو نہ ہو۔)

اَلْحَنِيْفِيَّةُ عِنْدَ الْعَرَبِ دِيْنُ اِبْرَاهِيْمَ . (حنیفیت، عربوں کے نزدیک، دین ابراہیمی کو کہتے ہیں۔)

سُمِّیَ اِبْرَاھِیْمُ حَنِیْفاً لِاَنَّهُ حَنَفَ اِلَی دِیْنِ اللّٰهِ ، وَهُوَ الْاِسْلَامُ . (ابراہیم علیہ السلام کو حنیف اس لیے کہا گیا کہ وہ اللہ کے دین یعنی اسلام کی طرف مائل ہوئے۔)

بَیَّنَ حَنِیْفاً بِقَوْلِهٖ : مُّسْلِمًا ، لِاَنَّهُمْ یَعْرِفُوْنَ مَعْنَی الْحَنِیْفِیَّةِ ، وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاِسْلَامِ ، فَاَعْلَمَهُمْ اَنَّ الْاِسْلَامَ هُوَ الْحَنِیْفِیَّةُ . (حنیف کی وضاحت اپنے قول ''مسلما'' سے کی گئی کیونکہ وہ حنیفیت کے معنی جانتے تھے، لیکن اسلام پر ایمان نہیں لاتے تھے، پس اس نے انھیں بتایا کہ اسلام ہی حنیفیت ہے۔)

133 ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ ... وَاحِداً وَّنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ ○﴾

آگے اسی کو اس طرح دہرایا گیا ہے : ﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○﴾ (البقرة : ٢ / ١٤٠) ''کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور (ان کی) اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ کہہ دیجیے، کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے وہ گواہی چھپائی جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے؟ اور اللہ اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو۔''

تَكْرَارُ الْآیَاتِ لَمْ یَاْتِ فِی الْقُرْآنِ عَبَثاً ، هٰذَا التَّكْرَارُ لَا بُدَّ اَنْ یَكُوْنَ لِحِكْمَةٍ . (آیت کی تکرار قرآن میں بے فائدہ نہیں آئی۔ یہ تکرار یقیناً کسی حکمت کے تحت ہی ہے۔)

فَفِی الْاَوَّلِ نَفْیُ مَا هُوَ ثَابِتٌ مِنْ اِقْرَارِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ ، وَفِی الثَّانِی اِثْبَاتُ مَا هُوَ مُنْتَفٍ مِنْ كَوْنِ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ وَاِسْحَاقَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصَارَی . (پہلی آیت میں بنی اسرائیل کے اقرار کو

ثابت ہونے کے باوجود اس کی نفی کی گئی ہے، جبکہ دوسری آیت میں اس بات کا اثبات کیا گیا ہے جو منفی تھی کہ ابراہیم، اسحاق اور اسحاق یہودی یا عیسائی نہیں تھے۔)

اِنَّ اسْرَائِیْلَ (یَعْقُوْبَ) عَلَیْهِ السَّلَامُ قَرَّرَ بَنِیْهِ عَلٰی عِبَادَتِهِمِ الَّتِیْ تَثْبُتُ عَنْهُمْ وَوَصَّاهُمْ بِهَا. (بے شک یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو ان کی اسی عبادت پر جمایا جو ان سے ثابت تھی اور انھیں اس کی وصیت کی۔)

پس تم اس کی نفی کر رہے ہو۔

پہلی آیت یعقوب علیہ السلام کی تقریر کے بعد ہے۔

﴿ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ ﴾ جد (دادا) اور عم (چچا) کو بھی باپ کہنا جائز ہے کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام کے چچا ہیں اور ابراہیم علیہ السلام ان کے جد ہیں۔

134 ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾

مقارنہ بین امتین : هٰذِهِ الْاُمَّةُ اَصْلَحَتْ وَهٰذِهِ الْاُمَّةُ اَفْسَدَتْ ، اِسْتِبْدَالُ الْاُمَّةِ بِالْاُمَّةِ. (یہ امت صالح رہی اور یہ امت بگڑ گئی۔ امت کا امت سے بدلاؤ۔)

رَدَّ زَعْمَ الْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی اَنَّهُمْ عَلٰی دِیْنِ یَعْقُوْبَ ، بَیَّنَ اَنَّ یَعْقُوْبَ كَانَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ. (اللہ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے اس دعوے کو رد کیا کہ وہ یعقوب علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ واضح کیا کہ یعقوب علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر تھے۔)

135 ﴿قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفاً﴾

﴿ حَنِیْفًا ﴾ جو شخص ٹیڑھے راستے سے ہٹ کر سیدھے راستے پر چلے۔

﴿ بَلْ ﴾ بلکہ ملت ابراہیم جس میں توحید ہے، شرک نہیں، وہ اتباع کے قابل ہے۔

پس دیکھا جائے کہ کون سے لوگ حق پر ہیں؟ سو یہ وہی ہیں جن میں توحید خالص ہے اور شرک نہیں ہے۔

﴿ بَلْ ﴾ یہاں اضراب کے لیے ہے۔ یعنی لَيْسَ الْأَمْرُ كَذٰلِكَ. (معاملہ اس طرح نہیں ہے۔)

136 ﴿ وَمَآ أُوْتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَمَآ أُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾

ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ... وَمَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾ (آل عمران : ۳ / ۸۱ ، ۸٤) ''اور (یاد کرو) جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت عطا کروں......اور ان (کتابوں) پر بھی جو موسیٰ، عیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں۔''

سورۂ بقرہ میں ﴿ أُوْتِيَ ﴾ کو مکرر لایا گیا اور سورۂ آل عمران میں ﴿ أُوْتِيَ ﴾ کو مکرر نہیں لایا گیا کیونکہ سورۂ بقرہ میں اس سے پہلے ایتاء کا ذکر نہیں ہے اور سورۂ آل عمران میں ایتاء کا ذکر پہلے آچکا ہے، لہٰذا اسے دوبارہ ذکر نہیں کیا گیا۔

137 ﴿ فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾

اگر تمہاری طرح ایمان لائیں تو ملت ابراہیم پر ہیں۔ گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ملت ابراہیم پر ہیں۔

138 ﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ﴾

﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ ﴾ سے مراد دین اللہ ہے۔

سُمِّيَتِ الدِّيْنُ صِبْغَةً بِطَرِيْقِ الْاِسْتِعَارَةِ حَيْثُ تَظْهَرُ سِمَتُهٗ عَلَى الْمُؤْمِنِ كَمَا يَظْهَرُ اَثَرُ الصَّبْغِ فِي الثَّوْبِ. (دین کو ''صبغۃ'' استعارے کے طور پر اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کی نشانی مومن پر ایسے ظاہر ہوتی ہے جیسے رنگ کا اثر کپڑے پر ظاہر ہوتا ہے۔)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْ رِوَايَةِ الْكَلْبِيِّ وَقَتَادَةَ وَالْحَسَنِ : دِيْنَ اللّٰهِ ، وَاِنَّمَا سَمَّاهُ صِبْغَةً لِاَنَّهٗ يَظْهَرُ اَثَرُ الدِّيْنِ عَلَى الْمُتَدَيِّنِ ،

كَمَا يَظْهَرُ اَثَرُ الصَّبْغِ عَلَى الثَّوْبِ. (تفسیر البغوی : ١ / ١٧٣) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''یہ اللہ کا دین ہے اور اسے صبغۃ اس لیے کہا گیا کہ دین کا اثر دین دار شخص پر ایسے ظاہر ہوتا ہے جیسے رنگ کا اثر کپڑے پر ظاہر ہوتا ہے۔''

نصرانی، بچے کے پیدا ہونے کے سات دن کے بعد اسے ایک پانی میں جسے معمودیہ کہتے تھے، غوطہ دیتے اور کہتے کہ اب یہ سچا نصرانی ہوگیا۔

140 ﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ ... عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

اَبْطَلَ ذٰلِكَ بِقَوْلِهٖ : تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ. (اللہ نے اس بات کو اپنے اس قول سے باطل کر دیا ''وہ ایک امت ہے جو گزر چکی ہے۔'')

قاعدہ : اَلنَّفْعُ الْحَقِيْقِيُّ بِالْاَعْمَالِ ، لَا بِالْاِنْتِسَابِ اِلَى الرِّجَالِ.
(حقیقی فائدہ اعمال سے ہوتا ہے، نہ کہ شخصیتوں سے نسبت رکھنے سے۔)

﴿قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ﴾ ظاہر ہے کہ اللہ ہی کو علم ہے اور وہ جانتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام موحد تھے، مشرک نہ تھے۔

141 ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾

اس آیت کو دو بار ذکر کیا۔ بعض نے کہا کہ پہلا خطاب اہل کتاب کو تھا اور دوسرا خطاب مسلمانوں کو ہے۔ بعض نے کہا کہ پہلی آیت سے مراد انبیاء علیہم السلام اور دوسری آیت سے مراد یہود و نصاریٰ کے آبا و اجداد ہیں۔ یا یہ تکریر، مبالغے کے لیے ہے کہ اپنے آبا و اجداد کے بھروسے پر نہ ہو۔

نکتہ : بزرگوں کی طرف انتساب کو ذریعۂ نجات سمجھنا دین سے انحراف کی ایک صورت ہے۔

پارہ نمبر ۲

﴿سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ ...﴾

142

اِذَا رَاَیْتَ اَحَداً یَعْتَرِضُ عَلَى الشَّرْعِ وَیَسْخَرُ مِنْهُ فَاعْلَمْ اَنَّهُ سَفِیْهٌ ۔ (جب تم کسی کو شریعت پر اعتراض کرتے اور اس کا مذاق اڑاتے دیکھو تو جان لو کہ وہ بے وقوف ہے۔)

مشرکین کا اعتراض :

① اگر یہ نبی ہوتا تو تمام انبیاء علیہم السلام کا قبلہ نہ چھوڑتا۔

② مشرکین نے کہا، تمہارے قبلے کی طرف لوٹ گیا ہے تو قریب ہے کہ تمہارے دین کی طرف پلٹ جائے۔ یہ قول سفیہ ہے۔

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ پس اس کے حکم سے جہاں اور جس طرف عبادت کرو گے، اس کے مطیع مانے جاؤ گے۔

جب عرب کے بے وقوف مشرکوں، یہودیوں اور منافقوں نے اعتراض کرتے ہوئے ﴿مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا﴾ کہا تو ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ سے اس کا جواب دیا گیا۔

تقریر جواب : تمام جہات (سمتیں) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، لہٰذا ان میں سے کوئی بھی بذات خود قبلہ ہونے کی حق دار نہیں بلکہ وہ صرف اس لیے قبلہ بنتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قبلہ بنایا ہے۔ جب معاملہ یہ ہے تو ایک جہت سے دوسری جہت کی طرف قبلہ بدلنے پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اصل اہمیت اللہ کے حکم اور شرعی قوانین کی ہے۔

دوسرا جواب : پہلا قبلہ بیت المقدس اللہ کے حکم سے تھا اور دوسرا قبلہ البیت الحرام اللہ ہی کے حکم سے بنایا گیا۔ پس پہلا قبلہ بھی اللہ کی رضا سے تھا اور دوسرا قبلہ بھی اللہ کی رضا

سے بنایا گیا۔

اِخْتَارَ نَفْسَ الْوَسَطِ فِی الْجِهَاتِ لِأُمَّةِ الْوَسَطِ فِی الْأُمَمِ .

(اللہ تعالیٰ نے امت وسط کے لیے سمتوں میں بھی وسط ہی کو چنا۔) فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ ”اسی طرح ہم نے تمھیں افضل امت بنایا۔“

اس امت کی فضیلت ہے کہ اس کا قبلہ وہ گھر بنایا جو روئے زمین پر سب سے پہلا گھر تھا اور جو اللہ کی عبادت کے لیے بنایا گیا تھا۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے، پھر آپ کو بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا۔ (صحیح البخاری : حدیث ۷۲۵۲)

تحویل قبلہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلی نماز عصر، کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی۔ اہل قباء کو اس کی خبر دوسرے دن فجر کی نماز میں ہوئی تو لوگوں نے حالت نماز ہی میں کعبہ کی طرف رخ کر لیا۔

مکہ میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کعبہ کو سامنے رکھ کر صخرہ کی طرف نماز پڑھتے تھے۔

143 ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا ... ﴾

درمیانی چیز معتدل ہوتی ہے جو اچھی ہوگی۔ پس صحابہ رضی اللہ عنہم خیر الامم ہیں۔ ان کی اتباع ضروری ہے۔

﴿ وَّسَطًا ﴾ عَدْلاً خَيَاراً . (درمیانہ، بہترین۔)

اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿ قَالَ اَوْسَطُهُمْ ﴾ (القلم : ۶۸ / ۲۸) ”ان میں سے درمیانہ کہنے لگا۔“ یعنی اَعْدَلُهُمْ رَاْياً . (ان میں سے سب سے زیادہ صحیح رائے والا۔)

﴿ عَنْ مُطَرِّفٍ ، قَالَ : خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُهَا ﴾ (ابن ابی شیبة :

حدیث ۳۵۱۲۸) مطرف سے روایت ہے، انھوں نے کہا ”بہترین کام یا بات وہ ہے جس میں افراط وتفریط نہ ہو۔“

﴿عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : یَجِیْءُ نُوْحٌ وَاُمَّتُهٗ ، فَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی ، هَلْ بَلَّغْتَ ؟ فَیَقُوْلُ نَعَمْ اَیْ رَبِّ ، فَیَقُوْلُ لِاُمَّتِهٖ : هَلْ بَلَّغَکُمْ ؟ فَیَقُوْلُوْنَ لَا مَا جَاءَنَا مِنْ نَبِیٍّ ، فَیَقُوْلُ لِنُوْحٍ : مَنْ یَشْهَدُ لَكَ ؟ فَیَقُوْلُ : مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاُمَّتُهٗ ، فَنَشْهَدُ اَنَّهٗ قَدْ بَلَّغَ ، وَهُوَ قَوْلُهٗ جَلَّ ذِکْرُهٗ : وَکَذٰلِكَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ، وَالْوَسَطُ : الْعَدْلُ﴾ (صحیح البخاری : احادیث الانبیاء : ۳۳۳۹)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قیامت کے دن نوح علیہ السلام اور ان کی امت آئے گی تو اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا : کیا تم نے انھیں میرا پیغام پہنچا دیا تھا؟ نوح علیہ السلام عرض کریں گے : میں نے انھیں تیرا پیغام پہنچا دیا تھا اے رب العزت! اب اللہ تعالیٰ ان کی امت سے دریافت فرمائے گا : کیا انھوں نے تمھیں میرا پیغام دیا تھا؟ وہ جواب دیں گے : نہیں، ہمارے پاس تیرا کوئی نبی نہیں آیا؟ اللہ تعالیٰ اب نوح علیہ السلام سے دریافت فرمائے گا : تمہارا کوئی گواہ ہے؟ وہ کہیں گے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے لوگ میرے گواہ ہیں۔ چنانچہ وہ (میری امت) اس امر کی گواہی دیں گے کہ نوح علیہ السلام نے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے : اور اسی طرح ہم نے تمھیں امت وسط بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہی دو۔“ وسط کے معنی عدل کے ہیں، یعنی تم عدل وانصاف کے علم بردار ہو۔

یہ امت اعتقادی، عملی اور اخلاقی اعتدال پر قائم ہے۔ امت وسط کا طرۂ امتیاز ہے کہ وہ مقلد نہ ہو۔ یہ امت افراط وتفریط سے پاک ہے۔ اس میں نہ یہودیت کی تشدید ہے، نہ نصرانیت کی ڈھیل۔

(سوال) اگر یہ امت وسط ہے تو کیا اس کے بعد بھی کوئی امت آنے والی ہے؟

(جواب) شیخ سعود شریم حفظہ اللہ نے لکھا ہے : لَا يَلْزَمُ اَنْ تَكُوْنَ الْوَسَطِيَّةُ بَيْنَ طَرَفَيْنِ فَرُبَّمَا تَكُوْنُ وَاحِداً مِنْ اثْنَيْنِ وَقَدْ تَكُوْنُ وَاحِدًا لَا ثَانِيَ لَهُ . ''وسطیت کے لیے ضروری نہیں کہ اس کے دو کنارے ہوں۔ وسطیت کا ایک معنی دو میں سے ایک بھی ہوتا ہے اور کبھی وسطیت سے مراد ایسا ایک ہوتا ہے جس کا کوئی دوسرا نہ ہو۔''

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے کہا ہے : وَاَمَّا الْوَسَطُ فَاِنَّهُ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ الْخِيَارُ . (تفسیر الطبری : ۲ / ٦٢٦) ''جہاں تک لفظ الوسط کا تعلق ہے تو عربی کلام میں اس کے معنی بہترین کے ہیں۔''

نیز امام بیضاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے : ثُمَّ اسْتُعِيْرَ لِلْخِصَالِ الْمَحْمُوْدَةِ لِوُقُوْعِهَا بَيْنَ طَرَفَيْ اِفْرَاطٍ وَتَفْرِيْطٍ . (تفسیر البیضاوی : ۱ / ۱۱۰) ''نیز اس لفظ (وسط) کا لغوی معنی تو بیچ کا ہے، مگر اس سے افضل اور خیر کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے۔''

نکتہ : علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وَسْط اور وَسَط میں فرق یہ ہے کہ وَسْط کا مطلب ہے کہ کوئی چیز کئی چیزوں کے بیچ میں ہو، جیسے يَقُوْمُ اِمَامُهُمْ ، (اَيْ اِمَامُ الْعُرَاةِ) وَسْطَهُمْ . (ان کا امام ......یعنی برہنہ حالت میں نماز پڑھنے والوں کا امام ......ان کے درمیان کھڑا ہوگا۔) جبکہ وَسَط کا مطلب ہے کہ کوئی چیز کسی ایک کے بیچ میں ہو، جیسے مرد ہو تو اس کی نماز جنازہ کے لیے امام اس کے سر کے پاس کھڑا ہو اور اگر عورت ہو تو اس کے وسط (بفتح سین) میں کھڑا ہو۔

عَنْ عَطَاءٍ فِي الْعُرَاةِ ، قَالَ : يُصَلُّوْنَ قُعُوْداً يُوْمِئُوْنَ اِيْمَاءً يَقُوْمُ اِمَامُهُمْ وَسَطَهُمْ . (مصنف ابن ابی شیبة : ٤٩٨٦) حضرت عطاء رحمہ اللہ سے برہنہ نماز پڑھنے والوں کے بارے میں روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا ''وہ بیٹھ کر

اشارے سے نماز پڑھیں گے اور ان کا امام ان کے درمیان کھڑا ہوگا۔"

تفسیر القرآن بالحدیث : ﴿ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ ﴾ (صحیح مسلم : کتاب الفضائل ، حدیث ٢٣٥٤) "میں عاقب (آخر میں آنے والا) ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔" جب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تو دوسری امت کیسے آسکتی ہے!

وسطیت کی مثال : ﴿ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ قَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ : وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ، قَالَ : عَدْلًا ﴾ (مسند احمد : حدیث ١١٠٦٨) نبی ﷺ نے وسطا کی تفسیر عدلا سے فرمائی ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ صحت انسانی کا مدار، مزاج کے اعتدال پر ہے۔ اس اعتدال کے طرفین میں سے کسی بھی طرف مزاج کا جھکاؤ، خرابی صحت کا اشاریہ ہے۔

اسی طرح وسطیت ، غلو اور تقصیر کے بین بین ہے۔ جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا اور یہود نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تقصیر کا ارتکاب کیا۔

سوال وسطیت ہمیں کیسے حاصل ہو؟

جواب اسی آیت میں ﴿ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ ﴾ کا جملہ ہے جو بتاتا ہے کہ وسطیت کا حصول اتباع رسول میں منحصر ہے۔

امت وسط بنائے جانے کی علت : ﴿ لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ﴾ میں لام تعلیل ہے۔ یعنی تمھیں امت وسط اس لیے بنایا گیا کہ قیامت کے دن تمہاری گواہی سے انبیاء علیہم السلام کے حق میں فیصلہ ہو اور مخالفین انبیاء، مجرم قرار پا کر سزایاب ہوں۔ دنیا میں بھی تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہو۔

وَسْط اور وَسَط میں فرق : كُلُّ مَوْضِعٍ یَصْلُحُ فِیْهِ التَّاْوِیْلُ بِـ بَیْنَ تُسَكَّنُ السِّیْنُ ، وَكُلُّ مَوْضِعٍ لَا یَصْلُحُ فِیْهِ التَّاْوِیْلُ بِـ بَیْنَ تُفْتَحُ السِّیْنُ ، تَقُوْلُ : جَلَسْتُ وَسْطَ الْقَوْمِ ، اَیْ جَلَسْتُ بَیْنَ الْقَوْمِ ،

وَتَقُوْلُ : جَلَسْتُ فِيْ وَسَطِ الدَّارِ ، وَسَطُهُ خَيْرٌ مِنْ طَرَفِهِ . (جس جگہ وسط کی جگہ ''بین'' لانا درست ہو، وہاں سین کو ساکن پڑھا جائے گا، جبکہ جس جگہ وسط کی جگہ ''بین'' لانا درست نہ ہو، وہاں سین کو زبر کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ آپ کہتے ہیں : **جلست وسْط القوم** . ''میں لوگوں کے درمیان بیٹھا۔'' اسی طرح آپ کہتے ہیں : **جلست في وسَط الدار** . ''میں گھر کے درمیان بیٹھا۔'' اور اس کا درمیان، اس کے کنارے سے بہتر ہے۔)

﴿ لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ اس سے اجماع کے حجت ہونے کی دلیل ملی۔ اگر پوری امت غلطی پر اتفاق کر لے تو امت وسط نہ رہے گی۔

﴿ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ خَيْرُ الْخَلْقِ لَا يَشْهَدُ عَلَيْهِ اَحَدٌ بَلْ هُوَ الشَّهِيْدُ عَلٰى كُلِّ الْأُمَمِ . (بہترین مخلوق پر کوئی گواہی نہیں دے گا بلکہ وہی تمام امتوں پر گواہ ہے۔)

اس آیت کریمہ میں واضح ہے : ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ﴾ ''اور (اے نبی!) جس قبلے (بیت المقدس) پر آپ پہلے تھے، اسے تو ہم نے صرف یہ جاننے کے لیے مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے۔''

كَيْفَ يَكُوْنُ التَّابِعُ وَالْمُقَلِّدُ مَسْئُوْلًا عَنِ الْأَرْضِ ، وَلَيْسَتْ مُمَيَّزَةً عَنْ غَيْرِهَا . (کس طرح پیروکار اور مقلد زمین کے بارے میں جواب دہ ہو سکتا ہے، جبکہ وہ دوسروں سے ممتاز نہیں ہے!)

جَاءَ تَغْيِيْرُ قِبْلَةٍ كَامْتِحَانٍ عَمَلِيٍّ . (قبلے کی تبدیلی ایک عملی امتحان کے طور پر ہوئی تھی۔) تحویل قبلہ میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے۔ بہت سے منافقین کا نفاق ظاہر ہو گیا۔

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ فوات اجر پر قلوب مومنہ ہی کو افسوس ہوتا

ہے۔

بعض مسلمانوں نے کہا کہ ہم نے اور ہمارے فوت شدہ بھائیوں نے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی ہیں تو ان کا کیا؟ اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا۔ جب یہ (کعبہ) قبلہ بھی اللہ کی رضا سے ہے تو اللہ ان کی نمازیں ضائع کیسے کرے گا؟

ملحوظہ : ایک عربی مقالے میں میں نے دیکھا کہ مقالہ نگار نے اس آیت کریمہ کو سورۂ بقرہ کے وسط میں مانا ہے۔ اس کی تائید کچھ ضروری نہیں، البتہ وسطیت کی بجائے نصفیت کہا جاسکتا ہے۔

$$286 \times \frac{1}{2} = 143$$

145 ﴿وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ ... اِنَّكَ اِذاً لَّمِنَ الظَّالِمِيْنَ ○﴾

اِذَا دَخَلَ الْهَوَى قَلْباً كَانَ الْحَقُّ بَعِيْداً مِنْهُ فَيُصْبِحُ لَا يَقْبَلُ دَلِيْلًا . (جب کسی دل میں خواہش نفسانی داخل ہو جاتی ہے تو حق اس سے دور ہو جاتا ہے اور وہ دل کسی دلیل کو قبول نہیں کرتا۔)

اس آیت میں علم کی قید لگائی۔ معلوم ہوا کہ کسی معصیت پر علماء کے حق میں وعید شدید ہوتی ہے اور اللہ کی نعمتوں میں علم سب سے عظیم نعمت ہے۔ اس نعمت کے ملنے کے بعد گناہ اور نافرمانی کا صدور سب سے زیادہ قبیح ہے۔

146 ﴿اَلَّذِيْنَ ءَاتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ ... وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○﴾

يَكْتُمُوْنَ مَا عَلِمُوْا اَنَّ الْكَعْبَةَ هِىَ قِبْلَةُ الْاَنْبِيَاءِ . (وہ اس بات کو چھپاتے ہیں جو وہ جانتے ہیں کہ کعبہ انبیاء کا قبلہ ہے۔) کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِى ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ ﴾ (الاعراف : ۱۵۷)

''اس کا ذکر وہ اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔''

اَنْفُسَهُمْ (اپنے آپ کو) نہیں کہا۔ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ لَا يَعْرِفُ نَفْسَهُ اِلَّا

بَعْدَ انْقِضَاءِ بُرْهَةٍ مِنْ دَهْرِهِ ، وَيَعْرِفُ وَلَدَهُ مِنْ حِيْنِ وُجُوْدِهِ.
(کیونکہ انسان اپنی ذات کو زمانے کے ایک عرصے کے گزر جانے کے بعد ہی پہچانتا ہے اور اپنی اولاد کو ان کے پیدا ہونے کے وقت ہی سے پہچانتا ہے۔)

147 ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾

البیت الحرام کی طرف توجہ کا حکم، حق ہے کہ اسی پر آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام تھے۔

(سوال) قبلے کے بارے میں شک کرنے کی ممانعت ہے۔ شک کرنا نہ کرنا انسان کے اختیار میں نہیں اور غیر اختیاری چیز کا آدمی مکلف نہیں۔

(جواب) جواب یہ ہے کہ شک کو زائل کرنے کے دلائل بیان کر دیے گئے ہیں۔ ان پر غور کرو تا کہ شک پیدا نہ ہو۔ دلائل یہ ہیں کہ مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں۔ نبی تو شک نہیں کر سکتا، اس لیے منع کا کوئی فائدہ نہیں۔ خطاب بھی بے فائدہ نہیں، لہٰذا خطاب بطور تعریض، امت کو ہے۔

148 ﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ ... شَيْءٍ قَدِيْرٌ○﴾

اَلْمُبَادَرَةُ مَأْمُوْرٌ بِهَا شَرْعاً ، فَقَدْ يَحْضُرُ الْمَرَضُ وَيَحْضُرُ الْمَوْتُ وَتَعْرِضُ الْحَاجَةُ . (پہل کرنا شرعی طور پر مطلوب ہے کیونکہ کبھی بیماری آ سکتی ہے اور کبھی موت حاضر ہو سکتی ہے اور کوئی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔)

اسی وجہ سے حکم ہے کہ نماز کو اول وقت میں ادا کرے، زکوٰۃ جلدی سے نکال دے، حج جلدی سے کر لے، قضاء روزے جلدی سے ادا کر لے اور اس ذمے سے بری ہو جائے۔

﴿اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا﴾ فِيْ اَيِّ مَكَانٍ كَانُوْا فِيْهِ ، بَرًّا كَانَ اَوْ بَحْراً ، اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ . (وہ جس جگہ بھی ہوں، خشکی میں ہوں یا سمندر میں، ”بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔“)

نکتہ : جس طرح مختلف ومتباین جہات اور جگہوں سے جہت قبلہ کی وجہ جمع کرتا ہے، ایسے ہی تمام جگہوں سے قیامت کے دن تمھیں جمع کرے گا۔

سوال تحویل قبلہ کا ذکر تین مرتبہ ہے۔ کیوں؟

جواب کیونکہ قبلے کی تبدیلی کا انکار کرنے والے تین قسم کے لوگ تھے :

① یہود جو اپنے مذہب میں نسخ کے قائل نہیں۔

② اہل ریب ونفاق جن کا انکار شدید ہو گیا کیونکہ یہ پہلا نسخ تھا جو نازل ہوا۔

③ کفار قریش کہ محمد ﷺ نادم ہو گئے ہیں۔ وہ جس طرح کعبہ کی طرف پلٹے ہیں، اسی طرح ہماری طرف پلٹ جائیں گے۔ مشرکین کہتے تھے کہ محمد ﷺ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ملت ابراہیم کے پیرو ہیں، مگر انھوں نے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کا قبلہ چھوڑ دیا تو اللہ نے فرمایا: ﴿ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ﴾ "تاکہ تمھارے خلاف لوگوں کے لیے کوئی حجت نہ رہے۔"

﴿ فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ ... ﴾ 152

كَثْرَةُ ذِكْرِ اللّٰهِ تَقُوْدُ الشُّكْرَ الَّذِيْ بِهِ تَدُوْرُ النِّعَمِ ، فَالذِّكْرُ بَوَّابَةُ الشُّكْرِ . (اللہ کا کثرت سے ذکر کرنا شکر کی طرف لے جاتا ہے جس سے نعمتیں گردش کرتی (بڑھتی) رہتی ہیں۔ پس ذکر، شکر کا دروازہ ہے۔)

فَاَيُّ شَرَفٍ اَنْ يَذْكُرَنَا اللّٰهُ . (پس کیا ہی بڑا شرف ہے کہ اللہ ہمیں یاد کرے!)

قَالَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ : اذْكُرُوْنِيْ بِطَاعَتِيْ اَذْكُرْكُمْ بِمَغْفِرَتِيْ ، وَقِيْلَ : اذْكُرُوْنِيْ فِي النِّعْمَةِ وَالرَّخَاءِ اَذْكُرْكُمْ فِي الشِّدَّةِ وَالْبَلَاءِ ، بَيَانُهُ : فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ . (تفسير البغوی : ١ / ١٨٣) امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا "تم میری اطاعت کے ذریعے مجھے یاد کرو، میں تمھیں اپنی مغفرت کے ذریعے

یاد کروں گا۔‘‘ نیز کہا ’’تم مجھے نعمت اور خوش حالی میں یاد کرو، میں تمھیں سختی اور مصیبت میں یاد کروں گا۔ اس کی وضاحت یہ آیت ہے (پھر اگر (یہ بات) نہ ہوتی کہ بے شک وہ تسبیح کرنے والوں میں سے تھا۔ تو وہ لوگوں کے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کے دن (روز قیامت) تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتا۔)‘‘

سُئِلَ الْجُنَيْدُ عَنْ حَقِيْقَةِ الشُّكْرِ ، قَالَ : اَلَّا يُسْتَعَانَ بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِهِ عَلَى مَعَاصِيْهِ . جنید رحمہ اللہ سے شکر کی حقیقت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا ’’یہ کہ اللہ کی کسی بھی نعمت کو اس کی نافرمانیوں کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔‘‘

153 ﴿اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ...﴾

﴿وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾ شکر کے بعد ﴿اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ صبر کا ذکر کیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ بندے کو نعمت ملے تو شکر کرے اور نقمت ملے تو صبر کرے۔

صبر اور نماز میں ربط : فَبِالصَّبْرِ قُوَّةُ الْقَلْبِ وَبِالصَّلَاةِ قُوَّةُ الْبَدَنِ ، وَبِهِمَا يُسْتَدْفَعُ كُلُّ شَرٍّ وَيُسْتَجْلَبُ كُلُّ خَيْرٍ . (پس صبر دل کی طاقت ہے اور نماز جسم کی طاقت ہے۔ ان دونوں کے ذریعے ہر برائی کو دور کیا جاتا ہے اور ہر بھلائی کو حاصل کیا جاتا ہے۔)

154 ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ ... وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○﴾

اللہ کی راہ میں مرنے والوں کو مردہ نہ کہا جائے بلکہ انھیں ’’شہداء‘‘ کہا جائے۔ وَاِنْ كَانَ الْمُعَيَّنَ لَا يُوْصَفُ بِالشَّهِيْدِ اِلَّا بِنَصٍّ . (اور اگر متعین شخص ہو تو اسے شہید نہیں کہا جا سکتا، الا یہ کہ اس پر نص موجود ہو۔) یہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، لیکن یہ حیات برزخی ہے۔ لَا تُشَابِهُ حَيَاتَنَا الدُّنْيَا . (یہ زندگی ہماری دنیاوی زندگی جیسی نہیں ہے۔)

155 ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ ... وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ○﴾

﴿الْخَوْفِ﴾ سے مراد دشمنوں کا خوف ہے۔

﴿وَالْجُوْعِ﴾ سے مراد قحط ہے۔

﴿وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ﴾ سے مراد جائداد وغیرہ تباہ ہو جانا ہے۔

﴿وَالثَّمَرٰتِ﴾ سے مراد اولاد کی موت، فصلوں کی تباہی ہے۔

حادثوں کی وجوہ :

① آزمائش، تاکہ کفارۂ ذنوب ہو۔ (کانٹا چبھنا بھی گناہ کا کفارہ ہوتا ہے۔)

② سزا، تاکہ بندہ اپنے افعال سے باز آئے۔

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ماتم حرام ہے۔

156 ﴿الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ...﴾

مصائب کی تین قسمیں ہیں :

① مَصَائِبُ لِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ . (وہ مصیبتیں جو درجات بلند کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔) جیسے انبیاء علیہم السلام اور خالص مومنین پر آنے والی مصیبتیں۔

② مَصَائِبُ لِتَكْفِيْرِ السَّيِّئَاتِ . (وہ مصیبتیں جو گناہوں کو مٹانے کے لیے ہوتی ہیں۔) جیسے بعض مومن گنہگاروں پر آنے والی مصیبتیں۔

③ مَصَائِبُ لِزِيَادَةِ الْعَذَابِ فِي الدُّنْيَا قَبْلَ عَذَابِ الْآخِرَةِ . (وہ مصیبتیں جو دنیا میں عذاب آخرت سے پہلے عذاب بڑھانے کے لیے ہوتی ہیں۔) جیسے کفار پر آنے والی مصیبتیں۔

كُلُّ مَا آذَى الْمُؤْمِنَ فَهُوَ مُصِيْبَةٌ لَهُ . (ہر وہ چیز جو مومن کو تکلیف پہنچائے، وہ اس کے لیے مصیبت ہے۔)

﴿عَنْ عِمْرَانَ الْقَصِيْرِ ، قَالَ : طُفِئَ مِصْبَاحُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَرْجَعَ ، قَالَتْ عَائِشَةُ : اِنَّ هٰذَا مِصْبَاحٌ ،

قَالَ : كُلُّ مَا سَاءَ الْمُؤْمِنَ فَهُوَ مُصِيْبَةٌ ﴾ (المراسيل لابى داود : ٤١٢)
عمران قصیر رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ بجھ گیا تو آپ نے انا اللہ پڑھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ''یہ تو صرف ایک چراغ ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر وہ چیز جو مومن کو بری لگے، وہ مصیبت ہے۔''

صبر کے چار آداب :

① جب کوئی مصیبت پہنچے تو اسی وقت صبر سے کام لے۔ ﴿ اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلَى ﴾ (صحيح البخارى : كتاب الجائز ، حديث ١٢٨٣) ''صبر تو صدمے کے آغاز میں ہوتا ہے۔''

② ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ پڑھے، جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پڑھا۔ اس کا ذکر درج ذیل حدیث میں ہے۔

﴿ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ ، اَنَّهَا قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يَقُوْلُ : مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ ، فَيَقُوْلُ مَا اَمَرَهُ اللّٰهُ : اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرة : ١٥٦) ، اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِىْ فِىْ مُصِيْبَتِىْ ، وَاَخْلِفْ لِىْ خَيْراً مِنْهَا ، اِلَّا اَخْلَفَ اللّٰهُ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا ، قَالَتْ : فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ سَلَمَةَ ، قُلْتُ : اَىُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِنْ اَبِىْ سَلَمَةَ ؟ اَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، ثُمَّ اِنِّىْ قُلْتُهَا ، فَاَخْلَفَ اللّٰهُ لِىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَتْ : اَرْسَلَ اِلَىَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاطِبَ بْنَ اَبِىْ بَلْتَعَةَ يَخْطُبُنِىْ لَهُ ، فَقُلْتُ : اِنَّ لِىْ بِنْتاً وَاَنَا غَيُوْرٌ ، فَقَالَ : اَمَّا ابْنَتُهَا فَنَدْعُو اللّٰهَ اَنْ يُغْنِيَهَا عَنْهَا ، وَاَدْعُو اللّٰهَ اَنْ يَذْهَبَ بِالْغَيْرَةِ ﴾ (صحيح مسلم : كتاب الجنائز ، حديث ٩١٨) ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے

ہوئے سنا ''کوئی مسلمان نہیں جسے مصیبت پہنچے اور وہ (وہی کچھ) کہے جس کا اللہ نے اسے حکم دیا ہے: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ، اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ ، وَاَخْلِفْ لِیْ خَيْراً مِنْهَا . (بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری مصیبت پر اجر دے اور مجھے (اس کا) اس سے بہتر بدل عطا فرما۔) مگر اللہ تعالیٰ اسے اس (ضائع شدہ چیز) کا بہتر بدل عطا فرما دیتا ہے۔'' (ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے) کہا ''(میرے خاوند) ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو میں نے (دل میں) کہا: کون سا مسلمان ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر (ہو سکتا) ہے؟ وہ پہلا گھرانا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ پھر میں نے وہ (کلمات) کہے تو اللہ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں اس کا بدل عطا فرما دیا۔'' کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیے نکاح کا پیغام دیتے ہوئے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو میرے پاس بھیجا تو میں نے کہا ''میری ایک بیٹی ہے اور میں بہت غیرت کرنے والی ہوں۔'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس کی بیٹی کے بارے میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اسے اس (ام سلمہ رضی اللہ عنہا) سے بے نیاز کر دے اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ (بے جا) غیرت کو (اس سے) ہٹا دے۔''

③ زبان یا اعضاء سے ایسی چیز نہ کی جائے جو شریعت کے خلاف ہو، جیسے نوحہ، بین وغیرہ۔

④ صبر کی سب سے اعلیٰ صورت یہ ہے کہ مصیبت زدہ پر مصیبت کا اثر ظاہر نہ ہو۔ جیسے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بچہ فوت ہو گیا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کھانا کھلایا، بناؤ سنگار کیا، دونوں کے درمیان ازدواجی عمل بھی ہوا، پھر کہا ''اگر کچھ لوگ ایک گھرانے کو ادھار دی جانے والی کوئی چیز ادھار دیں، پھر وہ اپنی چیز واپس مانگ لیں تو کیا انھیں حق ہے کہ وہ انھیں منع کریں؟'' ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا ''تو پھر تم اپنے بیٹے کے بدلے کی اللہ سے امید رکھو۔''

157 ﴿أُولَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ ... هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝﴾

صابرین کے لیے اللہ نے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا اور ہر ایک دنیا و مافیہا (دنیا اور جو کچھ اس میں ہے) سے بہتر ہے :

① صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ (اللہ کی نوازشیں)

② رَحْمَةٌ (رحمت)

③ تَخْصِيْصُهُمْ بِالْهِدَايَةِ (ہدایت کا ان میں حصر)

قَال سَعِيْدُ بْن جُبَيْرٍ : اَلصَّلَواتُ مِنَ اللّٰهِ الْمَغْفِرَة . (زاد المسير لابن الجوزى : ص ١٢٥) سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں "صلوات، اللہ کی طرف سے مغفرت ہے۔"

الْمُرَادُ بِالرَّحْمَةِ : كَشْفُ الْكُرْبَةِ وَقَضَاءُ الْحَاجَةِ . (تفسير فتح القدير للشوكانى : ١ / ١٨٤) "رحمت سے مراد تکلیف کو دور کرنا اور حاجت کو پورا کرنا ہے۔"

وَالْمُرَادُ بِالِاهْتِدَاءِ اهْتِدَاءٌ اِلَى كُلِّ خَيْرٍ ، مَثَلًا اهْتِدَاءٌ اِلَى الْجَنَّةِ . (ہدایت سے مراد ہر بھلائی کی طرف ہدایت ہے، جیسے جنت کی طرف ہدایت و رہنمائی۔)

......ہدایت کی وجہ سے وہ ضلالت سے نجات پا گئے۔

......رحمت کی وجہ سے عذاب سے نجات پا گئے۔

......الصلاۃ علیہم سے نَالُوْا مَنْزِلَةِ الْقُرْبِ . (اللہ سے قربت کا مرتبہ حاصل کرلیا۔)

ہدایت کا حصر، ان میں ہے۔

قَالَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : نِعْمَ الْعَدْلَانِ وَنِعْمَتِ الْعِلَاوَةُ ، فَالْعَدْلَانِ : الصَّلَاةُ وَالرَّحْمَةُ ، وَالْعِلَاوَةُ الْهِدَايَةُ . (تفسير البغوى :

۱ / ۱۸۷) عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ”کتنے اچھے ہیں دو ہم مثل مساوی (تحفے)! صلوات و رحمت اور اضافی نعمت ہدایت۔“

ضالون کو اس کے برعکس تین چیزیں ہیں: ① ضلالت، ② الم و عذاب، ③ لعن (صلاۃ کی ضد)۔

158 ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ ... شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

صبر کے بعد صفا اور مروہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ صبر میں نفس کو مشقت اور حج و عمرہ میں جسم کو مشقت ہوتی ہے۔

مشرکین، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے اور دونوں پہاڑوں پر اساف و نائلہ دو بت رکھ دیے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حرج محسوس ہوا تو یہ آیت اتری۔ لَيْسَ كُلُّ مَا يَفْعَلُهُ الْكُفَّارُ خَطَأً۔ (یہ ضروری نہیں کہ کافر کا ہر فعل غلط ہو۔) سعی بین الصفا والمروہ امر ربانی ہے اور اتباع ابراہیم ہے۔

تمیز میں بھی توازن ہونا چاہیے۔

تَغْيِيْرُ الْقِبْلَةِ: لِتَحْقِيْقِ التَّمْيِيْزِ. (قبلے کی تبدیلی، امتیاز (فرق) کو حاصل کرنے کے لیے۔)

سَعْيٌ: التَّوَازُنُ فِي التَّمْيِيْزِ. (سعی، امتیاز میں توازن۔)

اِنَّنَا اُمَّةٌ مُتَمَيِّزَةٌ لٰكِنْ مُتَوَازِنَةٌ. (بلاشبہ ہم ایک ممتاز امت ہیں، لیکن متوازن ہیں۔)

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾ اَلشَّاكِرُ: هُوَ الَّذِيْ يُثِيْبُ الْعَامِلَ اَكْثَرَ مِنْ عَمَلِهِ، فَيُعْطِيْهِ عَلَى الْحَسَنَةِ عَشْرَةَ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ اِلٰى اَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ. (شاکر وہ ہے جو عمل کرنے والے کو اس کے عمل سے زیادہ بدلہ دیتا ہے، لہٰذا وہ اسے ایک نیکی پر اس کے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک اور اس سے بھی کئی گنا زیادہ دیتا ہے۔)

شکر اور علم کو ایک ساتھ ذکر کیا تاکہ بندہ مطمئن ہو کہ اس کا عمل قلیل ہو یا کثیر، سب اللہ کے علم میں ہے۔ کوئی بھی عمل ضائع نہ ہوگا۔

159 ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا ...﴾

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ایک حدیث تم سے چھپا رکھی تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا ''اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو (تمہاری جگہ) اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق کو پیدا فرمادے جو گناہ کریں، (پھر اللہ سے توبہ کریں اور) وہ ان کی مغفرت فرمادے۔''

(صحيح مسلم : كتاب التوبة ، حديث ٢٧٤٨)

ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے اس لیے اپنی زندگی میں اس حدیث کو بیان نہیں کیا کہ انھیں اندیشہ تھا کہ ان پر بخشش کی امیدیں غالب ہو جائیں گی۔ وہ نیک عمل کو ترک کر دیں گے اور گناہوں پر جری ہو جائیں گے۔ پھر مرنے سے پہلے اس حدیث کو بیان کر دیا تاکہ کتمان علم پر گرفت نہ ہو۔

﴿اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ اَللَّعْنُ الْمُعَيَّنُ لَا يَجُوْزُ اِلَّا الْمَنْصُوْصُ عَلَى كُفْرِهِ كَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُوْنَ وَاَبِيْ جَهْلٍ وَاُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَنَحْوِهِمْ. (کسی خاص شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں، مگر جس کے کفر پر نص موجود ہو، جیسے فرعون، ہامان، قارون، ابوجہل، امیہ بن خلف اور ان جیسے دیگر۔)

160 ﴿وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾

لِيُعْلِمَ عِبَادَهُ اَنَّ تَوْبَتَهُ عَلَيْهِمْ رَحْمَةٌ مِنْهُ بِهِمْ ، وَاَنَّ هٰذِهِ الرَّحْمَةَ تَقْتَضِيْ اَنْ لَا يُعَاقِبَهُمْ بَعْدَ التَّوْبَةِ. (تاکہ وہ اپنے بندوں کو یہ بتادے کہ ان پر اس کی توبہ قبول کرنا اس کی طرف سے ان پر رحمت ہے، نیز یہ رحمت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ توبہ کے بعد انھیں عذاب نہ دے۔)

162 ﴿خَالِدِیْنَ فِیْهَا﴾

(سوال) یہ چیز بالکل غیر منطقی لگتی ہے کہ محدود جرائم کی لامحدود سزا دی جائے۔ یہ چیز بظاہر عدل اور رحمت کے خلاف ہے۔

نقلی جواب : ارشاد ہے : ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (الانعام : ٦ / ٢٨) ''اور اگر انھیں واپس (دنیا میں) بھیج دیا جائے تو بھی وہ وہی کام کریں گے جن سے انھیں روکا گیا تھا، اور بے شک وہ جھوٹے ہیں۔''

عقلی جواب : میں نے کسی آدمی کے اوپر پستول چلا دی اور وہ دس سیکنڈ میں مر گیا تو کیا مجھے دس سیکنڈ کی سزا دی جائے گی؟ یہاں سزا کی نوعیت دیکھی جائے گی۔ ابدی جہنم کی سزا سرکشی کی وجہ سے ہے۔

164 ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ ... لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○﴾

توحید کے دلائل :

﴿وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ﴾ اِذَا ذَهَبَ اَحَدُهُمَا ، خَلَفَهُ الْآخَرُ . (جب ان میں سے ایک چلا گیا تو دوسرے نے اس کی جگہ لے لی۔)

﴿وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ﴾ فَتَارَةً تَكُوْنُ حَارَّةً وَتَارَةً تَكُوْنُ بَارِدَةً ، تَارَةً تَكُوْنُ شِمَالًا اَوْ جُنُوْبًا اَوْ شَرْقًا اَوْ غَرْبًا اَوْ بَیْنَ ذٰلِكَ . (کبھی ہوا گرم ہوتی ہے اور کبھی ٹھنڈی ہوتی ہے، کبھی وہ شمالی ہوتی ہے، یا جنوبی، یا مشرقی، یا مغربی، یا ان کے درمیان۔)

مَنِ الَّذِیْ اَلْهَمَهُمْ صَنْعَتَهَا (الْمَرَاكِبَ) . (وہ کون ہے جس نے کشتیوں کو بنانے کا طریقہ الہام کیا؟)

مَنِ الَّذِیْ سَخَّرَ الرِّیَاحَ تُحَرِّكُهَا . (وہ کون ہے جس نے ہواؤں کو مسخر کیا جو انھیں چلاتی ہیں؟)

مَنِ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ الْعَظِیْمَ لِیَحْمِلَهَا . (وہ کون ہے جس نے

عظیم سمندر کو مسخر کیا تا کہ وہ کشتیوں کو اٹھائے؟)

هَلْ يَقْدِرُ عَلَى ذٰلِكَ اِلَّا اللّٰهُ ؟ (کیا اللہ کے سوا اس پر کوئی اور قدرت رکھتا ہے؟)

فَهُوَ الْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ دُوْنَ سِوَاهُ . (پس وہی عبادت کا مستحق ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔)

165 ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ ... شَدِيْدُ الْعَذَابِ ○﴾

یہ ماقبل سے متصل ہے کہ توحید کے اتنے دلائل قاطعہ کے بعد جو اَلْمُوْصِلَةُ اِلَى عِلْمِ الْيَقِيْنِ الْمُزِيْلَةُ لِكُلِّ شَكٍّ (جو علم الیقین تک پہنچانے والے اور ہر شک کو دور کرنے والے) ہیں، پھر بھی بعض لوگ اس بیان تام کے باوجود ایسے ہیں جو مخلوق میں سے اس کا مساوی اور نظیر ٹھہراتے ہیں اور محبت اور تعظیم میں انھیں اللہ کا مساوی ٹھہراتے ہیں۔

﴿اَنْدَادًا﴾ اَلْمُرَادُ بِهٰذِهِ الْاَنْدَادِ : كُلُّ مَخْلُوْقٍ اُسْنِدَ اِلَيْهِ اَمْرٌ اِخْتَصَّ بِهِ اللّٰهُ . (ان شریکوں سے مراد ہر وہ مخلوق ہے جس کی طرف کوئی ایسا معاملہ منسوب کیا گیا ہو جو اللہ کے ساتھ خاص ہو۔)

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ محبت کی تین صورتیں ہیں :

① تسویہ (برابر کرنا) : یہ شرک ہے۔ ﴿اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○﴾ (الشعراء : ٢٦ / ٩٨) ”جبکہ ہم تمھیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔“

② اللہ عزوجل کی محبت کو مغلوب کیا جائے۔ ﴿اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (التوبة : ٩ / ٢٤) ”تمھیں اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ عزیز ہیں۔“

③ اللہ کی محبت کو غالب کیا جائے۔ یہ جائز ہے۔

محبت کی دو قسمیں ہیں، مشترکہ اور خاصہ۔

مشترکہ : اس کی تین قسمیں ہیں :

① طبعية : كَمَحَبَّةِ الْجَائِعِ لِلطَّعَامِ ، وَالظَّمآنِ لِلْمَاءِ . (جیسا کہ بھوکے کی کھانے سے محبت، پیاسے کی پانی سے محبت۔)

② محبة رحمة : كَمَحَبَّةِ الْوَالِدِ لِوَلِدِهِ . (جیسے باپ کی محبت اپنے بچے سے۔)

③ محبة انس والف : كَمَحَبَّةِ الْاخْوَةِ بَعْضِهِمْ بَعْضاً . (مثال کے طور پر بھائیوں کی آپسی محبت۔)

خاصہ : هِيَ الَّتِيْ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لِلّٰهِ ، وَهِيَ مَحَبَّةِ الْعُبُوْدِيَّةِ . (یہ وہ محبت ہے جو صرف اللہ کے لیے لائق اور زیبا ہے اور یہ محبت عبودیت ہے۔)

جس میں مشرکین اپنے معبودوں کو اللہ کے مساوی ٹھہراتے ہیں۔

رَتَّبَ اللّٰهُ شِدَّةَ الْمَحَبَّةِ عَلَى الْاِيْمَانِ فَكُلَّمَا اِزْدَادَ اِيْمَانُ الْعَبْدِ اِزْدَادَتْ مَحَبَّةً . (اللہ نے محبت کی شدت کو ایمان پر مرتب کیا ہے، پس جیسے جیسے بندے کا ایمان بڑھتا ہے تو محبت بھی بڑھتی رہتی ہے۔)

قاعدہ : اِنَّ الْحُكْمَ اِذَا عُلِّقَ عَلَى وَصْفٍ فَاِنَّهُ يَقْوَى بِقُوَّةِ ذٰلِكَ الْوَصْفِ وَيَنْقُصُ بِنَقْصِهِ . (جب کوئی حکم کسی وصف پر معلق ہو تو وہ اس وصف کی قوت سے قوی ہوتا ہے اور اس کی کمی سے کمزور ہوتا ہے۔)

﴿ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴾ 166

وہ تعلقات جو دنیا میں ان سے تھے، کٹ جائیں گے۔ قیامت میں ایک ہی تعلق رہ جائے گا جو کٹے گا نہیں۔ وَهِيَ النِّسْبَةُ بَيْنَ الْعَبْدِ وَرَبِّهِ . (یہ بندے اور اس کے رب کے درمیان تعلق ہے۔)

﴿ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ﴾ 167

اَلْحَسْرَةُ : اَعْلَى دَرَجَاتِ النَّدَامَةِ عَلَى شَيْءٍ فَائِتٍ . (کسی فوت شدہ چیز پر ندامت کے سب سے بڑے درجے کو حسرت کہتے ہیں۔)

169 ﴿ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ ﴾

سوء اور فحشاء کے درمیان فرق : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : اَلْفَحْشَاءُ مِنَ الْمَعَاصِىْ مَا يَجِبُ فِيْهِ الْحَدُّ ، وَالسُّوْءُ مِنَ الذُّنُوْبِ مَا لَا حَدَّ فِيْهِ . (تفسير البغوى : ١ / ١٩٨) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ”فحشاء ان گناہوں میں سے ہے جن میں حد واجب ہوتی ہے، جبکہ سوء ان گناہوں میں سے ہے جن میں کوئی حد نہیں۔“

171 ﴿ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ﴾

وَهِىَ لَا تَفْهَمُ مُحْتَوَى النِّدَاءِ هَلْ يُرِيْدُ اَنْ يَذْبَحَهَا اَوْ يُرِيْدُ اَنْ يَسْقِيَهَا اَوْ يُطْعِمَهَا . (وہ پکار کا مفہوم نہیں سمجھتے کہ وہ اسے ذبح کرنا چاہتا ہے، یا اسے پانی پلانا چاہتا ہے، یا اسے کھانا کھلانا چاہتا ہے۔)

مویشیوں کو چرانے والا اپنی بکریوں کو آوازیں دے رہا ہو اور وہ جانور اس کی صرف آواز سن رہے ہوں اور انھیں پتہ نہ چل سکے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

﴿ يَنْعِقُ ﴾ اَىْ يُصَوِّتُ وَيَصِيْحُ . (یعنی وہ آواز نکالتا ہے اور چیختا ہے۔)

نَاعِقٌ بِغَنَمِهِ ، فَلَا يَنْتَفِعُ مِنْ نَعِيْقِهِ بِشَىْءٍ غَيْرَ اَنَّهُ هُوَ فِىْ دُعَاءٍ وَنِدَاءٍ . (تفسير الثعلبى : ٢ / ٤٢) ”اپنی بکریوں کو آواز دینے والا، پس اس کی پکار سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ وہ صرف پکارتا اور بلاتا رہتا ہے۔“

اِنَّ الْمُشْرِكَ لَيْسَ لَهُ مِنْ دُعَائِهِ وَعِبَادَتِهِ الْمَيِّتَ اِلَّا الْعِنَادُ . (مشرک کو مردہ ہستیوں کو پکارنے اور ان کی عبادت کرنے سے سوائے ہٹ دھرمی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔)

چرواہا، ناعق ہے۔ بہائم، منعوق ہیں۔ چرواہے کو آواز سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، سوائے منہ درد کے۔ اسی طرح مشرک کو تھکن کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

﴿ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ﴾ یعنی تقلید آباء میں کفار نے اپنی

عقل وفہم کو معطل کر رکھا ہے۔

ایسے ہی اہل بدعت کو جب سمجھایا جائے کہ ان بدعات کی کوئی اصل نہیں تو کہتے ہیں کہ یہ رسمیں ہمارے آباواجداد سے چلی آرہی ہیں۔

﴿ دُعَآءً ﴾ فِیْ مَعْنًی : صَوْتٌ جَهْرِیٌّ ، وَفِیْ مَعْنًی : صَوْتٌ خَفِیٌّ . (ایک معنی میں بلند آواز اور دوسرے معنی میں دھیمی آواز کو کہتے ہیں۔)

﴿ وَّنِدَآءً ﴾ صَوْتٌ جَهْرِیٌّ . (بلند آواز کو کہتے ہیں۔)

﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ ... غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ 173

هٰذَا حَصْرٌ غَیْرُ مَقْصُوْدٍ . (یہ ایک غیر مقصود حصر ہے۔) اس لیے کہ اور بھی بہت سی محرمات ہیں جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں۔

اَلْمَقْصُوْدُ بِالتَّحْرِیْمِ هُنَا - الْاَكْلُ - بِدَلِیْلِ آیَةٍ قَبْلَهَا : كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ ... . (یہاں تحریم سے مراد کھانا ہے، اس سے پہلی آیت کی رو سے۔)

قلت محرمات اور کثرت طیبات کی طرف اشارہ ہے۔

اسلام، روح وبدن دونوں کی اصلاح کرتا ہے۔ خبائث معنویہ (الذبح لغیر اللہ) کو ملحق کیا خبائث حسیہ (میتہ لحم خنزیر) سے۔ خبائث حسیہ بدن کو اور خبائث معنویہ روح کو فاسد کر دیتے ہیں۔

﴿ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ﴾ غیر مسلموں کے تہواروں پر تحفہ قبول کرنے کے بارے میں بہت سے آثار ملتے ہیں، لیکن یہ سارے آثار ضعیف اور غیر ثابت ہیں۔

حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرٍ ، قَالَ : حَدَّثَنَا وَكِیْعٌ ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ حَكِیْمٍ ، عَنْ اُمِّهٖ ، عَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ ، اَنَّهٗ كَانَ لَهٗ سُكَّانٌ مَجُوْسٌ ، فَكَانُوْا یُهْدُوْنَ لَهٗ فِی النَّیْرُوْزِ ، وَالْمِهْرَجَانِ ، فَكَانَ یَقُوْلُ لِاَهْلِهٖ : مَا كَانَ مِنْ فَاكِهَةٍ فَكُلُوْهُ ، وَمَا كَانَ مِنْ غَیْرِ ذٰلِكَ فَرُدُّوْهُ . (المصنف لابن ابی شیبة : حدیث ٢٤٣٧٢) ابو برزہ رضی اللہ عنہ کے کچھ مجوسی

پڑوسی تھے جو انھیں نیروز اور مہرجان میں تحفے دیتے تھے۔ ابو برزہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں سے کہتے تھے کہ پھلوں کی شکل میں جو چیز وہ دیں تو اسے کھالو اور پھلوں کے علاوہ کوئی چیز دیں تو اسے واپس کردو۔

اس اثر کی سند میں حسن بن حکیم کی والدہ ہیں۔ ان کی کوئی توثیق نہیں ملتی۔ توثیق تو درکنار، ان کے نام کی صراحت نہیں ملتی۔ نیز ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر کی صرف ایک ہی سند ہے اور جب اس کی ایک ہی سند ہے تو اس کا متابع یا شاہد کہاں سے ہوگا!

حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرٍ قَالَ : حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ ، عَنْ قَابُوْسٍ ، عَنْ اَبِيْهِ ، اَنَّ امْرَاَةً سَئَلَتْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ : اِنَّ لَنَا اَطْيَاراً مِنَ الْمَجُوْسِ ، وَاِنَّهُ يَكُونُ لَهُمُ الْعِيْدُ فَيُهْدُوْنَ لَنَا ، فَقَالَتْ : اَمَّا مَا ذُبِحَ لِذٰلِكَ الْيَوْمِ فَلَا تَاْكُلُوْا ، وَلٰكِنْ كُلُوْا مِنْ اَشْجَارِهِمْ . (المصنف لابن ابی شيبة : حديث ٢٤٣٧١) ایک عورت نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ہمارے کچھ پڑوسنیں ہیں جو مجوسی ہیں۔ وہ اپنے تہوار کے دنوں میں ہمیں کچھ تحفے دیتی ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''ان کا ذبیحہ نہ کھاؤ، لیکن اگر سبزی اور پھل وغیرہ دیں تو اسے کھاسکتی ہو۔''

اس اثر کی سند میں قابوس، ضعیف راوی ہے اور امام جریر رحمہ اللہ نے صراحت کردی ہے کہ انھوں نے جب یہ اثر قابوس سے سنا تو اس وقت قابوس کا حافظہ خراب ہوگیا تھا، لہٰذا اس اثر کے ضعیف ہونے میں کوئی شک نہیں۔

بعض لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ بعض محدثین نے قابوس کی توثیق کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قابوس کا ضعیف ہونا ہی راجح ہے۔

امام ابن معین رحمہ اللہ نے قابوس کو ''ضعیف الحدیث'' کہا ہے۔ (العلل ومعرفة الرجال للامام لاحمد : ٣ / ٢٩)

لہٰذا توثیق میں ان کا حوالہ ساقط ہے اور تطبیق کی صورت میں یہ کہا جائے گا کہ توثیق، دین داری کے لحاظ سے ہے اور تضعیف، حافظے کے اعتبار سے ہے۔

رہا امام ابن عدی رحمہ اللہ کا وَاَرْجُوْ اَنَّهُ لَا بَاْسَ بِهِ (الکامل : ۷ / ۱۷٦) کہنا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صیغے سے ابن عدی رحمہ اللہ ہر جگہ توثیق نہیں کرتے بلکہ کبھی کبھی وہ جس راوی کو ضعیف مانتے ہیں، اس کے لیے بھی یہ الفاظ کہہ دیتے ہیں اور اس سے ان کی مراد ہوتی ہے کہ اس کی حدیث لکھی جائے گی۔

ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے : قَابُوْسُ بْنِ اَبِیْ ظِبْيَان ، ضَعِيْفٌ . (مستدرک حاکم مع تعلیق الذهبی : ۲ / ٤٥٠)

نیز احمد ابن سعید رحمہ اللہ نے اسے جو "جائز الحدیث" کہا ہے تو یہ توثیق نہیں ہے کیونکہ ضعیف کے لیے بھی ایسا کہا جاتا ہے اور مراد یہ ہوتی ہے کہ يُكْتَبُ حَدِيْثُهُ . "اس کی حدیث لکھی جائے گی۔"

بعض لوگوں نے "جائز الحدیث" کے قول کے بارے میں یہ سمجھا ہے کہ یہ حضرت احمد بن سعید رحمہ اللہ کا قول ہے، جبکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ احمد بن سعید رحمہ اللہ کے استاذ ابن معین رحمہ اللہ کا قول ہے۔

رہا امام طبرانی رحمہ اللہ کا اس اثر کو "حسن" کہنا، تو یہ ضمنی توثیق ہے اور راجح وصریح توثیق کے مقابلے میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

رہی یہ بات کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "درایہ" میں اس راوی سے استدلال کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ روایت سے استدلال، روایت کی تصحیح کو مستلزم نہیں، جبکہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس راوی کو "لین" کہا ہے۔ (تقریب التهذیب لابن حجر : ٥٤٤٥)

قابوس کو امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی ضعیف کہا ہے۔ (التمییز لابن حجر : ۱ / ۳٤٠)

نیز امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو اس اثر کو حسن کہا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے : فَلَا يَغْتَرَّ بِتَحْسِيْنِ التِّرْمِذِی . (میزان الاعتدال للذهبی : ٤ / ٤١٦) "امام ترمذی رحمہ اللہ کسی حدیث کو حسن کہیں تو اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔" نیز دیگر ائمہ فن کی تضعیف کے مقابلے میں امام ترمذی رحمہ اللہ کی اس تحسین

کی کوئی حیثیت نہیں۔

نیز علامہ شاکر رحمہ اللہ نے جو اس اثر کو صحیح کہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ راوی کی توثیق کے بارے میں ائمہ فن کی فہرست میں بطور حجت کسی معاصر محقق کا قول پیش کرنا بے معنی ہے۔اس کے علاوہ کئی جگہوں پر علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس راوی کو ضعیف کہا ہے۔

(الاحاديث الضعيفة : ٩ / ٣٦٧)

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قَابُوْسٌ ضَعِيْفٌ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُوْرُ.

(انوار الصحيفة : ابو داود ، رقم ٣٠٣٢ ، سنن ترمذى مع تحقيق على زئى : ٦٣٣)

''قابوس ضعیف ہے اور جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔''

خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا دونوں آثار ضعیف اور غیر قابل احتجاج ہیں۔

شیخ صالح المنجد حفظہ اللہ کے ایک فتوے میں یہ فرق بیان ہوا ہے کہ غیر مسلموں کے تہواروں پر خود آگے بڑھ کر انھیں تحائف پیش کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ ان کے باطل تہوار کا اقرار اور ان میں شرکت کرنے کے مترادف ہے اور یہ ان کے تہوار میں تعاون علی الاثم (گناہ پر تعاون) شمار ہوگا۔

نیز جہاں تک غیر مسلموں کے تہواروں کے مواقع پر ان سے تحفہ لینے کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ ان کے تہواروں میں شرکت یا ان کا اقرار شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے قبول کر لینا چاہیے تاکہ انھیں اسلام کی دعوت پیش کرنے میں آسانی ہو۔ یہ بات ان غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کے ضمن میں آتی ہے جو مسلمانوں سے لڑتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ﴾ (الممتحنة : ٦٠ / ٨) ''اللہ تمھیں ان لوگوں کی بابت نہیں روکتا جو تم سے دین پر نہیں لڑے اور انھوں نے تمھیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان سے انصاف کرو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند

کرتا ہے۔'' آیت مذکورہ میں حسن سلوک اور انصاف کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے مؤدت یا محبت روا ہے بلکہ دلائل، کفار کے ساتھ مؤدت اور محبت کی حرمت کے بارے میں موجود ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اگرچہ حلال ہے، مگر اپنے تہواروں کے موقع پر جو جانور وہ ذبح کریں، وہ مسلمانوں کے لیے حلال نہیں۔

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ ، هٰذِهِ قَاعِدَةٌ جَلِيْلَةٌ مُنْضَبِطَةٌ بِثَلَاثَةِ ضَوَابِطَ . (ضرورتیں، ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔ یہ ایک عظیم الشان قاعدہ ہے جو تین ضوابط سے منظم ہے۔)

① اَنْ تَكُوْنَ هُنَاكَ ضَرُوْرَةٌ فِعْلًا . (یہ کہ وہاں واقعی ضرورت موجود ہو۔)

② اَنْ لَا يَكُوْنَ الْمُكَلَّفُ مُبْتَغِياً لَهَا ، اَیْ طَالِباً ، اَیْ غَيْرَ طَالِبٍ لِاَكْلِ الْمُحَرَّمِ بِلَا ضَرُوْرَةٍ . (یہ کہ مکلف خود اس ضرورت کا متلاشی نہ ہو، یعنی اس کا طالب نہ ہو، یعنی بلا ضرورت حرام چیز کھانے کا طلب گار نہ ہو۔)

③ اَنْ لَا يَكُوْنَ الْمُكَلَّفُ مُتَجَاوِزاً الْحَدَّ الَّذِیْ تَنْدَفِعُ بِهِ الضَّرُوْرَةُ . (یہ کہ مکلف اس حد سے تجاوز نہ کرے جس سے ضرورت پوری ہوتی ہے۔)

177 ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ ... هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝﴾

فِيْهَا اَشْيَاءُ كَثِيْرَةٌ ، فَبَعْدَ اَنْ اَطَاعُوْا وَتَمَيَّزُوْا مَعَ الْحِفَاظِ عَلَى التَّوَازُنِ كَانَ لَا بُدَّ لَهُمْ مِنْ مَنْهَجٍ اِصْلَاحِيٍّ شَامِلٍ . (اس میں بہت سی چیزیں ہیں، لہٰذا جب وہ اطاعت کر چکے اور توازن برقرار رکھتے ہوئے ممتاز ہو گئے تو ان کے لیے ایک جامع اصلاحی منہج ناگریز ہو گیا۔)

لَا يُمْكِنُ تَنْفِيْذُ قَوَانِيْنَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى . (قوانین کا نفاذ، تقویٰ کے بغیر

ممکن نہیں۔)

﴿ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ﴾ اَلْبَاسَاءُ : هِيَ الشِّدَّةُ عُمُوْماً ، وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ مَا تُسْتَعْمَلُ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ ، وَالضَّرَّاءُ : فَتَكُوْنُ فِي الْاَبْدَانِ . (باساء کا اطلاق عام طور پر شدت (تنگی، سختی) پر ہوتا ہے، لیکن اکثر اس کا استعمال مالوں اور جانوں کے نقصانات میں ہوتا ہے۔ ضراء کا اطلاق عموماً ان تکلیفوں پر ہوتا ہے جو جسموں کو لاحق ہوتی ہیں۔)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ : وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : اَلْبَاْسَاءُ : الْفَقْرُ ، وَالضَّرَّاءُ : السَّقَمُ ، وَحِيْنَ الْبَاْسِ ، قَالَ : حِيْنَ الْقَتْلِ . (مستدرک حاکم : ۳۰۷۹) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''باسا سے مراد فقر، ضراء سے مراد بیماری اور باس سے مراد قتل (فی سبیل اللہ وغیرہ) ہے۔''

﴿ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ﴾ قرآن میں لفظ ''باس'' کے تین معانی ہیں :

① عذاب : ﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ﴾ (المومن : ۴۰ / ۸۴) ''چنانچہ جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔''

② الحرب (جنگ) : ﴿ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (الاحزاب : ۳۳ / ۱۸) ''اور وہ جنگ میں کم ہی آتے تھے۔''

③ سطوۃ ونکایۃ (دبدبہ وغلبہ) : ﴿ نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ﴾ (النمل : ۲۷ / ۳۳) ''ہم قوت والے اور سخت جنگجو ہیں۔''

باس اور باساء کے درمیان فرق : اَلْبَاسَاءُ شِدَّةُ الْفَقْرِ ، وَالْبَاْسُ شِدَّةُ الْقِتَالِ . (''الباساء'' شدۃ الفقر (غربت کی شدت) کو کہتے ہیں اور ''الباس'' شدۃ القتال (لڑائی کی شدت) کو کہتے ہیں۔)

179 ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ ... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝﴾

اَلتَّقْوَى مِصْبَاحُ الطَّرِيْقِ . (تقویٰ، چراغ رہ گزر ہے۔)

قصاص اور روزہ میں ربط :

① قصاص میں نفس انسانی کو حسی طور پر قتل کر دیا جاتا ہے، جبکہ روزے میں شہوت کو قتل کیا جاتا ہے۔

② قصاص میں اجسام کی حیات ہے اور روزے میں ارواح کی حیات ہے۔

180 ﴿اِنْ تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ ...﴾

وصیت کے حکم کو مغفرت پر ختم کیا۔ اس کے بعد روزے کا حکم دیا تا کہ معلوم ہو کہ مغفرت اور رحمت سب سے زیادہ روزے داروں کو حاصل ہوتی ہے۔

182 ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفاً اَوْ اِثْماً فَاَصْلَحَ﴾

حنف، جنف اور خنف میں فرق : اَلْحَنَفُ هُوَ الْمَيْلُ فِي الْاِعْتِقَادِ ، وَالْخَنَفُ هُوَ الْمَيْلُ فِي الصَّوْتِ ، وَالْجَنَفُ هُوَ الْمَيْلُ فِي السُّلُوْكِ . (حنف، عقیدے میں جھکاؤ کو کہتے ہیں، خنف آواز میں جھکاؤ کو کہتے ہیں اور جنف سلوک میں جھکاؤ کو کہتے ہیں۔)

(سوال) مَا الْفَرْقُ بَيْنَ الْحَنَفِ وَالْجَنَفِ ؟ (حنف اور جنف میں کیا فرق ہے؟)

(جواب) اَلْحَنَفُ : الْمَيْلُ مِنَ الضَّلَالِ اِلَى الْاِسْتِقَامَةِ ، وَالْجَنَفُ : الْمَيْلُ عَنِ الْاِسْتِقَامَةِ اِلَى الضَّلَالِ . (حنف، گمراہی سے استقامت کی طرف جھکاؤ کو کہتے ہیں اور جنف، استقامت سے گمراہی کی طرف جھکاؤ کو۔)

183 ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ...﴾

روزے کے فوائد :

① امام غزالی رحمہ اللہ نے ''احیاء العلوم'' میں لکھا کہ روزے سے بھوکا رہنے سے ذہن تیز

ہوتا ہے۔

② دوسرے کی پیاس بھوک کا احساس ہوتا ہے، پھر اس کا دل غرباء کی مدد کی طرف مائل ہوتا ہے۔

③ مشقت برداشت کرنے کی مشق ہوتی ہے۔

④ سب ایک ساتھ روزہ رکھتے ہیں۔ اس میں مساوات کا سبق ہے۔

⑤ سحری اور افطار سے نظام الاوقات کی پابندی کی مشق ہوتی ہے۔

180 ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جو لوگ مشقت سے روزہ رکھیں۔

عَنْ عَطَاءٍ ، سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ ، يَقْرَأُ : وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطَوَّقُوْنَهٗ فَلَا يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : لَيْسَتْ بِمَنْسُوْخَةٍ هُوَ الشَّيْخُ الْكَبِيْرُ ، وَالْمَرْاَةُ الْكَبِيْرَةُ لَا يَسْتَطِيْعَانِ اَنْ يَصُوْمَا ، فَيُطْعِمَانِ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْناً . (صحيح البخاری : كتاب تفسير القرآن ، حديث ٤٥٠٥) عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ یوں قراءت کرتے تھے : وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطَوَّقُوْنَهٗ فَلَا يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ . "یعنی وہ لوگ جو بہ مشقت روزہ رکھتے ہیں، وہ (ہر روزے کے بدلے) ایک مسکین کو بطور فدیہ کھانا کھلائیں۔" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے اور اس سے مراد بہت بوڑھا مرد یا انتہائی بوڑھی عورت ہے جو روزے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ انھیں چاہیے کہ وہ ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔"

وسعت اور طاقت میں فرق :

......وسعت کا معنی ہے، کسی چیز پر سہولت سے قدرت ہو۔

......طاقت کا معنی ہے، کسی چیز پر مشقت سے قدرت ہو۔

حاملہ اور مرضعہ کا روزہ : حاملہ اور مرضعہ کے بارے میں فدیے کا قول اقرب الی الصواب ہے کہ حاملہ اور مرضعہ روزہ نہ رکھیں بلکہ اس کے بدلے فدیہ دیں۔

185 ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ ...﴾

﴿رَمَضَانَ﴾ خلیل سے منقول ہے کہ رمضان، رمضاء سے بنا ہے۔ اور رمضاء، خریف کی اس بارش کو کہتے ہیں جو زمین سے گرد وغبار کو دھو ڈالتی ہے۔ اسی طرح رمضان روزہ داروں کے گناہوں کو دھو ڈالتا ہے۔

لَوْ عِشْتَ حَيَاتَكَ كَأَنَّكَ فِیْ رَمَضَانَ سَتَجِدُ الْآخِرَةَ عِيْداً .

(اگر تم اپنی زندگی ایسے گزارو جیسے تم رمضان میں ہو تو تم آخرت کو عید پاؤ گے۔)

مسئلہ : (رمضان میں روزے کی حالت میں) خون دینا جائز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجامہ کرایا جس میں خون اچھی خاصی مقدار میں نکلتا ہے۔ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

﴿اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ﴾ (سنن ابی داود : کتاب الصوم ، رقم ۲۳۶۷ ، حکم الالبانی : صحیح) ’’پچھنا لگانے اور لگوانے والے، دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔‘‘ یہ روایت منسوخ ہے۔

خون لینا : بلا ضرورت خون چڑھانا درست نہیں۔ سیریس حالت میں روزہ توڑ دے اور بعد میں قضا کرے۔

اس میں غذائی انجکشن لگانے پڑتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر میں ایک صحابی کو بے ہوش دیکھا تو انھیں سخت تنبیہ کی۔

186 ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾

قرآن کی یہ واحد آیت ان تمام آیات کے خلاف ہے جو سوال الناس للنبی (لوگوں کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنا) سے شروع ہوتی ہیں۔

قرآن مجید کی تمام آیات ﴿یَسْئَلُوْنَكَ﴾ سے شروع ہوتی ہیں اور ان کے جواب میں ﴿قُلْ﴾ آتا ہے۔

یہاں اللہ نے ﴿ قُلْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ﴾ نہیں کہا۔ لِبَیَانِ اَنَّہٗ لَا وَاسِطَۃَ بَیْنَ الْعَبْدِ وَالرَّبِّ. (اس بات کو واضح کرنے کے لیے کہ بندے اور رب کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔)

مَنِ اسْتَجَابَ اللّٰہَ اسْتَجَابَ اللّٰہُ لَہٗ. (جس نے اللہ کی پکار پر لبیک کہا، اللہ اس کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔)

اَوَ لَیْسَ جَزَاءُ الْاِحْسَانَ اِلَّا الْاِحْسَان ؟ (کیا نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ اور ہے؟)

یَقُوْلُ اِلٰھُکُمْ اِنِّیْ قَرِیْبٌ
فَکُلُّ دُعَاءِکُمْ اِنِّیْ اُجِیْبُ
فَلَا تَدْعُوْا بِاَمْرٍ قَطُّ غَیْراً
عَلٰی بَابِ الْاِلٰہِ لَکُمْ نَصِیْبٌ

"تمہارا معبود کہتا ہے کہ میں قریب ہی ہوں اور تمہاری ہر دعا کو میں ہی قبول کرتا ہوں۔ پس ہرگز کسی اور سے کوئی چیز نہ مانگو کیونکہ اللہ کے در پر تمہاری مراد ہے۔"

بلاشرط دعا قبول ہوتی ہے۔ ان شاء کی قید نہیں ہے۔ فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ اِنْ شَاءَ. (پھر اگر وہ چاہے گا تو اس چیز کو دور کردے گا جس کے لیے تم اسے پکارتے ہو۔)

یہاں اِنْ دَعَانِیْ نہیں کہا۔ اِنْ قلیل الوقوع یا محتمل کے لیے آتا ہے۔ اِذَا سے جو بات ہو، لامحالہ واقع ہوتی ہے۔

کفار کی دعا میں تعلیق بالمشیۃ ہے اور مومنوں کی دعا میں وعد مطلق ہے۔ یعنی اس کی دعا رد نہیں ہوتی۔

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ نے لکھا ہے "اس میں اشارہ ہے کہ رمضان میں دعا کرنا

چاہیے اور رمضان میں دعا، مرجوّ الاجابة (جس کی قبولیت کی امید ہے) ہے۔"

187 ﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ ... لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○﴾

﴿ وَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ طلوع فجر تک کھاؤ پیو۔ یہ دلیل ہے کہ سحری کھانا مستحب ہے۔

﴿ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ﴾ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: فَلَا يَكُوْنُ الْاِعْتِكَافُ اِلَّا فِي الْمَسَاجِدِ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ . (مجموع الفتاوی : ۲۷ / ۲۵۲) "علماء کے اتفاق کے مطابق اعتکاف صرف مسجدوں میں ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھو تو اپنی عورتوں سے ہم بستری نہ کرو۔"

اعتکاف : بیس رمضان کا سورج غروب ہوجائے تو اعتکاف کرنے والا مسجد میں آجائے، ذکر الٰہی میں مشغول رہے اور نماز فجر کے بعد معتکف (اعتکاف کرنے کی جگہ) میں داخل ہوجائے۔

مسئلہ : غیر رمضان میں اعتکاف کیا جاسکتا ہے، مگر ایک رات یا ایک دن سے کم اعتکاف نہیں۔

188 ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ...﴾

رِشَاءٌ ڈول کی رسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے۔ راشی وہ ہے جو باطل چیز کو حاصل کرنے کے لیے کسی کی مدد کرتا ہے۔

......راشی (رشوت لینے والا)

......مرتشی (رشوت دینے والا)

......رائش (دونوں کے درمیان رشوت کا معاملہ طے کرانے والا)

وَقَالَ ابْنُ الْاَثِيْرِ : اَلرِّشْوَةُ وَالرُّشْوَةُ : الْوُصْلَةُ اِلَى الْحَاجَةِ

بِالْمُصَانَعَةِ ۔ (النهاية فی غریب الحدیث والاثر : ۲ / ۲۲۶) امام ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''خوشامد یا چاپلوسی سے اپنی حاجت پوری کرانا رشوت ہے۔''

اس سے واضح ہوا کہ رشوت صرف پیسوں کا لین دین نہیں ہے۔

مسئلہ : حق کو حاصل کرنے یا ظلم کو دفع کرنے کے لیے رشوت دینے میں حرج نہیں۔

رشوت کی چار قسمیں ہیں :

① منصب قضاء کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دے۔ اس میں رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

② اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے قاضی یا افسر کو رشوت دے۔ یہ جانبین سے حرام ہے کیونکہ یہ قاضی اور افسر کی ڈیوٹی ہے کہ وہ مستحق کے حق میں فیصلہ دے۔

③ خود کو ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دے۔ یہ دینے والے پر حرام نہیں۔

④ کسی کو رشوت دے کہ حاکم تک پہنچا دے۔ یہاں رشوت دینا جائز اور لینا حرام ہے۔ اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا جائز اور لینا حرام ہے۔

یہ چاروں قسمیں بدر الدین عینی، ابن ہمام، ابن نجیم، ابن عابدین شامی رحمہم اللہ نے بیان کی ہیں۔

﴿وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ﴾ فَتَرْشُوا الْحَاكِمَ لِتَتَوَاصَلُوْا بِرِشْوَتِهِ اِلَى الْاَكْلِ بِالْبَاطِلِ ۔ (یہ کہ تم حکمران کو رشوت دو تا کہ رشوت کے ذریعے باطل طریقے سے مال کھانے تک پہنچ سکو۔)

﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ...﴾ 191

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۹ جنگیں لڑی ہیں۔ جنگ دو قسموں کی ہوتی ہیں :

① دفاعی : ظالم جب مظلوم کے گھر پر حملہ کر دے۔

② اقدامی : جب معلوم ہو کہ ظالم اس پر حملہ آور ہونے والا ہے تو آگے بڑھ کر اس کا مقابلہ کرے، یا کہیں ظلم ہو رہا ہو تو اسے روکنے کے لیے مقابلہ کرے۔

197 ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ ... وَاتَّقُوْنِ يَا أُوْلِي الْأَلْبَابِ ○﴾

حج بدنی جہاد ہے۔ اس کا ربط ﴿وَقَاتِلُوْا﴾ سے ہے۔

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ قَالَ الْحَسَنُ : اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ هُوَ اَنْ يَرْجِعَ زَاهِداً فِي الدُّنْيَا رَاغِباً فِي الْآخِرَةِ. (القرطبی : ٤ / ١٤٢) امام حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا ”حج مبرور یہ ہے کہ حاجی دنیا سے بے رغبتی کرنے والا اور آخرت میں رغبت رکھنے والا ہو کر لوٹے۔“

﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ لَا يَصِلُ الْمُسَافِرُ اِلَّا بِزَادٍ ، فَكَذٰلِكَ الْمُسَافِرُ اِلَى اللّٰهِ وَالدَّارِ الْآخِرَةِ لَا يَصِلُ اِلَّا بِزَادٍ مِنَ التَّقْوٰى . (مسافر اپنی منزل تک زادراہ کے بغیر نہیں پہنچتا۔ اسی طرح اللہ اور آخرت کے گھر کی طرف سفر کرنے والا بھی تقویٰ کے زادراہ کے بغیر نہیں پہنچتا۔)

200 ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ ...﴾

(سوال) احکام حج کی آیات، جہاد کے بعد کیوں ذکر کی گئیں؟

(جواب) کیونکہ جہاد کے لیے جہاد نفس ضروری ہے۔

پھر عائلی زندگی (زواج، طلاق، خلع، عدت وغیرہ) کا بیان ہے۔ ان سب کا سیاق، تقویٰ ہے۔

202 ﴿وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾

قِيْلَ لِعَلِيٍّ : كَيْفَ يُحَاسِبُ اللّٰهُ الْعِبَادَ فِيْ يَوْمٍ ؟ فَقَالَ : كَمَا يَرْزُقُهُمْ فِيْ يَوْمٍ . (تفسیر ابن عرفة : ٢ / ٥٩١) علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا ”اللہ ایک دن میں (اتنے سارے) بندوں کا حساب کیسے لے گا؟“ اس پر انھوں نے فرمایا ”جس طرح وہ ایک دن میں ان سب کو رزق دیتا ہے۔“

208 ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾

...... یہ خطاب یا تو اہل کتاب سے ہے۔ معنی یہ ہوگا : يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا

بِمُوْسَى وَعِيْسَى ! اُدْخُلُوْا فِى السِّلْمِ (الْإِسْلَامِ) كَافَّةً . (اے وہ لوگو جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے ہو، تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ۔) کیونکہ اسلام نے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔

﴿ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ : وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ، لَا يَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِیٌّ ، وَلَا نَصْرَانِیٌّ ، ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهِ ، اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ ﴾ (صحيح مسلم : الايمان ، حديث ١٥٣) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! اس امت (امت دعوت) کا کوئی ایک بھی فرد، یہودی ہو یا عیسائی، میرے متعلق سن لے، پھر وہ مرجائے اور اس دین پر ایمان نہ لائے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا تو وہ اہل جہنم ہی سے ہوگا۔''

...... یا پھر یہ خطاب منافقین سے ہے۔ تب معنی یہ ہوگا : يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاَلْسِنَتِهِمْ ! اُدْخُلُوْا بِكُلِّيَّتِكُمْ فِى الْإِسْلَامِ . (اے وہ لوگو جو اپنی زبانوں سے ایمان لائے ہو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔)

...... یا یہ خطاب مسلمانوں سے ہے۔ معنی یہ ہوگا : يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا ! فِى الْاِسْلَامِ جَمِيْعِهِ . (اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔) یعنی ویسا نہ کرو جیسا اہل کتاب کرتے ہیں کہ بعض احکام پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کر دیتے ہیں۔ ایسا بھی نہ کرو کہ جو امر مشروع تمہاری خواہش کے مطابق ہو تو اسے کرو اور جو خواہش کے خلاف ہو تو اسے چھوڑ دو۔ بَلِ الْوَاجِبُ اَنْ يَكُوْنَ الْهَوَى تَبْعاً لِلدِّيْنِ . (بلکہ یہ ضروری ہے کہ خواہشات، دین کے تابع ہوں۔)

﴿ السِّلْمِ ﴾ سلم، توافق تام کو کہتے ہیں۔ بدن کو سَالِم اس وقت کہیں گے جب وہ نقص اور عیب سے خالی ہو اور مُسْتَسْلِم اس شخص کو کہتے ہیں جو مخالف کے سامنے ہتھیار ڈال دے جو اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ میں موافقت کرتا ہوں، مخالفت نہیں۔

لغت میں اسلام کا معنی اَلْاِنْقِیَادُ وَالْاِذْعَانُ (مکمل اطاعت اور سر تسلیم خم کرنا) ہے۔

تَقُوْلُ الْعَرَبُ : اَسْلَمَ لِلّٰهِ ، اِذَا اِنْقَادَ وَاَذْعَنَ وَاَطَاعَ . (عرب کہتے ہیں : اَسْلَمَ لِلّٰهِ. ''اس نے اللہ کے لیے اپنے آپ کو سپرد کر دیا۔'' جب وہ پوری طرح مطیع ہو گیا، سر تسلیم خم کر دیا اور اطاعت کی۔)

اسی سے دور جاہلیت کے مومن زید بن نفیل العدوی کا یہ قول ہے ۔

وَاَسْلَمْتُ وَجْهِیْ لِمَنْ اَسْلَمَتْ
لَهُ الْاَرْضُ تَحْمِلُ صَخْراً ثِقَالاً

''میں نے اپنا چہرہ اس ذات کے لیے جھکا دیا جس کے لیے زمین نے خود کو جھکا دیا جو بھاری پتھروں کو اٹھائے ہوئے ہے۔''

وَالْاِسْلَامُ فِی الْاِصْطِلَاحِ الشَّرْعِیِّ : هُوَ الْاِنْقِیَادُ وَالْاِذْعَانُ لِلّٰهِ تَعَالٰی بِامْتِثَالِ اَمْرِهٖ وَاجْتِنَابِ نَهْیِهٖ . (اسلام شرعی اصطلاح میں اللہ کے سامنے مکمل اطاعت اور سر تسلیم خم کرنا کو کہتے ہیں، اس کے حکموں کی پیروی کرنے اور اس کی منع کردہ چیزوں سے بچنے کے ذریعے۔)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، قَوْلُهُ : ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ، قَالَ : السِّلْمُ : الطَّاعَةُ . (تفسیر ابن ابی حاتم : ۲ / ۳۷۰) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''سلم سے مراد تابعداری ہے۔''

عَنْ مُجَاهِدٍ ، فِیْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ : ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ ،

قَالَ : اُدْخُلُوْا فِی الْاِسْلَامِ . (تفسیر الطبری : ۳ / ۵۹۵) مجاہد رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''اسلام میں داخل ہوجاؤ۔''

ایک کندی شاعر کا قول ہے۔

دَعَوْتُ عَشِیْرَتِیْ لِلسِّلْمِ لَمَّا
رَاَیْتُھُمْ تَوَلَّوْا مُدْبِرِیْنَا

''میں نے اپنے خاندان کو اسلام کی طرف بلایا جب میں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے اسلام سے منہ موڑ لیا۔''

یہ شعر اس نے اس وقت کہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد قبیلۂ کندہ کے لوگ الاشعث ابن قیس الکندی کے ساتھ مرتد ہوگئے تھے۔

قَالَ الْاَزْھَرِیُّ : السَّلَمُ : الصُّلْحُ ، وَالسِّلْمُ : الْاِنْقِیَادُ ، وَالْمُرَادُ بِهٖ : الْاِسْلَام ھَاھُنَا . (تفسیر السمعانی : ۱ / ۲۰۹) ازہری رحمہ اللہ نے کہا ''سلم کا مطلب صلح ہے اور سلم کا مطلب فرماں برداری ہے اور یہاں سلم سے مراد اسلام ہے۔''

سلف کی تفسیر میں یہ ''اختلاف تنوع'' کی ایک مثال ہے۔

(سوال) اسلام کو ''سلم'' سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

(جواب) اسلام کی حقیقت کو جاننے کی یہ ایک اہم جہت، سلم (صلح وسلامتی) ہے۔

﴿ فِی السِّلْمِ ﴾ میں ''فی'' کا مطلب : فِیْ تُفِیْدُ الظَّرْفِیَّةَ ، وَالظَّرْفِیَّةُ تَعْنِیْ اَنَّ شَیْئاً یَحْتَوِیْ شَیْئاً . (''فی'' ظرفیت کا فائدہ دیتا ہے اور ظرفیت کا معنی ہے، کوئی چیز کسی چیز کو گھیر لے۔)

یہ لفظ ایک تمکن اور گہرے ربط کو ظاہر کرتا ہے، جیسے اللہ نے فرمایا: ﴿ وَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ﴾ (طه : ۲۰ / ۷۱) ''میں تم سب کو کھجور کے تنوں میں سولی پر لٹکوا دوں گا۔''

یہاں ﴿ جُذُوْعِ النَّخْلِ ﴾ (کھجور کے تنے) مصلوب علیہا (جن پر سولی دی جائے) ہے، لہٰذا ''علی'' نہ کہہ کر ''فی'' لایا گیا کیونکہ ''فی'' یہ تصور دیتا ہے کہ ان جادوگروں کو مصلوب علیہا ﴿ جُذُوْعِ النَّخْلِ ﴾ کے ساتھ اس طرح مضبوطی سے باندھا گیا گویا مصلوبین، مصلوب علیہا کے جسم میں داخل کر دیے گئے۔ پس ﴿ فِي السِّلْمِ ﴾ کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام میں اس طرح داخل ہو جاؤ اور اس سے اتنی مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ جیسے مظروف، ظرف میں داخل ہو جاتا ہے۔

﴿ كَآفَّةً ﴾ کا مطلب : یہ یا تو ﴿ السِّلْمِ ﴾ سے حال واقع ہے۔ مطلب یہ ہوگا : فِى السِّلْمِ كُلِّهِ . (مکمل طور پر امن میں۔) یعنی تمہارا عقیدہ، تمہاری عبادات، تمہارے معاملات، تمہاری معاشرت، تمہارے اخلاق، غرض کہ تمہاری زندگی کی جدوجہد اور سعی و عمل کے تمام راستے تابع اسلام ہوں۔ یا ﴿ اُدْخُلُوْا ﴾ کی ضمیر سے حال واقع ہے۔ مطلب ہوگا : اُدْخُلُوْا كُلُّكُمْ . (تم سب داخل ہو جاؤ۔)

کافہ کا مطلب یہ ہوا : اَىْ كَافِّيْنَ عَنِ الْمُجَاوَزَةِ اِلَى غَيْرِهِ . (یعنی اسلام سے تجاوز کر کے کسی اور دین کی طرف جانے سے رک جانے والے۔)

یہ ''کف'' سے مشتق ہے۔ وَالْكَفُّ اَىِ الْمَنْعِ ، وَمِنْهُ كُفَّةُ الثَّوْبِ لِاَنَّهَا تَمْنَعُ الثَّوْبَ مِنَ الْاِنْتِشَارِ . (کف سے مراد روکنا ہے۔ اسی سے کفة الثوب (کپڑے کا گول کنارہ) ہے کیونکہ وہ کپڑے کو پھیلنے سے روکتا ہے۔)

وَرَجُلٌ مَكْفُوْفُ الْبَصَرِ ، اَىْ مُنِعَ عَنِ النَّظَرِ . (اندھے آدمی کو مکفوف البصر کہا جاتا ہے کیونکہ اسے دیکھنے سے روک دیا جاتا ہے۔)

فَالْجَمَاعَةُ تُسَمَّى كَافَّةً لِامْتِنَاعِهِمْ عَنِ التَّفَرُّقِ . (جماعت کو کافہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ بکھرنے سے رک جاتے ہیں۔)

﴿ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ﴾

208

چونکہ پورے اسلام میں داخل ہونا شیطان کے تمام راستوں کی مخالفت کے بغیر ممکن

نہ تھا، لہٰذا فرمایا گیا: ﴿ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ﴾ ”اور شیطان کے قدموں کی تابع داری نہ کرو۔“

”خطوات“ کا مفہوم: یہ خُطْوَةٌ کی جمع ہے۔ اَلْخُطْوَةُ مَا بَيْنَ قَدَمَيْ مَنْ يَخْطُوْا. (چلنے والے کے دونوں قدموں کے درمیان فاصلے کو خطوہ کہا جاتا ہے۔)

اس میں اشارہ ہے کہ شیطان مباشرۃً (ڈائریکٹ) کسی کو گمراہ نہیں کرتا بلکہ قدم بہ قدم (Step by step) گمراہ کرتا ہے۔

امام وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار شخص تھا جو اپنے زمانے میں سب سے زیادہ نیکوکار تصور ہوتا تھا۔ وہاں تین بھائی تھے جن کی ایک ہی نوجوان بہن تھی۔ تینوں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلے تو انھوں نے سوچا کہ بہن کو کس کے پاس چھوڑیں اور کس پر اعتماد کریں؟ انھیں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ بالآخر وہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ اپنی بہن کو بنی اسرائیل کے عبادت گزار شخص کے پاس اس کے پڑوس میں چھوڑ دیں۔ وہ اس کے پاس آئے اور اپنا مدعا بیان کیا، لیکن اس نے انکار کر دیا اور اللہ کی پناہ مانگی، لیکن ان کا لگاتار اصرار اس کے انکار پر غالب آ گیا۔

اس عابد نے کہا ”اپنی بہن کو میرے عبادت خانے کے پڑوس کے ایک گھر میں رہائش پذیر کر دو۔“ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور چلے گئے۔

وہ وہاں ایک مدت تک رہی۔ عابد عبادت خانے سے کھانا لے کر نیچے اترتا، پھر اسے آواز دیتا تو وہ گھر سے نکلتی اور رکھا ہوا کھانا اٹھا کر واپس چلی جاتی۔ شیطان اس عابد کے ساتھ لگ گیا۔ وہ اسے خیر و بھلائی کی ترغیب و تشویق دلاتا اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈالتا کہ لڑکی کا دن کے وقت گھر سے نکلنا بہت خطرے کی بات ہے۔ اگر کسی نے اسے دیکھ لیا تو کچھ ایسا ویسا ہو سکتا ہے۔ اگر تو خود کھانا لے جائے اور اسے اس کے گھر کے دروازے پر رکھ آئے تو تجھے زیادہ اجر ملے گا، چنانچہ وہ ایسا ہی کرنے لگا، لیکن وہ لڑکی سے ہم کلام نہ ہوتا۔

پھر ابلیس آیا اور اسے مزید خیر و بھلائی اور اجر کی ترغیب دلائی اور کہا ''وہ تنہائی اور وحشت محسوس کرتی ہے۔ اگر تو اس سے بات چیت کرے تو اس کی بوریت ختم ہو جائے گی۔'' چنانچہ وہ عبادت خانے کے اوپر سے جھانکتا اور اس سے محو گفتگو ہو جاتا۔ ایک وقت تک اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔

پھر ابلیس اس کے پاس آیا اور کہا ''اگر تو عبادت خانے سے نیچے اتر کر دروازے پر بیٹھے اور وہ بھی اپنے گھر کی دہلیز پر بیٹھ جائے اور تم اس سے باتیں کرو تو لڑکی کی وحشت ختم ہو جائے گی۔'' چنانچہ اس انداز سے ان کی گفتگو ہونے لگی۔

ایک زمانہ بیت گیا۔ پھر ابلیس آیا اور لڑکی کے متعلق خیر و بھلائی کی ترغیب دلاتے ہوئے اس سے کہنے لگا ''اگر تو عبادت خانے سے باہر نکلے اور لڑکی کے قریب بیٹھ کر اس سے بات چیت کرے تو اس کے لیے زیادہ بہتر ہوگا۔'' شیطان اسے آمادہ کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ ایسا کرنے لگا۔

کچھ مدت کے بعد شیطان پھر آیا اور یہ کہتے ہوئے نیکی کی ترغیب دلائی ''اگر تو اس کے قریب جا کر اس کے گھر کے دروازے کے پاس بیٹھ کر بات چیت کرے، جبکہ لڑکی گھر سے باہر نہ نکلے۔'' اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ عبادت خانے سے اترتا اور اس کے گھر کے دروازے کے پاس کھڑا ہو کر باتیں کرتا۔ اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔

پھر ابلیس اس کے پاس آیا اور کہنے لگا ''اگر تو اس کے گھر چلا جائے اور وہاں اس کے ساتھ بات کر لیا کرے تا کہ باہر کوئی اور اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے تو یہ تیرے لیے زیادہ مناسب ہے۔'' سو وہ سارا دن اس کے ساتھ گپ شپ لگاتا اور شام ہوتے ہی عبادت خانے واپس چلا جاتا۔

رفتہ رفتہ یوں ہوا کہ ابلیس نے لڑکی کو اس کی نظر میں آراستہ و مزین کرنا شروع کر دیا، حتیٰ کہ عابد نے اس کی ران پر ہاتھ مارا اور بوسہ لیا۔ بات آگے بڑھی اور وہ اس کے حسن کے سحر میں گرفتار ہو گیا۔ پھر وہ لڑکی حاملہ ہوئی اور بچہ پیدا ہو گیا۔

ابلیس آیا اور اس سے کہا ''اگر لڑکی کے بھائی آگئے اور بچہ دیکھ لیا تو تیرا کیا بنے گا؟ لڑکی رسوا ہوگی، یا وہ تجھے رسوا کریں گے۔ بچے کو ذبح کر کے دفن کر دے۔ لڑکی بھی عزت کی خاطر خاموش رہے گی اور راز فاش نہیں ہوگا۔'' چنانچہ اس نے بچے کو قتل کر دیا۔

ابلیس نے کہا ''کیا تو سمجھتا ہے کہ لڑکی جو کچھ تو نے اس کے اور اس کے بچے کے ساتھ کیا، اپنے بھائیوں سے چھپا لے گی؟ اسے بھی ذبح کر کے بیٹے کے ساتھ ہی دفن کر دے۔''

وہ مسلسل وسوسے ڈالتا رہا، یہاں تک کہ عابد نے لڑکی کو بھی ذبح کر دیا اور اس کے بچے کے ساتھ گڑھا کھود کر اسے بھی دفن کر دیا۔ اس نے ان کے اوپر ایک بڑا پتھر رکھ دیا اور مٹی برابر کر کے عبادت خانے میں جا بیٹھا۔

ایک عرصہ گزرنے کے بعد اس لڑکی کے بھائی جنگ سے واپس آگئے تو وہ عابد کے پاس آئے اور اپنی بہن کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ وفات پا چکی ہے۔ پھر اس نے رحمت کی دعا کی اور روتا رہا اور کہا ''وہ ایک اچھی خاتون تھی۔ یہ تمہارے سامنے اس کی قبر ہے۔'' بھائی قبر کے پاس آئے۔ وہ روتے اور دعا کرتے رہے۔ وہ کئی دن وہیں ٹھہرے رہے، پھر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

جب رات چھا گئی اور وہ نیند کی آغوش میں چلے گئے تو شیطان مسافر کے روپ میں ان کے پاس خواب میں آیا۔ بڑے بھائی سے شروع ہوا اور اس سے ان کی بہن کے متعلق پوچھا۔ اس نے عابد کی بات کہہ سنائی، لیکن شیطان نے اسے جھٹلایا اور کہا ''عابد نے تمہاری بہن کی بابت سچ نہیں بولا بلکہ اس نے تمہاری بہن کو حاملہ کیا جس سے ایک بچہ پیدا ہوا۔ پھر اس نے اسے اور بچے کو تمہارے خوف سے ذبح کر دیا اور اسے گھر کے دروازے کے عقب میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب تمہیں وہ گڑھا مل جائے گا۔''

پھر شیطان درمیانے بھائی کے خواب میں آیا اور یہی بات کہی۔ پھر تیسرے اور

چھوٹے سے بھی یہی کہا۔ جب صبح وہ بیدار ہوئے تو سبھی خواب سے متعلق متعجب تھے۔ ہر کوئی اپنا خواب دوسرے کو بتا رہا تھا۔

بڑے نے کہا ”یہ پراگندہ خواب ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔“

چھوٹا بولا ”بخدا! میں اس جگہ جا کر ضرور دیکھوں گا۔“

چنانچہ وہ سبھی اس گھر کی جانب چلے جہاں ان کی بہن رہتی تھی۔ انھوں نے دروازہ کھولا اور اس جگہ کو تلاش کیا جو شیطان نے خواب میں ذکر کی تھی۔ وہاں انھیں وہ گڑھا مل گیا جہاں ان کی بہن اور اس کا بچہ ذبح کر کے دفن کر دیے گئے تھے۔ انھوں نے اس کے بارے میں عابد سے دریافت کیا تو اس نے ابلیس کی بات کی تصدیق کر دی۔ وہ اس کا معاملہ حکمران کے پاس لے گئے، چنانچہ عبادت خانے سے اتار کر اسے سولی کے لیے پیش کر دیا گیا۔

جب اسے رسیوں سے باندھ دیا گیا تو شیطان پھر اس کے پاس آیا اور بولا ”میں ہی ہوں جس نے تجھے عورت کے بارے میں فتنے میں مبتلا کیا اور اسے تو نے حاملہ کیا، پھر اس کے بیٹے کو ذبح کر دیا۔ اگر آج تو میری بات مان لے اور اس اللہ سے کفر کر لے جس نے تجھے پیدا کیا اور تیری شکل صورت بنائی تو میں تجھے سولی سے نجات دلا سکتا ہوں۔“

سو عابد نے اللہ کے ساتھ کفر کر لیا۔ جوں ہی اس نے کفر کا ارتکاب کیا تو شیطان درمیان سے نکل گیا اور انھوں نے اسے سولی دے دی۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (الحشر: ۵۹/ ۱۶-۱۷) ”ان کی مثال شیطان کی سی ہے جب وہ انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر۔ پھر جب وہ کفر کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے، بے شک میں تجھ سے بری ہوں، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

لہٰذا ان دونوں کا انجام یہی ہوگا کہ بے شک وہ ہمیشہ (دوزخ کی) آگ میں رہیں گے۔ اور ظالموں کی سزا یہی ہے۔" (تفسير الطبرى : ١٢ / ٤٨ ، صحيح)

208 ﴿اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾

یہ جملہ تعلیلیہ ہے۔ مُوَكِّدَةٌ لِلنَّهْيِ وَمُبَيِّنَةٌ لِحِكْمَتِهِ . (جو، نہی کی تاکید اور اس کی حکمت کو واضح کر رہا ہے۔)

﴿عَدُوٌّ﴾ يَقُوْلُ : اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ يَدْعُوكُمْ اِلَى مَا فِيْهِ هَلَاكُكُمْ ، وَيَصُدُّكُمْ عَنْ قَصْدِ السَّبِيْلِ ، لِيُوْرِدَكُم الْمَهَالِكَ . (تفسير الطبرى : ٢٠ / ٦٣٥) "شیطان تمہارا دشمن ہے۔ تمھیں ایسی چیزوں کی طرف بلاتا ہے جس میں تمہاری ہلاکت ہو اور تمھیں سیدھے راستے سے روک دیتا ہے تاکہ تمھیں ہلاکت کی کھائیوں میں گرادے۔"

مُبِيْنٌ قَدْ اَبَانَ لَكُمْ عَدَاوَتَهُ ، بِامْتِنَاعِهِ مِنَ السُّجُوْدِ لِاَبِيْكُمْ آدَمَ ، وَاِدْلَائِهِ بِالْغُرُوْرِ حَتَّى اَخْرَجَهُ مِنَ الْجَنَّةِ حَسَدًا وَبَغْياً . (اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے اپنی دشمنی کو ظاہر کر دیا، نیز آدم علیہ السلام کو دھوکے میں ڈال کر حسد کی وجہ سے جنت سے نکلوا دیا۔)

213 ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾

سب ایک ہی عقیدے پر مجتمع تھے۔

عَنْ عِكْرِمَةَ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : كَانُوْا عَلَى الْاِسْلَامِ كُلُّهُمْ . (تفسير الطبرى :) عکرمہ رحمہ اللہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں "وہ سب اسلام پر تھے۔"

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا : كَانَ بَيْنَ آدَمَ وَنُوْحٍ عَشْرَةُ قُرُوْنٍ كُلُّهُمْ عَلَى الْاِسْلَامِ ، ثُمَّ ظَهَرَ الشِّرْكُ بِسَبَبِ تَعْظِيْمِ قُبُوْرِ صَالِحِيْهِمْ . (التوسل والوسيلة لابن تيمية : ص ٣٦) ابن عباس رضی اللہ عنہما

فرماتے ہیں ” آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیاں تھیں ۔ وہ سب اسلام پر تھے ۔ پھر ان کے نیک لوگوں کی قبروں کی تعظیم کے سبب شرک ظاہر ہوا۔“

215 ﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ﴾

سوال مُنْفَقْ (جو خرچ کیا جائے) کے بارے میں ہے اور جواب میں مَصْرَفْ (کہاں خرچ کیا جائے) کا ذکر کیا گیا، اس لیے کہ اہم یہ نہیں کہ کیا خرچ کیا جائے، اہم یہ ہے کہ کہاں خرچ کیا جائے۔

ایک جگہ ﴿الْعَفْوَ﴾ کہا تا کہ خرچ کرنا آسان ہو جائے۔

216 ﴿وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئاً وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾

اَلْمَكْرُوْهُ قَدْ يَاْتِيْ بِالْمَحْبُوْبِ ، وَالْمَحْبُوْبُ قَدْ يَاْتِيْ بِالْمَكْرُوْهِ . (ناپسندیدہ چیز کبھی پسندیدہ چیز لے آتی ہے اور پسندیدہ چیز کبھی ناپسندیدہ چیز لے آتی ہے۔)

جبکہ عقل مند مقصود پر نگاہ رکھتا ہے۔

فَيَرَى الْمَنَاهِيْ كَطَعَامٍ لَذِيْذٍ قَدْ خُلِطَ فِيْهِ سَمٌّ قَاتِلٌ ، وَيَرَى الدَّوَاءَ كَدَوَاءٍ مُرِّ الْمَذَاقِ مُفْضٍ اِلَى الْعَافِيَةِ وَالشِّفَاءِ . (انسان گناہوں کو ایک لذیذ کھانے کی طرح دیکھتا ہے جس میں زہر قاتل ملا دیا گیا ہو، جبکہ دوا کو کڑوے ذائقے والی دوا کے طور پر دیکھتا ہے جو صحت اور شفا کی طرف لے جاتی ہے۔)

فَهٰذِهِ الْاٰيَةُ تَضَمَّنَتِ الْحَضَّ عَلَى التِزَامِ اَمْرِ اللّٰهِ وَاِنْ شَقَّ عَلَى النُفُوْسِ ، وَعَلَى الرِّضَا بِقَضَاءِهِ وَاِنْ كَرِهَتْهُ النُّفُوْسُ . (یہ آیت، اللہ کے حکم پر قائم رہنے کی ترغیب دیتی ہے، اگرچہ وہ طبیعتوں پر گراں گزرے۔ اس کے فیصلے پر راضی رہنے کی بھی ترغیب دیتی ہے، اگرچہ طبیعتیں اسے ناپسند کریں۔)

آپ کے پاس ایک خوب صورت کار ہے۔ یہ نعمت ہے۔ مگر آپ کو کار چلانا نہیں آتی۔ آپ اسے کسی درخت سے ٹکرا دیں۔ یہ زحمت ہے۔ اسی طرح آپ کے سر میں درد

ہے۔آپ نے ساری Pills ایک ساتھ لے لی۔یہ نعمت (گولی)، موت ہے۔

معلوم ہوا کہ تمام نعمتوں میں کسی بھی نعمت کا صحیح استعمال (ہدایت کے مطابق) ہی اسے رحمت بناتا ہے۔

219 ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ...﴾

قَالَ عُمَرُ : انْتَهَيْنَا ، إِنَّهَا تُذْهِبُ الْمَالَ وَتُذْهِبُ الْعَقْلَ .

(تفسير ابن ابى حاتم : ٤ / ١٢٠٠) عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ہم برباد ہوگئے، بے شک یہ (شراب) مال کو بھی لے جاتی ہے اور عقل کو بھی زائل کر دیتی ہے۔"

اسی لیے شریعت نے اس کے لیے دنیا میں بھی حد رکھی ہے اور آخرت میں بھی۔

﴿عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَاقٌّ ، وَلَا مَنَّانٌ ، وَلَا مُدْمِنُ الْخَمْرِ ، وَلَا وَلَدُ زِنًى﴾ (المعجم الكبير للطبرانى : حديث ١٤٤٣١) عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "والدین کا نافرمان، (اپنے عطیے پر) احسان جتلانے والا، شراب پر دوام کرنے والا اور زنا کا بیٹا جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔"

221 ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾

(سوال) کتابیہ عورت سے نکاح کیوں جائز ہے، جبکہ یہودی و عیسائی بھی مشرک ہیں؟

(جواب) اللہ رب العزت نے مشرکات کے عموم سے کتابیہ عورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے۔ ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ﴾ (البينة : ٩٨ / ١) "اہل کتاب کے بعض کافر اور مشرکین (کفر سے) رکنے والے نہ تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس واضح دلیل آجائے۔"

خرق جواز کی وجہ : اہل کتاب، اللہ، رسول اور آخرت کو مانتے ہیں۔ کافر و مشرک اسے نہیں مانتے۔ اہل کتاب نے غلو محبت میں پیغمبروں کو اللہ کا بیٹا کہا۔ یہود نے عزیر علیہ السلام کو

اللہ کا بیٹا کہا اور عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا۔

سوال مسلمان عورت کی شادی اہل کتاب سے کیوں نہیں؟

جواب عورت منفعل (اکثر متاثر ہوتی ہے، نہ کہ موثر) ہوتی ہے، محکوم ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے مرتد ہونے کا خطرہ ہے۔

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ﴾ 222

اس سے پہلے کی آیت میں نکاح کا ذکر تھا جس کے لوازم میں سے بیوی کے ساتھ جماع کرنا ہے۔ اب اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ جماع کس حالت میں کرنا ہے اور کس حالت میں نہیں کرنا ہے۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ جماع کا مقصد صرف آتش شہوت کو سرد کرنا ہی نہیں بلکہ حصول اولاد بھی ہے۔

حیض کا معنی: اَلدَّمُ الْخَارِجُ مِنَ الرَّحِمِ عَلَى وَصْفٍ مَخْصُوْصٍ فِيْ وَقْتٍ مَخْصُوْصٍ. (مخصوص صفت کے ساتھ، مخصوص وقت میں، عورت کے رحم سے جاری ہونے والا خون، حیض کہلاتا ہے۔)

کہا جاتا ہے: حَاضَ شَجَرُ السَّمُرِ. (ببول کے درخت سے خون جیسا پانی نکلا۔)

محیض کا معنی: محیض کے تین معانی ہیں: ① رحم سے نکلنے والا خون، ② حیض کا وقت، ③ مقام حیض (عورت کی شرم گاہ)۔

﴿قُلْ هُوَ اَذًى﴾ تکلیف ہے، مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے۔ اس سے آتشک اور سوزاک جیسی بیماریوں کے جراثیم پروان چڑھتے ہیں۔

﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ﴾ وَالْمَعْنَى فَاعْتَزِلُوْا: جِمَاعَ النِّسَاءِ الْحَائِضَاتِ. (حائضہ عورتوں سے مجامعت کرنے سے دور رہو۔)

﴿فِي الْمَحِيْضِ﴾ اَيْ فِيْ مَكَانِ الْحَيْضِ وَهُوَ الْفَرْجُ. (یعنی حیض کی جگہ میں اور وہ شرم گاہ ہے۔)

﴿عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ، اَنَّ الْيَهُوْدَ كَانُوْا لَا يَجْلِسُوْنَ مَعَ الْحَائِضِ فِیْ بَيْتٍ ، وَلَا يَاْكُلُوْنَ وَلَا يَشْرَبُوْنَ ، قَالَ : فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ : وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اصْنَعُوْا كُلَّ شَیْءٍ ، اِلَّا الْجِمَاعَ﴾

(سنن ابن ماجة : كتاب الطهارة وسننه ، حديث ٦٤٤ ، حكم الالبانى : صحيح) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودی، گھر میں حائضہ عورت کے پاس نہیں بیٹھتے تھے، نہ (اس کے ساتھ مل کر) کھاتے پیتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا گیا (اور مسئلہ دریافت کیا گیا) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی ''اور وہ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجیے، وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سوحیض میں عورتوں سے علاحدہ رہو۔'' (اس کی وضاحت کرتے ہوئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم جماع کے سوا سب کچھ کر سکتے ہو۔''

﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ﴾ طاہر کے چار معانی ہیں :

① حدث اکبر (جنابت، حیض ونفاس وغیرہ) سے پاک ہو۔

② حدث اصغر سے پاک ہو، یعنی بے وضو نہ ہو۔

③ جس کے بدن پر ظاہری نجاست نہ لگی ہو۔

④ جو مومن ہو، خواہ وہ جنبی ہو یا بے وضو ہو۔

﴿تَطَهَّرْنَ﴾ اَیْ یَغْتَسِلْنَ . (یعنی وہ غسل کرلیں۔)

﴿يَطْهُرْنَ﴾ اَیْ يَنْقَطِعُ حَيْضُهُنَّ . (یعنی ان کا حیض ختم ہوجائے۔)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، يَعْنِیْ قَوْلَهُ : فَاِذَا تَطَهَّرْنَ ، يَقُوْلُ : اِذَا طَهُرَتْ مِنَ الدَّمِ ، وَتَطَهَّرَتْ بِالْمَاءِ . (تفسير ابن ابى حاتم : ٢ / ٤٠٢) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں'' جب وہ خون سے پاک ہوجائے اور پانی سے (غسل

کر کے) طہارت حاصل کر لے۔"

وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ ، وَعَلَيْهِ فَتْوَى الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ . (یہی جمہور علماء کا قول ہے اور اسی پر صحابہ اور تابعین کا فتویٰ ہے۔)

مسئلہ : جنبی اور حائضہ کا قرآن پڑھنا اور چھونا جائز ہے۔ امام طبری، امام بخاری رحمہم اللہ وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ ممانعت کی تمام روایات ضعیف ہیں۔

مسئلہ : حائضہ پر نماز کی قضا نہیں، البتہ روزوں کی قضا ہے۔

مسئلہ : حائضہ عورت کا مسجد حرام میں داخل ہونا جائز ہے۔ عدم جواز کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جبکہ اس کے برعکس اس کے جواز پر دلیل موجود ہے۔

دلیل : جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکیلے حج (افراد) کا تلبیہ پکارتے ہوئے آئے اور عائشہ رضی اللہ عنہا صرف عمرے کی نیت سے آئیں۔ جب ہم مقام سرف پہنچے تو عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایام شروع ہو گئے، حتیٰ کہ جب ہم مکہ آئے تو ہم نے کعبہ اور صفا مروہ کا طواف کر لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم میں سے جس کسی کے پاس قربانی نہیں، وہ (احرام چھوڑ کر) حلت (عدم احرام کی حالت) اختیار کر لے۔ ہم نے پوچھا "کون سی حلت؟" آپ نے فرمایا "مکمل حلت (احرام کی تمام پابندیوں سے آزادی)۔" پس پھر ہم اپنی عورتوں کے پاس گئے، خوشبو لگائی اور (معمول کے) کپڑے پہن لیے۔ (اس وقت) ہمارے اور عرفہ (کو روانگی) کے درمیان چار راتیں باقی تھیں۔ پھر ہم نے ترویہ والے دن (آٹھ ذوالحجہ کو) تلبیہ پکارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں داخل ہوئے تو انھیں روتا ہوا پایا۔ پوچھا "تمہارا کیا معاملہ ہے؟" انھوں نے جواب دیا "میرا معاملہ یہ ہے کہ مجھے ایام شروع ہو گئے ہیں۔ لوگ حلال (احرام سے فارغ) ہو چکے ہیں اور میں ابھی نہیں ہوئی اور نہ میں نے ابھی بیت اللہ کا طواف کیا ہے۔ لوگ اب حج کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔" آپ نے فرمایا "(پریشان مت ہو) یہ (حیض) ایسا معاملہ ہے جو اللہ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں کی

قسمت میں لکھ دیا ہے۔ تم غسل کرلو اور حج کا (احرام باندھ کر) تلبیہ پکارو۔" انھوں نے ایسا ہی کیا اور وقوف کے ہر مقام پر وقوف کیا۔ (حاضری دی، دعائیں کیں۔) پھر جب پاک ہوگئیں تو (عرفہ کے دن) بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کیا۔ پھر آپ ﷺ نے (عائشہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا "تم اپنے حج اور عمرے دونوں (مکمل کر کے ان کے احرام کی پابندیوں) سے آزاد ہو چکی ہو۔" انھوں نے کہا "اے اللہ کے رسول! میرے دل میں (ہمیشہ) یہ کھٹکا رہے گا کہ میں حج کرنے تک بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکی۔" آپ نے فرمایا "اے عبدالرحمٰن! انھیں (لے جاؤ اور) تنعیم سے عمرہ کرالاؤ۔" اور یہ (منیٰ سے واپسی پر) حصبہ (میں قیام) والی رات کا واقعہ ہے۔ (صحیح مسلم : کتاب الحج، حدیث ۱۲۱۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے حائضہ عورت کو دنیا کی سب سے افضل مسجد (المسجد الحرام) میں داخل ہونے سے نہیں روکا بلکہ صرف طواف اور نماز سے روکا۔

﴿عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : نَاوِلِيْنِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ ، قَالَتْ : فَقُلْتُ : اِنِّيْ حَائِضٌ ، فَقَالَ : اِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِيْ يَدِكِ﴾ (رواہ مسلم : کتاب الحیض، حدیث ۲۹۸) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا "مجھے مسجد میں سے جائے نماز پکڑا دو۔" کہا کہ میں نے عرض کیا "میں حائضہ ہوں۔" فرمایا "تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔"

حیض کا خون یقیناً نجس ہے، لیکن حائضہ عورت نجس نہیں ہے۔ عورت کا مساجد میں مجالس علم میں حاضر ہونا جائز ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: لَوْ اَنَّ رَجُلًا اَتَى اَهْلَهُ بَعْدَ الطُّهْرِ وَقَبْلَ التَّطَهُّرِ . "کیا کوئی شخص حیض کا خون رکنے کے بعد نہانے سے پہلے اپنی بیوی

سے مجامعت کرسکتا ہے؟'' شیخ نے جواب دیا: كُنَّا نَرَى الْجَوَازَ ، ثُمَّ تَبَيَّنَ لَنَا اَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْاِغْتِسَالِ . ''پہلے ہم اسے جائز سمجھتے تھے، لیکن بعد میں واضح ہوا کہ عورت کا غسل کرنا ضروری ہے۔'' (فتاوى عبر الهاتف والسيارة : ٢٦٦)

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾ اللہ کے نیک بندوں سے گناہ کرانے کے بعد بھی شیطان ذلیل ورسوا اور ناکام ہوتا ہے کیونکہ گناہ سرزد ہونے کے بعد وہ اس گناہ پر توبہ واستغفار کر لیتے ہیں۔

اِنَّ الطُّهْرَ طُهْرَانِ : طُهْرٌ بِالْمَاءِ مِنَ الْاَحْدَاثِ وَالنَّجَاسَاتِ ، وَطُهْرٌ بِالتَّوْبَةِ مِنَ الشِّرْكِ وَالْمَعَاصِيْ . (بے شک طہارت دو طرح کی ہوتی ہے : ایک پانی کے ذریعے نجاستوں اور ناپاکیوں سے طہارت اور دوسری شرک اور گناہوں سے توبہ کے ذریعے طہارت۔)

223 ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ... ﴾

﴿ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ ﴾ اَیْ جَامِعُوْهُنَّ فِیْ مَحَلِّ الْحَرْثِ . (یعنی ان سے کھیتی کی جگہ میں مجامعت کرو۔)

جیسے انسان اپنی بقا کے لیے غذا کا محتاج ہے اور یہ احتیاج کھیتی کے بغیر ممکن نہیں، اسی طرح نوع انسانی کی بقا عورت کے بغیر ممکن نہیں۔

﴿ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ اَیْ مِنْ اَیِّ جِهَةٍ شِئْتُمْ ، وَعَلٰى اَیِّ حَالٍ كُنَّ وَمَتٰى شِئْتُمْ ، اِذَا كَانَ ذٰلِكَ فِیْ مَوْضِعِ الْحَرْثِ . (کسی بھی سمت سے اور کسی بھی حالت پر اور جب تم چاہو، لیکن یہ کھیتی کی جگہ میں ہونا چاہیے۔)

224 ﴿ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِكُمْ ... ﴾

یمین کی تین قسمیں ہیں :

① یمین غموس ② یمین لغو ③ یمین منعقدہ

○ یمین غموس : کوئی شخص عمداً جھوٹ پر قسم کھائے۔ جیسے ایک شخص نے زید کو ہزار

روپے قرض دیے۔ پھر جب وہ شخص اپنے پیسے واپس مانگے تو زید قسم کھائے ''میں نے اس شخص سے کوئی پیسے لیے ہی نہیں۔'' حالانکہ زید کو علم ہے کہ اسے اس شخص کو ایک ہزار روپے واپس کرنے ہیں۔

غموس، غمس سے ہے جس کے معنی ''ڈبونا'' ہیں کیونکہ یہ قسم اسے گناہ میں ڈبو دیتی ہے۔

○ یمین لغو : جو زبان پر بلا قصد جاری ہو جاتی ہے، جیسے لَا وَاللّٰہِ (نہیں، اللہ کی قسم)، بَلٰی وَاللّٰہِ (ہاں، اللہ کی قسم) وغیرہ۔

○ یمین منعقدہ : مستقبل کے کسی کام پر قسم کھائے، لیکن اس میں شرط ہے کہ وہ کام فی نفسہٖ ممکن ہو۔ اگر کوئی کہے کہ اللہ کی قسم! میں نہیں مروں گا، یا اللہ کی قسم! کل سورج طلوع نہیں ہوگا۔ یہ یمین غموس ہے۔ اور اگر کہا کہ اللہ کی قسم! میں کل روزہ رکھوں گا۔ پھر اگر نہیں رکھا تو کفارہ ہے۔

226 ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ﴾

ایلاء کی بحث : اللہ کی قسم! میں تم سے مقاربت نہیں کروں گا۔ یا کہے، اللہ کی قسم! میں تم سے چار مہینے مقاربت نہیں کروں گا۔

چار مہینے سے کم میں ایلاء نہیں ہے۔

ایلاء اور تخییر : شریعت کے یہ دو اصطلاحی الفاظ ہیں۔ تخییر یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اپنی طرف سے یہ اختیار دے دے کہ چاہے وہ طلاق لے لے اور چاہے تو اپنے شوہر کے نکاح ہی میں رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ کے لیے ایلاء کیا تھا اور پورے انتیس دن بیویوں سے الگ رہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، قَالَ : كَانَ اِيْلَاءُ اَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ ، ثُمَّ وَقَّتَ اللّٰهُ الْاِيْلَاءَ ، فَمَنْ كَانَ اِيْلَاؤُهُ دُوْنَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَلَيْسَ بِاِيْلَاءٍ . (المعجم الكبير للطبرانى : رقم

١١٣٥٦ ، ورواه البيهقى ، وسعيد بن منصور ، والطبرانى ، قال الهيثمى فى مجمع الزوائد : رجاله رجال الصحيح) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "اہل جاہلیت کا ایلاء سال یا دو سال کا ہوتا تھا۔ پھر اللہ نے مدت مقرر کر دی۔ پھر جس کا ایلاء چار مہینے سے کم ہو تو وہ ایلاء نہیں۔"

ملحوظہ : اگر چار مہینے یا اس سے کم مدت کے لیے قسم کھائے تو اس کا حکم یمین محض کا ہوگا، ایلاء کا نہیں ہوگا۔ اگر مدت سے پہلے رجوع کرلے تو کفارۂ یمین دے۔ اگر چار مہینے پورے کر کے رجوع کرے تو کفارہ نہ ہوگا۔

ایلاء کا مفہوم : یہ آلٰی یُوْلِیْ کا مصدر ہے۔

وَقَالَ الْجُمْهُوْرُ : اَلْاِيْلَاءُ هُوَ اَنْ يَحْلِفَ اَلَّا يَطَأَ اَكْثَرَ مِنْ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ، فَاِنْ حَلَفَ عَلَى اَرْبَعَةٍ فَمَا دُوْنَهَا لَا يَكُوْنُ مُوْلِياً .

(تفسير القرطبى : ٣ / ١٠٤) "جمہور کہتے ہیں، ایلاء یہ ہے کہ آدمی قسم کھائے کہ وہ چار مہینے سے زیادہ اپنی بیوی سے مجامعت نہیں کرے گا۔ اگر وہ چار مہینے یا اس سے کم کی قسم کھائے تو وہ ایلاء کرنے والا نہ ہوگا۔"

راجح قول اور قرآن کے الفاظ اور صحیح حدیث سے ثابت شدہ قول یہی ہے کہ چار ماہ گزر جانے کے بعد طلاق واقع نہیں ہوگی۔

﴿عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِذَا مَضَتْ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ : يُوْقَفُ حَتّٰى يُطَلِّقَ ، وَلَا يَقَعُ عَلَيْهِ الطَّلَاقُ حَتّٰى يُطَلِّقَ ، وَيُذْكَرُ ذٰلِكَ عَنْ : عُثْمَانَ ، وَعَلِيٍّ ، وَاَبِي الدَّرْدَاءِ ، وَعَائِشَةَ ، وَاثْنَى عَشَرَ رَجُلًا ، مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾

(بخارى : كتاب الطلاق ، حديث ٥٢٩١) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے "جب چار ماہ گزر جائیں تو اسے قاضی کے سامنے پیش کیا جائے، یہاں تک کہ وہ طلاق دے۔ اور طلاق اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک وہ خود طلاق نہیں دے گا۔" حضرت عثمان،

حضرت علی، حضرت ابودرداء، حضرت عائشہ اور دیگر بارہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

﴿اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا ، اَخْبَرَتْهُ : اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَفَ : لَا يَدْخُلُ عَلَى بَعْضِ اَهْلِهِ شَهْراً ، فَلَمَّا مَضَى تِسْعَةٌ وَعِشْرُوْنَ يَوْماً غَدَا عَلَيْهِنَّ اَوْ رَاحَ ، فَقِيْلَ لَهُ : يَا نَبِیَّ اللّٰهِ ! حَلَفْتَ اَنْ لَا تَدْخُلَ عَلَيْهِنَّ شَهْراً ؟ قَالَ : اِنَّ الشَّهْرَ يَكُوْنُ تِسْعَةً وَعِشْرِيْنَ يَوْماً﴾ (صحيح البخاری : كتاب النكاح ، حديث ٥٢٠٢) ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم اٹھائی کہ آپ اپنی بعض بیویوں کے گھر میں مہینہ بھر نہیں آئیں گے، لیکن جب انتیس دن گزر گئے تو صبح یا شام کے وقت ان کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ مہینے بھر ان کے گھر تشریف نہیں لائیں گے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بے شک مہینہ انتیس روز کا بھی ہوتا ہے۔''

اَلْحَلْفُ عَلَى تَرْكِ الْوَطْءِ الزَّوْجَةَ بِاَیِّ صِيْغَةٍ كَانَتْ . (بیوی سے ہم بستری ترک کرنے کی قسم کھانا، چاہے وہ کسی بھی صیغے میں ہو۔)

ایلاء کی دو قسمیں ہیں، مشروع اور ممنوع۔

......شرعی ایلاء کی دو شرطیں ہیں : ① یہ چار ماہ سے زیادہ نہ ہو۔ ② اس سے بیوی کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو بلکہ اس کا مقصد تادیب، تہذیب اور اصلاح ہو۔

......ممنوع ایلاء وہ ہے جو چار ماہ سے زیادہ ہو، چاہے قسم کھانے والے (شوہر) کا ارادہ کچھ بھی ہو کہ وہ اپنی بیوی سے ہم بستری نہیں کرے گا۔ چار ماہ کی مدت اس کے ایلاء (قسم کھانے) کے دن سے مقرر کی جائے گی۔ پس اگر وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے تو اللہ اس کی یہ جسارت معاف کر دے گا کہ اس نے بیوی کو اس کے حق سے محروم کرنے کی قسم کھائی۔ اگر وہ رجوع نہ کرے تو چار ماہ گزرنے پر اسے روکا جائے گا اور کہا جائے گا کہ

یا تو رجوع کرلو، یا طلاق دے دو۔ پھر اگر وہ نہ رجوع کرے اور نہ طلاق دے تو قاضی اس کی طرف سے طلاق دے دے گا۔

اَلْمُوْلِیْ اِذَا رَجَعَ اِلَی زَوْجَتِهِ ، وَجَبَتْ عَلَيْهِ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ .
(ایلاء کرنے والے پر جب وہ اپنی بیوی کی طرف رجوع کرے، قسم کا کفارہ واجب ہوجاتا ہے۔)

227 ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ ...﴾

طلاق کی ایک ہی شکل ''سنی طلاق'' ہے۔ یعنی جن ایام میں عورت ماہواری سے پاک ہو اور ان ایام میں مقاربت نہ کی ہو، صرف ایک طلاق دے۔ عدت گزرنے کے بعد یہ طلاق ''بائن'' ہوجائے گی۔ اگر فریقین چاہیں تو رضامندی سے دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں۔

سوال عورت کو طلاق کا حق کیوں نہیں؟

جواب عورت مغلوب الغضب ہوتی ہے۔ اسے غصہ بہت جلد آجاتا ہے۔ اگر اسے اختیار دے دیا جائے تو وقوعِ طلاق کی شرح دوچند ہوجائے گی۔

سوال نکاح میں عورت کی مرضی کا لحاظ کیا گیا تو طلاق میں اس کی مرضی کا لحاظ کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب عقد قائم کرنے کے لیے دونوں فریقوں کی رضامندی ہے، لیکن فسخ کے لیے فریقین کی رضامندی ضروری نہیں۔ کوئی ایک فریق بھی عقد توڑ سکتا ہے۔

طلاق کی تدریج میں مرد کی رعایت اور تحدید میں عورت کی رعایت ہے۔

228 ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾

اَلدَّرَجَةُ هِیَ الْقِوَامَةُ وَلَوَازِمُهَا . (مردوں کا درجہ، قوامیت اور اس کے لوازمات ہیں۔)

اس کے لوازمات چھ ہیں :

① عقل، کہ مرد زیادہ عقل مند ہوتا ہے۔

② دین، کہ مرد اس میں زیادہ کامل ہوتا ہے۔

③ جسم، کہ مرد زیادہ قوی ہوتا ہے۔

④ ولایت، کہ مرد ہی ولی (سرپرست) ہوتا ہے۔

⑤ انفاق، کہ مرد ہی ہے جو خرچ کرتا ہے۔

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ...﴾ 229

یہاں طَلْقَتَانِ نہیں کہا۔ اشارہ ہے کہ یَكُوْنُ الطَّلَاقُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ لَا طَلْقَتَانِ مَرَّةً وَاحِدَةً ، مَنْ طَلَّقَ اثْنَتَيْنِ اَوْ ثَلَاثاً بِلَفْظٍ وَاحِدٍ تَقَعُ وَاحِدَةٌ وَيَأْثَمُ الْمُطَلِّقُ . (طلاق ایک کے بعد ایک ہو، نہ کہ دو طلاقیں ایک ہی بار میں۔ جس نے ایک ہی لفظ سے دو یا تین طلاقیں دیں تو ایک طلاق واقع ہوگی اور طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔)

اسلام میں حلالہ کا کوئی تصور نہیں۔

﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحَلِّلَ ، وَالْمُحَلَّلَ لَهُ﴾ (سنن ابن ماجة : كتاب النكاح ، حديث ١٩٣٤ ، حكم الالباني : صحيح) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت کی ہے۔"

سوال کیا بیوی کی غیر موجودگی میں طلاق ہو جاتی ہے؟

جواب اس کی دلیل صحیح مسلم حدیث ۱۴۸۰ میں ہے۔

قَالَ ابْنُ دَقِيْقِ الْعِيْدِ : فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلَى وُقُوْعِ الطَّلَاقِ فِيْ غَيْبَةِ الْمَرْاَةِ وَهُوَ مُجْمَعٌ عَلَيْهِ . (احكام الاحكام شرح عمدة الاحكام : ٢ / ١٩٠) حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ عورت کی عدم موجودگی میں بھی طلاق ہو جاتی ہے اور اس پر اجماع ہے۔"

(سوال) کیا غصے میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

(جواب) اس میں بنیادی طور پر طلاق دینے والے کی دو چیزوں کو ملحوظ رکھا جائے گا : ایک اس کے غصے کی کیفیت اور دوسرے اس کی سچائی۔

﴿ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ ، سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِیْ بَكْرَةَ ، قَالَ : كَتَبَ اَبُوْ بَكْرَةَ اِلَى ابْنِهِ ، وَكَانَ بِسِجِسْتَانَ ، بِاَنْ لَا تَقْضِیَ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَاَنْتَ غَضْبَانُ ، فَاِنِّیْ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ ﴾ (صحیح البخاری : کتاب الاحکام ، حدیث ۷۱۵۸) عبدالرحمٰن بن ابو بکرہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو لکھا، جبکہ وہ سجستان میں تھا کہ بحالت غصہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرنا کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا ”کوئی حاکم بحالت غصہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔“

کوئی قاضی غصے کی حالت میں فریقین کے مابین فیصلہ نہ کرے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ”زاد المعاد“ میں لکھا ہے کہ غصے کی تین قسمیں ہیں :

① جو عقل کو ضائع کر دے اور آدمی کو شعور ہی نہ رہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس طرح کے غصے میں دی ہوئی طلاق بلا اختلاف واقع نہیں ہوتی۔

② ایسا معمولی غصہ جو عقل و شعور اور نیت پر اثر انداز نہ ہو تو اس میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

③ غصہ بہت زیادہ ہو مگر کلی طور پر عقل کو زائل نہ کرے، مگر نیت اور ارادے پر اتنا اثر انداز ہو کہ بعد میں آدمی کو اپنے کیے پر ندامت ہو۔ اس قسم کے غصے میں دی گئی طلاق کے متعلق اختلاف ہے۔ قوی بات یہ ہے کہ اس قسم کے غصے میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

اسی طرح اللہ نے ارشاد فرمایا : ﴿ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ ﴾ (البقرة : ۲ / ۲۲۷)
”اور اگر انھوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو۔“ اس آیت میں طلاق کے لیے ”عزم“ کا

لفظ استعمال ہوا ہے جس میں نیت اور پختہ ارادہ شامل ہو۔

232 ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں ''کوئی آدمی ایک یا دو طلاق دے دے اور عدت گزر جائے، پھر شوہر اس سے شادی کرنا چاہے اور عورت بھی چاہتی ہو تو اولیاء کو لڑکی کو شادی سے نہیں روکنا چاہیے۔ یہ دلیل ہے کہ عورت خود شادی نہیں کر سکتی۔ نکاح کے لیے ولی ضروری ہے۔''

234 ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾

سورۂ آل عمران میں ﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ ہے۔

قاعدہ : اِذَا كَانَ فِي الْآيَةِ مَا يَدُلُّ عَلَى الْاَعْمَالِ الظَّاهِرَةِ لِلْاِنْسَانِ يُقَدَّمُ الْعَمَل ، اَمَّا اِذَا كَانَ الْكَلَامُ عَنْ اَعْمَالِ الْقُلُوْبِ اَوْ عَنْ فِعْلِ اللّٰهِ تُقَدَّمُ صِفَةُ الْخَبِيْرِ . (جب آیت میں انسان کے ظاہری اعمال پر دلالت کرنے والی کوئی بات ہو تو عمل کو مقدم کیا جاتا ہے، جبکہ کلام اگر دلوں کے اعمال یا اللہ کے افعال کے بارے میں ہو تو اللہ کی صفت ''خبیر'' کو مقدم کیا جاتا ہے۔)

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (البقرة : ٢ / ٢٦٥) ''اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔''

اَلْبَصِيْرُ : هُوَ الْعَالِمُ بِظَوَاهِرِ الْاُمُوْرِ وَعَلَانِيَتِهَا . (بصیر وہ ہے جو معاملات کے ظاہر اور کھلے پہلوؤں کو جاننے والا ہو۔)

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (البقرة : ٢ / ٢٣٤) ''اور اللہ تمہارے ہر عمل سے خوب خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔''

وَاَمَّا الْخَبِيْرُ : فَهُوَ الْعَالِمُ بِبَوَاطِنِ الْاُمُوْرِ وَاَسْرَارِهَا . (جبکہ خبیر وہ ہے جو معاملات کے باطنی اور پوشیدہ پہلوؤں کو جاننے والا ہو۔)

﴿وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ تَتَكَلَّمُ هٰذِهِ الْآيَةُ عَنْ اَعْمَالِ

الْبَشَرِ . (یہ آیت انسانوں کے اعمال کے بارے میں بات کر رہی ہے۔)

﴿ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ تتكَلَّمُ هٰذِهِ الْآيَةُ عَنْ صِفَاتِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ . (یہ آیت اللہ کی صفات کے بارے میں بات کر رہی ہے۔)

237 ﴿ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ ... تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾،

﴿ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ﴾ یہ دوسری صورت ہے کہ مہر مقرر کیا جا چکا ہو اور شوہر نے ہاتھ لگانے (جماع یا خلوت صحیحہ) سے پہلے طلاق دے دی تو اس صورت میں عورت نصف مہر کی حق دار ہوگی۔ ہاں، اگر وہ عورت خود معاف کر دے تو دوسری بات ہے، یا خاوند جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، وہ معاف کر دے۔ یعنی وہ پورا مہر دے چکا ہے تو نصف واپس نہ لے، یا اپنی خوشی سے پورا مہر دے دے۔ (تفسیر القرآن الکریم بھٹوی ج ۱ ص ۱۹۳، ۱۹۴)

کیونکہ لوگوں کے آپسی معاملات کے دو درجے ہیں :

① عدل و انصاف واجب ہے اور وہ اخذ الواجب (واجب کا لینا) اور اعطاء الواجب (واجب کا دینا) ہے۔

② فضل و احسان : وَهُوَ اِعْطَاءُ مَا لَيْسَ بِوَاجِبٍ . (کسی چیز کا دینا جو واجب نہیں ہے۔)

اس صورت میں کشادہ دلی اور چشم پوشی کا مظاہرہ کرے اور انسان کو یہ درجات نہیں بھولنا چاہیے۔

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ : اِذَا اُرْخِيَتِ السُّتُوْرُ فَقَدْ وَجَبَ الصَّدَاقُ . (تفسیر البغوی : ۱ / ۳۲۱) عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”جب پردے گرا دیے جائیں (خلوت صحیحہ حاصل ہو جائے) تو مہر واجب ہو جاتا ہے۔“

خلوت صحیحہ کا مفہوم : خلوت صحیحہ کی تحدید میں اختلاف ہے۔

عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ : اجْتِمَاعُ الزَّوْجَيْنِ فِيْ مَكَانٍ مَا ، مَعَ انْتِفَاءِ

الْمَوَانِعِ الشَّرْعِيَّةِ وَالطَّبْعِيَّةِ وَالْحِسِّيَّةِ . (احناف کے نزدیک خلوت صحیحہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ جماع سے کوئی چیز (حسی، شرعی، طبعی) مانع نہ ہو۔)

عِنْدَ الْمَالِكِيَّةِ : هِيَ اَنْ تُرْخَى السُّتُوْرُ ، اَوْ يُغْلَقَ الْبَابُ وَنَحْوُهُ . (مالکیہ کے نزدیک خلوت صحیحہ یہ ہے کہ پردے گرا دیے جائیں یا دروازہ وغیرہ بند کر دیا جائے۔)

عِنْدَ الْحَنَابِلَةِ : انْفِرَادُ الرَّجُلِ بِزَوْجَتِهِ بَعْدَ اِبْرَامِ الْعَقْدِ الصَّحِيْحِ . (حنابلہ کے نزدیک یہ ہے کہ عقد صحیح کے مستحکم ہو جانے کے بعد شوہر کا اپنی بیوی کے ساتھ تنہا ہونا۔)

عِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ : اَنْ يَجْتَمِعَ الزَّوْجَانِ فِيْ مَكَانٍ تُغْلَقُ اَبْوَابُهُ وَتُرْخَى سُتُوْرُهُ . (شافعیہ کے نزدیک یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کسی ایسی جگہ میں اکٹھے ہوں جس کے دروازے بند کر دیے جائیں اور پردے لٹکا دیے جائیں۔)

......حسی مانع کی مثال : مرد و عورت دونوں میں سے کسی ایک کا بیمار ہونا کہ جماع کرنا مضر ہو۔

......طبعی مانع کی مثال : عورت کا حیض و نفاس میں ہونا۔

......مانع شرعی کی مثال : مرد و عورت دونوں یا کسی ایک کا حالت احرام میں ہونا۔

دلیل حصر : نکاح کے وقت مہر متعین ہے یا نہیں؟ اگر مہر متعین ہے تو دو حال سے خالی نہیں : طلاق، خلوت صحیحہ کے بعد دی گئی یا خلوت صحیحہ سے پہلے۔ پہلی صورت میں پوری مہر اور دوسری صورت میں آدھی مہر ادا کرنی ہوگی۔ اور اگر مہر متعین نہیں ہے تو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں : خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق ہوئی ہے یا خلوت صحیحہ کے بعد؟ پہلی صورت میں مہر مثل (خاندانی مہر) اور دوسری صورت میں ایک جوڑا کپڑا وغیرہ دینا ہوگا۔

﴿ اَنْ يَّعْفُوْنَ ﴾ یعنی عورت اپنا حق معاف کر دے اور اس کا حق، مہر متعین کا نصف ہے۔ گویا عورت پوری مہر چھوڑ دے۔

﴿ اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ ﴾ یعنی جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، اسے اس گرہ کے توڑنے یا جوڑنے کا اختیار ہے۔ مراد شوہر ہے۔ قانون تو یہ ہے کہ مہر متعین ہو اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق ہو جائے تو شوہر کو آدھی مہر ادا کرنی ہوگی۔ اس کے ساتھ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے کی طرف اشارہ کیا گیا کہ جس آدھی مہر کے رکھ لینے کا شوہر کو اختیار تھا، اسے بھی عورت کو دے دے۔

﴿ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی ﴾ 238

ماقبل سے مسلسل بیویوں کے حقوق کا بیان چلا آ رہا ہے اور آگے بھی اس کا ذکر آئے گا۔ درمیان میں نماز سے متعلق آیت آ گئی جس سے یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ اسلام میں معاشرت، معاملت اور اخلاق کے مسائل عبادات سے الگ نہیں ہیں بلکہ حقوق العباد کے ساتھ حقوق اللہ بھی دوش بدوش چلتے ہیں۔

نکتہ : طلاق افتراق اختیاری ہے اور موت افتراق قدری ہے۔ فَاَرَادَ اللّٰہُ اَنْ یُدْخِلَ الْاِنْسَانَ فِی الْعَمَلِیَّۃِ التَّعَبُّدِیَّۃِ الَّتِیْ تُوَصِّلُہٗ بِاللّٰہِ الَّذِیْ شَرَعَ الطَّلَاقَ وَالصَّلَاۃَ وَقَدَّرَ الْوَفَاۃَ. (اللہ نے یہ چاہا کہ انسان کو ایسے تعبدی (عبادت سے متعلق) اعمال میں داخل کرے جو اسے اس اللہ سے جوڑ دے جس نے طلاق اور نماز کو مشروع کیا اور موت کو مقدر کیا۔)

ٹوٹنے پر آدمی غم زدہ ہوتا ہے تو جوڑنے والی چیز ہونا چاہیے۔ وہ نمازیں ہیں، خصوصاً عصر کی نماز۔

مَجِیْءُ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ بَیْنَ آیَاتِ الطَّلَاقِ، وَالنِّکَاحِ، وَاُمُوْرِ الْاُسْرَۃِ مَھْمَا کَانَ مُنْھَمِکًا فِیْ مَعْرَکَۃِ الْحَیَاۃِ لَا یَحِلُّ لَہُ الْاِنْشِغَالُ عَنْ نِدَاءِ اللّٰہِ. (اس آیت کا طلاق، نکاح اور خاندانی معاملات کی آیات کے درمیان آنا مومن کو تنبیہ ہے کہ خواہ وہ زندگی کی کش مکش میں کتنا ہی مصروف کیوں نہ ہو، اسے اللہ کی پکار سے غافل رہنا جائز نہیں۔)

نکتہ عجیبہ : مُحَافَظَةٌ عَلَى الصَّلَوَاتِ بَعْدَ الْكَلَامِ عَنِ الْأُسْرَةِ وَأَحْوَالِهَا لِلدَّلَالَةِ عَلَى أَنَّ مِنْ أَسْبَابِ اسْتِقْرَارِ الْأُسَرِ وَحَيَاتِهَا حَيَاةً طَيِّبَةً الْمُحَافَظَةُ عَلَى الصَّلَوَاتِ ، فَأَكْثَرُ النَّاسِ مُحَافِظاً عَلَى صَلَاتِهِ هُوَ أَكْثَرُ النَّاسِ مُرَاعِياً لِأَهْلِهِ فَمِنْ أَكْبَرِ شَقَاءِ الْأُسَرِ التَّفْرِيْطُ فِي الصَّلَوَاتِ . (نمازوں کی پابندی کا حکم خاندان اور اس کے حالات کے بارے میں بات کرنے کے بعد آیا ہے، اس بات پر دلالت کے لیے کہ خاندانوں کے استحکام اور ان کی خوش گوار زندگی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب نمازوں کی پابندی ہے کیونکہ جو شخص نماز کا سب سے زیادہ پابند ہوتا ہے، وہی اپنے گھر والوں کا سب سے زیادہ خیال رکھنے والا ہوتا ہے۔ پس خاندانوں کی سب سے بڑی بدبختی نمازوں کو ضائع کرنا ہے۔)

''صلوٰۃ وسطیٰ'' سے مراد عصر ہے۔ اسے خاص کیا کیونکہ غَالِباً تَكُوْنُ وَقْتَ انْصِرَافِ النَّاسِ مِنْ أَعْمَالِهِمْ وَتَعَبِهِمْ أَوْ وَقْتَ ذِهَابِ النَّاسِ إِلَى أَعْمَالِهِمْ فَلَا يَذْهَبُ إِلَيْهَا إِلَّا مَنْ ذَهَبَ إِلَى اللّٰهِ . (اکثر یہ وہ وقت ہوتا ہے جب لوگ اپنے کاموں اور تھکاوٹ سے واپس آ رہے ہوتے ہیں، یا لوگوں کے اپنے کاموں پر جانے کا وقت ہوتا ہے، چنانچہ اس کی طرف وہی جاتا ہے جو اللہ کی طرف جاتا ہے۔)

240 ﴿ مَتَاعاً إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ﴾

حول کے معنی ''بدلنا'' کے ہیں۔

اَلْحَوْلُ لَمْ يَسْتَعْمِلْهُ الْقُرْآنُ إِلَّا فِي الطَّلَاقِ وَالْمَوْتِ . (لفظ حول کو قرآن میں صرف طلاق اور موت میں استعمال کیا گیا ہے۔)

یعنی اس میں چیز بدل جاتی ہے۔ موت میں تحول (تبدیلی) ہے۔ اسی طرح طلاق میں بھی تحول ہے۔

243 ﴿وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ﴾

طلاق بمنزلۂ موت ہے اور رجوع بمنزلۂ حیات ہے۔

245 ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً ...﴾

قرض حسن وہ ہے جو شریعت کے مطابق ہو، اس طرح کہ :

① وہ خالص (اللہ کی رضا کے لیے) ہو۔

② وہ حلال (کمائی سے) ہو۔

③ دینے والے کا دل اس سے خوش ہو۔

④ وہ اپنی صحیح جگہ میں (ضرورت مند کو) دیا جائے۔

⑤ اس کے بعد نہ احسان جتلایا جائے اور نہ تکلیف دی جائے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو اللہ کو قرض دینے سے تعبیر فرمایا اور یہ مجاز ہے کیونکہ سب مال اللہ ہی کا ہے۔ اسے قرض اس مناسبت سے فرمایا کہ جس طرح مقروض، قرض دار کو رقم واپس کرتا ہے، اسی طرح جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا، اللہ اس کی خرچ کی ہوئی رقم کا اجر قیامت کے دن واپس کر دے گا اور اس رقم کو بڑھا کر اس کا اجر دے گا۔ کسی کو اس رقم کا دس گنا اجر عطا فرمائے گا، کسی کو سات سو گنا، علیٰ ہذا القیاس۔

بخیل اور سخی میں فرق : بخیل وہ ہے جسے مال روکنے سے لذت ملتی ہے۔ سخی وہ ہے جسے مال خرچ کرنے سے لذت ملتی ہے۔

یہودیوں کے شبہات کے جوابات : اللہ قرض مانگتا ہے اور اصل رقم سے زیادہ اجر دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ یہ سود ہے۔ اللہ مسلمانوں کو سود سے منع کرتا ہے اور خود سود دیتا ہے۔ اس کا قرض مانگنا اس کے احتیاج کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ سو جس خدا کی طرف محمد ﷺ دعوت دے رہے ہیں، وہ عبادت کے لائق نہیں۔

جواب اللہ، مالک علی الاطلاق ہے۔ تمام مخلوق اس کی مملوک ہے۔ وہ جو چاہے حکم دے، اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ قرض مانگنے کا مقصد ہے، اصحاب ثروت، ناداروں پر خرچ

کریں۔ وہ اس کا اجر کئی گنا دے گا۔ علاوہ ازیں مال خرچ کرنے سے مال کی محبت کم ہوگی، دنیا سے بے رغبتی ہوگی، مسکینوں سے محبت ہوگی، نیز مال محبوب خرچ کریں گے تو ان کا دعوی ایمان سچا ہوگا۔ فنحاس یہودی نے اسلام کے نظام زکوۃ پر بر سبیل الزام کہا تھا کہ اس سے اللہ کا فقیر ہونا لازم آتا ہے۔ پس بر سبیل الزام گرفت کرتے ہوئے کہا کہ تم نبیوں کو کیوں قتل کرتے ہو؟ ایک مسلّم برائی بیان کرکے ان پر گرفت کی۔ یہ فعل انھوں نے نہیں بلکہ ان کے آباء نے کیا تھا، لیکن چونکہ یہ ان کے فعل سے راضی تھے، اس لیے انھیں اس فعل کا مخاطب کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ معترض کے جواب کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کے اعتراض کے جواب میں اس کے مسلّم عیب و نقص کو بیان کرکے اسے ساکت کردیا جائے۔

یہودیوں کا دوسرا اعتراض : سچے نبی کی علامت ہے کہ قربانی کو آسمانی آگ کھا جائے۔

(جواب) موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ثبوت میں اژدہا اور ید بیضا پیش کیا تھا۔ یہ خلاف عادت امر ہے، نیز ان سے پہلے بہت سے نبیوں نے ان کا مطلوبہ معجزہ پیش کیا تھا، پھر بھی یہودی ایمان نہ لائے۔

246 ﴿ابْعَثْ لَنَا مَلِكاً نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

مِنْ شَرَائِطِ الْجِهَادِ كَوْنُهُ تَحْتَ رَايَةٍ وَاضِحَةٍ وَاَمِيْرٍ تَجْتَمِعُ عَلَيْهِ الْكَلِمَةُ وَيَقْوَى عَلَى مُقَابَلَةِ الْعَدُوِّ. (جہاد کی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ ایک واضح جھنڈے کے تحت ہو اور اس کا کوئی ایسا امیر ہو جس پر سب متفق ہوں اور وہ دشمن کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔)

247 ﴿وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾

قیادت کی اہلیت دو چیزوں پر منحصر ہے :

① علم، یعنی سیاست اور جنگ کا علم ہو۔

② قوت، یعنی وہ طاقت جس کے ذریعے حق کو نافذ کیا جائے۔

پس جس شخص میں یہ دونوں چیزیں (علم اور قوت) جمع ہو جائیں، وہ دوسروں کے مقابلے میں قیادت کا زیادہ حق دار ہے۔

یہاں علم کو جسم پر مقدم کیا۔ اشارہ ہے کہ فضائل نفسانیہ اعلیٰ و اشرف ہیں، فضائل جسمانیہ سے۔

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ ... اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○﴾ 248

﴿ اَنْ يَّأْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ ﴾ بنی اسرائیل جنگ میں تابوت سکینہ کو آگے رکھتے تو انھیں فتح ملتی تھی۔ انھوں نے شمویل علیہ السلام کے ذریعے جہاد کیا۔ علماء نے استدلال کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے صحیح اور ثابت شدہ آثار سے تبرک جائز ہے۔

﴿ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ سَكِيْنَةٌ هِيَ السُّكُوْنُ وَالطَّمَانِيْنَةُ مِنْ رَبِّكُمْ ، فَفِيْ اَيِّ مَكَانٍ كَانَ التَّابُوْتُ اطْمَانُّوْا اِلَيْهِ وَسَكَنُوْا . (سکینہ تمہارے رب کی طرف سے سکون اور اطمینان ہے۔ پس جس جگہ بھی تابوت ہوتا، وہ لوگ اس سے مطمئن ہو جاتے اور پرسکون رہتے۔)

﴿ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ ﴾ نبی کے تبرک کے سوا کسی سے تبرک یا تو شرک ہے یا وسیلۂ شرک ہے۔ نبی کے جسم اور اس کے متعلقات کے سوا دنیا میں کسی سے تبرک حاصل کرنا جائز نہیں۔

﴿فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ ... وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ○﴾ 249

﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ یہ دلیل ہے کہ جنگ عدد (تعداد) اور عُدّۃ (سامان) سے نہیں جیتی جاتی بلکہ اللہ کے حکم سے جیتی جاتی ہے، لہٰذا کوئی عدد اور عدۃ پر مغرور نہ ہو۔

لَيْسَتِ الْعِبْرَةُ بِالْكَثْرَةِ اِنَّمَا الْعِبْرَةُ بِالْمُخْلَصِيْنَ وَالصَّفْوَةِ ، فَمِيْزَانُ التَّقْوٰى يَغْلِبُ مِيْزَانَ الْقُوٰى . (عبرت کثرت سے نہیں ہے بلکہ

مخلصین اور چنیدہ لوگوں سے ہے۔ پس تقویٰ کا پلڑا، طاقت کے پلڑے پر بھاری ہوتا ہے۔)

﴿ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْۤ ﴾ طعام کے چار معانی ہیں :

① مَا يَأْكُلُهُ النَّاسُ . (جسے لوگ کھاتے ہیں۔)

② اَلسَّمَكُ یعنی وہ مردہ مچھلی جسے دریا نے باہر پھینک دیا ہو۔ ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ ﴾ (المائدة : ٥ / ٩٦) ''تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے۔''

③ اَلذَّبَائِح (ذبیحے)، جیسے ﴿ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدة : ٥ / ٥) ''اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔''

④ طَعِمَ بِمَعْنَى ذَاقَ (چکھنا کے معنی میں)، جیسے ﴿ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْۤ ﴾ (البقرة : ٢ / ٢٤٩) ''اور جس نے اس کا پانی نہ چکھا تو وہ یقیناً میرا ہے۔'' یعنی مَنْ لَمْ يَذُقْ طُعْمَهُ ، وَقِيلَ مَعْنَاهُ مَنْ لَمْ يَشْرَبْهُ . (جس نے اس کا ذائقہ نہ چکھا۔ کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ جس نے اسے نہ پیا۔)

پارہ نمبر ۳

253 ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾

﴿فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ﴾ (تفسير ابن كثير : ١ / ٦٧١) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم مجھے (دوسرے) نبیوں پر فضیلت نہ دو۔''

لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ عَلَى سَبِيْلِ التَّبَاهِیْ وَالْاِفْتِخَارِ وَالْعَصَبِيَّةِ . (مجھے انبیاء علیہم السلام پر فخر، مباہات اور تعصب کی بنا پر فضیلت نہ دو۔)

قَالَ الشَّنْقِيْطِیُّ فِیْ اَضْوَاءِ الْبَيَانِ : اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ يَتَسَاوَوْنَ فِیْ اَصْلِ النُّبُوَّةِ وَيَكُوْنُ التَّفَاضُلُ فِی الْاَعْطِيَةِ الَّتِیْ خَصَّ اللّٰهُ بِهَا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ . (علامہ شنقیطی رحمہ اللہ نے اضواء البیان میں فرمایا ''بے شک انبیاء علیہم السلام نبوت کے اصل میں برابر ہوتے ہیں۔ فضیلت تو ان عطیات میں ہوتی ہے جن کے ذریعے اللہ نے ایک کو دوسرے پر خاص کیا۔'')

ہمارے رسول محمد ﷺ کی **خصوصیت وفضیلت** : لَهُ الْوَسِيْلَةُ وَهِیَ اَعْلٰى دَرَجَةٍ فِی الْجَنَّةِ وَلَا تَكُوْنُ اِلَّا لِعَبْدٍ ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ : وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا . (آپ ﷺ کے لیے مقام وسیلہ ہے اور وہ جنت میں ایک خاص درجہ ہے۔ وسیلہ صرف ایک بندے کے لیے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھے امید ہے کہ وہ (وسیلے کا حق دار) میں ہی ہوں گا۔'')

محمد ﷺ کی فضیلت کے لیے قرآن کافی ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کے ساتھ ختم ہو گئے، جبکہ قرآن قیامت تک باقی ہے۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کو ساٹھ ہاتھ کا قد دیا اور اپنے ہاتھ سے بنایا۔

ملحوظہ : انبیاء علیہم السلام کی فضیلت اس طرح مت بیان کرو جس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی کسر شان کا پہلو نکلتا ہو۔

﴿ وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ﴾ لِلتَّنْبِیْهِ عَلٰی اَنَّ ابْنَ الْاِنْسَانِ لَا یَکُوْنُ اِلٰهاً . (اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے انسان کا بیٹا معبود نہیں ہوسکتا۔)

جبریل علیہ السلام کو ان کی لطافت کی وجہ سے اور روح (قرآن) کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لانے کے سبب سے روح کہا گیا۔

254 ﴿ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ ... ﴾

﴿ اَنَّهُ سَمِعَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ ، یَقُوْلُ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، یَقُوْلُ : كُلُّ امْرِئٍ فِیْ ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتّٰی یُقْضَی بَیْنَ النَّاسِ ، اَوْ قَالَ : حَتّٰی یُحْكَمَ بَیْنَ النَّاسِ ﴾ (صحیح ابن حبان : حدیث ۳۳۱۰) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا "(قیامت کے دن) لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک ہر شخص اپنے صدقے کے سائے میں ہوگا۔"

اللہ نے ہمیں روزی دی۔ اس کا حق، شکر اور انفاق ہے۔

اَلْاَمْرُ بِالْاِنْفَاقِ وَاَنَّ الرَّازِقَ وَالْمُسَبِّبَ هُوَ اللّٰهُ فَلَا یُعْجِبْ نَفْسَهُ . (خرچ کرنے کا حکم ہے اور یہ کہ رزق دینے والا اور سبب بنانے والا اللہ ہی ہے، لہٰذا انسان اپنے آپ پر فخر نہ کرے۔)

﴿ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ ... ﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ اِذَا مَاتَ ، قَامَتْ قِیَامَتُهُ . (جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی قیامت قائم ہوجاتی ہے۔)

255 ﴿ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ... وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○ ﴾

ملحوظات :

① یہ آیت سب سے طویل سورت (سورۂ بقرہ) میں آئی ہے۔

② سیدۃ آی القرآن (قرآن کی آیات کی سردار) ہے۔

③ آیت الکرسی میں عشرہ جمل ومقاطع (دس جملے اور پیراگراف) ہیں۔

هٰذِهِ الْآيَةُ مُشْتَمِلَةٌ عَلَى عَشْرِ جُمَلٍ مُسْتَقِلَّةٍ. (تفسير ابن كثير: ١ / ٦٧٨) "یہ آیت دس مستقل جملوں پر مشتمل ہے۔"

اس میں پانچ جملے منفی ہیں جو اللہ سے کسی بھی نقص کی نفی کرتے ہیں اور پانچ جملے مثبت ہیں جو اللہ کے کمال کا اثبات کرتے ہیں۔

یہ دس جملے درحقیقت ایک سوال کا جواب ہیں۔

سوال ہے: مَنْ هُوَ اللّٰهُ؟ (اللہ کون ہے؟)

④ آیت الکرسی میں توحید کی بارہ دلیلیں ہیں۔

⑤ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اتنے ہیں کہ کسی دوسری آیت میں نہیں، لہٰذا یہ سب سے عظیم آیت ہے۔

⑥ ﴿عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَاَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا اَنْ يَمُوْتَ﴾ (السنن الكبرى للنسائى: حديث ٩٨٤٨، وصححه الالبانى) ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے والے کو جنت جانے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی، مگر یہ کہ وہ مرجائے۔"

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ اِلَّا اللّٰهُ، فَكُلُّ اِلٰهٍ غَيْرِ اللّٰهِ فَهُوَ اِلٰهٌ بَاطِلٌ، وَكُلُّ مَا عُبِدَ دُوْنَ اللّٰهِ فَهُوَ مَعْبُوْدٌ بَاطِلٌ.

(اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، لہٰذا اللہ کے سوا ہر معبود باطل ہے اور اللہ کے سوا جس چیز کی بھی عبادت کی جائے، وہ باطل معبود ہے۔)

ارشاد ہے: ﴿وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾

(البقرۃ : ۲/ ۱۶۳) ”اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں۔ وہ انتہائی مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔“

﴿ اَلْحَيُّ ﴾ اَلَّذِیْ لَا یَمُوْتُ . (حیی وہ ہے جو کبھی نہیں مرتا۔)

اللہ نے فرمایا: ﴿ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ ﴾ (الفرقان : ۲۵ / ۵۸)

”اور آپ اس زندہ (اللہ) پر توکل کیجیے جو مرے گا نہیں۔“

اسی طرح ارشاد باری ہے : ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ ﴾ (الرحمٰن : ۵۵ / ۲۶-۲۷) ”ہر چیز جو اس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والی ہے۔ اور آپ کے رب ذوالجلال والاکرام کا چہرہ باقی رہے گا۔“

﴿ اَلْحَيُّ ﴾ صِفَةُ الْحَيَاةِ الْكَامِلَةِ لَهُ الَّتِیْ لَمْ تُسْبَقْ بِعَدَمٍ وَلَا يَلْحَقُهَا زَوَالٌ . (یہ اللہ کی حیات کاملہ کی صفت ہے جس کا نہ کبھی عدم سے واسطہ پڑا اور نہ اسے زوال ہے۔)

﴿ اَلْقَيُّوْمُ ﴾ اِنَّهُ مُسْتَغْنٍ عَنْ كُلِّ اَحَدٍ ، وَكُلُّ اَحَدٍ مُفْتَقِرٌ اِلَيْهِ . (وہ ہر ایک سے بے نیاز ہے اور ہر ایک اس کا محتاج ہے۔)

مَعْنَاهُ الْقَائِمُ بِنَفْسِهِ وَالْمُقِيْمُ لِغَيْرِهِ . (قیوم کا معنی ہے، جو خود قائم ہے اور دوسروں کو قائم کرنے والا ہے۔)

اللہ نے فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ ﴾ (الفاطر : ۳۵ / ۱۵) ”اے لوگو! تم (سب) اللہ ہی کے محتاج ہو۔ اور اللہ ہی بالکل بے نیاز، قابل تعریف ہے۔“

ارشاد عزوجل ہے : ﴿ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝ ﴾ (الرحمٰن : ۵۵ / ۲۹) ”جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، اسی سے مانگتا ہے، وہ ہر روز (ہر وقت) ایک (نئی) شان میں ہے۔“

”الحی“ میں کمال اوصاف ہے اور ”قیوم“ میں کمال افعال ہے۔

﴿ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ﴾ لَا يَغِيْبُ عَنْهُ شَیْءٌ ، اَوْ يَخْفٰى عَلَيْهِ شَیْءٌ . (اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہوتی، یا اس پر کوئی چیز چھپی نہیں رہتی ۔)

بچہ جتنی بھی آہستہ آواز سے روئے، وہ آواز سوتی ہوئی ماں کو جگا دیتی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ رب جسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند، وہ اپنے بندے کی فریاد نہ سنے اور اس کی حاجت پوری نہ کرے!

اس ٹکڑے میں ﴿ لَا ﴾ کی تکرار ہے۔ تَقُوْلُ : مَا قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو بَلْ اَحَدُهُمَا ، وَلَا يُقَالُ : مَا قَامَ زَيْدٌ وَلَا عَمْرٌو بَلْ اَحَدُهُمَا . (آپ کہیں "زید اور عمرو کھڑے نہیں ہوئے بلکہ ان میں سے ایک کھڑا ہوا۔" یہ نہیں کہیں گے "نہ زید کھڑا ہوا اور نہ عمرو کھڑا ہوا بلکہ ان میں سے ایک کھڑا ہوا۔")

﴿ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ پوری کائنات اس کی ملکیت ہے۔

ذِكْرُ الْمَظْرُوْفِ هُنَا دُوْنَ ذِكْرِ الظُّرُوْفِ ، لِاَنَّ الشَّخْصَ قَدْ يَكُوْنُ يَمْلِكُ الظَّرْفَ لٰكِنْ لَا يَمْلِكُ مَا فِيْهِ ، قَدْ يَمْلِكُ اَحَدُهُمْ بَيْتاً وَآخَرُ يَمْلِكُ الْاَثَاثَاتِ . (یہاں مظروف کا ذکر ہے، نہ کہ ظروف کا، کیونکہ ایک شخص ظرف کا مالک تو ہو سکتا ہے، لیکن جو کچھ اس کے اندر ہے، اس کا مالک نہیں ہوتا، جیسے کوئی شخص گھر کا مالک ہو اور دوسرا فرنیچر کا۔)

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴾ (مریم : ۱۹ / ۹۳) "آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں، وہ سب رحمٰن کے پاس غلام بن کر آئیں گے۔"

﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ اللہ کے اذن سے بعض لوگ سفارش کریں گے۔

ارشاد ہے: ﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ﴾ (الزمر : ۳۹ / ۴۴) "کہہ دیجیے، ساری سفارش اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔" اس میں مشرکین کا رد ہے کہ وہ شفعاء مانتے

ہیں۔

اثباتِ شفاعت کی دو شرطیں ہیں :

① اِذْنُ اللّٰهِ لِلشَّافِعِ . (اللہ سفارش کرنے والے کو اجازت دے۔)

② وَرِضَاهُ عَنِ الْمَشْفُوْعِ لَهُ . (اللہ تعالیٰ اس شخص سے راضی ہو جس کے لیے شفاعت کی جارہی ہو۔) اس کی اجازت کے بغیر کوئی اپنی زبان نہیں ہلا سکتا۔

﴿ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ اس میں سَعَةُ عِلْمِ اللّٰهِ (اللہ کے علم کی وسعت) بیان کی گئی ہے۔

يَعْلَمُ جَمِيْعَ اُمُوْرِ الْعِبَادِ مَا مَضٰى مِنْهَا وَمَا سَيَاْتِيْ وَاَحَاطَ عِلْمُهٗ . (اللہ بندوں کے تمام امور کو جانتا ہے جو گزر چکے اور جو آئیں گے، نیز اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔)

فَلْيَعْلَمْ اَغْنِيَاءُ الدُّنْيَا اَنَّهُمْ اَحَدُ مُمْتَلَكَاتِ اللّٰهِ . (پس دنیا کے دولت مندوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ اللہ کی ملکیت میں سے ایک ہیں۔)

يَعْلَمُ مَا كَانَ ، وَمَا هُوَ كَائِنٌ ، وَمَا سَيَكُوْنُ ، وَمَا لَمْ يَكُنْ لَوْ كَانَ كَيْفَ يَكُوْنُ . (وہ جانتا ہے جو ہوا، جو ہو رہا ہے، جو ہوگا اور وہ چیز بھی جانتا ہے جو نہیں ہوئی مگر ہوتی تو کیسی ہوتی۔)

اَلْعُلُوْمُ اَرْبَعَةٌ : عِلْمُ مَاضِيْ ، عِلْمُ حَاضِرٌ ، عِلْمُ مُسْتَقْبَلُ ، عِلْمُ مَا لَمْ يَكُنْ لَوْ كَانَ كَيْفَ يَكُوْنُ . (علم چار قسم کے ہیں: گزرا ہوا علم، موجود علم، آنے والا علم اور جو ابھی نہیں ہوا (اس کا علم) کہ اگر وہ ہوتا تو کیسا ہوتا۔)

مثال : مَعْلُوْمٌ اَنَّ اَهْلَ النَّارِ لَنْ يَخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَلَنْ يَعُوْدُوْا اِلَى الدُّنْيَا ، لٰكِنَّ اللّٰهَ يُخْبِرُ حَتّٰى لَوْ عَادُوْا عَلٰى اَيِّ حَالٍ سَيَتَصَرَّفُوْنَ بِمَا لَا يَرْضَى اللّٰهُ . (یہ معلوم ہے کہ جہنم والے نہ تو جہنم سے نکلیں گے اور نہ دنیا میں واپس آئیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ یہ بھی بتاتا ہے کہ اگر وہ واپس

آ بھی جائیں تو ایسے ہی کام کریں گے جو اللہ کو پسند نہیں ہوں گے۔)

ارشاد باری ہے: ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ (الحديد : ٥٧ / ٤) ''اور تم جہاں کہیں بھی ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے۔''

نیز فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ﴾ (سورة الرعد : ١٣ / ٣٣) ''کیا پھر وہ (اللہ) جو ہر نفس (کے اعمال) پر نگران ہے جو اس نے کمائے (اس کے مانند کوئی غیر اللہ ہوسکتا ہے)؟''

اس آیت میں ''ما'' کی تکرار، عموم کے لیے ہے۔ تَوْكِيْدٌ لِلْعِلْمِ وَعَظْمَتِهِ وَشُمُوْلِيَّتِهِ. یعنی یہ علم کی اہمیت، عظمت اور ہر چیز کو شامل کرنے کی صفت کو پختہ کرتا ہے۔

﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ اَيْ لَا يَطَّلِعُ اَحَدٌ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلٰى شَيْءٍ ، اِلَّا بِمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ، وَاطَّلَعَهُ عَلَيْهِ. (یعنی کوئی بھی اللہ کے علم میں سے کسی چیز پر مطلع نہیں ہوسکتا، مگر اسی پر جو اللہ اسے سکھا دے اور اسے اس پر مطلع کر دے۔)

عَظْمَةُ اللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا وَاتِّسَاعُ مُلْكِهِ. (اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی بادشاہی کی وسعت۔)

انسان کو جو علم ملا اور جتنا ملا، سب اللہ کی مشیت سے ملا۔ جو علم دیا، وہ ہمیں ملا۔ اپنی صفات کی کیفیت کا علم نہیں دیا۔ فَلَا سَبِيْلَ لَنَا لِنَعْرِفَهَا. (پس ہمارے لیے اس (کیفیت صفات) کو جاننے کی کوئی راہ نہیں ہے۔)

یہاں ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ ﴾ کا عطف پر ﴿ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ﴾ ہے۔ یہ اللہ کے اس قول ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ کے معنی کا تکملہ ہے۔

ارشاد ہے: ﴿ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ ﴾ (العلق : ٩٦ / ٥) ''اس نے انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

نیز ارشاد فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (الصافات : ۳۷ / ۹۶)
”حالانکہ اللہ ہی نے تمھیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے۔“

نکتہ : لَمْ يَقُلْ : بِعِلْمِهِ ، فَهُمْ لَا يُحِيطُوْنَ بِعِلْمِهِ ، وَلَا بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ ، بَلْ هُمْ إِنْ عَلِمُوْهُ فَإِنَّمَا يَعْلَمُوْنَهُ مِنْ وَجْهٍ دُوْنَ وَجْهٍ بِغَيْرِ إِحَاطَةٍ . (اللہ نے بِعِلْمِهِ نہیں کہا بلکہ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ کہا، کیونکہ لوگ نہ اس کے علم کا احاطہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کے علم کی کسی چیز کا، بلکہ اگر وہ اسے جانتے بھی ہیں تو ایک رخ سے جانتے ہیں، نہ کہ ہر رخ سے، بغیر احاطے کے۔)

وَهٰذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْإِنْسَانِ الْجَهْلُ ، فَلَا عِلْمَ عِنْدَهُ إِلَّا مَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ لَهُ . (یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انسان میں اصل جہالت ہے، لہٰذا اس کے پاس کوئی علم نہیں مگر وہی جو اللہ نے اسے سکھایا ہے۔)

﴿ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ﴾ ”کرسی“ اس وجہ سے کہا کہ عَظْمَةُ الْمَخْلُوْقِ تَدُلُّ عَلَى عَظْمَةِ الْخَالِقِ . (مخلوق کی عظمت، خالق کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔)

کرسی، موضع القدمین ہے۔ اگر وہ اتنی بڑی ہے تو عرش کتنا بڑا ہوگا۔

عرش تمام مخلوقات سے وسیع ہے۔ اللہ تمام مخلوقات سے وسیع پر، اپنی وسیع ترین صفت کے ساتھ مستوی ہوا۔

﴿ عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، قَالَ : دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحْدَهُ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ ، فَقُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! أَيُّمَا آيَةٍ أُنْزِلَتْ عَلَيْكَ أَفْضَلُ ؟ قَالَ : آيَةُ الْكُرْسِيِّ ، مَا السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ فِي الْكُرْسِيِّ إِلَّا كَحَلْقَةٍ مُلْقَاةٍ بِأَرْضِ فَلَاةٍ ، وَفَضْلُ الْعَرْشِ عَلَى الْكُرْسِيِّ كَفَضْلِ تِلْكَ الْفَلَاةِ عَلَى تِلْكَ الْحَلْقَةِ ﴾ (كتاب العرش

لمحمد بن ابی شیبة : ص ۴۳۳ ، وقال الالبانی فی الصحیحة) ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں مسجد الحرام میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا ''اے اللہ کے رسول! کون سی آیت افضل ہے جو آپ پر نازل ہوئی؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''آیت الکرسی۔ (اللہ تعالیٰ کی اس وسیع) کرسی کے مقابلے میں سات آسمان اس طرح ہیں جیسے بیابان زمین میں کوئی چھلا پڑا ہو اور پھر کرسی کے مقابلے میں (اللہ تعالیٰ کے) عرش کی ضخامت اس طرح ہے جیسے اس چھلے کے مقابلے میں بیابان کا وجود ہے۔''

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، قَالَ : اَلْكُرْسِيُّ مَوْضِعُ الْقَدَمَيْنِ ، وَالْعَرْشُ لَا يُقْدَرُ قَدْرُهُ . (التوحید لابن خزیمة : ۱ / ۲۴۸)
ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''کرسی اس کے دونوں قدموں کی جگہ ہے اور عرش اسے برداشت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔''

ارشاد ہے: ﴿ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴾ (النساء : ۴ / ۱۲۶) ''اور اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔''

﴿ وَلَا يَئُودُهٗ حِفْظُهُمَا ﴾ آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اس پر ثقیل نہیں ہے بلکہ سہل اور یسیر ہے۔

اس میں یہودیوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے یوم السبت (سنیچر) کو آرام کیا، حالانکہ ارشاد باری ہے: ﴿ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴾ (ق : ۵۰ / ۳۸) ''اور ہمیں کسی قسم کی تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں۔''

یہاں ﴿ وَلَا يَئُودُهٗ ﴾ کا عطف ﴿ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ ﴾ پر ہے کیونکہ کسی کو وہم ہوسکتا ہے کہ کیا آسمان اور زمین کی حفاظت کے لیے اسے عرش سے اترنا پڑتا ہے؟ پس لَا يَحْتَاجُ اِلَى اَنْ يَنْزِلَ اللّٰهُ بِنَفْسِهٖ لِيَحْفَظَهُنَّ . (اللہ کو انھیں محفوظ رکھنے کے لیے اپنی ذات کے ساتھ نیچے اترنے کی ضرورت نہیں ہے۔) اس طرح کہ عرش خالی

ہو جائے۔ آسمان دنیا پر اس کے نزول کی کیفیت مجہول ہے۔

﴿ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴾ اَلْعَلِيُّ : فَاللّٰهُ فَوْقَ الْعَالَمِ وَلَا شَيْءَ فَوْقَهُ . (اللہ کائنات کے اوپر ہے، اس کے اوپر کوئی چیز نہیں۔) یہ ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ ذاتاً ہر جگہ موجود ہے۔

الْعِظَمُ خِلَافُ الصِغَرِ . (عظم (بڑا ہونا)، صغر (چھوٹا ہونا) کے برعکس ہے۔)

عَظِيْمٌ : صِفَةٌ لَا بِدَايَةَ لِعَظْمَتِهِ وَلَا نِهَايَةَ لِجَلَالِهِ . (عظیم ایک ایسی صفت ہے جس کی عظمت کی کوئی ابتدا نہیں اور اس کے جلال کی کوئی انتہا نہیں۔)

ارشاد ہے: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ○ ﴾ (طٰہ : ۲۰ / ۵) ''وہ رحمٰن ہے، عرش پر مستوی ہے۔''

نیز فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۩ ﴾ (سورة النمل : ۲۷ / ۲٦) ''اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بہت بڑے عرش کا مالک ہے۔''

﴿ الْعَلِيُّ ﴾ لَهُ عُلُوٌّ مُطْلَقٌ عَلَى كُلِّ مَخْلُوْقَاتٍ ، فَهُوَ عَلِيٌّ بِذَاتِهِ فَوْقَ عَرْشِهِ ، كُلُّ مَا سِوَاهُ حَقِيْرٌ . (اللہ کو تمام مخلوقات پر علو مطلق حاصل ہے۔ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے اپنے عرش کے اوپر بلند ہے۔ اس کے سوا ہر چیز حقیر ہے۔) علو سے مراد علو ذات، علو صفات، علو قدر اور علو قہر ہے۔ یعنی ذات کے اعتبار سے، صفات کے اعتبار سے، مرتبے کے اعتبار سے اور غلبے کے اعتبار سے علو حاصل ہے۔

اس میں حلولیہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ ہے۔

﴿ الْعَظِيْمُ ﴾ كُلُّ شَيْءٍ صَغِيْرٌ بِالنِّسْبَةِ اِلَيْهِ ، وَكُلُّ مَا سِوَاهُ صَغِيْرٌ . (ہر چیز اللہ کی نسبت سے چھوٹی ہے اور اس کے سوا ہر چیز چھوٹی ہے۔)

ایک نکتہ : خبر جب معرفہ ہو تو خبر مبتدا پر مقصور ہو جاتی ہے۔

جیسے آپ کہیں: اَخُوْكَ النَّاجِحُ . (تمہارا بھائی ہی کامیاب ہے۔) اس کا

مطلب یہ ہوگا کہ وہ کامیابی میں اکیلا ہے اور کامیابی اسی تک محدود ہے۔

اسی طرح ﴿ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴾ میں "علی" اور "عظیم" کو معرفہ لایا گیا ہے۔ یعنی اللہ ہی علی ہے اور وہی عظیم ہے۔ اَيِ الْمُتَفَرِّدُ بِالْعُلُوِّ وَالْعَظْمَةِ. (یعنی بلندی اور عظمت میں اکیلا ہے۔)

نکتہ : وَيَاْتِيْ بَعْدَ آيَةِ الْكُرْسِيِّ ثَلَاثُ قِصَصٍ : قِصَّةُ اِبْرَاهِيْمَ مَعَ نَمْرُوْدَ، قِصَّةُ عُزَيْرَ، قِصَّةُ اِبْرَاهِيْمَ. (آیت الکرسی کے بعد تین قصے آئے ہیں : ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ قصہ، عزیر علیہ السلام کا قصہ اور ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا قصہ۔)

اسلام میں مالی واقتصادی نظام کا ذکر ہے جس کا عنوان ہے : اَلْاِسْلَامُ مَنْهَجٌ تَنْمَوِيٌّ (Growth related system)، وَلَيْسَ مَنْهَجًا رِبَوِيًّا (Interest based system). (اسلام ایک ترقیاتی نظام ہے، سود پر مبنی نظام نہیں۔)

اَلْمُلَاحَظُ اَنَّ آيَاتِ الرِّبَاءِ جَاءَتْ بَيْنَ آيَاتِ الْاِنْفَاقِ وَالتَّنْمِيَةِ (Activity of helping something to develop) لِتُوَضِّحَ اَنَّ الْاِسْلَامَ لَا يُحَرِّمُ شَيْئاً اِلَّا وَيَاْتِيْ بِالْبَدِيْلِ الْاَصْلَحِ. (یہ قابل غور بات ہے کہ سود کی آیات انفاق اور ترقی کی آیات کے درمیان آئی ہیں تاکہ یہ واضح کیا جاسکے کہ اسلام کسی چیز کو اس وقت تک حرام نہیں کرتا جب تک اس سے بہتر متبادل پیش نہ کردے۔)

تَاَمَّلْ فِيْ قِصَّةِ سَيِّدِنَا مُوْسَى مَعَ الْخِضْرِ. (موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر کے قصے پر غور کرو۔)

﴿وَجَاءَ عُصْفُوْرٌ فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِيْنَةِ فَنَقَرَ فِي الْبَحْرِ نَقْرَةً، فَقَالَ لَهُ الْخِضْرُ : مَا عِلْمِيْ وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ اِلَّا مِثْلُ مَا نَقَصَ هٰذَا الْعُصْفُوْرُ مِنْ هٰذَا الْبَحْرِ﴾ (البخاری : کتاب تفسیر

القرآن ، حديث ٤٧٢٥) اتنے میں ایک چڑیا آئی اور اس نے کشتی کے کنارے بیٹھ کر سمندر میں ایک مرتبہ چونچ ماری تو حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ''میرے اور آپ کے علم کی حیثیت اللہ کے علم کے مقابلے میں اس سے زیادہ نہیں ہے جتنا اس چڑیا نے اس سمندر کے پانی سے کم کیا ہے۔''

یہ دروس، یہ محاضرات، یہ خطب، یہ مواعظ، یہ سب لَا تُسَاوِیْ نُقْطَةً مِنْ عِلْمِ اللّٰہِ. (اللہ کے علم کے ایک نقطے کے برابر بھی نہیں۔)

﴿لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ...﴾ 256

اللہ نے انسان کو حُرِّیَّةُ التَّفَکُّرِ (فکر کی آزادی) دیا ہے۔

هٰذَا نَفْیٌ فِیْ مَعْنَی النَّهْیِ اَیْ لَا تُکْرِهُوْا اَحَداً عَلَی الدِّیْنِ ، نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآیَةُ فِیْ رِجَالٍ مِنَ الصَّحَابَةِ کَانَ لَهُمْ اَوْلَادٌ قَدْ تَهَوَّدُوْا وَتَنَصَّرُوْا قَبْلَ الْاِسْلَامِ فَلَمَّا جَاءَ الْاِسْلَامُ وَاَسْلَمَ الْآبَاءُ وَاَرَادُوْا اِکْرَاهَ الْاَوْلَادِ عَلَی الدِّیْنَ فَنَهَاهُمُ اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا هُمُ الَّذِیْنَ یَخْتَارُوْنَ الدُّخُوْلَ فِی الْاِسْلَامِ. (یہ نفی، نہی (منع کرنا) کے معنی میں ہے۔ یعنی کسی کو دین کے معاملے میں زبردستی نہ کرو۔ یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کے بچے اسلام سے پہلے یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے۔ جب اسلام آیا اور ان کے والد مسلمان ہو گئے تو انھوں نے چاہا کہ اپنے بچوں کو بھی زبردستی دین اسلام میں لے آئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے منع فرما دیا تاکہ وہ خود اپنی مرضی سے اسلام میں داخل ہوں۔)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت اٹھا کر دیکھ لیں، آپ نے کسی کو دین پر مجبور نہیں کیا۔ جس نے آپ سے قتال کیا، آپ اس سے لڑے۔ جس نے آپ سے صلح کیا، آپ نے اس سے صلح کی۔ مدینہ آئے تو یہود سے صلح کی۔ قریش نے دس سال کے لیے صلح کی۔ پس آپ نے لڑائی کی شروعات نہیں کی، انھوں نے ہی عہد توڑا۔ بدر میں وہی لوگ مکہ سے چل کر

آئے۔ احد انھوں نے ہی برپا کی۔ بدر میں آپ بس قافلے کو پکڑنے کے لیے نکلے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ ہتھیار خرید کر یہ لوگ لڑنے کے لیے نہ آئیں۔

﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ ﴾ طاغوت، ''طغیان'' (حد پھلانگ جانا) سے ماخوذ ہے۔

كُلُّ مَا عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَهُوَ طَاغُوْتٌ . (اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کی گئی، وہ طاغوت ہے۔)

257 ﴿ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ ... ﴾

ظلمات تین ہیں :

① ظُلْمَةُ الْجَهْلِ : فَيُخْرِجُكَ اِلَى نُوْرِ الْعِلْمِ . (جہالت کی تاریکی، تو وہ تمھیں علم کی روشنی کی طرف نکالتا ہے۔)

② ظُلْمَةُ الْكُفْرِ : اِلَى نُوْرِ الْاِيْمَانِ . (کفر کی تاریکی، تو وہ ایمان کی روشنی کی طرف نکالتا ہے۔)

③ ظُلْمَةُ الْمَعْصِيَةِ : اِلَى نُوْرِ الطَّاعَةِ . (گناہ کی تاریکی، تو وہ فرماں برداری کی روشنی کی طرف نکالتا ہے۔)

258 ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرَاهِيْمَ فِىْ رَبِّهِ ... ﴾

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ ﴾ محاجہ (بحث ومباحثہ) جائز ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کا مقصد کٹ حجتی نہ ہو بلکہ احقاق حق اور ابطال باطل ہو۔

﴿ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ﴾ نعمت کبھی طغیان کا سبب ہوتی ہے۔ انسان کو جو کچھ ملا ہے، وہ عاریۃ مستردۃ (عارضی طور پر دی ہوئی چیز جسے لوٹانا ہوتا ہو) ہے۔

وَلِذٰلِكَ يُوْلَدُ صِفْرَ الْيَدَيْنِ وَيَخْرُجُ صِفْرَ الْيَدَيْنِ . (اسی لیے وہ خالی ہاتھ پیدا ہوتا ہے اور خالی ہاتھ رخصت ہوتا ہے۔)

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مخالف پر حجت قائم کرنے کے لیے جب جواب دیا کہ میرا

رب وہ ہے جو ﴿ يُحْيِ وَيُمِيتُ ﴾ ہے تو اس دلیل کا معارضہ اس نے مغالطے سے کیا کہ يَقْتُلُ مَنْ يُرِيْدُ وَيَسْتَبْقِيْ مَنْ يُرِيْدُ . (وہ بھی جسے چاہتا ہے قتل کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے زندہ رکھتا ہے۔) ابراہیم علیہ السلام نے اس مغالطے کو توڑا کہ اگر وہ اِحْيَاءٌ وَاِمَاتَةٌ (زندگی دینا اور موت دینا) میں اللہ کے برابر ہے تو سورج میں تصرف کرے جس سے اس کا دعویٰ صحیح ہو جائے۔

یہ ایک اِنْتِقَالٌ مِنْ حُجَّةٍ اِلَى حُجَّةٍ اَوْضَحَ مِنْهَا (ایک دلیل سے ایسی دلیل کی طرف منتقل ہونا جو اس سے زیادہ واضح ہو) نہیں ہے، جیسا کہ بعض مفسرین نے سمجھا ہے۔

﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ وَكُلُّ مَا كَانَ الْاِنْسَانُ اَظْلَمَ كَانَ عَنِ الْهِدَايَةِ اَبْعَدَ . (انسان جتنا زیادہ ظالم ہوگا، وہ ہدایت سے اتنا ہی دور ہوگا۔)

﴿اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ ...﴾ 259

یہاں دو نشانیاں جمع ہو گئیں :

① اِبْقَاءُ مَا يَتَغَيَّرُ (طَعَامٌ وَشَرَابٌ) . (ان چیزوں کا محفوظ رکھنا جو بدل جاتی ہیں، یعنی کھانا اور پینا۔)

② اِحْيَاءُ مَا كَانَ مَيْتاً (وَهُوَ حِمَارَةٌ) . (اس چیز کو زندہ کرنا جو مردہ تھی اور وہ ایک گدھی تھی۔) یہ احیائے موتی ہے۔ ﴿ ثُمَّ بَعَثَهٗ ﴾ "پھر اسے اٹھایا۔"

اگلے واقعے واقعۂ ابراہیم میں احیائے موتی کی کیفیت ہے جو ﴿ كَيْفَ ﴾ سے ظاہر ہے۔

قصۂ ابراہیم میں توحید ربوبیت اور الوہیت ہے۔ بعد کے دو واقعوں میں اِثْبَاتُ قُدْرَةٍ عَلَى الْبَعْثِ (دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت کا اثبات) ہے۔

(سوال) کیا حکمت ہے کہ یہاں عزیر علیہ السلام کا نام نہیں لیا گیا، جبکہ اس کے بعد والا واقعہ جو

ابراہیم علیہ السلام سے متعلق ہے، اس میں ابراہیم علیہ السلام کا نام ذکر کر دیا گیا، جبکہ دونوں واقعات میں مقصود ایک ہی چیز ہے؟

جواب بعض مفسرین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اَنَّ عُزَیْراً لَمْ یَحْفَظِ الْاَدَبَ . (عزیر علیہ السلام نے ادب کا لحاظ نہیں رکھا۔) کیونکہ انھوں نے ایسا کہا: ﴿ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ ﴾ ''اس نے کہا، اللہ اس بستی کو اس کی موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟'' اس لیے احیاء اور اماتت کا مظہر خود انھیں ہی بنایا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ادب کی رعایت فرمائی اور دعا کی: ﴿ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ﴾ ''اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو زندہ کیسے کرتا ہے۔'' لہٰذا احیاء اور اماتت کا مظہر طیور (پرندوں) کو بنایا گیا۔ (اللباب فی علوم الکتاب لابن عادل الدمشقی)

﴿ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ﴾ 260

ابراہیم علیہ السلام دوبارہ زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ یعنی جو ایمان، علم الیقین کے درجے میں تھا، اسے عین الیقین کے درجے میں ترقی دینا چاہتے تھے کیونکہ انسان کی طبیعت میں ان دیکھی چیز کے دیکھنے کا اشتیاق ہوتا ہے۔

جبکہ عزیز علیہ السلام کے تعجب کو زائل کرنا تھا۔ ﴿ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ ﴾ (البقرة : ۲ / ۲۵۹) ''اس نے کہا، اللہ اس بستی کو اس کی موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟''

عِلْمُ الْیَقِیْنِ یَحْصُلُ عَنِ الْخَبَرِ ، ثُمَّ تَتَجَلّٰی حَقِیْقَةُ الْمُخْبَرِ عَنْهُ لِلْقَلْبِ اَوِ الْبَصَرِ حَتّٰی یَصِیْرَ الْعِلْمُ بِهِ عَیْنَ یَقِیْنٍ ، ثُمَّ یُبَاشِرُهُ وَیُلَابِسُهُ فَیَصِیْرُ حَقَّ یَقِیْنٍ . (علم الیقین، خبر سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر مخبر عنہ (جس کے بارے میں خبر دی گئی ہو) کی حقیقت، قلب یا آنکھوں پر ظاہر ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ علم الیقین بن جاتا ہے۔ اس کے بعد جب انسان اس کا براہ راست تجربہ کرتا ہے اور اس سے جڑ جاتا ہے تو وہ حق الیقین بن جاتا ہے۔)

جیسے نبی کریم ﷺ کے خبر دینے کی وجہ سے متقین کو جنت اور جہنم کا یقین ہوا۔ یہ ''علم الیقین'' ہے۔

اور جب میدان حشر میں متقین کے سامنے جنت اور کافرین کے سامنے جہنم پیش ہوگی تو یہ ''عین الیقین'' ہوا۔

پھر جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو یہ ''حق الیقین'' ہوا۔

یہ قصہ قرآن مجید میں صرف ایک بار (سورۂ بقرہ میں) آیا ہے۔

﴿ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ﴾ اُحِبُّ اَنْ اَتَرَقّٰى مِنْ عِلْمِ الْيَقِيْنِ اِلٰى عَيْنِ الْيَقِيْنِ . (میں علم الیقین سے عین الیقین کے درجے پر پہنچنا چاہتا ہوں۔)

هٰذِهِ الْقِصَّةُ مِنْ فَرَائِدِ الْقُرْآنِ . (یہ قصہ، قرآن کے انمول موتیوں میں سے ہے۔)

اس میں چار امر ہیں :

① خُذْ : ﴿ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ ﴾ ''پھر تم چار پرندے لو۔''

② صُرْ : ﴿ فَصُرْهُنَّ ﴾ ''پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔''

③ اِجْعَلْ : ﴿ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ ﴾ ''پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو۔''

④ اُدْعُ : ﴿ ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ﴾ ''پھر انھیں بلاؤ، وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔''

طیر کا نکتہ : احیائے موتی کا منظر دکھانے کے لیے طیر (پرندوں) کا انتخاب کیوں کیا؟

جواب سَهُوْلَةُ الذَّبْحِ وَسَهُوْلَةُ الْحَمْلِ . (پرندوں کا ذبح کرنا آسان بھی ہے اور ان کا لے کر چلنا بھی آسان ہے۔)

سوال یہاں اَرْبَعَةُ طُيُوْرٍ کے بجائے ﴿ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ ﴾ کیوں کہا؟

(جواب) اس لیے کہ اس سے مراد ہے : اَرْبَعَةُ اَنْوَاعٍ مُخْتَلِفَةٍ مِنَ الطُّيُوْرِ وَلَيْسَ فِيْ نَوْعٍ وَاحِدٍ . (پرندوں کی چار مختلف اقسام، یعنی وہ ایک ہی قسم کے نہ ہوں۔) ایک ہی جنس کے پرندے بھی لے آتے تو بات پوری ہو جاتی۔ مثلاً چار کبوتر یا چار باز وغیرہ۔ یہاں ﴿ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ ﴾ کہا۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ چار مختلف قسم (جنس) کی چڑیاں لاؤ، مثلاً ایک کبوتر، ایک کوا، ایک چیل، ایک مور۔

(سوال) یہاں طَائِرِيْنَ (اڑتے ہوئے) کے بجائے ﴿سَعْيًا﴾ (دوڑتے ہوئے) کیوں کہا؟

(جواب) اگر پرندے اڑ کر آتے تو ابراہیم علیہ السلام کو شبہ ہوتا کہ کیا یہ وہی پرندے ہیں جن کو انھوں نے ذبح کیا تھا، یا دوسرے پرندے ہیں جو اڑ کر کہیں سے آگئے ہیں؟

نکتہ : اس قصے کو سورۂ بقرہ میں کیوں لایا گیا ہے؟

(جواب) کیونکہ بقرہ (گائے) کو ایک مردے کو زندہ کرنے کا سبب بنایا گیا ہے۔

﴿ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ﴾ (سورة التكاثر : ١٠٢/ ٦-٧) ”تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ پھر تم اسے ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھو گے۔“

﴿ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء : ٢٦ / ٩٠-٩١) ”اور جنت متقین کے قریب کی جائے گی۔ اور دوزخ کو گمراہوں کے لیے ظاہر و نمایاں کر دیا جائے گا۔“

......نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر پر یقین ہے۔ (علم الیقین)

......حشر میں جنت دیکھ لیں۔ (عین الیقین)

......جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (حق الیقین)

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ ... ﴾ 261

هٰذَا عَطَاءُ الْحَبَّةِ (الْمَخْلُوْقِ) ، فَكَيْفَ بِعَطَاءِ خَالِقِ الْحَبَّةِ .

(یہ ایک دانے (مخلوق) کی عطا ہے، پھر دانے کے خالق کی عطا کیسی ہوگی!)

﴿ سَنَابِلَ ﴾ جمع تکثیر ہے۔ یہ مقام، مقام تکثیر ہے۔ اس کے برعکس ﴿ سَبْعَ سُنْبُلٰتٍ ﴾ (یوسف : ۱۲ / ۴۳) میں جمع قلت ہے۔

یہاں چار امور ہیں :

① منفق ② نفقہ ③ باذر ④ بذر

منفق کا ذکر کیا کیونکہ مقصود اس کا حال بیان کرنا ہے۔ نفقہ کو ذکر نہ کیا کیونکہ وہ لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ بذر ﴿ حَبَّةٍ ﴾ کا ذکر کیا کیونکہ وہ محل ہے جس میں بڑھوتری ہوئی ہے۔ باذر کا ذکر چھوڑ دیا کیونکہ قرض میں بیج ڈالنے والا بونے والے کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ یہاں بلاغت وفصاحت قابل دید ہے۔

نیز بڑھوتری (مضاعفہ) سب منفق کے لیے نہیں ہے کیونکہ ان کے احوال مختلف ہیں، جیسے حسن موقع، شدت حاجت۔

خرچ کرنے والے کی مثال باذر حبۃ (دانہ بونے والا) کی طرح ہے۔ اہم شقوں کو ذکر کیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کی صفت ''واسع'' لائی گئی جو سیاق کے موافق ہے کہ بندہ اس مضاعفہ (بڑھوتری) کو محال ومستبعد نہ سمجھے۔ لِاَنَّ الْمُضَاعِفَ وَاسِعُ الْعَطَاءِ. (کیونکہ بڑھانے والا بہت عطا کرنے والا ہے۔)

کیا یہ وسعت ہر منفق کے لیے ہے؟ نہیں، بلکہ جو اس کا اہل ہے اور اللہ کو اس کا علم ہے کہ کون اس کا اہل ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ ... ﴾ 262

یہاں ﴿ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ ﴾ کہا گیا۔ اگر ایک زمانہ گزرنے کے بعد بھی احسان جتائے تو انفاق کا مقصد حاصل نہ ہوگا۔ اگر واؤ لایا جاتا تو حال میں مقید ہونے کا وہم ہوتا۔

263 ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ﴾

احسان کی دو قسمیں ہیں :

① قول معروف، احسان ہے۔

② مغفرت، احسان ہے کہ کسی کو معاف کردیں، مواخذہ نہ کریں۔

سائل سے کوئی تکلیف پہنچے اور معاف کردے تو یہ معاف کردینا اسے صدقہ دینے اور تکلیف پہنچانے سے بہتر ہے۔

یہ مغفرت، اللہ کی طرف سے قول معروف (پسندیدہ بات) کے سبب ہے۔

ریا اور نفاق میں فرق : اَلنِّفَاقُ هُوَ اِظْهَارُ الْاِيْمَانِ مَعَ اِسْرَارِ الْكُفْرِ ، وَالرِّيَاءُ اِظْهَارُ جَمِيْلِ الْفِعْلِ رَغْبَةً فِيْ حَمْدِ النَّاسِ لَا فِيْ ثَوَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى . (نفاق یہ ہے کہ ایمان کا اظہار کیا جائے اور کفر کو چھپایا جائے، جبکہ ریا یہ ہے کہ خوب صورت عمل لوگوں کی تعریف حاصل کرنے کی خواہش سے کیا جائے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کے ثواب کی خاطر۔)

﴿خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى﴾ اَلْحِرْمَانُ مَعَ الْاَدَبِ خَيْرٌ مِنَ الْعَطَاءِ مَعَ الْبَذَاءَةِ . (ادب کے ساتھ محروم رہنا بے ادبی کے ساتھ عطا پانے سے بہتر ہے۔)

اَلرِّبَا وَالْاِيْمَانُ لَا يَجْتَمِعَانِ : فَمَنْ اَكَلَ الرِّبَا مَاتَ فِيْ مَعْرِكَةٍ خَاسِرَةٍ ، فَتَرَاجَعْ قَبْلَ الْمَعْرِكَةِ . (سود اور ایمان اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ پس جس نے سود کھایا، وہ ایک ہاری ہوئی جنگ میں مر گیا، لہٰذا جنگ سے پہلے ہی پیچھے ہٹ جاؤ۔)

264 ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ ...﴾

......ریا سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے۔

......ایمان نہ ہو تو صدقہ باطل ہو جاتا ہے۔

......احسان جتانے سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے۔

......تکلیف پہنچانے سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے۔

منفق کو عندالانفاق دو آفتیں آڑے آتی ہیں :

① نفقہ سے تعریف کا حصول جو منافقین کا حال ہے۔

② دل کمزور ہو، تردد ہو کہ کرے یا نہ کرے۔

﴿ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ قیامت کے دن کو ''یوم آخر'' کہا جاتا ہے۔ لِاَنَّهٗ آخِرُ يَوْمٍ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ اَوِ النَّارِ . (کیونکہ یہ آخری دن ہے، یا تو جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔)

265 ﴿ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ ... ﴾

پہلا ﴿ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ﴾ (اخلاص) سے زائل ہوتا ہے، جبکہ دوسرا ﴿ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ تثبیت نفس سے۔ یہ ثبات نفس اسے ہمت بڑھاتا ہے۔

جب باغ اونچائی پر ہے تو پانی کہاں سے ملے گا؟ پس ﴿ وَابِلٌ ﴾ کہا گیا۔ هُوَ الْمَطَرُ الشَّدِيْدُ . (وہ تیز بارش ہے۔) یہ مقربین کا حال ہے۔ وَاَصْحَابُ الطَّلِّ مُقْتَصِدُوْنَ فِى النَّفْقَةِ . (شبنم والے تو خرچ کرنے میں میانہ رو لوگ ہیں۔)

266 ﴿ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ ... ﴾

﴿ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ ﴾ بڑھاپے میں آدمی باغ کا زیادہ محتاج ہے کہ پھر باغ نہیں لگا سکتا۔ اسی طرح آخرت میں سب سے زیادہ عمل کا محتاج ہوگا۔ وہ دنیا میں دوبارہ نہیں آسکتا۔

ایک شخص خیرات کرے اور اسے امید ہو کہ آخرت میں جب وہ نیک عمل کرنے سے عاجز ہوگا اور نیکیوں کی سخت حاجت ہوگی تو اس کی واحد امید صدقات ہوں گے جو اس نے دنیا میں کیے ہوں گے۔ پھر اچانک اسے معلوم ہو کہ اس نے صدقات کو احسان کے ساتھ

ملایا تھا اور فقراء کو طعنے دے کر ایذا پہنچائی تھی جس سے وہ صدقات ضائع ہو گئے، تو اس کی محرومی کا کیا عالم ہوگا؟

جیسے وہ شخص جس کا پھل دار باغ ہو، وہ بوڑھا ہو، کمانے سے عاجز ہو اور اس پر چھوٹے بچوں کی پرورش کی ذمے داری ہو تو ظاہر ہے کہ اسے باغ کی سخت ضرورت ہوگی کیونکہ بڑھاپے کی وجہ سے کما نہیں سکتا، باغ نہیں لگا سکتا۔ بچے جوان نہیں کہ کما کر دے سکیں۔ بچوں کی پرورش کی ذمے داری اسی پر ہے۔ اب ایسے میں باغ کسی بگولے سے جل جائے تو اس کی محرومی کا کیا عالم ہوگا! اسی طرح آخرت میں وہ نہ نیکیاں کما سکتا ہے اور نہ کوئی اسے دے سکتا ہے۔

268 ﴿الشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾

شیطان، فقر سے ڈراتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو فقیر ہو جاؤ گے بلکہ فَحشَاء کے کاموں میں خرچ کرواتا ہے۔

فَحشَاء کا معنی ہر جگہ زنا ہے، سوائے اس مقام کے کہ یہاں اس کا معنی بخل ہے۔

......شیطان کا وعدہ، فقر اور بخل ہے۔

......اللہ کا وعدہ ﴿مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا﴾ ہے۔

اب بخیل کو دیکھنا ہے کہ کس کا وعدہ مضبوط ہے۔

بخیلی کو بے حیائی سے تعبیر کرنے کی وجہ: آیت میں بخیل پر بے حیائی کا اطلاق کیا گیا ہے کیونکہ حیا کا تقاضا ہے کہ جب اللہ نے اسے ضرورت سے زیادہ مال دیا ہے کہ ضرورت مند سائل سوال کرے تو اس کی ضرورت کو پورا کرے اور اسے یہ خیال آئے کہ آخر وہ بھی تو اپنی ضرورتوں کے لیے اللہ کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے اور اللہ خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔

﴿عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا اَبَا ذَرٍّ! اَتَرَى كَثْرَةَ الْمَالِ هُوَ الْغِنَى؟ قُلْتُ: نَعَمْ يَا

رَسُوْلَ اللّٰهِ ! قَالَ : فَتَرَى قِلَّةَ الْمَالِ هُوَ الْفَقْرُ ؟ قُلْتُ : نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! قَالَ : اِنَّمَا الْغِنَى غِنَى الْقَلْبِ وَالْفَقْرُ فَقْرُ الْقَلْبِ﴾

(السنن الکبریٰ للنسائی : حدیث ۱۱۷۸۵ ، صحیح الترغیب : حدیث ۳۲۰۳) ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ’’ابوذر! کیا تم کثرت مال کو دولت سمجھتے ہو؟‘‘ میں نے کہا ’’جی ہاں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!‘‘ آپ نے فرمایا ’’کیا تم قلت مال کو فقر سمجھتے ہو؟‘‘ میں نے کہا ’’جی ہاں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!‘‘ فرمایا ’’استغناء دل کے غنی ہونے اور فقیری دل کے فقر کا نام ہے۔‘‘

وَقَالَ بْن بَطَّالٍ مَعْنَى الْحَدِيْثِ : لَيْسَ حَقِيْقَةُ الْغِنَى كَثْرَةَ الْمَالِ لِاَنَّ كَثِيْراً مِمَّنْ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ لَا يَقْنَعُ بِمَا اُوْتِيَ فَهُوَ يَجْتَهِدُ فِي الْاِزْدِيَادِ وَلَا يُبَالِيْ مِنْ اَيْنَ يَاْتِيْهِ فَكَاَنَّهُ فَقِيْرٌ لِشِدَّةِ حِرْصِهِ وَاِنَّمَا حَقِيْقَةُ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ وَهُوَ مَنِ اسْتَغْنَى بِمَا اُوْتِيَ وَقَنَعَ بِهِ وَرَضِيَ وَلَمْ يَحْرِصْ عَلَى الْاِزْدِيَادِ وَلَا اَلَحَّ فِي الطَّلَبِ فَكَاَنَّهُ غَنِيٌّ . (تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی : ۷ / ۳۵) ابن بطال رحمہ اللہ نے حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا ’’حقیقی غنیٰ، مال کی کثرت نہیں ہے کیونکہ بہت سے ایسے لوگ جن پر اللہ نے مال میں کشادگی دی ہے، وہ اس پر قناعت نہیں کرتے جو انھیں دیا گیا ہے، لہٰذا وہ مزید بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں اور پروا نہیں کرتے کہ مال کہاں سے آتا ہے۔ پس وہ اپنی شدید حرص کی وجہ سے گویا فقیر ہیں۔ جبکہ حقیقی غنیٰ، نفس کی بے نیازی (غنی النفس) ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو اس پر اکتفا کرتا ہے جو اسے دیا گیا، اس پر قناعت کرتا ہے اور راضی رہتا ہے ، نہ مزید بڑھانے کی حرص کرتا ہے اور نہ طلب میں اصرار کرتا ہے، پس گویا وہ مالدار ہے۔‘‘

270

﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ﴾

نذر کی دو قسمیں ہیں :

① نذر حرام ② نذر مباح

......جو اللہ کی اطاعت میں نہ ہو، وہ نذر حرام ہے۔

......نذر مباح کی تین شکلیں ہیں :

① نذر مشروط : جیسے اگر میں شفا پاؤں تو ایک دینار صدقہ کروں گا۔

② نذر غیر مشروط : جیسے میں اللہ کے لیے ایک غلام آزاد کروں گا۔

③ نذر مطلق : جیسے اگر میں صحت مند ہو گیا تو صدقہ کروں گا۔

نذر میں کہے "اے فلاں بزرگ! میرا بیمار اگر صحت مند ہو جائے، یا میری فلاں حاجت پوری ہو جائے تو آپ کے لیے اتنا سونا یا چاندی نذر کروں گا۔" یہ نذر، باطل اور حرام ہے۔

......مخلوق کی نذر، باطل ہے کیونکہ نذر، عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت جائز نہیں۔

......جس کی نذر مانی گئی، اگر وہ فوت شدہ ہے تو فوت شدہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

﴿وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ ...﴾ 271

تَحْذِيْرُ الْعَبْدِ اَنْ يُخْفِيَ فِيْ قَلْبِهِ مَا لَا يَرْضَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

(بندے کو اس بات سے ڈرانا کہ وہ اپنے دل میں کوئی ایسی بات چھپائے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہ کرتا ہو۔)

سمع و طاعت کے باب میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں :

① مَنْ يَسْمَعُ وَلَا يُطِيْعُ ، هٰذَا مُسْتَكْبِرٌ ، وَالْاِسْتِكْبَارُ اَعْظَمُ الْجَوْرِ . (جو سنے اور اطاعت نہ کرے۔ یہ متکبر ہے اور تکبر بہت بڑا ظلم ہے۔)

② لَا يَسْمَعُ وَلَا يُطِيْعُ ، هٰذَا مُعْرِضٌ ، لَا يَنْفَعُهُ اِعْرَاضُهُ . (جو نہ سنے اور نہ اطاعت کرے۔ یہ روگردانی کرنے والا ہے۔ اس کی روگردانی اسے نفع نہیں دے گی۔)

③ مَنْ يَسْمَعُ وَيُطِيْعُ ، هٰؤُلَاءِ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ . (جو سنے اور اطاعت

کرے۔ یہی لوگ مومن ہیں۔)

272 ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ ...﴾

ضرورت مند اگر کافر ہے تو بھی اس پر صدقہ کرو۔ رہا اس کی ہدایت کا معاملہ، تو وہ تمہارے ذمے نہیں۔

273 ﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ...﴾

انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب کے بعد ان خاص لوگوں کا ذکر ہے جو مالی تعاون کے زیادہ حق دار ہیں۔

مستحقین صدقہ کی صفات :

......جاہل سمجھتے ہیں کہ وہ مال دار ہیں۔

......عارف یہ سمجھتے ہیں کہ وہ فقراء ہیں، حد درجہ خودداری کی وجہ سے۔

......یہ خواص المومنین ہیں جو ان کی علامت سے جان لیتے ہیں۔

274 ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ ...﴾

﴿بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ وقت نہ دیکھے۔ جب بھی ضرورت ہو، خرچ کرے۔ اگر رات میں ضرورت ہو تو دن کے لیے موخر نہ کرے۔

275 ﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا ... هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○﴾

چودہ آیات میں صدقے کا بیان تھا۔ اب سود کی حرمت اور قباحت بیان کی جارہی ہے۔

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ یہ اسلامی شریعت کا کمال اور اس کی عظمت ہے کہ وہ جس چیز کو حرام کرتی ہے، اس کے دروازوں کو بھی بند کر دیتی ہے، بخلاف دنیوی وضعی قوانین کے کہ وہ کسی شے کو حرام کرتے ہیں مگر اس حرام شے کی طرف جانے والے تمام راستوں کو کھول دیتے ہیں۔

سود اور صدقے میں فرق : اَلرِّبَا يَمْحَقُ الْبَرَكَةَ فِي الظَّاهِرِ يَزِيْدُ وَهُوَ

يَنْقُصُ ، وَالصَّدَقَةُ فِى الظَّاهِرِ تَنْقُصُ وَهِىَ تَزِيْدُ وَلَا يَعْرِفُ اِلَّا الْمُؤْمِنُ . (سود برکت کو مٹا دیتا ہے۔ظاہری طور پر وہ بڑھتا ہوا نظر آتا ہے،لیکن وہ کم ہو رہا ہوتا ہے۔اس کے برعکس صدقہ ظاہری طور پر کم ہوتا ہوا نظر آتا ہے،لیکن وہ بڑھ رہا ہوتا ہے اور یہ بات مومن کے سوا کوئی نہیں جانتا۔)

صدقے اور سود میں فرق اور صدقے کے بعد سود کے ذکر کا فلسفہ : اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔صدقہ دینے والا بلا معاوضہ اپنا مال دیتا ہے۔سود لینے والا بلا معاوضہ دوسرے کا مال لیتا ہے۔مصدق (صدقہ دینے والا) کے مال میں برکت دیتا ہے۔سود خور کے مال کو تباہ کر دیتا ہے اور برکت مٹا دیتا ہے۔مصدق کی نظر آخرت پر ہوتی ہے اور سود خور کی نظر دنیا پر ہوتی ہے۔صدقے کا باعث ہمدردی اور خشیت الٰہی ہے۔سود کا باعث خود غرضی اور اللہ سے بے خوفی ہے۔

نکتۂ عجیبہ : سود لینے کو سود کھانے سے تعبیر کیا گیا کیونکہ جو چیز لے لی جائے ، اس کی واپسی کا امکان ہوتا ہے،جبکہ جو چیز کھالی جائے ،اس کی واپسی کا امکان نہیں ہوتا،اسی لیے سود لینے والے کو سود خور کہا جاتا ہے۔

سود اور بیع میں فرق : بیع میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال رہتا ہے،جبکہ سود میں صرف نفع ہوتا ہے۔

سود اور قرض میں فرق :

① سود،قرض کی ناجائز صورت ہے،جبکہ کاروبار میں بلا سود قرض،قرض کی جائز صورت ہے۔

② صدقے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور حسن سلوک ہے،جبکہ سود میں سنگ دلی اور سرکشی ہے۔

(سوال) کوئی شخص کسی سودی بینک میں نوکری کر رہا ہے تو کیا اس شخص سے مسجد کے لیے پنکھا وغیرہ لینا درست ہے؟

(جواب) شرعی نقطۂ نظر سے یہ درست نہیں، اس لیے کہ حدیث ہے :

﴿عَنْ جَابِرٍ، قَالَ : لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا، وَمُؤْكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ : هُمْ سَوَاءٌ﴾

(صحیح مسلم : کتاب، حدیث ۱۵۹۸) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا'' (گناہ میں) یہ سب برابر ہیں۔''

ہاں، اگر زید کی آمدنی کا اس کے علاوہ کوئی حلال ذریعہ ہے تو اس سے صدقہ وخیرات لینا جائز ہے۔

بیع سلم :

بیع سلم میں چھ چیزوں کو متعین کیا جائے :

① جنس ② نوع ③ وصف

④ مدت ⑤ مقدار ⑥ کیل، وزن اور عدد کی تعیین کرنا

عقد کے بعد علاحدگی سے پہلے ثمن پر قبضہ ضروری ہے۔

276 ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾

سود میں برکت نہیں ہوتی۔

278 ﴿وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا﴾

سود اور ایمان دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

① ربا (سود)، تقویٰ کے منافی ہے۔

② حکم ہے کہ بقیہ سود چھوڑ دو۔

③ مُعَلَّقٌ عَلَى شَرْطٍ مُتَنَفِّذٍ عِنْدَ انْتِفَائِهِ. (یہ کسی ایسی شرط پر معلق ہے جو اس کے ختم ہونے پر نافذ ہو جاتی ہے۔)

④ تحریم کی تاکید انتہائی سخت چیز سے کی جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محاربہ

(جنگ) ہے۔

⑤ محارب کے ساتھ ساتھ جنگ کا اعلان کرنے والا ہے۔ یہ وعید کسی اور گناہ میں نہیں۔

تین لوگوں کا تذکرہ اللہ نے کیا ہے :

① اَلْمُحْسِنُ هُوَ الْمُتَصَدِّقُ . (محسن جو صدقہ وخیرات کرنے والا ہے۔) یہ ﴿ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ﴾ سے ظاہر ہے۔

② ظالم مرابی (سودخور)، ظالم یعنی سودخور۔ ③ عادل

اَخَذَ رَأْسَ مَالِهِ مِنْ غَرِيْمِهِ ، لَا بِزِيَادَةٍ وَلَا نُقْصَانٍ . (اس نے اپنا اصل سرمایہ اپنے مقروض سے بغیر کسی زیادتی یا کمی کے واپس لے لیا۔) یہ قرض دینے والا ہے۔

قسطوں پر خرید وفروخت : یہ تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے :

① چیز طے ہو۔ ② قیمت طے ہو۔ ③ مدت طے ہو۔

اس طرح کی کمی وبیشی جائز نہیں کہ متعین وقت سے پہلے دے دے تو متعین قیمت سے کم ادا کرنا پڑے اور اگر متعین وقت کے بعد دے تو متعین قیمت سے زیادہ ادا کرنا پڑے، نیز اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں سودا کر لیتا ہوں، مگر اضافہ نہیں ہونے دوں گا۔ چونکہ یہ سودا ایک باطل شرط پر قائم ہے، لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا۔

﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ﴾ 281

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : آخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ . (الطبری : ٥ / ٦٧)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں ''آخری آیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، وہ ﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ﴾ ہے۔''

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ ... شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ﴾ 282

یہ قرآن کی سب سے بڑی آیت ہے اور اسے ''آیت مداینہ'' یا ''آیت الدین'' کہا

جاتا ہے۔اس میں پچاس احکام ہیں جن کا تعلق معاملات بین الخلق سے ہے۔

﴿ اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ ﴾ دَین اور قرض میں فرق ہے۔دَین میں مدت کا مقرر کرنا واجب ہے۔عام ازیں مدت معلوم ہو یا مجہول ہو۔اس کے برعکس قرض میں مدت کا متعین کرنا صحیح نہیں کیونکہ قرض ابتداءً اعارہ ہے اور انتہاءً معاوضہ ہے۔

قرض کا صحیح طریقہ : قرض میں اصولی طور پر تین باتیں ہیں : ① لکھ لینا، ② مدت مقرر کرنا، ③ گواہ بنالینا۔

(سوال) گواہی میں ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتیں کیوں؟

(جواب) عورت فطرتاً منفعل مزاج ہے، یا مرد کے مقابلے کم حوصلہ ہے۔ وہ امور خانہ داری میں ماہر ہوتی ہیں۔ مالیاتی نظام کی باریکیوں سے زیادہ واقف نہیں ہوتیں۔قاضی کے سامنے جب ایک عورت بوکھلا جائے تو دوسری ڈھارس بندھائے۔وکیل کی جرح کے موقع پر اصل موقف سے پھسل جانا ممکن ہے۔ایک پھسلنے لگے تو دوسری سنبھال لے۔یہ مطلب نہیں کہ عورت آدھی انسان ہے، یا حقیر یا کم درجے کی ہے۔

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ ... تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ 283

﴿ فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ﴾ سفر میں کوئی چیز ادھار خریدنا چاہیں تو بائع کے پاس تحفظ کے طور پر کوئی چیز رہن رکھ دیں۔بائع قبضہ کرے گا، مگر وہ اس میں (مقبوضہ میں) تصرف نہیں کرے گا، بشرطیکہ سفر میں اس وقت کاتب یا گواہ دستیاب نہ ہو۔اگر کاتب موجود ہو تو گروی رکھنا جائز نہیں۔(شے مرہون سے انتفاع جائز نہیں۔)

نکتہ : ﴿ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ﴾ جب کسی فعل کی نسبت کسی عضو کی طرف کی جاتی ہے تو تاکید زیادہ ہوتی ہے، جیسے کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اپنے کانوں سے سنا اور دل اشرف اعضاء ہے۔اس کا فعل باقی اعضاء کی بہ نسبت زیادہ عظیم ہے۔شہادت چھپانے کا تعلق زبان سے ہے۔یہ گمان نہ کیا جائے۔گناہ کا اصل سرچشمہ، دل ہے۔یا یہ مطلب ہے کہ گناہ کا اثر قلب میں ظاہر ہوتا ہے۔

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ... شَيْءٍ قَدِيْرٌ○﴾ 284

ہر چیز مملوک ہے۔ وہ اپنی مملوک کو جس چیز کا چاہے مکلف کرے۔

عقائد کے ماننے کا تعلق دل سے ہے اور جن احکام پر عمل کا مکلف کیا ہے، ان کی سزا یا جزا کا مدار ہماری نیتوں پر ہے۔

ہاجس : کسی چیز کا اچانک خیال آئے۔

خاطر : کسی چیز کا بار بار خیال آئے۔

حدیث نفس : ذہن اس کی طرف راغب ہو۔

ھم : حاصل کرنے کی جانب غالب ہو اور نہ کرنے کی مغلوب ہو کہ حاصل نہ کیا جائے۔

عزم : پختہ ارادہ کرلے۔

پہلے کے چار مرتبوں میں مواخذہ نہیں۔ پانچویں (عزم) پر مواخذہ ہے۔

مثال : کسی شخص کا ایک دشمن ہے۔ اس کے قتل کا خیال :

① آجائے تو یہ ہاجس ہے۔

② بار بار آئے تو یہ خاطر ہے۔

③ اس کے قتل کی طرف راغب ہو تو یہ حدیث نفس ہے۔

④ قتل کروں گا مگر کہیں پکڑا نہ جاؤں، اس لیے نہ کروں تو بہتر ہے، یہ ھم ہے۔

⑤ طے کرلے کہ قتل کرنا ہے، یہ عزم ہے۔

نکتہ : مَشِيْئَةُ اللّٰهِ نَافِذَةٌ وَغَالِبَةٌ عَلَى الْأَسْبَابِ. (اللہ کی مشیت نافذ اور اسباب پر غالب ہے۔)

سوال مَتٰى تَنْفَعُ الْأَسْبَابُ؟ (اسباب کب فائدہ دیتے ہیں؟)

جواب عِنْدَمَا لَا تُعَارِضُ مَشِيْئَةَ اللّٰهِ، فَإِنْ وُجِدَتِ الْمَشِيْئَةُ اِضْمَحَلَّ كُلُّ سَبَبٍ. (جب وہ اسباب، اللہ کی مشیت سے متصادم نہ ہوں۔ پس

جب مشیت پائی جائے تو ہر سبب ختم ہو جاتا ہے۔)

دلیل : ﴿ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ ﴾ (الانبیاء : ۲۱ / ۶۹)

''ہم نے کہا، اے آگ! تو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔''

284 ﴿ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

سوال یہاں سورۂ بقرہ میں ﴿ فَيَغْفِرُ ﴾ کو مقدم کیا گیا ہے، جبکہ سورۂ مائدہ کی آیت ﴿ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ یعنی یہاں ﴿ يُعَذِّبُ ﴾ کو مقدم کیا گیا ہے۔ کیوں؟

جواب لِاَنَّهَا نَزَلَتْ فِىْ حَقِّ السَّارِقِ وَالسَّارِقَةِ وَعَذَابُهُمَا يَقَعُ فِى الدُّنْيَا فَقُدِّمَ لَفْظُ الْعَذَابِ ، وَفِىْ غَيْرِهَا قُدِّمَ لَفْظُ الْمَغْفِرَةِ تَرْغِيْبًا لِلْعِبَادِ فِى الْمُسَارَعَةِ اِلٰى مُوْجِبَاتِ الْمَغْفِرَةِ . (کیونکہ یہ آیت چور مرد اور چور عورت کے حق میں نازل ہوئی ہے اور ان کی سزا دنیا ہی میں واقع ہوتی ہے، اس لیے لفظ ''عذاب'' کو مقدم رکھا گیا، جبکہ اس کے علاوہ آیات میں لفظ ''مغفرت'' کو مقدم رکھا گیا تا کہ بندوں کو مغفرت کو واجب کرنے والے اعمال کی طرف تیزی سے بڑھنے کی ترغیب دی جا سکے۔)

285 ﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ ... وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ ... ﴾ اور ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ ... ﴾ یہ دو آیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں سدرۃ المنتہیٰ پر دی گئیں۔

غفران اور مغفرت میں فرق : پورے قرآن حکیم میں ''غفران'' صرف ایک جگہ اسی آیت میں آیا ہے۔ ''غفران'' میں مغفرت کی طلب کی صرف ایک جہت ہوتی ہے اور وہ اللہ ہے، جیسا کہ ﴿ رَبَّنَا ﴾ سے ظاہر ہے۔ اور ''مغفرت'' مغفرت کی طلب کے لیے نہیں آتا بلکہ غیر طلب کے لیے بھی آتا ہے اور یہ اللہ کے ساتھ خاص نہیں ہے اور اس کی جہتیں متعدد ہیں، جیسے ﴿ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ ﴾ ''اچھی بات کہنا اور معاف کر دینا۔''

عجیب ترتیب :

① پہلے انسان وجود صانع پر استدلال کرتا ہے۔

② ملائکہ، انسان اور اللہ کے درمیان واسطہ ہیں۔

③ کتاب، فرشتے لاتے ہیں، وحی کرتے ہیں۔

④ وحی، رسولوں پر اترتی ہے۔

286 ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ...﴾

آپ ﷺ کو دونوروں کی خوش خبری دی گئی، سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات۔

اس سے پہلے مخلص مومنوں کی صفات اور ان کے اعمال کی کیفیت کا ذکر تھا۔ اب بندوں کے اعمال کے احکام میں سے دو حکم بیان فرمائے گئے۔

① طاقت سے زیادہ کام کا مکلف نہیں کرتا۔

② اس کے پاس ایک کتاب ہے جس میں بندوں کے اعمال محفوظ ہیں اور وہ کتاب حق کے ساتھ کلام کرتی ہے۔

③ ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ظلم اس وقت متصور ہوتا جب انھیں جرم سے زیادہ سزا دی جائے، یا انھیں ان کی نیکی سے کم ثواب دیا جائے اور طاقت سے زیادہ کام وہی دے سکتا ہے جو بندوں کی طاقت سے بے خبر ہو۔

کسب اور اکتساب میں فرق :

......کسب عام ہے، خواہ وہ کام اپنے لیے کرے یا دوسرے کے لیے۔

......اکتساب اس کام کے کرنے کو کہتے ہیں جو صرف اپنے لیے کیا جائے۔

ملحوظہ : سورۂ بقرۂ نکات سے بھرپور ہے۔ صرف آیت دین (نمبر ۲۸۲) میں پچاس احکام ہیں۔

سورۂ آل عمران

① آل عمران سے مراد عیسیٰ علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، مریم واُمہا ہیں اور عمران سے مراد حضرت مریم کے والد ہیں جن کا نسب ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

② اس آیت کی ابتدائی ۸۳ آیات وفد نجران کے بارے میں نازل ہوئیں۔ یہ ۳ھ میں آئے جو چودہ آدمی تھے۔ تین نمایاں تھے: (۱) عاقب، (۲) عبدالمسیح، (۳) ابو حارثہ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے خدا ہونے پر مناظرہ ہوا۔

③ امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس سورت کی شروع کی تقریباً ۸۳ آیتیں وفد نجران کے سبب نازل ہوئیں۔ یہ عصر کے بعد آئے۔ ان پر ثیاب جمیلہ (خوب صورت کپڑے) تھے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم نے جمال وجلال میں ایسا وفد نہیں دیکھا۔ نماز کا وقت ہوا تو انھوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ﴿ دَعُوْهُمْ ﴾ "انھیں چھوڑ دو۔" یہ کئی دنوں تک ٹھہرے رہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناظرہ کیا۔ (تفسير القرطبي : ٤ / ٤)

④ اس سورت کے نصف ثانی میں غزوۂ احد کا بیان ہے۔ غزوۂ احد کے بارے میں ایسی تفصیل کسی اور سورت میں نہیں پائی جاتی۔

⑤ اس سورت میں دو غزوات کا ذکر ہے، غزوۂ بدر اور غزوۂ احد۔ اس میں اَسْبَابُ الْاِنْتِصَارِ فِیْ غَزْوَةِ بَدْرٍ وَاَسْبَابُ الْعَزِیْمَةِ فِیْ غَزْوَةِ اُحُدٍ (غزوۂ بدر میں فتح کے اسباب اور غزوۂ احد میں شکست کے اسباب) کا بیان ہے تا کہ مستقبل میں وہ ایسا راستہ اختیار کریں جو ظفر (کامیابی) کی طرف لے جاتا ہے اور ایسا راستہ چھوڑ دیں جو فشل (ناکامی) کی طرف لے جاتا ہے۔

⑥ پھر ان شہداء کی فضیلت بیان کی گئی جو احد میں شہید ہوئے۔ جو غازی تھے، ان کی بھی تعریف فرمائی گئی۔ ﴿ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ ... ﴾

⑦ اس سورت میں چار نداءات (آیت نمبر ۶۴، ۶۵، ۷۰، ۷۱) اہل کتاب کے لیے

ہیں جن میں انھیں صرف اللہ کی عبادت کی دعوت دی گئی اور ترک جدال (بحث ومباحثہ کے ترک) کی بھی دعوت دی گئی جس میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

⑧ اس میں سات نداءات ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ مومنین کے لیے ہیں جن میں انھیں صبر اور تقویٰ کا حکم دیا اور جن نداءات میں تربیت فاضلہ (بہترین تربیت) اور توجیہ قویم (صحیح رہنمائی) ہے۔

⑨ پھر سورت کریمہ کے آخر میں اولوا الالباب کی دعوات خاشعات (خضوع وخشوع کے ساتھ کی جانے والی دعائیں) ہیں۔ پھر ان کا جواب ہے۔ ﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ ... ﴾ ''ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ کا واقعہ : کہتے ہیں کہ جس وقت تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا، اس وقت میں موجود تھا۔ وہ جس مسلمان کو دیکھتے، اسے قتل کر دیتے۔ مجھے دو تاتاریوں نے دیکھ لیا۔ دونوں کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ میں بھاگا، انھوں نے میرا تعاقب کیا۔ میں تھک کر ایک جگہ بیٹھ گیا اور سورۂ یاسین کی آیت ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا ... ﴾ پڑھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ دونوں میرے پاس آئے۔ ایک دائیں سے گزر گیا اور ایک بائیں سے اور دونوں مجھے نہیں دیکھ سکے۔

1-2 ﴿ الٓمّٓ ○ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ○ ﴾

یہ بھی قرآن کا ایک اعجاز ہے کہ جن سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات ہیں، ان سورتوں میں دوسرے حروف کی بہ نسبت انھیں حروف کی تکرار زیادہ پائی جاتی ہے۔ مثلاً سورۂ ق حرف ''ق'' سے شروع ہوتی ہے تو اس سورت میں حرف ''ق'' کی تکرار زیادہ ہے۔

6 ﴿ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ﴾

ماں کے رحم میں تین تاریکیوں میں تُو اس پر مخفی نہیں تھا، پھر زمین کے اوپر اس پر مخفی کیسے رہ سکتا ہے!

ارشاد ہے: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴾ (آل عمران: ۳ / ۵) ''بے شک اللہ سے زمین اور آسمان میں کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔''

انسان اپنی خلقت کو دیکھے۔ اِنَّهُ كَانَ لَا يَمْلِكُ لِنَفْسِهِ اخْتِيَاراً. (وہ اپنے لیے کسی اختیار کا مالک نہیں تھا۔) وہ محض اللہ کے لطف وکرم پر تھا۔

اَلصُّوْرَةُ الْفُوْتُوْ غَرَافِيَّةُ مَحَلُّ خِلَافٍ مُعْتَبَرٍ، وَالْاَظْهَرُ جَوَازُهَا بِشَرْطَيْنِ: الْاَوَّلُ: اَنْ لَا يَتَدَخَّلَ فِيْهَا اَحَدٌ بِتَغْيِيْرٍ فَتَخْرُجُ عَنْ خَلْقَتِهَا الطَّبِيْعِيَّةِ، الثَّانِيْ: اَنْ لَا تُنْصَبَ. (فوٹو گرافک تصویریں ایک معتبر اختلاف کا مقام ہیں۔ زیادہ راجح قول یہ ہے کہ وہ دو شرطوں کے ساتھ جائز ہیں: پہلی یہ کہ کوئی شخص اس میں تبدیلی کر کے اسے اس کی فطری ساخت سے باہر نہ نکالے۔ دوسری یہ کہ اسے نصب نہ کیا جائے۔) تا کہ آگے چل کر یہ بت پرستی کا سبب نہ بن جائے۔

7 ﴿ هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ ... اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾

﴿ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ﴾ متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹایا جائے گا۔

اَلْآيَاتُ الْمُتَشَابِهَةُ مَهْمَا كَثُرَتْ تُحْمَلُ عَلَى الْآيَاتِ الْمُحْكَمَةِ مَهْمَا قَلَّتْ. (متشابہ آیات چاہے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، انھیں محکم آیات کی طرف پھیرا جائے گا، چاہے وہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہوں۔)

﴿ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ ﴾ نبی اکرم ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا فرمائی: ﴿ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، وَعَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ ﴾ (مسند احمد: حدیث ۳۰۳۲، ۳۱۰۲) ''اے اللہ! اسے دین میں فقاہت نصیب فرما اور اسے تاویل (تفسیر) کا علم عطا فرما۔'' معلوم ہوا کہ تاویل کا علم راسخین فی العلم کو ہوتا ہے۔

اللہ نے راسخون فی العلم کی مدح کی جو محکم قرآن ومتشابہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے خالق کے سامنے تضرع کرتے ہیں : ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ○ ﴾ ''اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر۔ بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے۔''

13 ﴿ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴾

اعتبار کا لفظ ''عبور'' سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے، ایک چیز کا دوسری چیز کی طرف تجاوز کرنا۔ آنسو کو بھی عبرۃ کہتے ہیں کیونکہ وہ آنکھ سے تجاوز کرتا ہے۔ خواب کی تاویل کو تعبیر کہتے ہیں کیونکہ تعبیر بتانے والا مخیل سے معقول کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ الفاظ کو عبارات کہتے ہیں کیونکہ بولنے والے کی زبان، سننے والے کی طرف معانی کو منتقل کرتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سعید وہ شخص ہے جو دوسرے سے عبرت حاصل کرے کیونکہ اس کی عقل دوسرے کے حال سے اپنے حال کی طرف منتقل ہوتی ہے، اس لیے مفسرین نے اعتبار کی تفسیر میں کہا ہے کہ حقائق اشیا اور ان کی دلالت کی وجوہ میں غور وفکر کرنا تا کہ اس سے اس کی جنس کی دوسری چیز حاصل ہو، اسے اعتبار کہتے ہیں۔

14 ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ ... حُسْنُ الْمَآبِ ○ ﴾

اس آیت میں ان چیزوں کا تذکرہ ہے جن سے عام طور پر لوگ بڑی محبت کرتے ہیں۔

فِتَنُ الدُّنْيَا وَشَهَوَاتُهَا كَثِيرَةٌ ، وَمِنْ أَعْظَمِهَا خَطَرُ النِّسَاءِ .

(دنیا کے فتنے اور اس کی خواہشات بہت زیادہ ہیں اور ان میں سب سے بڑا خطرہ عورتیں ہیں۔) اسی وجہ سے ان کا ذکر پہلے کیا گیا۔

أَعَدَّ اللّٰهُ لِلْمُؤْمِنِينَ الصَّادِقِينَ خَيْرٌ مِنْ شَهَوَاتِ الدُّنْيَا .

(اللہ تعالیٰ نے سچے مومنوں کے لیے دنیا کی ان تمام خواہشات سے بہتر چیزیں تیار کر رکھی ہیں۔)

شَهَوَاتُ الْاِنْسَانِ مُبْتَدَاً بِالْاَقْوٰی وَتَتَدَرَّجُ نُزُوْلًا . (انسان کی خواہشات کی ابتدا اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ہوتی ہیں۔)

اللہ کے نزدیک ترتیب اس کے برعکس ہے۔ادنیٰ سے شروع ہوکر اعلیٰ کی طرف جاتی ہیں۔

طالبین دنیا کی تمناؤں کی حد اور آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے والوں کی انتہا، سات چیزیں ہیں :

① ﴿ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ عورت جو اَعْظَمُهَا فِتْنَةً (سب بڑا فتنہ) ہے۔

② ﴿ وَالْبَنِیْنَ ﴾ بیٹے جو باعث فخر وعزت ہیں۔ان سے آدمی کا کمال اور فخر وعزت ہے۔

③ ﴿ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ﴾ سونا و چاندی جو شہوات کے مادے ہیں۔

④ ﴿ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ ﴾ جو ان کے مالکوں کے لیے عزت وفخر ہیں۔اپنے دشمنوں کے لیے آلۂ قہر اور ان سے بھاگنے کا آلہ ہیں۔

⑤ ﴿ وَالْاَنْعَامِ ﴾ انعام، سواریاں، طعام، لباس، سامان وغیرہ۔

⑥ ﴿ وَالْحَرْثِ ﴾ مَادَّةُ قُوْتِهِمْ وَقُوْتُ اَنْعَامِهِمْ وَدَوَاؤُهُمْ وَفَاكِهَتُهُمْ وَاَدْوِیَتُهُمْ . (ان کی خوراک کا سامان، ان کے چوپایوں کی خوراک، ان کی دوا، ان کے پھل اور ان کی ادویات۔)

⑦ ﴿ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾ پھر فرمایا کہ یہ متاع قلیل ہے۔

اعلیٰ واقویٰ سے تدرج، ادنیٰ کی طرف۔پھر اللہ عزوجل کے نزدیک یہ ترتیب الٹی ہے۔

15 ﴿قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ ... وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۝﴾

پھر متاع باقی کی رغبت دلائی۔ اس کے بعد ذکر کیا کہ اس جنت کے مستحق کون ہیں؟
فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ﴾ ”جو لوگ کہتے ہیں، اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے، پس تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“

﴿ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ نَيْلُ الْجَنَّةِ لَا يَكُوْنُ بِغَيْرِ رِضَا اللّٰهِ. (جنت کا حصول اللہ کی رضامندی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔)

ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف۔ جنات، اس کی نعمتیں، رضوان اللہ، یہ سب سے اعلیٰ اور اہم ہیں۔

18 ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ...﴾

توحید کی گواہی پر ہے۔ فَاللّٰهُ قَائِمٌ بِالْعَدْلِ فِيْ هٰذِهِ الشَّهَادَةِ. (پھر اللہ اس گواہی میں انصاف پر قائم ہے۔) جو اعدل شہادت (سب سے زیادہ عادلانہ گواہی) ہے اور اس کا انکار اظلم الظلم (سب سے بڑا ظلم) ہے۔

پھر دیگر اوامر اس شہادت کی تکمیل کے لیے ہیں اور نواہی اس شہادت کی حفاظت کے لیے ہیں۔

جنوں اور انسانوں کو اللہ نے اسی توحید (عبادت) کے لیے پیدا کیا ہے۔

فرشتوں اور اہل علم نے دو گواہیاں دیں:

...... وہ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ہے۔

...... ﴿ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ﴾ ہے۔

① یہاں ﴿ وَاُولُوا الْعِلْمِ ﴾ کی فضیلت ظاہر ہے کیونکہ گواہی میں تمام انسانوں میں انھیں کو لایا گیا۔

② اِقْتِرَانُ شَهَادَتِهِمْ بِشَهَادَتِهٖ . (اللہ نے اپنی گواہی کے ساتھ اہل علم کی گواہی کو مقارن کیا۔)

③ اِقْتِرَانُهَا بِشَهَادَةِ الْمَلَائِكَةِ . (پھر فرشتوں کی گواہی کو اس گواہی کے ساتھ ملایا۔)

④ اس کے ضمن میں ان کے عادل ہونے کی گواہی ہے کیونکہ اللہ گواہی میں عدول ہی کو پیش کرے گا۔

﴿الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اَلَّذِیْ اِذَا اَمَرَ بِاَمْرٍ كَانَ الْمَاْمُوْرِ بِهٖ حَسَناً فِیْ نَفْسِهٖ ، وَاِذَا نَهٰى عَنْ شَیْءٍ كَانَ الْمَنْهِیُّ عَنْهُ قَبِیْحاً فِیْ نَفْسِهٖ ، وَاِذَا اَخْبَرَ بِخَبَرٍ كَانَ صِدْقاً ، وَاِذَا فَعَلَ فِعْلاً كَانَ صَوَاباً . (وہ اللہ ایسا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا حکم دیتا ہے تو وہ چیز اپنی ذات میں اچھی ہوتی ہے اور جب وہ کسی چیز سے منع فرماتا ہے تو وہ چیز اپنی ذات میں بری ہوتی ہے اور جب وہ کوئی خبر دیتا ہے تو وہ سچ ہوتی ہے اور جب وہ کوئی کام کرتا ہے تو وہ درست ہوتا ہے۔)

19 ﴿اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْياً بَيْنَهُمْ ...﴾

اَحَدُ اَهَمِّ اَسْبَابِ الْخِلَافِ وَاَخْطَرِهَا هُوَ الْبَغْیُ ، وَرَغْمَ مَا اُوْتِیَ الْاَحْبَارُ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اَنَّ الْخِلَافَ قَدْ وَقَعَ بَيْنَهُمْ بِسَبَبِ هٰذَا الْبَغْیِ فِی الْاَسَاسِ . (اختلاف کی سب سے اہم اور خطرناک وجوہ میں سے ایک وجہ سرکشی وزیادتی ہے۔ باوجود اس کے کہ یہودی علماء کو علم دیا گیا تھا، پھر بھی ان کے درمیان اسی سرکشی کی وجہ سے بنیادی طور پر اختلاف واقع ہوا۔)

31 ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

حُبُّكَ الْحَقِيْقِیُّ اِنَّمَا هُوَ بِالْاِتِّبَاعِ لَا بِالْاِبْتِدَاعِ . (آپ سے حقیقی محبت درحقیقت آپ کی اتباع میں ہے، نہ کہ ابتداع (بدعت) میں۔)

وَاعْلَمْ اَنَّ مَحَبَّةَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ لَا تَتِمُّ اِلَّا بِمُتَابَعَةِ الرَّسُوْلِ .
(جان لو کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت مکمل نہیں ہوتی۔)

لَوْ خَالَفَ الْعَبْدُ جَمِيْعَ الْخَلْقِ وَاتَّبَعَ الرَّسُوْلَ مَا سَئَلَهُ اللّٰهُ عَنْ مُخَالَفَةِ اَحَدٍ . (مجموع الفتاوی : ١٦ / ٥٢٩) "اگر بندہ دنیا کے تمام لوگوں کی مخالفت کرے اور صرف رسول کی پیروی کرے تو اللہ اس سے کسی کی مخالفت کے بارے میں نہیں پوچھے گا۔"

35 ﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ ...﴾

ام مریم کی تمنا تھی کہ ان کے بطن سے لڑکا پیدا ہو۔ انھیں معلوم نہیں تھا کہ لڑکی کتنی بابرکت ہوتی ہے کہ اس کے بطن سے نبی (عیسیٰ علیہ السلام) جنم لے۔ وہ نبی کی ماں ہوگی۔

36 ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ ...﴾

رَفَعَ سُبْحَانَهُ قَدْرَهَا (اَیْ قَدْرَ الْبِنْتِ) ، فَقَالَ : وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ . (اللہ تعالیٰ نے لڑکی کے مرتبے کو بلند کیا اور فرمایا "اور لڑکا، لڑکی کے مثل نہیں ہے۔") یعنی لڑکا، لڑکی کی طرح نہیں ہوتا۔

39 ﴿اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقاً بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾

هُوَ مُكَوَّنٌ مِنْ كَلِمَةِ : كُنْ ، وَلَمْ يَكُنْ تِلْكَ الْكَلِمَةَ ، وَاِنَّمَا كَانَ بِهَا . (وہ "کن" کے لفظ سے بنا ہے، لیکن وہ خود کلمہ نہیں تھا بلکہ وہ اس کلمہ کے ذریعے بنا تھا۔)

40 ﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلَامٌ ...﴾

غلام اور ولد میں فرق : اَلْغُلَامُ : هُوَ مَا دُوْنَ التَّاسِعَةِ ، وَالْوَلَدُ : كُلُّ مَوْلُوْدٍ . (غلام اس بچے کو کہتے ہیں جو نو سال سے کم عمر کا ہو، جبکہ ولد ہر پیدا ہونے والے بچے کو کہتے ہیں۔)

اللہ، ضعف سے قوت کو پیدا کرتا ہے۔

47 ﴿قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾

تخلیق کی چار صورتیں ہیں :

① مرد اور عورت دونوں سے نہ ہو، جیسے آدم علیہ السلام۔

② صرف مرد سے ہو، جیسے حوا۔

③ صرف عورت سے ہو، جیسے مریم۔

④ مرد اور عورت دونوں سے ہوں، جیسے عام انسانوں کی پیدائش۔

49 ﴿وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ﴾

﴿الْاَكْمَهَ﴾ کے دو معانی ہیں :

① مَنْ وُلِدَ اَعْمَى . (وہ جو پیدائشی نابینا ہو۔)

② مَنْ اَصَابَهُ الْعَمَى بَعْدَ فَتْرَةٍ مِنْ وِلَادَتِهِ . (وہ جسے پیدائش کے کچھ عرصے بعد نابینا پن لاحق ہوا ہو۔)

﴿اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ﴾ لغت میں خلق کے دو معنی ہیں۔ایک معنی اَلْاِيْجَادُ مِنَ الْعَدَمِ (عدم سے وجود میں لانا) ہے۔یہ اللہ کے لیے خاص ہے۔دوسرا معنی تَصْوِيْرُ الشَّيْءِ (کسی چیز کی صورت گری کرنا) ہے۔یہ معنی غیر اللہ پر بھی بولا جاسکتا ہے۔یعنی میں مٹی سے چڑیا کی شکل (تصویر) بناتا ہوں۔

55 ﴿يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾

موت پر ''وفات'' کا اطلاق اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ موت کے ذریعے زندگی کی موت پوری ہوجاتی ہے اور نیند بھی موت کی بہن ہے کیونکہ نیند میں بھی اعصاب ڈھیلے ہوجاتے ہیں اور حواس و مشاعر معطل ہوجاتے ہیں، اس لیے نیند پر بھی وفات کا اطلاق کردیا جاتا ہے۔(المفردات)

امام رازی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے عیسیٰ! میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو زمین پر نہیں چھوڑوں گا تاکہ وہ آپ کو قتل کردیں بلکہ اپنی

طرف اٹھا لوں گا۔ اس کی دلیل ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ○ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ﴾ ہے۔

﴿ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ﴾ عیسائیوں کو کافروں پر ہمیشہ غلبہ رہے گا اور اہل کتاب ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہیں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام کے عبد ہونے اور رسول ہونے پر ایمان لے آئیں گے۔

59 ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ﴾

آدَمُ : قَدْ جَاءَ بِغَيْرِ اَبٍ وَلَا اُمٍّ فَقَطْ بِكَلِمَةِ كُنْ ، وَالْمَسِيْحُ : قَدْ جَاءَ اِلَى الدُّنْيَا بِغَيْرِ اَبٍ بِكَلِمَةِ كُنْ . (آدم علیہ السلام بغیر باپ اور ماں کے صرف کلمہ ''کن'' کے ذریعے آئے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی دنیا میں بغیر باپ کے کلمہ ''کن'' کے ذریعے آئے۔)

فَلِمَاذَا اُلِّهَ الْاٰخِيْرُ وَلَمْ يُؤَلَّهِ الْاَوَّلُ . (پھر آخری یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں معبود بنایا گیا اور پہلے یعنی آدم علیہ السلام کو معبود کیوں نہیں بنایا گیا؟)

کلمہ ﴿ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ﴾ سے نصاریٰ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں، مگر وہ ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ ﴾ بھول جاتے ہیں۔

آدم وعیسیٰ علیہما السلام کی تخلیق کے درمیان وجوہ مماثلت :

① دونوں کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی۔ ② دونوں نبی ہیں۔

③ آدم علیہ السلام اوپر سے نیچے آئے اور عیسیٰ علیہ السلام نیچے سے اوپر گئے۔

④ آدم علیہ السلام کے بارے میں ﴿ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ﴾ ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ﴿ فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ﴾ ہے۔

⑤ دونوں کھاتے پیتے تھے۔ ⑥ دونوں کے لیے موت مقدر ہے۔

اور یہ چیزیں الوہیت کے منافی ہیں، لہٰذا دونوں الٰہ نہیں ہو سکتے۔

61 ﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ ...﴾

﴿نَبْتَهِلْ﴾ کا نکتہ : محمد ﷺ کو اپنی نبوت کا یقین تھا، ورنہ مباہلے کی دعوت نہ دیتے۔

ابتہال کا معنی، عاجزی کے ساتھ دعا کرنا، یا لعنت کرنا ہے۔

مباہلے کا طریقہ : اے اللہ! ہم میں سے جو فریق جھوٹا ہے، اس پر لعنت فرما۔

66 ﴿فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ...﴾

بگ بینگ (Big Bang) سے پہلے کچھ نہیں تھا۔ کیا تم نے جا کر دیکھا تھا؟ کیسے معلوم ہوا کہ بگ بینگ سے پہلے کچھ نہیں تھا؟

79 ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ ... وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ○﴾

بشر، انسان اور آدمی میں فرق :

ان تینوں لفظوں میں فرق اعتباری ہے۔

......ظاہری کھال اور چہرے مہرے کے اعتبار سے ''بشر'' کہتے ہیں۔

......حقیقت کے اعتبار سے ''انسان'' کہتے ہیں۔

......نسل اور نسب کے اعتبار سے ''آدمی'' کہتے ہیں۔

﴿كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ حصول علم اور تعلیم کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ربانی بن جائے۔ یعنی اس کا تعلق رب سے ہو جائے۔

81 ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ...﴾

قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَابْنُ عَمِّهٖ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا : مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ اِلَّا اُخِذَ عَلَيْهِ الْمِيْثَاقُ ، لَئِنْ بَعَثَ مُحَمَّداً وَهُوَ حَيٌّ لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ وَلَيَنْصُرَنَّهُ ، وَاَمَرَه اَنْ يَاْخُذَ الْمِيْثَاقَ عَلٰى اُمَّتِهٖ : لَئِنْ بُعِثَ مُحَمَّدٌ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَهُمْ اَحْيَاءٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَيَنْصُرُنَّهُ . (تفسیر ابن

کثیر : ۲ / ٦٧) علی رضی اللہ عنہ اور ان کے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجے تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپ پر ایمان لائے، آپ کی امداد کرے اور اپنی امت کو بھی وہ یہی تلقین کرے کہ وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کی تابع داری میں لگ جائے۔“

90 ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ ... وَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ○﴾

﴿عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ : قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَقْرِي الضَّيْفَ ، وَيَفُكُّ الْعَانِيَ ، وَيَصِلُ الرَّحِمَ ، وَيُحْسِنُ الْجِوَارَ ، فَاَثْنَيْتُ عَلَيْهِ ، فَهَلْ يَنْفَعُهُ ذٰلِكَ ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا ، اِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْماً قَطُّ : اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ﴾ (مسند احمد : حديث ۲٤٨٩٢ ، وصحيح مسلم) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے) پوچھا ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ بن جدعان زمانۂ جاہلیت میں مہمان نوازی کرتا، قیدیوں کو چھڑاتا، صلہ رحمی کرتا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا۔ کیا یہ چیزیں اسے فائدہ پہنچا سکیں گی؟“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”عائشہ! نہیں، اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ پروردگار! روز جزا کو میری خطائیں معاف کر دینا۔“

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ﴾ ”وہی لوگ گمراہ ہیں۔“

سوال آیت کریمہ میں حصر ہے، حالانکہ ان کے علاوہ دیگر کفار بھی گمراہ ہیں۔ پھر حصر کیوں کر صحیح ہوگا!

جواب جو لوگ بار بار کفر کریں، وہ مکمل گمراہ ہیں، اگرچہ دوسرے بھی گمراہ ہیں۔

ایمان کے قبول ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے انسانوں کی تین قسمیں ہیں :

① کافر تھا اور کفر ہی پر مرا۔

② اسلام قبول کرنے کے بعد کافر ہو جائے اور تادم مرگ (مرتے دم تک) کفر پر قائم رہے اور کفر ہی پر مرے۔

③ کافر تھا۔ موت دیکھ کر توبہ کی، یا صرف زبان سے توبہ کی اور دل سے توبہ نہیں کی۔

پارہ نمبر ۴

92 ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾

لَنْ تَصِلَ اِلٰى دَرَجَةِ الْاَبْرَارِ الَّتِىْ قَالَ اللّٰهُ فِيْهِمْ : اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۚ . (تم ہرگز ابرار (نیکوکاروں) کے درجے تک نہیں پہنچ سکو گے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ''بے شک نیک لوگ ضرور نعمتوں میں ہوں گے۔'')

﴿ الْبِرَّ ﴾ اسی سے ''بَرّ'' ہے جو بحر کے مقابلے میں ہے۔ وسعت کے معنی میں ہے۔

فعل خیر میں توسع ''بِرّ'' ہے۔

اَلْبِرُّ مُرْتَفَعٌ لَنْ تَصِلَهُ حَتّٰى تَطَاَ عَلٰى مَحْبُوْبَاتِكَ . (نیکی ایک مقام بلند ہے۔ تم اس تک نہیں پہنچ سکو گے جب تک اپنی محبوب چیزوں کو پامال نہ کر دو۔)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ : يَعْنِى الْجَنَّةَ ، قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَمُجَاهِدٌ وَعُمَرُ بْنُ مَيْمُوْنٍ وَالسُّدِّىُّ . (ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عمر بن میمون اور سدی کہتے ہیں کہ یہاں بر سے مراد جنت ہے۔)

﴿ مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ مال محبوب سے مراد وہ مال ہے کہ انسان کو خود اس مال کی ضرورت ہو، یا جس چیز کی طرف نفس کا میلان ہو۔

یہاں ''من'' تبعیضیہ ہے۔ اپنی تمام پسندیدہ چیزوں کو دینا ضروری نہیں۔ یعنی بعض مرتبہ یہ مال محبوب خرچ کرے تو اس کا شمار ابرار میں ہوگا۔

''من'' بیانیہ ہو تو اس سے مراد قابل استعمال چیزیں ہیں۔ یعنی جب تک وہ تمہارے نزدیک پسندیدہ ہوں، ناپسندیدہ چیز خرچ نہ کی جائے۔ یعنی خرچ کی جانے والی چیز لائق استعمال ہو۔ ردی، سڑی ہوئی اور خراب نہ ہو، جیسے پھٹا کپڑا وغیرہ۔

ارشاد ہے : ﴿ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ ﴾ (الانسان : ٧٦ / ٨) ''اور وہ کھانا......اس کی محبت کے باوجود...... مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔''

﴿ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴾ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ کس وجہ سے خرچ کیا ہے؟ خرچ کا محل کیا ہے؟ اخلاص سے یا نام نمود کے لیے؟ عمدہ چیز یا ردی چیز خرچ کر رہے ہو؟ اسی اعتبار سے اللہ جزا دے گا۔

نکتۂ عجیبہ : پہلی والی آیت (نمبر ۹۱) میں ذکر تھا کہ کافر روئے زمین کے برابر سونا بھی صدقہ کر دے تو مقبول نہ ہوگا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ پھر کون سا صدقہ ہوگا؟ صدقہ بر ہے اور ابرار کا صدقہ قبول ہوگا اور نیکی بہت حاصل ہوگی جب مال محبوب صدقہ کیا جائے۔

......کس کا قبول ہوگا؟ ابرار کا۔

......کس کا قبول نہ ہوگا؟ کافر کا۔

......کون سا صدقہ قبول ہوگا؟ مال محبوب۔

﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ... ﴾ 93

﴿ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴾ جو ابراہیم علیہ السلام سے لے کر آج تک حلال چلے آرہے تھے۔ ﴿ الطَّعَامِ ﴾ میں الف لام (ال) استغراق کے لیے نہیں بلکہ عہد کے لیے ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ خنزیر و مردار وغیرہ بھی حلال تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امی تھے، اس کے باوجود بتایا کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کر لیا تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

کسی چیز کو شرعاً حلال و حرام کرنا بالاستقلال اللہ کا اختیار ہے۔ وہ مستقل شارع ہے۔ اللہ کے حکم سے نبی بھی حرام کر سکتا ہے۔ ﴿ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ﴾ (الاعراف : ٧ / ١٥٧) ''اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام ٹھہراتا ہے۔''

﴿ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرٰةِ ﴾ یہ بھی محمد ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔ اونٹ کے گوشت کا حرام ہونا اگر ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے چلا آرہا ہے تو تورات میں نکال کر دکھاؤ، لیکن تورات میں ان کے دعوے کے مطابق یہ بات نہیں تھی۔

95-96 ﴿ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ... وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ ○ ﴾

ملت ابراہیم پر عمل کرنے کا حکم دیا اور ملت ابراہیم کا سب سے بڑا اشعار، حج ہے۔

یہود و نصاریٰ دونوں حج نہیں کرتے، لہٰذا دونوں ملت ابراہیم پر نہیں۔

کعبہ کا ایک نام ''البیت العتیق'' ہے۔ حج مبرور سے اللہ اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔

﴿ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ ، وَالْعُمْرَتَانِ اَوِ الْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ يُكَفِّرُ مَا بَيْنَهُمَا ﴾ (مسند احمد : حديث ٧٣٥٤ ، اسناده صحيح على شرط الشيخين) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''حج مبرور کی سزا جنت کے سوا کچھ نہیں ہے اور دو عمرے اپنے درمیان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔''

97 ﴿ فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيْمَ ... عَنِ الْعَالَمِيْنَ ○ ﴾

نکتہ : حج کے وجوب کا ذکر کرنے سے پہلے کعبہ کی خوبیاں اور عظمتیں بیان کی گئی ہیں تاکہ دلوں میں حج کا شوق پیدا ہو۔

کعبہ کی پانچ صفات :

① عبادت کے لیے سب سے پہلا اللہ کا گھر ہے۔

② برکت والا ہے۔ وَالْبَرَكَةُ كَثْرَةُ الْخَيْرِ وَدَوَامُهُ . (بھلائی کی کثرت اور اس کی ہمیشگی کو برکت کہتے ہیں۔)

③ یہاں مصدر ﴿ هُدًى ﴾ مبالغہ کے لیے ہے۔ یعنی سراپا ہدایت ہے۔ وَوَصْفُهُ

بِالْمَصْدَرِ نَفْسِهِ مُبَالَغَةٌ حَتّٰى كَاَنَّهُ هُوَ نَفْسُ الْهُدٰى. (اسے خود مصدر سے بیان کرنا مبالغہ ہے، گویا کہ وہ خود ہدایت ہے۔)

④ آیات بینات...... چالیس سے زیادہ نشانیاں ہیں۔

⑤ اَلْاَمْنُ لِدَاخِلِهِ. (اس میں داخل ہونے کے لیے امن ہے۔)

آیات بینات : صفا و مروہ کی پہاڑیاں، زمزم کا کنواں، حجر اسود، منیٰ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کے لیے لے گئے تھے اور جمرات جہاں شیطان کو کنکریاں ماری تھیں۔

مقام ابراہیم : وہ پتھر جس پر ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں اور جس پر کھڑے ہو کر انھوں نے کعبہ کی تعمیر کی تھی۔

حجر اسود : سنہ ۳۱۷ھ میں قاہر محمد بن المعتضد باللہ کے دور خلافت میں قرامطہ نے حرم مکہ پر حملہ کیا۔ بے شمار حجاج کو قتل کیا، کعبہ کی بے حرمتی کی اور حجر اسود اٹھا کر لے گئے، پھر بائیس سال بعد واپس کیا۔

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾ اس آیت میں تین اشیاء کا ذکر ہے جو وقوع کے لحاظ سے بالترتیب ذکر ہوئی ہیں :

① حج، فرض ہے۔ فریضۂ حج کو واجب کرنے والا اللہ ہے۔

② یہ فرض جس پر واجب ہوتا ہے، وہ الناس (لوگ) ہیں۔

③ وہ حق جس کے ساتھ اللہ کا تعلق واجب کرنے کا اور بندوں کا تعلق واجب ہونے کا اور ادا کرنے کا ہے، وہ حج ہے۔

عَشَرَةُ اَوْجُهٍ. (دس وجہیں ہیں۔)

① گویا حج، اللہ کا حق ہے اور اس حق کو ادا کرنا ہے۔

② لام اختصاص اور لام استحقاق کا ہے۔ یعنی یہ اللہ ہی کے لیے خاص اور اسی کا حق ہے۔

③ کس پر واجب ہے؟ یہ ﴿ عَلَى النَّاسِ ﴾ مرد اور عورت دونوں پر واجب ہے۔

④ اہل استطاعت کے لیے ہے۔

⑤ ﴿ سَبِيلًا ﴾ نکرہ ہے۔ يَجِبُ الْحَجُّ عَلَى اَيِّ سَبِيْلٍ تَيَسَّرَتْ . (حج ہر اس طریقے پر واجب ہے جو آسان ہو۔)

⑥ تَهْدِيْدٌ بِالْكُفْرِ ، وَمَنْ كَفَرَ بِعَدَمِ الْتِزَامِ هٰذَا الْوَاجِبِ . (کفر کی دھمکی ہے کہ جس نے اس واجب کی پابندی نہ کی، اس نے عملی کفر کیا۔)

⑦ وعید کی تاکید ہے۔ یعنی یہ خبر دینا کہ وہ بے نیاز ہے۔ لَا حَاجَةَ بِهِ اِلَى حَجِّ اَحَدٍ . (اسے کسی کے حج کی ضرورت نہیں۔)

⑧ اَكَّدَ ذٰلِكَ بِذِكْرِ اسْمِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ عُمُوْماً . (اس بات کی تاکید صفت رب العالمین کے ذکر کے ساتھ کی گئی ہے۔)

لَمْ يَقُلْ : فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْهُ . (اس نے یہ نہیں کہا کہ اللہ اس سے بے نیاز ہے۔) بلکہ یہ کہا کہ وہ تمام عالمین سے بے نیاز ہے...... ہر طرح سے، ہر ایک سے، ہر اعتبار سے بے نیاز ہے۔

⑨ اِنَّ تاکید معنی کے لیے لایا گیا۔

⑩ بے نیازی کے ذکر میں ناراضگی کا اعلان ہے۔

﴿لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ 99

﴿ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ سے مراد یہاں دین اسلام ہے۔

سُمِّيَ الدِّيْنُ سَبِيْلًا لِلّٰهِ ، لِاَنَّهُ مُوْصِلٌ اِلَيْهِ ، وَاُضِيْفَ اِلَى اللّٰهِ لِوَجْهَيْنِ : اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الَّذِىْ وَضَعَهُ سَبِيْلًا ، وَاِنَّهُ مُوْصِلٌ اِلَيْهِ . (اسے اللہ تعالیٰ کا راستہ اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ راستہ اللہ تک پہنچاتا ہے اور سبیل (راستہ) کی نسبت اللہ کی طرف دو وجہوں کی بنا پر کی گئی ہے: ① یہ کہ اللہ ہی نے وہ راستہ مقرر فرمایا ہے۔ ② یہ کہ یہ راستہ اس تک پہنچاتا ہے۔)

101 ﴿ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ ... وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهُ ﴾

اِفْكَارُ الْاِلْحَادِ تَنْمُوْ عِنْدَمَا تُقَصَّرُ فِيْ بَثِّ رِسَالَةِ الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ فِي النَّاسِ. (الحاد کے فکری جراثیم اس وقت پروان چڑھتے ہیں جب تم لوگوں میں قرآن وسنت کا پیغام پھیلانے میں کوتاہی کی جائے۔)

102 ﴿ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ ﴾

جس کام کا وہ حکم دے، اسے انجام دینا اور جن کاموں سے منع کرے، اس سے باز رہنا تقویٰ کہلاتا ہے۔

﴿ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ مَنْ عَاشَ عَلَى شَيْءٍ مَاتَ عَلَيْهِ، وَمَنْ مَاتَ عَلَى شَيْءٍ بُعِثَ عَلَيْهِ. (جو شخص جس چیز پر جیتا رہا، اسی پر مرے گا۔ جو شخص جس چیز پر مرا، اسی پر اٹھایا جائے گا۔)

103 ﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾

پھر اس بات کا حکم دیا گیا جو تقویٰ اختیار کرنے میں مدد دیتا ہے۔ وہ کام "متحد رہنا" ہے۔

اَلْاِعْتِصَامُ هُوَ التَّمَسُّكُ بِمَا يَعْصِمُكَ. (اس چیز کو مضبوطی سے تھام لینا اعتصام کہلاتا ہے جو تمھیں بچالے۔)

هُنَاكَ حِبَالٌ كَثِيْرَةٌ تَحْكُمُهَا دَعَاوِىْ تَدَّعِي اَنَّهَا حِبَالُ اللّٰهِ. (بہت سی رسیاں ہیں جن پر ایسے دعوے حکمرانی کرتے ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی رسیاں ہیں۔) جبکہ رسی ایک ہی ہے جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے۔

كُلُّ مَنْ يَمْشِىْ عَلَى طَرِيْقٍ دَقِيْقٍ يَخَافُ اَنْ تَزْلَقَ رِجْلُهُ. (تفسير الرازی : ۸ / ۳۱۱) "ہر وہ شخص جو تنگ راستے پر چلتا ہے، اسے ڈر ہوتا ہے کہ اس کا پاؤں پھسل نہ جائے۔"

اگر دونوں ہی طرف رسی بندھی ہو تو اٰمِنَ مِنَ الْخَوْفِ۔ (وہ خوف سے محفوظ ہوگیا۔) یعنی دین کا راستہ بڑا نازک ہے، مگر جب قرآن اور حدیث کو پکڑ لے تو خوف سے مامون ہوجائے گا۔

سوال رسی ہی کیوں؟ لاٹھی، لکڑی اور کوئی چیز کیوں نہیں؟

جواب کیونکہ رسی ہی ایسی چیز ہے جو بہت ساری چیزوں کو اکٹھا مضبوطی سے باندھتی ہے۔

اندلس میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی۔ اسی تفرقے کی وجہ سے عیسائیوں نے اس پر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کے سامنے تین راستے رکھے: ① اندلس سے نکل جاؤ۔ ② عیسائی ہوجاؤ۔ ③ مرنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔

ایک وقت ایسا آیا کہ پورے اندلس میں ایک مسلمان نہ رہا۔ بغداد میں بھی اسی شیعہ وسنی اختلاف کی وجہ سے مسلمان کمزور ہوگئے اور ہلاکو کے ہاتھوں ذلت کی ایک اور تاریخ لکھی گئی اور ہندوستان میں انگریز کی غلامی ان کا مقدر بن گئی۔ مسلمان اردو اور بنگلہ زبان کے اختلاف کا شکار ہوئے تو مشرقی پاکستان ختم ہوگیا۔

شَرْحُ : الْاِعْتِصَامِ بِحَبْلِ اللّٰهِ بِقَوْلِهٖ : وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ ، وَشَرْحُ : وَّلَا تَفَرَّقُوْا : وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا . (اس آیت میں اعتصام بحبل اللہ کی شرح کی گئی ہے۔)

اَمَرَنَا اللّٰهُ بِالْاِعْتِصَامِ بِالْقُرْاٰنِ ، وَنَهَانَا عَنِ التَّصَرُّفِ ، ثُمَّ بَيَّنَ لَنَا سَبِيْلَ الْاِعْتِصَامِ - بِالدَّعْوَةِ اِلَى الْخَيْرِ وَالْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ . (اللہ نے ہمیں قرآن کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا اور ہمیں (دین میں) خود تصرف کرنے سے منع فرمایا۔ پھر اس نے ہمیں اس اعتصام کا راستہ بنایا جو خیر کی دعوت دینے، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے سے حاصل ہوگا۔)

یعنی قرآن کو مضبوطی سے پکڑو تو تفرق نہیں ہوگا اور دعوۃ الی الخیر کرو گے تو اعتصام بحبل اللہ رہے گا۔

﴿ فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ ﴾ لَا عِبْرَةَ بِاجْتِمَاعِ الْاَبْدَانِ مَعَ اِخْتِلَافِ الْقُلُوْبِ . (جب دلوں میں اختلاف ہو تو جسموں کے جمع ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔)

قرآن کہہ رہا ہے: ﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا ﴾ ''سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔'' جبکہ مسلکوں میں بٹے ہوئے لوگ کہہ رہے ہیں: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِىْ . (میری رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بعد نہی عن التفرق کو ذکر فرمایا۔ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ تَرْكَ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْىَ عَنِ الْمُنْكَرِ سَبَبُ التَّفَرُّقِ . (یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دینا تفرقے کا سبب ہے۔)

104

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ ... ﴾

پس تین درجے ہوگئے:

① اَلدَّعْوَةُ اِلَى الْخَيْرِ وَبَيَانُ الْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْىُ عَنِ الْمُنْكَرِ . (خیر کی دعوت، نیکی کا بیان اور برائی سے روکنا۔)

② اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْىُ عَنِ الْمُنْكَرِ . (نیکی کا حکم دین اور برائی سے روکنا۔)

③ اَلتَّغْيِيْرُ ، فَالتَّغْيِيْرُ لِمَنْ لَهٗ وَلَايَةٌ وَسُلْطَةٌ . (تغییر (بدلنا)، پس یہ اس شخص کے لیے ہے جسے اختیار اور اقتدار حاصل ہو۔)

اَلْاَمِيْرُ فِىْ بَلَدِهٖ لَهٗ وَلَايَةٌ وَسُلْطَةٌ ، وَالْاِنْسَانُ فِىْ بَيْتِهٖ لَهٗ وَلَايَةٌ . (بادشاہ کو اپنے ملک میں اختیار اور اقتدار حاصل ہوتا ہے اور انسان کو اپنے گھر میں اختیار حاصل ہوتا ہے۔)

الدعوۃ الی الخیر والامر بالمعروف میں فرق : فَالدَّاعِیْ یُبَیِّنُ وَیُرْشِدُ النَّاسَ وَالْآمِرُ مَعَ الدَّعْوَۃِ یَلْزَمُ بِالْحَقِّ وَیَمْنَعُ مِنَ الْمُنْکَرِ ، لِاَنَّ عِنْدَہٗ سُلْطَانًا قُوَّۃً . (پس داعی (دعوت دینے والا) وضاحت کرتا ہے اور لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، جبکہ آمر (حکم دینے والا) دعوت کے ساتھ ساتھ حق کو لازم کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے کیونکہ اس کے پاس اختیار اور طاقت ہوتی ہے۔)

﴿ اُمَّۃٌ ﴾ جَمَاعَۃٌ مُتَخَصِّصَۃٌ بِالدَّعْوَۃِ اِلَی الْخَیْرِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ . (امت اس جماعت کو کہتے ہیں جو بھلائی کی دعوت اور نیکی کا حکم دینے کے لیے مخصوص ہو۔)

صِرٌّ : صَوْتُ لَھَبِ النَّارِ الَّتِیْ تُحْرِقُ الثِّمَارَ . (''صر'' آگ کے شعلوں کی آواز ہے جو پھلوں کو جلا دیتی ہے۔)

اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ تشبیہ مرکب ہے۔

106 ﴿ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ ... ﴾

یہاں ﴿ یَوْمَ تَبْیَضُّ ﴾ کو ﴿ اسْوَدَّتْ ﴾ پر مقدم کیا۔ اِنَّ الْمُؤْمِنِیْنَ ھُمْ اَوَّلُ مَنْ یُفْصَلُ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ . (بے شک مومنین ہی وہ لوگ ہوں گے جن کے درمیان قیامت کے دن سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا۔)

110 ﴿ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ ... وَاَکْثَرُھُمُ الْفَاسِقُوْنَ ○ ﴾

سَبَبُ الْخَیْرِیَّۃِ : ھِیَ الْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ ، فَاِذَا زَالَتِ الصِّفَۃُ زَالَتِ الْخَیْرِیَّۃُ . (بہتری وفضیلت کا سبب امر بالمعروف ہے۔ پس جب یہ صفت زائل ہو جائے گی تو فضیلت بھی زائل ہو جائے گی۔)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دو حال ہیں :

① جس میں برائی کو مٹانا ممکن ہو، اس میں برائیوں کو بدلنے کی تین صورتیں ہیں : ہاتھ سے، زبان سے اور دل سے۔

② برائی مٹانا یا برائی سے منع کرنا، دونوں میں جان کا خطرہ ہو تو اس کے لیے سکوت جائز ہے۔ اس وقت اس کے لیے لازم ہے کہ برائی کرنے والوں سے الگ ہو جائے اور لوگوں کی فکر کرنا چھوڑ دے۔

سوال یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایمان باللہ پر کیوں مقدم کیا گیا؟ ایمان باللہ کو تو تمام طاعات پر مقدم ہونا چاہیے۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان باللہ تمام سچی امتوں میں مشترک ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ اس امت کا فضل، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں دوسری امتوں سے زیادہ قوی ہے۔ پس اس خیریت میں موثر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ جہاں تک ایمان باللہ کا تعلق ہے، تو وہ اس موثر (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کے اس حکم میں اثر انداز ہونے کے لیے ایک شرط ہے۔

112 ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ ... عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○﴾

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ﴾ یہودی اپنے زور بازو پر کہیں غلبہ حاصل نہیں کر سکتے، ماسوا اس کے کہ مسلمانوں نے انھیں امان دی یا غیر مسلموں نے۔ ان کا ایٹمی قوت بننا امریکی مدد کی وجہ سے ہے۔ جو غیروں کے سہارے کے بغیر اپنی حکومت قائم نہیں کر سکتے، وہ تمہاری حکومت کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں! یہ اس وقت ہے جب مسلمان اجتماعی طور پر دینی اقدار سے منحرف ہو جائیں۔

﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ اَلذُّنُوْبُ تَجُرُّ الذُّنُوْبَ كَمَا اَنَّ الْحَسَنَاتِ تُلْحِقُهَا الْحَسَنَاتُ. (گناہ گناہوں کو کھینچتے ہیں، جیسا کہ نیکیاں نیکیوں کو ملاتی ہیں۔)

118 ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ﴾

یہ حکم ان کے ساتھ مختص ہے جو مسلمانوں سے شدید عداوت رکھتے ہیں، ورنہ کفار سے مدد لینا جائز ہے۔ اندلس میں یہودیوں نے مسلمانوں کی مدد کی۔ مصر میں قبطیوں نے

رومیوں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی۔ اگر اعتبار ہو کہ وہ مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے تو مدد لینا جائز ہے۔

121-126 ﴿وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ ... الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝﴾

بدر : اس میں پہلے ایک ہزار فرشتوں کی بشارت دی گئی، پھر یہ تعداد تین ہزار کر دی گئی۔ پھر تین شرطوں کے ساتھ پانچ ہزار کا وعدہ کیا گیا: ① صبر کرو۔ ② تقویٰ اختیار کرو۔ ③ دشمن یکبارگی حملہ بول دے۔

چونکہ دشمن نے یکبارگی دھاوا نہیں بولا، اس لیے پانچ ہزار فرشتوں کا نزول نہیں ہوا۔

جنگ بدر اور جنگ احد :

(سوال) بدر میں فرشتوں کی مدد آئی، مگر احد میں کیوں نہیں آئی؟

(جواب) دونوں جگہ مسلمانوں کے احوال مختلف تھے۔ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور انھوں نے جنگ میں مکمل اللہ ورسول کی اطاعت کی تھی۔ جنگ احد میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اور انھوں نے مکمل اطاعت نہ کی۔ جنگ بدر میں فرشتوں نے مسلمانوں کے دل مضبوط کیے اور قتال میں حصہ بھی لیا۔

123 ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ ... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾

احد کے قصے کے بیان کے دوران میں بدر کا قصہ ہے۔

غزوۂ بدر میں صبر اور تقویٰ اختیار کیا گیا تو اللہ کی مدد آئی۔ غزوۂ احد میں بے صبری (مال غنیمت کا حصول) اور تقویٰ یعنی نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی تو دشمن کے ہاتھوں انھیں شدید نقصان پہنچا۔ اس میں بعض لوگوں سے ایسی غلطی ہوئی جو تقویٰ کے منافی تھی۔

غزوۂ بدر جمعہ کے دن ۱۷ رمضان ۲ ہجری کو پیش آیا تھا۔ اس میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ صرف ۳۱۳ تھے۔ ان میں سے دو گھوڑوں پر اور ستر اونٹوں پر سوار تھے

اور باقی سب پیدل تھے۔ اس کے بالمقابل کافروں کی تعداد نوسو سے ایک ہزار تک تھی۔ دشمن ہر طرح کے سامان حرب سے لیس تھے۔ ان کے پاس بہترین گھوڑے تھے اور انھیں ضرورت کی تمام چیزیں بھی میسر تھیں۔

اس غزوے میں ۱۴ مسلمان (صحابہ رضی اللہ عنہم) شہید ہوئے۔ کافروں کے ستر آدمی قتل ہوئے اور تقریباً اتنے ہی قید ہوئے۔

بدر میں فتح ونصرت کی وجہ صبر وتقویٰ ہے۔

① صَبْرٌ عَلَى لِقَاءِ الْعَدُوِّ. (دشمن کے مقابلے پر صبر۔)

② تَتَّقُوا الْمَعَاصِيْ. (گناہوں سے بچنا۔)

ملائکہ کی امداد کا مطلب : دو غایت ہیں :

① اَلتَّبْشِيْرُ بِالنَّصْرِ عَلَى الْاَعْدَاءِ. (دشمنوں پر فتح کی بشارت ملے۔)

② تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَعَهُمْ وَاَنَّهُ مُؤَيِّدُهُمْ.

(مومنوں کے دل مطمئن ہو جائیں کہ اللہ ان کے ساتھ ہے اور وہی ان کا مددگار ہے۔)

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ ...﴾ 128

آپ کے ہاتھ میں کچھ نہیں، سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ۧ﴾ (آل عمران : ۳ / ۱۰۹)

"اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور سب معاملے اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔"

نکتہ : اللہ رحمٰن ورحیم ہے، اس کے باوجود کفار کو عذاب دینا اس کی رحمانیت ورحیمیت کے خلاف نہیں۔ پس بعض کفار کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعائے ضرر کرنا آپ کی رحمۃ للعالمین کے خلاف کیوں کر ہو سکتا ہے! علماء نادانی میں دعائے ضرر کو بددعا کہہ گئے۔

﴿فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ نعمت بندے پر اللہ کا فضل ہے۔ ضروری نہیں کہ بندے کی طرف سے کوئی عمل ہو۔ اس کے برعکس جب عذاب کا ذکر فرمایا تو سبب (ظلم) کا ذکر بھی

فرمایا۔

129 ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ ... وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

یہاں مغفرت کو دو بار یعنی ﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ اور ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ میں ذکر کیا کیونکہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔

130 ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافاً مُّضَاعَفَةً﴾

سود کی تحریم کی حکمت "ظلم" ہے۔ قرض دار وقت پر ادا نہ کر پاتا تو قرض خواہ کے ذمے رقم میں اضافہ ہو جاتا۔

ربا کی دو قسمیں ہیں: ربا بالفضل، ربا النسیئہ۔

......ربا الفضل اس سود کو کہتے ہیں جو چھ اشیاء (سونا، چاندی، گندم، جو، نمک اور کھجور) میں کمی بیشی یا نقد و ادھار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جیسے کوئی انسان دو کلو سونے کے بدلے ایک کلو سونا، یا دو کلو گندم کے بدلے ایک کلو گندم، یا دو صاع کھجوروں کے بدلے ایک صاع کھجور بیچے تو یہ سود ہے۔

اس میں علت حرمت، طعم اور ثمنیت ہے۔ بعض کے نزدیک علت حرمت، وزن اور کیل ہے۔

کھانے پینے کی چیز (طعم) ہو اور ثمن ہو۔ ان کی مثل میں زیادتی سے بیع ممنوع ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو جائز ہے۔ جیسے ایک تھان کپڑا سے دو تھان کپڑا لینا جائز ہے۔

......ربا النسیئہ اس سود کو کہتے ہیں جو قرض پر مقررہ مدت کے بعد اضافی رقم کی شکل میں وصول کیا جاتا ہے اور یہ شرط قرض دیتے وقت ہی طے ہو جاتی ہے۔ جیسے زید نے بکر کو دس ہزار روپے اس شرط پر قرض دیے کہ بکر کو گیارہ ہزار روپے واپس کرنے ہوں گے۔ یہ اضافی ایک ہزار روپے سود ہوگا۔

135 ﴿وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾

اصرار، مضبوط کرنا، گناہ کو ترک نہ کرنا، یہ صُرَّةٌ سے ماخوذ ہے۔ صُرَّةٌ اس تھیلی کو

کہتے ہیں جس میں دراہم رکھ کر گرہ لگا دی جاتی ہے۔

اصرار و تکرار :

......گناہ پر جمے رہے اور اس پر توبہ نہ رہے تو یہ ''اصرار'' ہے۔

......بار بار کرے اور ہر گناہ کے بعد توبہ کرے تو یہ گناہ کا ''تکرار'' ہے۔

137 ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ... عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○﴾

پہلے کے لوگ	—	اصل
تم لوگ	—	فرع
تکذیب	—	علت جامعہ
حکم	—	ہلاکت

138 ﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ○﴾

......کسی شبہ کا ازالہ کرے، وہ بیان ہے۔

......امور شرعیہ میں رہنمائی کرے، وہ ہدایت ہے۔

......کسی خراب کام سے ممانعت و تلقین پر مشتمل ہو، وہ نصیحت ہے۔

قرآن میں ہدایت کی پیش کش دنیا کے تمام لوگوں کے لیے ہے، لیکن اس سے فائدہ صرف متقین اٹھاتے ہیں۔

اَلْمَوْعِظَةُ هِيَ التَّذْكِيْرُ الْمَقْرُوْنُ بِالتَّرْغِيْبِ وَالتَّرْهِيْبِ. (وہ یاددہانی موعظت کہلاتی ہے جو ترغیب اور ترہیب کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔)

141 ﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِيْنَ ○﴾

تمحیص اور محق :

......تمحیص کا معنی ہے، تنقید، ازالۂ شر۔

......محق کا معنی ہے، کمی کرنا، کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا۔

احد کا دن مسلمانوں کے لیے تمحیص اور کافروں کے لیے محق تھا۔ یعنی کافر غالب

آئیں تو مسلمانوں کے گناہ صاف اور مسلمان غالب آئیں تو کافروں کی تعداد کی کمی یا جڑ سے مٹانا۔

143-146 ﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ ... وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَ○﴾

﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ بعض لوگوں کی تمنا تھی کہ وہ شہید ہو جائیں اور اپنے شہید بھائیوں سے ملاقات کریں۔ اللہ نے ان کی تمنا احد میں پوری کی۔

﴿اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ﴾ توبیخ کی گئی کہ اصل یہ ہے کہ دین پر جمے رہو کیونکہ تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہیں، رب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کر رہے ہو۔ پس اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل کر دیے جائیں تو انھیں دین سے پھرنا نہیں ہے۔

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ﴾ اللہ نے یہ بتایا کہ انبیاء کی ایک جماعت اس سے پہلے قتل کی گئی اور ان کے ساتھ ان کے بہت سے متبعین مارے گئے، لیکن وہ نہ اس سے کمزور ہوئے اور نہ ان کی ہمت ٹوٹی۔

144 ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾ تمام مسلمانوں پر رسول کا حق تھا کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھیں، مگر حجرے میں گنجائش نہ تھی، اس لیے تمام مسلمانوں نے باری باری نماز جنازہ ادا کی، لہٰذا اس میں تین دن لگ گئے۔

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ یہ فرمایا کہ بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں۔

145 ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا﴾

موت کا ایک دن مقرر ہے۔ وقت سے پہلے کوئی نہیں مر سکتا۔

نبی کو بھی موت آتی ہے۔ ان کے دنیا سے جانے کے بعد ان کی شریعت باقی رہتی ہے۔

147 ﴿ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ﴾

اللہ تعالیٰ قدموں کو جمائے گا تو نصرت ہوگی۔ نصرت الٰہی میں مانع دو چیزیں ہیں :

① ذنوب، ② اسراف۔

پریشانی یا دشمنوں کی یورش کے وقت اللہ سے دعا کرنا چاہیے۔ دعا میں اپنے مقصود کو طلب کرنے سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کرنا چاہیے۔

151 ﴿ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَاناً ﴾

سلطان کا مفہوم : یہ سَلِیْطٌ سے بنا ہے۔ تلوں کے تیل کو سَلِیْطٌ کہتے ہیں جس سے چراغ روشن کیا جاتا ہے۔ حق کو ظاہر کرنے اور باطل کی تاریکی کو دور کرنے کے لیے سلطان سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔

152 ﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهُ ... عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾

قَالَ ابْنُ الْعُثَيْمِيْنِ رَحِمَهُ اللّٰهُ : اَلْمَعْصِيَةُ بَعْدَ النِّعْمَةِ اَشَدُّ مِنَ الْمَعْصِيَةِ قَبْلَ النِّعْمَةِ . علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''نعمت ملنے کے بعد کی نافرمانی، نعمت ملنے سے پہلے کی نافرمانی سے زیادہ سخت ہے۔''

﴿ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ﴾ تمہارے غلبے کو ان سے پھیر دیا۔ یہاں اس گناہ پر معافی مانگنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ اپنے فضل سے بغیر توبہ و استغفار کے گناہ کبیرہ کو معاف کر دیتا ہے۔ یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے، برعکس خوارج و معتزلہ کے۔

ایک حکمت : کبھی کبھی دلوں میں غفلت چھا جاتی ہے جو ایمان کے منافی ہوتی ہے۔ اگر انھیں مکمل عافیت میں رکھا جائے تو یہ غفلت دور نہ ہوگی، لہٰذا یہ بلایا محن، کڑوی دوا کی طرح اس مریض کو دی جاتی ہے کہ اگر اس بیماری کا علاج نہ کیا گیا تو مریض مرجائے گا۔ یہ فرار ان کے اعمال کی وجہ سے تھا۔

اللہ نے پھر فرمایا کہ انھیں معاف کر دیا کیونکہ ان کا یہ فرار نفاق اور شک کی بنا پر نہ

تھا۔

153 ﴿فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ﴾

شکست وہزیمت کا غم، پھراس سے بڑا غم یہ افواہ کہ نبی ﷺ قتل کردیے گئے۔

انھیں بڑے غم میں مبتلا کیا تاکہ چھوٹا غم جاتا رہے۔

جبل احد پر پچاس تیرانداز مقرر تھے۔ جنگ بدر میں مشرکین کو غم اٹھانا پڑا۔ احد میں مسلمانوں کو غم اٹھانا پڑا تاکہ مسلمانوں کی توجہ دنیا سے منقطع نہ ہو۔ نہ دنیا کے ملنے سے خوش ہوں، نہ جاتے رہنے سے مغموم۔ نہ بدر کی کامیابی پر اترائیں، نہ احد کی ناکامی پر حوصلہ ہار بیٹھیں۔

رنج کا خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

154 ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ ... بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝﴾

﴿اَمَنَةً نُّعَاسًا﴾ یہ علامت نصرت وامن ہے، جیسا کہ بدر میں نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ جنھیں نعاس نہیں ہوئی، ان کے نزدیک نہ اپنی جان کی کوئی اہمیت ہوئی، نہ دین کی اور نہ رسول کی۔

﴿يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ کیونکہ یہ گمان اللہ کے اسمائے حسنیٰ کے لائق نہ تھا۔

احد کے واقعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جتنا بڑا مشرک ہوگا، اس کے دل میں اتنا ہی زیادہ رعب وڈر ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جتنا آدمی اطاعت پر مستمر (مسلسل) رہتا ہے، اللہ کی مدد اتنی ہی مستمر رہتی ہے۔

156 ﴿لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا﴾

یوں کہنا منع ہے کہ اگر میں فلاں کام کر لیتا تو فلاں مصیبت نہ آتی۔

هُوَ تَقْرِيْرٌ عَامٌّ عَنْ نِهَايَةِ كُلِّ اِنْسَانٍ بِالْمَوْتِ وَفِيْ هٰذِهِ

الْحَالَةِ ، فَاِنَّ الْمَوْتَ الطَّبِيْعِيَّ هُوَ السَّائِدُ وَمِنْ ثَمَّ تَقْدِيْمُ الْمَوْتِ الطَّبِيْعِيِّ فِى الذِّكْرِ . (یہ ہر انسان کی موت کے ذریعے انجام کے بارے میں ایک عمومی بیان ہے۔اس صورت حال میں طبعی موت ہی غالب ہے اور اسی وجہ سے طبعی موت کا ذکر مقدم کیا گیا۔)

نکتہ : ''اگر'' کا لفظ ماضی میں جو واقع ہو گیا، اس کے متعلق کہنے سے منع کیا گیا، مثلاً یہ کہنا ''اگر ایسا ہو جاتا تو ایسا نہ ہوتا۔'' پھر ''اگر'' مستقبل کے بارے میں ہے تو منع نہیں ہے۔جیسے حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر میں اس بات پر پہلے مطلع ہو جاتا جس پر بعد میں مطلع ہوا ہوں تو میں ہدی روانہ کرتا۔''

157 ﴿ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ ... ﴾

یہاں قتل کو مقدم کیا کیونکہ اس کے فوراً بعد جہاد کا تذکرہ ہے جس میں سب سے بڑا سببِ موت، قتل ہے۔

سورۂ مومنون میں ہے : ﴿ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴾ (المومنون : ۳۵) ''۔''

سورۂ آل عمران میں ﴿ مُتُّمْ ﴾ ہے، جبکہ سورۂ مومنون میں ﴿ مِتُّمْ ﴾ ہے۔

﴿ مُتُّمْ ﴾ اور ﴿ مِتُّمْ ﴾ میں فرق : من حیث اللغۃ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ ﴿ مُتُّمْ ﴾ یہ مَاتَ يَمُوْتُ باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے، جبکہ ﴿ مِتُّمْ ﴾ یہ مَاتَ يَمَاتُ باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے۔دونوں کا معنی ہوتا ہے، مرنا۔اس میں اعجاز بلاغی یہ ہے کہ مِتُّمْ لِلْاِشَارَةِ اِلَى الْمَوْتِ الطَّبِيْعِيِّ اَوِ الْمَوْتِ عَلَى الْفِرَاشِ ، وَمُتُّمْ لِلْاِشَارَةِ اِلَى الْمَوْتِ الَّذِىْ يَقَعُ فِىْ مَوَاقِفَ اَصْعَبَ وَاَشَدَّ ، مِثْلَ الْمَوْتِ فِى الْغُرْبَةِ اَوْ اَثْنَاءَ الْجِهَادِ لِاَنَّ الضَّمَّةَ تُشِيْرُ اِلَى مَعْنًى اَثْقَلَ وَاَشَدَّ ، وَالْكَسْرَ تُشِيْرُ اِلَى مَعْنًى اَخَفَّ وَاَقَلَّ صُعُوْبَةً . (مِتُّمْ میں اشارہ قدرتی موت یا بستر پر آنے والی

موت کی طرف ہے، جبکہ مُتم میں اس موت کی طرف اشارہ ہے جو زیادہ مشکل اور شدید حالات میں واقع ہوتی ہے، جیسے پردیس میں موت یا جہاد کے دوران میں موت۔ کیونکہ ضمہ زیادہ ثقیل اور زیادہ شدید مفہوم کی طرف اشارہ کرتا ہے، جبکہ کسرہ زیادہ ہلکے اور کم مشکل مفہوم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔)

160 ﴿وَإِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ﴾

اَصْلُ الْخُذْلَانِ التَّرْكُ وَالتَّخْلِيَةُ. (خذلان کی اصل، چھوڑ دینا اور تنہا چھوڑ دینا ہے۔)

وَيُقَالُ لِلْبَقَرَةِ وَالشَّاةِ اِذَا تَخَلَّفَتْ مَعَ وَلَدِهَا فِي الْمَرْعٰى وَتَرَكَتْ صَوَاحِبَاتِهَا خَذُوْلٌ. (گائے اور بکری کو "خذول" کہا جاتا ہے جب وہ چراگاہ میں اپنے بچے کے ساتھ پیچھے رہ جائیں اور اپنی ساتھیوں کو چھوڑ دیں۔)

وَمَعْنَى الْخُذْلَانِ اَنْ يُّخَلِّيَ اللّٰهُ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ نَفْسِهٖ وَيَكِلُهُ اِلَيْهَا. (خذلان کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے نفس پر چھوڑ دے اور اسے اس کے نفس کے حوالے کر دے۔)

بندہ، اللہ اور شیطان کے درمیان پڑا رہتا ہے۔ اگر اللہ اس کی نگرانی کرے تو اس کا دشمن شیطان کامیاب نہ ہوگا اور اگر چھوڑ دے تو شیطان اسے پھاڑ ڈالے گا جس طرح بھیڑیا، بکری کو پھاڑ ڈالتا ہے۔

164 ﴿اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾

﴿مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ یعنی ان کے نسب سے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولد اسماعیل ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر ہیں۔ فرشتے یا بنو آدم کے سوا اور کسی جنس کے فرد نہیں ہیں۔

165 ﴿اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ ... كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

مصیبت آنے پر پچھلی نعمت کو یاد کیا جائے تو مصیبت ہلکی ہو جاتی ہے۔

① بدر میں تم نے ستر آدمی مارے اور ستر قید کیے۔

② ان کے مقتول جہنم میں اور تمہارے مقتول جنت میں ہیں۔

(سوال) مصیبت کیوں آتی ہے؟

(جواب) فرمایا: ﴿ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ﴾ ''کہہ دیجیے، یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے۔'' یعنی رسول کے حکم کی نافرمانی اور آپسی اختلاف۔

166-167 ﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى ... بِمَا يَكْتُمُوْنَ ○﴾

شکست کی دوسری حکمت: یہ کہ منافقین کھل کر سامنے آجائیں اور ان کے بارے میں عین عیاں ہوجائے کہ ان کے دلوں میں جو کچھ ہے، وہ زبان پر آجائے اور مومنین سنیں۔ پس انھوں نے سنا اور اللہ نے جواب دیا۔

169 ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا ... رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○﴾

یہاں اللہ نے شہیدوں کے گھر والوں کی تعزیت فرمائی ہے۔ یہ کہ وہ سب (شہید) اس کے پاس ہیں، انھیں مسلسل رزق مل رہا ہے اور وہ خوش بھی ہیں۔

قِيْلَ لَهُمْ شُهَدَاءُ لِاَنَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ مَلَكُوْتَ اللّٰهِ . (انھیں شہداء اس لیے کہا گیا کہ وہ اللہ کی بادشاہت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔)

قُدِّمَ الرَّبُّ عَلَى الرِّزْقِ لِاَنَّ جِوَارَ اللّٰهِ اَعْظَمُ رِزْقٍ ، وَعِنْدَ يَقْتَضِي الْقُرْبَ . (''رب'' کو ''رزق'' پر مقدم کیا گیا ہے کیونکہ اللہ کا قرب سب سے بڑا رزق ہے اور ''عند'' قرب کا تقاضا کرتا ہے۔) کہ وہ اللہ کے بہت قریب ہیں۔

175 ﴿ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهُ ... ﴾

قَالَ قَتَادَةُ : يُعَظِّمُهُمْ فِيْ صُدُوْرِكُمْ . (اغاثة اللهفان : ۱ / ۱۱۰)

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ''انھیں تمہارے دلوں میں بڑا بنا کر پیش کرتا ہے۔''

176 ﴿ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ﴾

یہ آیت اویس جیسے ملحد کے لیے ہے۔

اِذَا اَرْهَبَكَ النَّاسُ فَرَدِّدْ مَا قَالَهُ مُحَمَّدٌ وَاَصْحَابُهُ : حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ . (جب لوگ تمھیں خوف زدہ کریں تو وہ دعا دہراؤ جو محمد ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہی تھی ''ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔'')

178 ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ...﴾

املاء (ڈھیل دینا) کا نکتہ : لَوْ عَجَّلَ اللّٰهُ عُقُوْبَةَ كُلِّ ظَالِمٍ مَا تَجَرَّاَ عَلَى الظُّلْمِ اَحَدٌ فَهُوَ ابْتِلَاءٌ وَلِكُلِّ ابْتِلَاءٍ اَجَلٌ . (اگر اللہ ہر ظالم کو فوراً سزا دے دیتا تو کوئی بھی ظلم کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ پس ڈھیل دینا ایک آزمائش ہے اور ہر آزمائش کی ایک میعاد ہوتی ہے۔)

﴿اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے تاکہ اس کی سرکشی بڑھ جائے اور اس کے کفر میں اضافہ ہوتا چلا جائے، یہاں تک کہ جب وہ اسے پکڑتا ہے تو ایک غالب، قدرت والے کی طرح پکڑتا ہے۔ پس ظالموں کو اللہ کے اس قانون امہال سے ڈرنا چاہیے اور یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اس بڑی اور بلند ذات سے بچ نکلیں گے۔ (تفسير السعدى : ١ / ١٥٨)

180 ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ ...﴾

شح، منع کرنے میں بخل سے زیادہ بلیغ ہے۔

بعض نے کہا کہ بخل صرف مال میں ہوتا ہے، جبکہ شح مال اور نیکی دونوں میں ہوتا ہے۔

185 ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ...﴾

اَلْمَوْتُ لَيْسَ النِّهَايَةَ ، بَلْ بِدَايَةُ النَّعِيْمِ اَوْ بِدَايَةُ الْجَحِيْمِ فَحَدِّدْ مَصِيْرَكَ الْآنَ . (موت انتہا نہیں ہے بلکہ جنت کی ابتدا ہے یا جہنم کی ابتدا ہے۔ پس ابھی اپنا انجام طے کرلو۔)

﴿عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اثْنَتَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ آدَمَ : الْمَوْتُ ، وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ ، وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ ، وَقِلَّةُ الْمَالِ أَقَلُّ لِلْحِسَابِ﴾ (مسند احمد : رقم ٢٣٦٢٥ ، اسناده جيد) محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابن آدم دو چیزوں کو ناپسند کرتا ہے : ① موت کو ناپسند کرتا ہے، حالانکہ وہ مومن کے لیے فتنوں سے بہتر ہے۔ ② قلت مال کو ناپسند کرتا ہے، حالانکہ مال کی کمی (قیامت کے دن) حساب کے ہلکا ہوجانے کا باعث ہے۔''

نکتۂ عجیبہ : عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ ، أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ : مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لَهُ ، وَمَا مِنْ كَافِرٍ إِلَّا وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لَهُ ، وَمَنْ لَمْ يُصَدِّقْنِي ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ : وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (آل عمران : ١٩٨) . (تفسیر الطبری : ٦ / ٣٢٧) ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے ''کوئی مومن ایسا نہیں جس کے لیے موت بہتر نہ ہو اور کوئی کافر ایسا نہیں جس کے لیے موت بہتر نہ ہو۔ جو شخص میری تصدیق نہ کرے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾ اور جو اللہ کے پاس ہے، وہ نیک لوگوں کے لیے بہتر ہے۔''

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، قَالَ : مَا مِنْ نَفْسٍ بَرَّةٍ وَلَا فَاجِرَةٍ إِلَّا وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لَهَا ، ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللّٰهِ ، وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (آل عمران : ١٩٨) ، وَقَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ : وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ (آل عمران : ١٧٨) . (تفسیر الطبری : ٦ / ٣٢٦) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا ''کوئی جان ایسی نہیں، خواہ وہ نیک ہو یا بد، جس کے لیے موت بہتر نہ ہو۔'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی : ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾ ''اور جو اللہ کے پاس ہے، وہ نیک لوگوں کے لیے بہتر ہے۔'' یہ آیت بھی پڑھی : ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ

لِّاَنۡفُسِهِمۡ ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ہم انھیں جو ڈھیل دیتے ہیں، وہ ان کے لیے بہتر ہے۔''

حکمة اعجتنی (حکمت بھری نصیحت) : کسی بزرگ نے اپنے ایک پوتے سے کہا'' بیٹے! جنت میں داخلہ ہوتا ہے، جبکہ جہنم میں داخلہ پیسے دے کر ہوتا ہے۔'' پوتے نے حیرانی سے پوچھا'' وہ کیسے دادا جان؟'' دادا نے جواب دیا'' جو جوا کھیلتا ہے، وہ پیسے دیتا ہے۔ جو شراب پیتا ہے، وہ پیسے دیتا ہے۔ جو سگریٹ پیتا ہے، وہ پیسے دیتا ہے۔ جو گانے سنتا ہے، وہ پیسے دیتا ہے۔ جو فحاشی کے لیے جاتا ہے، وہ پیسے دیتا ہے۔ اس کے برعکس بیٹا! جنت کے لیے پیسے نہیں دینے پڑتے۔ جو نماز پڑھتا ہے، وہ بغیر پیسوں کے نماز پڑھتا ہے۔ جو روزہ رکھتا ہے، وہ بغیر پیسوں کے روزہ رکھتا ہے۔ جو اللہ سے استغفار کرتا ہے، وہ بغیر پیسوں کے استغفار کرتا ہے۔ جو اپنی نظریں نیچی رکھتا ہے، اس کے لیے بھی پیسے نہیں دینے پڑتے۔ تو بتاؤ میرے بیٹے! کیا تم جہنم میں پیسے دے کر جانا چاہتے ہو، یا مفت میں جنت میں جانا چاہتے ہو؟''

بزرگوں کی نصیحتیں کتنی خوب صورت ہوتی ہیں!

﴿ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ ﴾ اَلۡفَوۡزُ لَيۡسَ اَنۡ تُزَحۡزَحَ عَنِ النَّارِ فَحَسۡبُ بَلۡ وَتَدۡخُلَ الۡجَنَّةَ ، فَكِلَاهُمَا نِعۡمَةٌ مُسۡتَقِلَّةٌ . (کامیابی صرف یہ نہیں کہ تمھیں جہنم سے بچا لیا جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ یہ دونوں الگ الگ نعمتیں ہیں۔)

﴿ وَمَا الۡحَيَاةُ الدُّنۡيَآ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴾ 185

دنیا تین دن کی ہے :

① اَلۡاَمۡس : عِشۡنَاهُ وَلَنۡ يَعُوۡدَ . (گزرا ہوا کل جسے ہم جی چکے ہیں اور جو کبھی واپس نہیں آئے گا۔)

② اَلۡيَوۡمُ : نَعِيۡشُهُ وَلَنۡ يَدُوۡمَ . (آج کا دن جو ہم جی رہے ہیں اور یہ بھی

ہمیشہ نہیں رہے گا۔)

③ وَالْغَدُ : لَا نَدْرِيْ اَيْنَ سَنكُوْنُ . (آنے والا کل، ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کہاں ہوں گے۔)

فَصَافِحْ وَسَامِحْ وَدَعِ الْخَلْقَ لِلْخَالِقِ ؛ فَانْتَ ، وَاَنَا ، وَهُمْ ، وَنَحْنُ رَاحِلُوْنَ ، اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُسْنَ الْخَاتِمَةُ . (پس صلح کرو اور معاف کردو، نیز مخلوق کو خالق کے سپرد کردو کیونکہ تم، میں، وہ اور ہم سب رخصت ہونے والے ہیں۔اے اللہ! ہمیں حسن خاتمہ نصیب فرما۔)

190 ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ ...﴾

لطیف روح کو کثیف جسم میں رکھا تو اس جسم کی کثافت، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

① جسم کو روح حرکت دیتی ہے۔یہ جسم ایک مدبر و محرک کا محتاج ہے، لٰہذا یہ عالم بھی ایک مدبر و محرک کا محتاج ہوگا۔

② روح ایک ہے۔یعنی اس جسم کا مدبر ایک ہے، لٰہذا اس عالم کا مدبر بھی ایک ہوگا۔

③ روح کے ارادے کے بغیر جسم حرکت نہیں کرتا۔معلوم ہوا کہ عالم کی کوئی بھی چیز، خواہ خیر ہو یا شر، وہ اللہ کے ارادہ اور قضا و قدر کے بغیر حرکت نہیں کرتی۔

④ جسم کی ہر حرکت کا روح کو علم ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر حرکت کا علم اللہ کو ہے۔

⑤ روح، جسم کے سب سے قریب ہے اور اللہ ہماری رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق : ۵۰ / ۱۶) ”اور ہم (اس کی) رگ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔“

⑥ روح، جسم سے پہلے موجود تھی۔معلوم ہوا کہ اللہ کائنات سے پہلے موجود تھا۔

⑦ ہمیں روح کی حقیقت معلوم نہیں۔اسی طرح اللہ کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں۔

⑧ روح کو آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے اور آنکھیں دنیا میں اللہ کو نہیں دیکھ سکتیں۔ ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۖ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ ﴾ (الانعام : ٦ / ١٠٣) ''اس (کی حقیقت) کو نگاہیں نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔''

191 ﴿ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوْداً ﴾

اَلذِّكْرُ مِفْتَاحُ الْفِكْرِ . (ذکر، غور وفکر کی کنجی ہے۔)

(سوال) لِمَاذَا قُدِّمَ الذِّكْرُ عَلَى الْفِكْرِ . (ذکر کو فکر پر کیوں مقدم کیا گیا؟)

(جواب) لِاَنَّ الْعَقْلَ لَا يَتَبَصَّرُ وَيَهْتَدِيْ مَا لَمْ يَتَنَوَّرْ بِنُوْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ . (کیونکہ عقل اس وقت تک بصیرت حاصل نہیں کرسکتی اور ہدایت یاب نہیں ہوسکتی جب تک وہ اللہ کے ذکر کے نور سے روشن نہ ہو۔)

اِجْلِسْ اور اُقْعُدْ میں فرق : اِجْلِسْ تُقَالُ لِمَنْ هُوَ نَائِمٌ ، اُقْعُدْ تُقَالُ لِمَنْ هُوَ قَائِمٌ ، فَالْجُلُوْسُ هُوَ الْاِنْتِقَالُ مِنْ مَكَانٍ اَسْفَلَ اِلَى مَكَانٍ اَعْلَى ، وَالْقُعُوْدُ هُوَ الْاِنْتِقَالُ مِنْ مَكَانٍ عَالٍ اِلَى اَسْفَلَ . (لفظ اجلس اس شخص سے کہا جاتا ہے جو سورہا ہو، جبکہ اقعد اس شخص سے کہا جاتا ہے جو کھڑا ہو۔ پس جلوس نیچے کی جگہ سے اوپر کی طرف منتقل ہونا ہے اور قعود اونچی جگہ سے نیچے کی طرف منتقل ہونا ہے۔)

192 ﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ﴾

مومنوں کی دعا : جسے تو نے جہنم میں ڈالا، اسے تو نے رسوا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مومن کو رسوا نہیں کیا جائے گا اور عارضی دخول جہنم، باعث رسوائی نہیں۔ جہنم کے محافظ بھی تو جہنم میں ہوں گے۔ دائمی دخول جہنم ہی باعث رسوائی ہے۔

193 ﴿ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّـئَاتِنَا ﴾

سورۂ آل عمران کے آخر میں پانچ مرتبہ کلمہ ﴿ رَبَّنَا ﴾ آیا ہے۔

(سوال) کیا خطاؤں کے مٹانے اور گناہوں کے بخشنے کا بظاہر ایک ہی مطلب ہے؟

(جواب) پہلے جملے سے مراد وہ گناہ ہیں جو دانستہ کیے اور دوسرے جملے سے مراد وہ جو نادانستہ کیے۔ پہلے جملے سے مراد ہماری توبہ کے ذریعے گناہوں کو مٹا دے اور دوسرے جملے سے مراد ہماری نیکیوں کے ذریعے ہمارے گناہوں کو مٹا دے۔

195 ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ ...﴾

نتیجہ: فَأَلِحَّ فِي الدُّعَاءِ وَأَبْشِرْ بِالْإِجَابَةِ. (پس دعا میں اصرار کرو اور قبولیت کی خوش خبری حاصل کرو۔)

﴿مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ فَالْعِبْرَةُ بِالْإِخْلَاصِ لَا بِالْجِنْسِ. (اعتبار اخلاص کا ہوتا ہے، نہ کہ جنس کا۔)

199 ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ... سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝﴾

﴿خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ﴾ إِذَا لَمْ يَخْشَعْ قَلْبُ الْعَالِمِ لِلّٰهِ فَلِأَنَّهُ يَأْكُلُ بِدِيْنِ اللّٰهِ. (عالم کا دل جب اللہ سے ڈرنے والا نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین کے ذریعے دنیا کھاتا ہے۔)

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ وَقِيْلَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: كَيْفَ يُحَاسِبُ اللّٰهُ النَّاسَ عَلٰى كَثْرَتِهِمْ؟ قَالَ: كَمَا يَرْزُقُهُمْ عَلٰى كَثْرَتِهِمْ. (تفسير ابن جزى: ١ / ١١٦) علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا "اللہ اتنے زیادہ لوگوں کا حساب کیسے لے گا؟" انھوں نے فرمایا "جس طرح وہ ان کی کثرت کے باوجود انھیں رزق دیتا ہے۔"

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ﴾ کا تعلق ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ سے ہے۔

قَالَ الرَّاغِبُ: النَّفْسُ مُوْلَعَةٌ بِحُبِّ الْعَاجِلِ. (محاضرات الادباء: ١ / ٦٣٩) امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا "نفس کو جلدی ملنے والی چیزوں سے بڑی محبت

ہوتی ہے۔'' یہاں مُوْلَعَةٌ سے مراد مُغْرَمٌ بِهِ (دیوانہ)، مَشْغُوْفٌ بِهِ (شیدا) ہے۔

200 ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اصْبِرُوْا ... لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○﴾

اَلْمُصَابَرَةُ : اَكْثَرُ صَبْراً مِنْ اَعْدَائِهِمْ . (اپنے دشمنوں سے بھی زیادہ صبر کرنا مصابرہ کہلاتا ہے۔)

اَلْمُرَابَطَةُ : لُزُوْمُ الثَّغْرِ حَتّٰى لَا يَدْخُلَ مِنْهُ الْعَدُوُّ . (سرحد پر جمے رہنا تاکہ دشمن وہاں سے داخل نہ ہوسکے۔) اور ملک برباد کردے۔

وَهُنَا لُزُوْمُ ثَغْرِ الْقَلْبِ لِئَلَّا يَدْخُلَ مِنْهُ الْهَوٰى وَالشَّيْطَانُ .

(یہاں دل کی سرحد پر پہرہ دینا مراد ہے تاکہ دل میں خواہشات اور شیطان داخل ہوکر دل کی سلطنت برباد نہ کردے۔)

فلاح کو چار چیزوں پر معلق کیا گیا ہے : صبر، مصابرہ، مرابطہ اور تقویٰ۔

وضاحت :

① عبادت میں مشقت برداشت کرو۔ یہ صبر ہے۔

② مخالفین کی ایذا رسانیاں برداشت کرو۔ یہ مصابرہ ہے۔

③ کفار اور اعدائے اسلام سے چوکنا رہو۔ یہ مرابطہ ہے۔

④ عقائد اور احکام پر عمل کرو۔ یہ تقویٰ ہے۔

اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں :

① فی نفسہ صابر ہو۔ یہ صبر ہے۔

② دشمن سے مقابلے کے وقت صابر ہو۔ یہ مصابرہ ہے۔

③ صبر اور مصابرہ پر ثبات اور لزوم ہو۔ یہ مرابطہ ہے۔

بندہ کبھی صابر ہوتا ہے، مصابر نہیں ہوتا۔ کبھی صابر اور مصابر دونوں ہوتا ہے، مگر مرابط نہیں ہوتا۔ کبھی تینوں ہوتا ہے، مگر متقی نہیں ہوتا، جبکہ فلاح اسی پر موقوف ہے۔

قَالَ بَعْضُ اَرْبَابِ اللِّسَانِ : اصْبِرُوْا عَلَى النَّعْمَاءِ ، وَ صَابِرُوْا عَلَى الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ ، وَ رَابِطُوْا فِيْ دَارِ الْاَعْدَاءِ ، وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ ، لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ فِيْ دَارِ الْبَقَاءِ . (تفسير البغوى : ١ / ٥٦١) عربی زبان کے کسی ماہر نے کہا ہے ''نعمتوں پر صبر کرو اور سختیوں وتنگیوں پر ثابت قدم رہو، دشمنوں کے علاقے میں ڈٹے رہو اور زمین وآسمان کے خالق سے ڈرو تاکہ تم بقا کے گھر (آخرت) میں فلاح پاؤ۔''

سورۂ نساء

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - ، قَالَ : اِنَّ فِيْ سُوْرَةِ النِّسَاءِ لَخَمْسُ آيَاتٍ مَا يَسُرُّنِيْ اَنَّ لِيْ بِهَا الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا : اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ الْآيَةَ ، اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ الْآيَةَ ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الْآيَةَ ، وَ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ . (تفسير ابن كثير : ٢ / ٢٠٤) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''سورۂ نساء میں پانچ آیات ایسی ہیں کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے لیے ان کے بدلے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، وہ سب ہو۔ پہلی آیت : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ ﴾ (بے شک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔) دوسری آیت : ﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ ﴾ (اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچو گے جن سے تمھیں روکا جاتا ہے تو ہم تمھاری (چھوٹی چھوٹی) برائیاں تم سے دور کر دیں گے اور تمھیں عزت کی جگہ میں داخل کریں گے۔) تیسری آیت : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ ﴾ (بے شک اللہ تعالیٰ (یہ گناہ) نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔) چوتھی آیت : ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ ﴾ (اور اگر بے

شک وہ لوگ جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، آپ کے پاس آتے، پھر وہ اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے بخشش طلب کرتا تو وہ یقیناً اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور انتہائی رحم کرنے والا پاتے۔) پانچویں آیت: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ﴾ (اور جو شخص برا عمل کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر وہ اللہ سے بخشش مانگے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا، انتہائی رحم کرنے والا پائے گا۔)''

اس سورت کا نام ''نساء'' اس وجہ سے ہے کہ اس میں کثرت سے عورتوں کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ یہ سورت ''سورۃ النساء الکبریٰ'' ہے اور سورۂ طلاق ''سورۃ النساء الصغریٰ'' ہے۔

اَوْضَحَتْ هٰذِهِ السُّوْرَةُ مِيْزَانَ الرَّوَابِطِ الْاِجْتِمَاعِيَّةِ وَاِنَّهَا قَائِمَةٌ عَلَى اَسَاسِ التَّنَاصُحِ وَالتَّكَافُلِ وَالتَّرَاحُمِ وَالتَّعَاوُنِ لِتَقْوِيَةِ بِنْيَةِ الْاُمَّةِ. (اس سورت نے معاشرتی تعلقات کا توازن واضح کیا ہے۔ وہ یہ کہ یہ تعلقات باہمی خیر خواہی، ایک دوسرے کی کفالت، آپسی رحم دلی اور ایک دوسرے کی مدد کے اصولوں پر قائم ہیں تاکہ امت کی ساخت کو مضبوط کیا جا سکے۔)

نکات:

① اس سورۂ کریمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر آیت کے آخر میں اللہ کے جتنے ۴۲ اسمائے حسنیٰ آئے ہیں، کسی اور سورت میں نہیں آئے، جیسے عَلِيْمٌ، حَكِيْمٌ، اَوْ مِنْ صِفَاتِ الْقُدْرَةِ وَالرَّحْمَةِ وَالْمَغْفِرَةِ. (علیم، حکیم یا قدرت، رحمت اور مغفرت کی صفات۔)

② مِنْ اَقْبَحِ اَفْعَالِ الْجَاهِلِيَّةِ: اعْتِبَارُ اِمْرَاَةِ الْمَيِّتِ مِيْرَاثًا. (جاہلیت کے بدترین افعال میں سے ایک فعل یہ تھا کہ مرنے والے کی عورت کو میراث سمجھا جاتا تھا۔)

③ اِنَّ اللّٰهَ ذَمَّ نِكَاحَ زَوْجَةِ الْاَبِ بِاَكْثَرَ مَا ذَمَّ بِهِ الزِّنَا . (اللہ تعالیٰ نے باپ کی بیوی سے نکاح کی اس سے زیادہ مذمت کی ہے جتنی اس نے زنا کی مذمت کی ہے۔)

④ اَهَمِّيَّةُ اَدَاءِ الْاَمَانَاتِ . (امانتوں کی ادائیگی کی اہمیت۔)

⑤ اَلْقِتَالُ لِضَمَانِ حُقُوْقِ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ ، وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ .... (کمزوروں کے حقوق کے تحفظ کے لیے لڑنا۔ ''اور (اے مسلمانو!) تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے۔'')

نکتہ : بعض لوگ سورۂ نساء میں قتال کی آیات کے آنے پر حیران ہوتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان آیات کا اس سورت میں مقام اس لیے ہے کہ عورتیں ہی مجاہدین کی جنم گاہ ہیں اور عورت اپنے گھر میں اپنے صبر اور شوہر کی اطاعت کے ذریعے ایک مجاہدہ ہوتی ہے۔

چند اور نکات :

① سورۂ نساء کے شروع میں یتیموں اور خصوصاً الیتامی النساء (یتیم خواتین) پر خاص زور دیا گیا ہے۔

② اسلام کے دشمنوں نے افواہ پھیلا رکھی ہے کہ اسلام عورتوں کو حق نہیں دیتا بلکہ ان پر ظلم کرتا ہے۔ اللہ نے ان کے نام سے سورت نازل فرمائی جو ان کی اس افواہ کا پول کھول دیتی ہے۔

③ سورۂ نساء کی پہلی آیت قرآن کی پہلی آیت ہے جو یاء سے شروع ہوتی ہے اور الف پر ختم ہوتی ہے۔ حروف ہجائیہ میں سے آخری حرف یاء ہے اور پہلا حرف الف ہے۔ اس آیت میں اٹھائیس الف ہے اور انتیس کلمات ہیں۔

نکتہ : اِنَّ الْبَشَرِيَّةَ قَامَتْ عَلَى نَوْعَيْنِ - عَلَى رَجُلٍ وَاُنْثَى .

(انسانیت دو قسموں پر قائم ہے، مرد اور عورت پر۔)

اَلْآيَةُ الْأُوْلَى آيَةٌ تَذْكُرُ بِالْمَبْدَاِ وَالْأَصْلِ . (پہلی آیت ایسی ہے جو آغاز اور اصل کی یاد دلاتی ہے۔)

① مہر دو۔ ② میراث میں حق دو۔

③ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصوں کے برابر ہے۔

④ لڑکی کا حصہ متعین ہے، لڑکے کا نہیں۔

⑤ بیوی، شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔ شوہر، بیوی کو نہیں۔

آگے فرمایا: اِنَّ صَاحِبَ الذَّنْبِ وَلَوْ اَتَى كَبِيْرَةً مِنَ الْكَبَائِرِ فَاِنَّ بَابَ الرَّحْمَةِ اَمَامَهُ مَفْتُوْحٌ . (گناہ کرنے والا اگرچہ اس نے کوئی کبیرہ گناہ بھی کیا ہو تو اس کے سامنے رحمت کا دروازہ کھلا ہے۔)

ارشاد ہے: ﴿ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ ﴾ (النساء : ٤ / ١٧) ”اللہ تو صرف ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادانی سے برا کام کرتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، چنانچہ اللہ ان کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اور اللہ بہت جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔“

﴿ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ، قَالَتْ : مَا غِرْتُ عَلَى اَحَدٍ مِنْ نِسَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيْجَةَ وَمَا رَاَيْتُهَا ، وَلٰكِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا ، وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يُقَطِّعُهَا اَعْضَاءً ، ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِىْ صَدَائِقِ خَدِيْجَةَ ، فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهُ : كَاَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِى الدُّنْيَا امْرَاَةٌ اِلَّا خَدِيْجَةُ ، فَيَقُوْلُ : اِنَّهَا كَانَتْ ، وَكَانَتْ ، وَكَانَ لِىْ مِنْهَا وَلَدٌ ﴾ (صحيح البخاری : كتاب المناقب ، حديث ٣٨١٨) عائشہ رضی اللہ عنہا سے

روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کی کسی بیوی پر اتنی غیرت نہیں کی جس قدر خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کی، حالانکہ میں نے انھیں دیکھا تک نہیں، مگر وجہ یہ تھی کہ نبی رضی اللہ عنہا ان کا بکثرت ذکر کرتے رہتے تھے اور جب آپ کوئی بکری ذبح کرتے تو اس کے ٹکڑے کاٹ کر خدیجہ کی سہیلیوں کو بھیجتے تھے۔ جب کبھی میں آپ سے کہتی کہ گویا دنیا میں کوئی عورت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوا تھی ہی نہیں تو آپ فرماتے ''وہ ایسی تھی اور ایسی تھی اور میری اولاد بھی انھیں کے بطن سے ہوئی ہے۔''

نکتۂ عظیمہ : سورۂ نساء ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ سے شروع ہوتی ہے اور سورۂ حج بھی ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ سے شروع ہوتی ہے۔ سُوْرَةُ النِّسَاءِ هِيَ السُّوْرَةُ الرَّابِعَةُ مِنَ النِّصْفِ الْاَوَّلِ مِنَ الْقُرْاٰنِ ، وَسُوْرَةُ الْحَجِّ هِيَ السُّوْرَةُ الرَّابِعَةُ مِنَ النِّصْفِ الثَّانِيْ مِنَ الْقُرْاٰنِ . (سورۂ نساء قرآن کے پہلے نصف کی چوتھی سورت ہے اور سورۂ حج قرآن کے دوسرے نصف کی چوتھی سورت ہے۔)

سورۂ نساء میں ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ کہہ کر تقویٰ کا حکم دیا اور سورۂ حج میں بھی ایسا ہی ہے۔ تقویٰ کی علت سورۂ نساء میں انسان کی نشاۃ اولیٰ کے ذکر کے ساتھ ہے اور سورۂ حج میں نشاۃ ثانیہ کے ذکر کے ساتھ۔

قواعد واصول مستفادة من سورة النساء :

﴿ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اِذَا ضَاقَ الْاَمْرُ اِتَّسَعَ وَاِذَا اتَّسَعَ ضَاقَ . (جب چیز تنگ ہو جاتی ہے تو کشادہ ہو جاتی ہے اور جب کشادہ ہوتی ہے تو تنگ ہو جاتی ہے۔) خوف یا سفر ہو تو نماز قصر کرے بلکہ نماز کی کیفیت، منصوص طریقے سے بدل جاتی ہے۔

آیت تیمم : اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ . (ضرورتیں، ممنوعات کو جائز کر دیتی ہیں۔)

اَلْمَشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيْرَ . (مشقت آسانی لاتی ہے۔)

﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ ... ﴾ اِنْ تَزَاحَمَتِ الْمَفَاسِدُ دُفِعَتْ اَعْلَاهَا بِارْتِكَابِ اَخَفِّهَا وَاَدْنَاهَا . (جب کئی مفاسد جمع ہو جائیں تو ان میں سے چھوٹے کا ارتکاب کر کے بڑے کو دور کیا جاتا ہے۔)

﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ اَلْعَادَةُ مُحْكَمَةٌ . (عادت ایک مستند حکم ہے۔) یعنی عادت فیصلہ کن ہوتی ہے، یا معمول کو قانون سمجھا جاتا ہے۔

اَدَاءُ الْحَقِّ بِالْمُعْتَادِ الْمَعْرُوْفِ الَّذِىْ يَرْتَضِيْهِ الْعَقْلُ بِاعْتِبَارِ تَغَايُرِ الْمُجْتَمَعَاتِ وَاخْتِلَافِ الظُّرُوْفِ وَالْاَحْوَالِ . (معاشروں کے فرق اور حالات و کیفیات کے اختلاف کے پیش نظر، حق کی ادائیگی اس معروف اور متعارف طریقے سے کرنا جسے عقل قبول کرتی ہو۔)

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ : مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَناً فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ ، وَمَا رَآهُ الْمُؤْمِنُوْنَ قَبِيْحًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ قَبِيْحٌ . (جامع بيان وفضله : ٢ / ٨٥٤ رقم ١٦١٨) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”جس چیز کو مومنین اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس چیز کو مومنین برا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔“

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ ﴾ اِسْتَدَلَّ ابْنُ تَيْمِيَّةَ بِهٰذِهِ الْآيَةِ عَلٰى قَاعِدَةٍ : اَلْفِعْلُ يَنُوْبُ عَنِ الْكَلَامِ فِىْ صُوَرٍ ، لِاَنَّ النَّاسَ مِنْ لَدُنِ النَّبِىِّ وَاِلٰى يَوْمِنَا مَا زَالُوْا يَتَعَاقَدُوْنَ فِىْ مِثْلِ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ بِلَا لَفْظٍ بَلْ بِالْفِعْلِ الدَّالِّ عَلَى الْمَقْصُوْدِ . (امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے ایک قاعدے پر استدلال کیا ہے کہ بعض صورتوں میں فعل، کلام کا قائم مقام ہو جاتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک لوگ ایسے معاملات میں لفظی گفتگو کے بغیر، مقصد پر دلالت کرنے والے فعل کے ذریعے ہی معاہدے کرتے چلے آ رہے ہیں۔)

اس آیت کا ایک نکتہ : متبرع، طیب نفس کے ساتھ تبرع کرے۔

1 ﴿يَا اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا ... كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً ○﴾

اِنَّ النِّسَاءَ قَدْ خُلِقْنَ مِنَ الرِّجَالِ ، وَفِيْ هٰذِهٖ دَعْوَةٌ صَرِيْحَةٌ لِلرَّافَةِ بِهِنَّ . (عورتیں، مردوں سے پیدا کی گئی ہیں۔ اس میں عورتوں کے ساتھ نرمی برتنے کی بھی واضح دعوت ہے۔)

﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ اِنَّ الْبَشَرِيَّةَ كُلَّهَا اُسْرَةٌ وَاحِدَةٌ . (پوری انسانیت ایک ہی خاندان ہے۔)

وَلِهٰذَا قِيْلَ : اَنَّ اللّٰهَ يُقِيْمُ الدَّوْلَةَ الْعَادِلَةَ وَاِنْ كَانَتْ كَافِرَةً ، وَلَا يُقِيْمُ الظَّالِمَةَ وَاِنْ كَانَتْ مُسْلِمَةً ، وَيُقَالُ : الدُّنْيَا تَدُوْمُ مَعَ الْعَدْلِ وَالْكُفْرِ وَلَا تَدُوْمُ مَعَ الظُّلْمِ وَالْاِسْلَامِ . (مجموع الفتاوى لابن تيمية : ٢٨ / ١٤٦) ''اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ بے شک اللہ عادل ریاست کو قائم رکھتا ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، جبکہ ظالم ریاست کو قائم نہیں رکھتا، خواہ وہ مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دنیا عدل اور کفر کے ساتھ باقی رہ سکتی ہے، لیکن ظلم اور اسلام کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی۔''

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾ ''اتقوا الارحام'' سے مراد یہ ہے کہ رشتوں کو کاٹنے سے بچو۔ پس جس نے رشتہ توڑا تو اس سے اللہ نے بھی تعلق توڑ لیا اور جس نے اسے جوڑا تو اس سے اللہ نے بھی تعلق جوڑ لیا۔

3 ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا ... اَلَّا تَعُوْلُوْا ○﴾

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ فَاِنْ عَلِمَ اَنَّهُ يَقُوْمُ بِحَقِّ هٰذَا الْوَاجِبِ آثَرَ هٰذَا الْمُبَاحَ ، وَاِنْ عَلِمَ اَنَّهُ يُقَصِّرُ فِي الْوَاجِبِ فَلَا يَتَعَرَّضُ لِهٰذَا الْمَبَاحِ فَاِنَّ الْوَاجِبَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ . (پس اگر انسان کو علم ہو کہ وہ اس واجب کا حق ادا کرلے گا تو وہ اس مباح کام کو ترجیح دے اور اگر اسے علم ہو کہ

وہ واجب میں کوتاہی کرے گا تو وہ اس مباح کام کے قریب بھی نہ جائے کیونکہ واجب کے بارے میں پوچھا جائے گا۔)

تعدد ازواج : یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ عورتوں کی اوسط پیدائش مردوں کی اوسط پیدائش سے زیادہ ہوتی ہے۔فرض کرو، دونوں میں ایک اور دو کی نسبت ہے۔اگر مرد صرف ایک عورت سے شادی کرے تو جو عورتیں بچ جائیں، ان کی تین صورتیں ہیں :

① کبھی مرد سے جنسی خواہش پوری نہ کریں۔

② ناجائز طریقے سے جنسی خواہش پوری کریں۔

③ ان مردوں سے شادی کرلیں جو مالی اور جسمانی طور پر اہل ہوں۔

پہلی بات خلاف فطرت ہے۔ دوسری دین اور قانون کے اعتبار سے گناہ ہے۔ پسندیدہ صورت تیسری ہے۔

اگر عورت بانجھ ہو تو مرد کی مذکورہ تین حالتیں ہوں گی۔

عورت بیمار یا متعدی مرض میں مبتلا ہو تو مرد کی درج ذیل چار صورتیں ہیں :

① عورت کو طلاق دے دے۔

② تمام عمر جنسی خواہش پوری نہ کرے۔

③ ناجائز طریقے سے خواہش پوری کرے۔

④ دوسری عورت سے شادی کرے۔

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ وَفِي هٰذَا أَنَّ تَعَرُّضَ الْعَبْدِ لِلْأَمْرِ الَّذِي يَخَافُ مِنْهُ الْجَوْرَ وَالظُّلْمَ ، وَعَدَمُ الْقِيَامِ بِالْوَاجِبِ - وَلَوْ كَانَ مُبَاحاً - أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَتَعَرَّضَ لَهُ ، بَلْ يَلْزَمُ السَّعَةَ الْعَافِيَةَ ، فَإِنَّ الْعَافِيَةَ خَيْرُ مَا أُعْطِيَ الْعَبْدُ . (تفسير السعدى : ص ١٦٣) ”اس حکم میں یہ بات ہے کہ بندے کا کسی ایسے معاملے میں پڑنا جس میں اسے ناانصافی اور ظلم کا خوف ہو اور واجب کو ادا نہ کر پاتا ہو، اگرچہ وہ کام مباح ہی کیوں نہ

ہو۔ پس اسے ایسے مباح کام کے قریب نہیں جانا چاہیے بلکہ اسے وسعت اور عافیت کو لازم پکڑنا چاہیے کیونکہ عافیت ہی وہ بہترین چیز ہے جو بندے کو عطا کی گئی ہے۔"

﴿وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ...﴾ 4

اياك ان تزني بامراتك (خبردار، کہیں تم اپنی بیوی سے زنا نہ کر بیٹھنا!) :

﴿وَعَن مَيْمُوْن الْكرْدِيِّ ، عَنْ اَبِيْهِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : اَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَاَةً عَلَى مَا قَلَّ مِنَ الْمَهْرِ اَوْ كَثُرَ لَيْسَ فِيْ نَفْسِهِ اَنْ يُؤَدِّىَ اِلَيْهَا حَقَّهَا خَدَعَهَا ، فَمَاتَ ، وَلَمْ يُؤَدِّ اِلَيْهَا حَقَّهَا لَقِىَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ زَانٍ ، وَاَيُّمَا رَجُلٍ اسْتَدَانَ دَيْناً لَا يُرِيْدُ اَنْ يُؤَدِّىَ اِلَى صَاحِبِهِ حَقَّهُ خَدْعَةً حَتَّى اَخَذَ مَالَهُ ، فَمَاتَ ، وَلَمْ يَرُدَّ اِلَيْهِ دِيْنَهُ لَقِىَ اللّٰهَ وَهُوَ سَارِقٌ﴾ (المعجم الصغير للطبرانى : حديث ٢٧٨١ ، صحيح الترغيب : حديث ١٨٠٧) میمون الکردی اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا "جو بھی مرد کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کرے اور اس کے دل میں یہ نیت ہو کہ وہ اس کا حق ادا نہیں کرے گا تو اس نے اس کے ساتھ دھوکا کیا۔ پھر وہ اس کا حق ادا کیے بغیر مر گیا تو وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ زانی ہوگا۔ اسی طرح جو بھی مرد کوئی قرض لے اور اس کے دل میں یہ ارادہ نہ ہو کہ وہ اس کے مالک کا حق ادا کرے گا تو اس نے دھوکے سے اس کا مال لے لیا۔ پھر وہ اس کا قرض ادا کیے بغیر مر گیا تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ چور ہوگا۔"

﴿فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا﴾ هَنِيْئاً حِيْنَ الْاَكْلِ ، مَرِيْئاً بَعْدَ الْاَكْلِ .
(کھاتے وقت خوش گوار ہو اور کھانے کے بعد سہولت بخش ہو۔)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ سخی لوگوں کا کھانا ہضم ہونے والا (صحت بخش) ہوتا ہے

کیونکہ وہ خوش دلی سے کھلاتے ہیں، جبکہ بخیلوں کا کھانا خراب ہوتا ہے کیونکہ وہ محض تکلفاً کھلاتے ہیں، نہ کہ خوش دلی سے۔

﴿قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : طَعَامُ السَّخِي دَوَاء وَطَعَامُ الْبَخِيْلِ دَاء﴾ (لطائف الاشارات : ص ۳۱۳ ، وحديث باطل) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سخی کا کھانا دوا ہے اور بخیل کا کھانا بیماری ہے۔" (یہ حدیث باطل ہے۔)

نکتہ : ﴿هَنِيْٓـًٔا﴾ کا لفظ پورے قرآن مجید میں صرف چار مرتبہ آیا ہے۔ ایک مرتبہ دنیا کے سلسلے میں اور باقی تین مرتبہ آخرت کے سلسلے میں آیا ہے۔ وہ آیت جو دنیا سے متعلق ہے، اس میں ﴿هَنِيْٓـًٔا﴾ کے ساتھ ﴿مَّرِيْٓـًٔا﴾ کا بھی ذکر ہے، جبکہ وہ آیات جو آخرت سے متعلق ہیں، ان میں ﴿هَنِيْٓـًٔا﴾ کے ساتھ ﴿مَّرِيْٓـًٔا﴾ کا ذکر نہیں آیا ہے۔ ایسا اس وجہ سے ہے کہ جنتی کھانا ﴿مَّرِيْٓـًٔا﴾ کی صفت کا محتاج ہی نہیں ہے کیونکہ وہ اصلاً ہی مریء ہے۔ اسے ایک مثال سے سمجھیں۔ آپ نے کوئی کھانا کھایا جس کا ذائقہ زبان کے لیے مزے دار ثابت ہوا، لیکن پیٹ کے لیے مزے دار ثابت نہ ہوا۔ یعنی اسے کھا کر انسان کا پیٹ خراب ہو گیا۔ پس یہ کھانا مریء نہیں ہوا۔ لفظ مریء جس مفہوم کا متقاضی ہے، وہ یہ ہے کہ کھانا ایسا ہو جو ذائقے کے اعتبار سے بھی مزے دار ہو اور پیٹ کے لیے بھی کسی نقصان کا باعث نہ ہو۔ اگر جنتی کھانے کے ساتھ صفت ﴿مَّرِيْٓـًٔا﴾ کا ذکر کر دیا جاتا تو دنیوی غذا اور جنتی غذا میں کوئی فرق نہ رہ جاتا۔

5 ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ ...﴾

اَلسَّفِيْهُ هُوَ مَنْ لَا يُحْسِنُ التَّصَرُّفَ ، اِمَّا لِصَغَرٍ فِیْ سِنِّهٖ وَاِمَّا لِقُصُوْرٍ فِیْ عَقْلِهٖ وَرُشْدِهٖ . (سفیہ وہ ہے جو مال میں صحیح طریقے سے تصرف نہ کر سکے، یا تو اپنی چھوٹی عمر کی وجہ سے یا اپنی عقل وفہم کی کمی کی وجہ سے۔)

نکتہ : یتیم کے مال کو ولی کا مال کہا گیا تا کہ ولی اس کے مال کی حفاظت اس طرح کرے جیسے اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے۔ بے دریغ خرچ نہ کرے۔ نابالغ یتیم لڑکا لڑکی اگر

سفیہ یعنی کم عقل ہے تو مال اس کے حوالے نہ کیا جائے۔ اس سے کئی مسائل نکلے۔

کوئی عہدے کا اہل نہ ہو تو سلطان پر لازم ہے کہ لوگوں کو اس کے ضرر سے بچانے کے لیے اسے اس کام سے روک دے۔ جیسے جھولا چھاپ ڈاکٹر، بے سند ڈاکٹر یا نااہل ملازمین ہوتے ہیں کیونکہ علت، سفاہت (نااہلی) ہے۔

6 ﴿وَابْتَلُوا الْيَتَامٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ...﴾

لڑکے کی بلوغت، احتلام ہے اور لڑکی کی بلوغت، احتلام یا حیض یا حمل ہے۔

یتیم وہ ہے جس کا باپ مرگیا ہو۔ علم وراثت کا قاعدہ ہے کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم ہوتا ہے۔ جیسے مرنے والے کا بیٹا اور پوتا ہو تو بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم ہوگا۔ پوتا میت سے ایک واسطہ بعید ہے اور بیٹا میت سے بلا واسطہ لاحق ہوتا ہے۔ تقسیم وراثت میں حاجت مندی معیار نہیں بلکہ اقربیت معیار ہے۔

خلاصہ: آیت نمبر ۵ اور ۶ میں بتایا گیا کہ یتیم اور بے عقل لوگ بالغ نہیں ہیں بلکہ ناسمجھ ہیں، لہٰذا ان کے مال کی حفاظت کرو۔ پھر جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا مال انھیں دے دو۔

9 ﴿فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً﴾

قَوْلٌ سَدِيْدٌ مَا كَانَ صَوَاباً مُوَافِقاً لِلْحِكْمَةِ. (قول سدید یہ نہیں ہے کہ بات میں نرمی ہو یا سختی ہو بلکہ قول صواب ہو اور حکمت کے مطابق بھی۔)

11 ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ...﴾

اِنَّ تَقْسِيْمَ الْاِرْثِ لَيْسَ عَلَى اَسَاسِ الْاَفْضَلِيَّةِ، بَلْ عَلَى اَسَاسِ الْوَاجِبَاتِ وَالْمَسْئُوْلِيَّاتِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا. (وراثت کی تقسیم فضیلت کی بنیاد پر نہیں بلکہ وارثوں میں سے ہر ایک کے واجبات اور ذمے داریوں کی بنیاد پر ہے۔)

مرد کی مسئولیات زیادہ ہیں۔ ظلم (وراثت میں کوتاہی) ہو جائے تو توبہ کی جائے۔

دادا کی وراثت میں پوتے کا حصہ :

① وارث ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وارث اپنے مورث کی موت کے وقت زندہ ہو۔

② مردہ، مردے کی وراثت کا حق دار نہیں ہوتا۔

③ اس سورت میں حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا لازم آئے گا کیونکہ بیٹا حقیقت ہے اور پوتا مجاز ہے۔

④ بیٹا مر گیا تو دادا کو چاہیے کہ پوتے کے لیے وصیت کر جائے اور وصیت ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔ اس صورت میں کبھی کبھی پوتے کو وارثین سے زیادہ حصہ مل جاتا ہے۔

⑤ اللہ نے فرمایا: ﴿ فَارْزُقُوهُمْ مِّنْهُ ﴾ (النساء : ٤ / ٨) ''تو انھیں بھی اس میں سے کچھ دے دو۔'' یہ حکم ان یتیموں اور مسکینوں کے بارے میں ہے جو مورث کے خاندان کے نہیں۔ پس خاندان کے یتیم اور مساکین کو بدرجۂ اولیٰ اس بات کے حق دار ہوں گے کہ وارثین اپنے حصوں میں سے انھیں کچھ نہ کچھ دے دیں۔

⑥ میراث کا دارومدار اقربیت پر ہے، یتیم اور غریب ہونے پر نہیں۔ یعنی ترکہ کی تقسیم میں محتاج ہونے یا نہ ہونے کو شریعت نے معیار نہیں بنایا ہے بلکہ الاقرب فالاقرب کا اعتبار کیا ہے کیونکہ یہ ایسا معیار ہے جسے طے کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ میت کی دو اولادوں میں سے ایک بہت مال دار ہو اور دوسرا بہت غریب ہو، لہٰذا باپ کا ترکہ غریب بیٹوں کو دے دیا جائے اور امیر بیٹے کو نہ دیا جائے تو یہ بات بجائے خود قابل اشکال ہے۔ پھر حاجت مند ہونے کے درجات مختلف ہیں۔ کوئی زیادہ ضرورت مند ہوگا، کوئی کم ضرورت مند ہوگا، کوئی اپنی ضرورت کا زیادہ اظہار کرے گا اور دوسرے وارثین اسے تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوں گے، لہٰذا تقسیم ترکہ کے وقت ایسے نزاعات پیدا ہوں گے جنھیں حل کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

⑦ یتیم پوتے کی کفالت کی ذمے داری وارثین کے اوپر ہوگی۔

⑧ پھر عوام کو بھی ترغیب دی گئی کہ وہ یتیم کی کفالت کریں۔ ﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : كَافِلُ الْيَتِيْمِ ، لَهُ اَوْ لِغَيْرِهِ ، اَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ ، وَاَشَارَ مَالِكٌ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى﴾ (مسلم : كتاب الزهد والرقاق ، حديث ۲۹۸۳) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یتیم کی پرورش کرنے والا، اس کا اپنا (رشتے دار) ہو یا غیر ہو، میں اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے۔'' پھر امام مالک رحمہ اللہ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی (کو ملا کر اس) کے ساتھ اشارہ کیا۔

⑨ پوتا علی الاطلاق وراثت سے محروم نہیں ہوتا بلکہ اس وقت محروم ہوتا ہے جب دادا کی مذکر اولاد موجود ہو۔

لڑکے کا حصہ لڑکی کے دگنا کیوں؟ :

فرانس کا ایک مستشرق جس کا نام Gaston Weit (گیسٹن ویٹ) ہے، اس نے لکھا ہے کہ اسلام میں عورتوں کو ذلیل اور حقیر رکھا گیا، یہاں تک کہ میراث میں اس کا حصہ مرد سے آدھا ہے۔

(جواب) یہ الزام درست نہیں ہے۔ غور کیجیے تو معاملہ اس کے برعکس نظر آئے گا۔ وہ یہ ہے کہ اسلام نے مردوں سے دوگنا عورتوں کو دیا ہے۔ مثلاً اصحاب الفروض بارہ ہیں جن میں آٹھ عورتیں ہیں اور چار مرد ہیں۔ گویا اسلام نے عورتوں کی زیادہ تعداد کو ترکہ دیا ہے۔

اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ مردوں کو اگر دگنا دیا گیا ہے تو یہ اس وجہ سے معقول ہے کہ ان کی تعداد عورتوں کے مقابلے میں آدھی ہے، لہٰذا مرد کو دوگنا ملنا ہی چاہیے۔ گویا اسلام نے عدل کیا اور عورت کو عزت دی۔

دیگر مذاہب میں جب عورت کو میراث سے کچھ بھی نہیں دیا گیا تو یہ نام نہاد مفکرین ان مذاہب پر اعتراض کیوں نہیں کرتے؟

① مرد، عورتوں پر خرچ کرتا ہے۔ عورتوں کے ذمے کوئی خرچ نہیں۔

② عورت شادی میں مرد سے مہر بھی لیتی ہے اور نان نفقہ و سکنیٰ کی بھی حق دار ہوتی ہے۔

③ ہر مسئلے میں ایسا نہیں ہوتا کہ عورت کو کم ملے۔ بعض صورتوں میں عورت کو مرد سے زیادہ حصہ مل جاتا ہے۔

مثال : میت (مسئلہ 6 سے بنا۔)

ام	$\frac{1}{6}$	1
بنت	$\frac{1}{2}$	3
بنت الابن	$\frac{1}{6}$	1
عم شقیق	باقی	1

مسئلہ مذکورہ میں دیکھیے کہ مرد (سگا چچا) کو عورت (بنت) سے کم حصہ ملا۔

④ لڑکی کا نفقہ شادی سے پہلے اس کے باپ پر لازم ہے اور شادی کے بعد اس کے شوہر پر لازم ہے، جبکہ مرد کو اپنے خرچ کے ساتھ بیوی بچوں کا بھی خرچ اٹھانا پڑتا ہے۔

⑤ ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ (النساء : ٤ / ٣٤) ''مرد، عورتوں پر حاکم ہیں۔'' اللہ نے عورت کے مقابلے میں مرد کو زیادہ شرف عطا کیا ہے۔ ایک شرف یہ بھی ہے کہ مرد ہی نبی ہوتا ہے، عورت نبیہ نہیں ہوسکتی۔

﴿ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ﴾ قرض ایک امانت ہے، اس لیے اسے وصیت پر مقدم کیا جائے گا۔ یعنی تقسیم مال سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا، پھر تہائی وصیت پوری کی جائے، پھر ترکہ کو ورثاء میں تقسیم کیا جائے۔

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ... عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ﴾ 13-14

(سوال) جنتیوں کے بیان میں خلود (ہمیشگی) کو جمع کے صیغے کے ساتھ (خٰلِدِيْنَ) اور جہنمیوں کے بیان میں واحد کے صیغے کے ساتھ (خَالِدًا) لایا گیا۔ کیوں؟

(جواب) خلود جنت میں انس کا سبب اور جہنم میں وحشت کا سبب ہوگا۔ دوزخی اس وحشت میں اکیلا ہوگا۔

17 ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ ... عَلِيْماً حَكِيْماً ○﴾

قَدْ يُقْصَدُ الضِّرَارُ وَهُوَ الْاِثْمُ ، وَقَدْ يُضَارُّ بِغَيْرِ قَصْدٍ وَهُوَ الْجَنَفُ ، كَقَوْلِهِ : فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا . (کبھی قصداً ضرر پہنچایا جاتا ہے، یہ گناہ ہے۔ کبھی بلا قصد نقصان پہنچ جاتا ہے جسے جنف کہا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے ''پھر اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے حق تلفی یا کسی گناہ کا ڈر ہو۔'')

اَلتَّوْبَةُ مِنْ قَرِيْبٍ ، فَجُمْهُوْرُ الْمُفَسِّرِيْنَ عَلَى اَنَّهَا التَّوْبَةُ قَبْلَ الْمُعَايِنَةِ ، قَالَ عِكْرَمَةُ : الْمَوْتُ ، قَالَ الضَّحَّاكُ : قَبْلَ مُعَايِنَةِ مَلَكِ الْمَوْتِ . (قریب کی توبہ۔ پس مفسرین کی اکثریت اس پر ہے کہ اس سے مراد موت کے آثار دیکھنے سے پہلے کی توبہ ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا ''(اس سے مراد) موت ہے۔'' ضحاک رحمہ اللہ نے کہا ''ملک الموت کو دیکھنے سے پہلے (کی توبہ) مراد ہے۔'')

﴿يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ﴾ عاصی (نافرمان) کو جاہل کہنے کی وجہ، اگرچہ اس نے علم کے ساتھ نافرمانی کی ہو، یہ ہے کہ بے شک اپنے رب کی نافرمانی کرنے والے کو اگر سزا کی وعید کا صحیح علم و ادراک ہوتا تو وہ کبھی معصیت (نافرمانی) پر اقدام نہ کرتا کیونکہ وہ اس کا ارتکاب حقیقت میں سزا کی وعید سے جہالت کی وجہ سے ہی کرتا ہے۔

19 ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا ... خَيْراً كَثِيْراً ○﴾

اب یہاں گفتگو عورتوں کے ساتھ عدل کی طرف پھر گئی۔

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج﴾ سے پہلے سزا کا بیان ہے۔ حسن سلوک کا مطلب ہے، عورتوں کو نہ بالکل دبا کر رکھا جائے اور نہ بالکل بے لگام چھوڑ دیا جائے۔

سوال لڑکیوں کے ہوسٹل میں ایک لڑکی کے ساتھ ریپ ہوا۔ ساری لڑکیاں موجود ہیں تو لڑکی انصاف کیسے حاصل کرے؟

(جواب) سزا اس وقت ہے جب قانونی تقاضے پورے ہوں۔ مثلاً جنگل میں جہاں کوئی نہ ہو، کسی کو قتل کر دیا جائے اور گواہ نہ ہو تو قاتل کو دنیاوی سزا نہیں ملے گی۔ وہ اخروی سزا کا مستحق ہوگا۔

﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ اَلْمُعَاشَرَةُ بِالْمَعْرُوْفِ : اِنْ اَحَبَّهَا اَكْرَمَهَا وَاِنْ اَبْغَضَهَا لَمْ يُهِنْهَا . (معاشرۃ بالمعروف کا مطلب ہے کہ اگر اسے پسند کرے تو اس کی عزت کرے اور اگر اسے ناپسند نہ کرے تو اس کی توہین نہ کرے۔)

پہلے ﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ کا حکم ہے۔ اگر عورت تمھیں ناپسند ہے تو صبر کرو، اگر صبر نہیں کر سکتے تو چھوڑ دو اور اگر چھوڑو تو مہر میں سے کچھ نہ لو۔ عربوں کا قاعدہ تھا کہ جب عورت کو چھوڑنا چاہتے تو زنا کا الزام لگا دیتے تا کہ مہر نہ دینا پڑے۔

﴿ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا ﴾ يَنْبَغِيْ لِلزَّوْجِ اَنْ يَصْبِرَ اِذَا رَاٰى مِنْ زَوْجَتِهٖ مَا يَكْرَهُ ، فَاِنَّ الْعَاقِبَةَ قَدْ تَكُوْنُ حَمِيْدَةً . (شوہر کے لیے ضروری ہے کہ اگر اپنی بیوی سے کوئی ایسی چیز دیکھے جسے وہ ناپسند کرتا ہو تو صبر کرے کیونکہ اس کا انجام عمدہ ہو سکتا ہے۔)

﴿ عَسٰى ﴾ کا لفظ امید کو ظاہر کرتا ہے، لیکن قرآن میں ہر ﴿ عَسٰى ﴾ محقق الوقوع (یقینی طور پر واقع ہونے والی) ہے کیونکہ اللہ، بندے کو امید دلا کر محروم نہیں کرتا۔

﴿ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾ 20

پھر قرآن کی ایک ایسی آیت آتی ہے جو ایک طرف میاں بیوی کے دلوں کو نرم کرنے اور دوسری طرف نکاح کے معاہدے کی اہمیت وعظمت کو اجاگر کرنے کے لحاظ سے سب سے شاندار آیات میں سے ہے۔ یہ آیت ہے : ﴿ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى ... ﴾ "اور تم مہر میں سے کیسے لے واپس لو گے، حالانکہ تم ایک دوسرے سے ملاپ کر چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے پختہ عہد لیا ہے؟" یہاں ﴿ اَفْضٰى ﴾ کا لفظ میاں

بیوی کے درمیان تعلق کے گہرے پن کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ تعلقات خراب ہونے سے پہلے کی دسیوں خوب صورت تصاویر یاد دلاتا ہے...... دن اور رات کی، سونے کے کمرے کی اور سیر و تفریح کی۔

21 ﴿وَاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقاً غَلِيْظاً﴾

﴿مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ پورے قرآن میں تین مرتبہ آیا ہے :

① ایک باران نبیوں کے ساتھ جنھوں نے اس مضبوط عہد کو پورا کیا۔

② دوسری بار بنی اسرائیل کے ساتھ جنھوں نے عہد توڑا۔

③ تیسری بار شوہر کے ساتھ، نکاح کے وقت۔

22 ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَآؤُكُمْ ... وَسَآءَ سَبِيْلاً ○﴾

اسلام میں عورتوں کا احترام : اسلام سے پہلے کے دور میں عورتوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے مظالم میں سے ایک ظلم یہ تھا کہ مرد اپنے باپ کی تمام دولت کا وارث بن جاتا تھا اور اس مال کے ساتھ اس کی تمام بیویوں (سوائے اپنی ماں کے) کا بھی وارث بن جاتا تھا جو ان عورتوں کے لیے ذلت کا باعث تھا۔ اسی ظلم کو ختم کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

23 ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ ...﴾

﴿عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا ، اَنَّهَا قَالَتْ : كَانَ فِيْمَا اُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ : عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ يُحَرِّمْنَ ، ثُمَّ نُسِخْنَ ، بِخَمْسٍ مَعْلُوْمَاتٍ ، فَتُوُفِّىَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَهِىَ فِيْمَا يُقْرَاُ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (مسلم : كتاب الرضاع ، حديث ١٤٥٢)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا ”قرآن میں نازل کیا گیا تھا کہ دس بار دودھ پلانا جن کا علم ہو، حرمت کا سبب بن جاتا ہے۔ پھر انھیں پانچ بار دودھ پلانے (کے حکم) سے جن کا علم ہو، منسوخ کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو یہ ان آیات میں سے

تھی جن کی (نسخ کا حکم نہ جاننے والے بعض لوگوں کی طرف سے) قرآن میں تلاوت کی جاتی تھی۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ پانچ دفعہ سے کم کسی عورت کا دودھ پیے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ یعنی پانچ حد ادنیٰ ہے، اس سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

﴿ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ ﴾ قرآن میں زوج کے تین معانی ہیں :

① حليلة (بیوی) : جیسے ﴿ وَ قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ ﴾ (البقرة : ۲ / ۳۵) "اور ہم نے کہا، اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔"

② الصنف (جنس) : ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا ﴾ (سورة ياسين : ۳۶ / ۳۶) "پاک ہے وہ ذات جس نے سب کے سب جوڑے پیدا کیے۔"

③ المثل والشبيه (مثل اور مشابہ) : ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ ﴾ (الصافات : ۳۷ / ۲۲) "(اے فرشتو!) اکٹھا کرو ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا اور ان کے جوڑوں کو بھی۔" یعنی اَشْبَاهَهُمْ وَاَزْوَاجَهُمْ ، اَیْ وَقُرَنَاءَهُمْ . (ان کے ہم مثل اور ان کے جوڑے، یعنی ان کے ساتھی۔)

حرام رشتے :

......سات رشتے نسب سے حرام ہیں۔

......سات رشتے رضاعت سے حرام ہیں۔

......چار رشتے (بہو، ربیبہ، ساس، جمع بین الاختین) مصاہرت سے حرام ہیں۔

حدیث سے ثابت ہے کہ بھتیجی (بیوی کے ساتھ اس کی بھتیجی) اور پھوپی (بیوی کے ساتھ اس کی پھوپی) اور بھانجی (بیوی کے ساتھ اس کی بھانجی) اور خالہ (بیوی کے ساتھ اس کی خالہ) کو جمع نہیں کر سکتے۔

پارہ نمبر ۵

24 ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ ... عَلِيماً حَكِيماً ○﴾

﴿وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ ''محصنات'' کے تین اطلاقات ہیں :

① عفائف (پاک دامن عورتیں)

② الحرائر (آزاد عورتیں)

③ متزوجات (شادی شدہ عورتیں)

نکاح کی شرائط : ① ایجاب وقبول جو ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا﴾ سے ظاہر ہے۔ ② مہر دینا جو ﴿بِاَمْوَالِكُمْ﴾ سے ظاہر ہے۔ ③ دائمی قبضہ ہو جو ﴿مُّحْصِنِيْنَ﴾ ظاہر کر رہا ہے۔ ④ دو عادل، عاقل اور بالغ گواہ موجود ہوں۔ ⑤ ولی کی اجازت ہو۔

شادی میں منگنی کی انگوٹھی : اس بارے میں شیخ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جوڑے کے ہاتھ میں منگنی کی انگوٹھی پہنانا نصاریٰ کا طریقہ ہے اور ہمیں ان کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (آداب الزفاف : ص ۲۱۲-۲۱۳)

25 ﴿مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَّلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ﴾

﴿مُسٰفِحٰتٍ﴾ اَلْمُجَاهِرَاتُ بِالسِّفَاحِ وَهُوَ الزِّنٰى. (کھلم کھلا زنا کرنے والی کو ''مسافحات'' کہتے ہیں۔)

﴿مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ﴾ تَعْنِى النِّسَاءَ اللَّوَاتِى يَتَّخِذْنَ اَصْدِقَاءَ لِلزِّنَا بِهِنَّ سِرًّا ، وَالْاَخْدَانُ جَمْعُ خِدْنٍ وَهُوَ الصَّدِيْقُ. (متخذات اخدان ان عورتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو چھپ کر زنا کے لیے دوست بناتی ہیں۔ اخدان، خدن کی جمع ہے جس کا مطلب دوست ہوتا ہے۔)

يَعْنِى مُسَافِحِيْنَ : زَانِيْنَ مَعَ كُلِّ اَحَدٍ ، مُتَّخِذِىْ اَخْدَانٍ :

الزِّنَا مَعَ الْعَشِيْقَاتِ . (یعنی مسافحین وہ ہیں ہر کسی کے ساتھ (کھلے عام) بدکاری کرتے ہیں، جبکہ متخذی اخدان وہ ہیں جو معشوقاؤں کے ساتھ بدکاری کرتے ہیں۔)

لَا يَكُوْنَ لَهَا صَدِيْقٌ عَاشِقٌ لِاَنَّهَا سَتَشْعُرُ بِالْاِحْبَاطِ اِذَا تَرَكَهَا . (اس کا کوئی بوائے فرینڈ نہ ہو کیونکہ اگر وہ اسے چھوڑ دے تو وہ مایوسی کا شکار ہو جائے گی۔)

اَنْتُنَّ غَالِيَاتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ، وَالْاِسْلَامُ يَحْمِيْ مَشَاعِرَكُنَّ مِنْ اَنْ يَعْبَثَ بِهَا شَابٌّ لَاهٍ غَيْرُ مَسْئُوْلٍ . (تم عورتیں اللہ کے نزدیک بہت قیمتی ہو اور اسلام تمہارے جذبات کو کسی بے پروا، غیر ذمے دار نوجوان کے کھلواڑ سے بچاتا ہے۔)

26 ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ ...﴾

﴿لِيُبَيِّنَ لَكُمْ﴾ جن احکام (حلال وحرام، حق و باطل) کی تمھیں ضرورت تھی، سب کھول کھول کر بیان کر دیا۔ اگر پھر بھی غلطی کر بیٹھو تو توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور توبہ کی قبولیت کا وعدہ بھی ہے۔

﴿وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ جو محاسن دیگر شرائع میں متفرق تھے، اس شریعت میں اللہ نے ان محاسن کو جمع کر دیا ہے۔ پس کوئی خیر ایسا نہیں چھوڑا جو پچھلی امتوں میں تھا اور اس امت میں نہ ہو۔

یعنی تم پر ان طریقوں کو واضح کرے اور تمھیں ان پر چلائے جن پر تم سے پہلے صلحاء چلتے تھے۔

27 ﴿وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ... مَيْلاً عَظِيْماً ○﴾

اَنْتَ مُحَاطٌ بِنَاسٍ لَا دِيْنَ لَهُمْ ، فَسَقَةٍ ، يُحِبُّوْنَ الشَّهَوَاتِ ، دَائِمًا يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَمِيْلَ مَيْلًا عَظِيْماً . (آپ ایسے لوگوں میں گھرے

ہوئے ہیں جن کا کوئی دین نہیں، وہ فاسق ہیں، شہوت پرست ہیں اور ہمیشہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ مکمل طور پر (حق سے) ہٹ جائیں۔)

اسی لیے ارشاد ہے: ﴿ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا ﴾ ''اور اس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا۔''

28 ﴿ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفاً ○ ﴾

﴿ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ﴾ جو نظامِ زندگی تمہارے لیے تجویز کیا گیا، اس میں سراسر سہولت ہے۔

نکتہ: علم کی ایک آنکھ کھلی ہوئی ہے، لیکن (ہدایت کی) دوسری آنکھ بند ہے۔ اسی وجہ سے علم بڑھ رہا ہے، مگر زمین پر ترقی یافتہ لوگوں کا انسانیت کے ساتھ بدترین سلوک جاری ہے۔ ترقی ہو رہی ہے، پھر بھی ظلم بڑھ رہا ہے، ٹینشن بڑھ رہا ہے۔

﴿ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴾ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ ، عَنْ اَبِیْهِ : وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ، قَالَ : فِیْ اُمُوْرِ النِّسَاءِ ، لَیْسَ یَكُوْنُ الْاِنْسَانُ فِیْ شَیْءٍ اَضْعَفَ مِنْهُ فِی النِّسَاءِ . (تفسیر الطبری : ٦ / ٦٢٥) امام طاؤس رحمہ اللہ اپنے والد سے اس آیت کے بارے میں روایت کرتے ہیں ''اس سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کے معاملات میں، انسان کسی اور چیز میں اتنا کمزور نہیں ہوتا جتنا عورتوں کے معاملے میں۔''

اوپر سے صوارخ (Rockets)۔ نیچے سے الغام (Bombs)۔ حروب اہلیہ (خانہ جنگی)۔

29 ﴿ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا ... بِكُمْ رَحِیْماً ○ ﴾

وَبَعْدَ اَنْ تَنَاوَلَتِ الْآیَاتُ مَظَاهِرَ الْعَدْلِ فِیْ مَجَالَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ (الْمَرْاَةُ ، ثُمَّ الْاُسْرَةُ ، ثُمَّ الْمُجْتَمَعُ) تَنْتَقِلُ اِلَی الْعَدْلِ فِی التِّجَارَةِ وَالْمُعَامَلَاتِ الْمَالِیَّةِ ، ثُمَّ اِلَی الْعَدْلِ مَعَ الْحَیَاةِ

الْبَشَرِيَّةِ وَعَدَمِ سَفْكِ الدِّمَاءِ . (آیات مختلف شعبوں (عورت، پھر خاندان، پھر معاشرہ) میں عدل کے مظاہر بیان کرنے کے بعد تجارت اور مالی معاملات میں عدل کی طرف، پھر انسانی زندگی اور خوں ریزی سے بچنے کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔)

﴿ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾ اَلتَّرْغِيْبُ فِى التِّجَارَةِ اَبَاحَتِ الْآيَةُ التِّجَارَةَ وَرَغَّبَتْ فِيْهَا . (اس میں تجارت کی ترغیب ہے۔ آیت نے تجارت کو جائز قرار دیا اور اس کی ترغیب دی۔)

اس آیت میں اشارہ ہے کہ اکثر تجارتیں اکل بالباطل پر مشتمل ہیں۔

وَالْجُمْهُوْرُ عَلَى جَوَازِ الْغَبْنِ فِى التِّجَارَةِ ، مِثْلَ اَنْ يَبِيْعَ رَجُلٌ يَاقُوْتَةً بِدِرْهَمٍ وَهِىَ تُسَاوِىْ مِائَةً فَذٰلِكَ جَائِزٌ . (جمہور، تجارت میں غبن (نقصان) کے جواز کے قائل ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنا یاقوت ایک درہم میں بیچ دے، جبکہ اس کی قیمت سو درہم ہو تو یہ جائز ہے۔)

﴿عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (سنن الدار قطنی : کتاب البیوع ، حدیث ٢٨١٣) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”سچا، امانت دار مسلمان تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔“

﴿ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ ﴾ اِنَّ مَالَ الْفَرْدِ مَالُ الْاُمَّةِ ، وَمَالُ الْاُمَّةِ مَالُ الْفَرْدِ . (فرد کا مال امت کا مال ہے اور امت کا مال فرد کا مال ہے۔)

عِنْدَ الضَّرُوْرَةِ (بوقت ضرورت) امت، فرد کی حاجت کو پورا کرے۔

وَعَلَى الْفَرْدِ دَعْمُ الْاُمَّةِ بِالْاِنْفَاقِ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ . (فرد پر لازم ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے امت کی مدد کرے۔)

﴿ بِالْبَاطِلِ ﴾ اَلْبَاطِلُ كُلُّ مَا يُخَالِفُ الشَّرْعَ . (باطل ہر وہ چیز ہے جو

شریعت کے خلاف ہو۔)

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ یعنی نہ ایک دوسرے کو قتل کرو اور نہ کوئی شخص اپنے آپ کو قتل کرے۔

﴿ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشْتَكَى رَاْسُهُ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمَّى وَالسَّهَرِ ﴾ (صحيح مسلم : كتاب البر والصلة والآداب ، حديث ٢٥٨٦) نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسلمان (باہم) ایک ہی انسان کی طرح ہیں۔ اگر اس کے سر میں تکلیف ہو تو بخار اور بے خوابی کے ذریعے باقی سارا جسم اس کا ساتھ دیتا ہے۔''

32 ﴿ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ ... شَيْءٍ عَلِيْماً ○ ﴾

رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ مَعْنَى الْآيَةِ : لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ لَيْتَ مَا اُعْطِيَ فُلَانٌ مِنَ الْمَالِ وَالنِّعْمَةِ وَالْمَرْاَةِ الْحَسْنَاءِ كَانَ عِنْدِيْ ، فَاِنَّ ذٰلِكَ يَكُوْنُ حَسَداً ، وَلٰكِنْ لِيَقُلْ : اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ مِثْلَهُ . (التفسير المنير للزحيلي : ٥ / ٤٣) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے معنی میں روایت ہے ''تم میں سے کوئی یہ نہ کہے : کاش! فلاں شخص کو جو مال، نعمت اور خوب صورت عورت دی گئی، وہ میرے پاس ہوتی۔ کیونکہ یہ حسد ہوگا بلکہ اسے چاہیے کہ وہ یہ کہے : اے اللہ! مجھے بھی اس جیسا عطا فرما۔''

هٰذِهِ غِبْطَةٌ ، اِنَّ الْحَسَدَ مَمْنُوْعٌ ، وَالْغِبْطَةَ جَائِزٌ . (یہ رشک ہے۔ حسد ممنوع ہے، جبکہ رشک جائز ہے۔)

اَلْحَسَدُ : طَلَبُ زَوَالِ النِّعْمَةِ عَنِ الْغَيْرِ . (دوسرے سے نعمت کے زوال کی خواہش کرنا حسد کہلاتا ہے۔)

وَالْغِبْطَةُ : وَهِيَ اَنْ يَتَمَنَّى الرَّجُلُ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ مِثْلُ حَالِ

صَاحِبِهٖ . (جبکہ رشک یہ ہے کہ آدمی یہ تمنا کرے کہ اسے بھی اپنے ساتھی جیسی حالت حاصل ہو۔)

﴿ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ سوال کرنے کا حکم ہے۔

وَقَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ : لَمْ يَأْمُرْ بِالْمَسْئَلَةِ اِلَّا لِيُعْطِيَ .

(تفسیر البغوی : ۱ / ۶۰۹) سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اللہ نے سوال کرنے کا حکم صرف اس لیے دیا کہ وہ عطا کرے۔''

33 ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْداً ﴾

﴿ شَهِيْدًا ﴾ یہ اللہ کی صفت ہے۔ اَیْ رَقِيْباً مُطَّلِعاً عَلَى كُلِّ شَيْءٍ . (یعنی ہر چیز پر مطلع ونگہبان۔)

34 ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ ... كَانَ عَلِيًّا كَبِيْراً ○ ﴾

﴿ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ اگر نفقے سے شوہر عاجز ہو تو عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔

لا افراط ولا تفریط : اَلْحَزْمُ مَعَ الْعَدْلِ . (انصاف کے ساتھ مضبوطی۔) عدل کے چکر میں اپنی بیوی کو اتنی ڈھیل نہ دے کہ وہ غلط سلط کچھ بھی کرتی پھرے۔

﴿ قٰنِتٰتٌ ﴾ وَاِذَا اَمَرْتَهَا ، اَطَاعَتْكَ . (یعنی جب تم اسے حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے۔)

﴿ حٰفِظٰتٌ ﴾ وَاِذَا غِبْتَ عَنْهَا ، حَفِظَتْكَ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِكَ . (یعنی تمہاری غیر حاضری میں وہ اپنے نفس اور تمہارے مال کی حفاظت کرے۔)

عورت کی دو قسمیں ہیں : طائعہ (اطاعت شعار) اور ناشزہ (نافرمان)۔

طائعہ کی دو صفات ہیں : قانتات، حافظات۔

﴿ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : خَيْرُ النِّسَاءِ امْرَاَةٌ اِذَا نَظَرْتَ اِلَيْهَا سَرَّتْكَ ، وَاِذَا اَمَرْتَهَا

اَطَاعَتْكَ ، وَإِذَا غِبْتَ عَنْهَا حَفِظَتْكَ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِكَ ﴾ (مسند بزار : حديث ۸۵۳۷) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اسے دیکھو تو وہ تمھیں خوش کر دے، جب تم اسے حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے اور تمہاری غیر حاضری میں وہ اپنے نفس اور تمہارے مال کی حفاظت کرے۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

﴿ وَاضْرِبُوْهُنَّ ﴾ مارنے کی اجازت ہے، مگر اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ دیکھنا ہے۔ حَيْثُ إِنَّهُ لَمْ يَضْرِبْ فِيْ حَيَاتِهِ امْرَأَةً أَوْ خَادِماً قَطُّ . (چونکہ اس نے اپنی زندگی میں کبھی کسی عورت یا خادم کو نہیں مارا۔)

......وعظ : شوہر کہے کہ اللہ سے ڈر۔

......ہجر : اس کمرے میں نہ سوئے۔

......ضرب : ہلکی مار مارے۔

نکتہ : اَلدِّيْنُ الْإِسْلَامِيُّ لَمْ يُعْطِ لِلْمَرْأَةِ أَكْثَرَ مِنْ حَقِّهَا ، وَلَمْ يُنْزِلْهَا أَكْثَرَ مِنْ مَنْزِلَتِهَا ، بَلْ أَعْطَاهَا الْحَقَّ اللَّائِقَ بِهَا . (دین اسلام نے عورت کو نہ اس کے حق سے زیادہ دیا اور نہ اسے اس کے مرتبے سے نیچے گرایا بلکہ اسے وہ حق دیا جو اس کے لیے مناسب تھا۔)

35 ﴿ إِنْ يُرِيْدَآ إِصْلَاحاً ﴾

اَلنِّيَّةُ الطَّيِّبَةُ سَبَبٌ لِصَلَاحِ الْعَمَلِ . (اچھی نیت، عمل کی درستگی کا سبب ہے۔)

36 ﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ ... كَانَ مُخْتَالاً فَخُوْراً ۝ ﴾

﴿ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ﴾ وَلَا تَظْلِمْ نَفْسَكَ . (اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔) شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔

بیوی کا یہ کہنا کہ اس پر ساس سسر کی خدمت فرض نہیں : اصل میں دو انتہائیں ہیں۔پہلی انتہا یہ ہے کہ بیوی کو نوکرانی بنا کر ساری خدمت اسی سے لی جائے۔دوسری انتہا یہ ہے کہ وہ یہ کہے کہ مجھ پر ساس سسر کی خدمت فرض نہیں ہے۔پس اسلام یہ کہتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَا زَالَ يُوْصِيْنِىْ جِبْرِيْلُ بِالْجَارِ ، حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ﴾ (صحيح بخاري : كتاب الادب ، حديث ٦٠١٤) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جبریل علیہ السلام بار بار مجھے پڑوسی کے متعلق وصیت کرتے رہے، تا آنکہ مجھے خیال گزرا کہ شاید وہ اسے وراثت میں شریک کر دیں گے۔" وہ پڑوسی جس کا ہم سے کوئی خونی رشتہ نہیں، اسلام اس کا اس قدر خیال رکھنے کا حکم دیتا ہے، پھر جو قریبی پڑوسی ہیں، یعنی ماں باپ، نندیں وغیرہ، انھیں کیسے نظر انداز کر سکتا ہے! دوسرے یہ کہ بیوی پر خاوند کی اطاعت فرض ہے۔خاوند اگر باہر جائے تو بالواسطہ بیوی کے اوپر شوہر کی ماں کی خدمت عائد ہو جاتی ہے کیونکہ اگر شوہر دن رات اپنی بیمار ماں کی خدمت ہی میں لگا رہے گا تو وہ روزی کما کر اپنی بیوی اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کیسے بھر سکتا ہے؟

43 ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ ... عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝﴾

سوال کیا بچے کی شرم گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب اہل علم کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔صحیح موقف یہ ہے کہ بچے کی شرم گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔اس میں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں ہے۔

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِذَا اَفْضٰى اَحَدُكُمْ بِيَدِهِ اِلٰى فَرْجِهِ حَتّٰى لَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ حِجَابٌ وَلَا سِتْرٌ فَلْيَتَوَضَّأْ وُضُوْءَهُ لِلصَّلَاةِ﴾ (سنن الدار

قطني : حديث ٥٣٢ ، صحيح الجامع : ٣٦٢) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنا ہاتھ شرم گاہ پر لگائے اور اس کے ہاتھ اور شرم گاہ کے درمیان نہ کوئی رکاوٹ ہو اور نہ کوئی پردہ حائل ہو تو اسے اسی طرح وضو کرنا چاہیے جس طرح وہ نماز کے لیے کرتا ہے۔''

رہی یہ توجیہ کہ اس میں ماؤں کے لیے مشقت اور پریشانی ہے، سو یہ قابل قبول نہیں کیونکہ یہ شرعی نص کے خلاف ہے، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے تعلق سے جو آسانی شرع کی نظر میں تھی، اسے بیان کر دیا، حتیٰ کہ آپ نے اس آسانی پر عمل کر کے بھی دکھایا۔

﴿عَنْ لُبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ ، قَالَتْ : بَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فِيْ حِجْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَعْطِنِيْ ثَوْبَكَ ، وَالْبَسْ ثَوْباً غَيْرَهُ ، فَقَالَ : اِنَّمَا يُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ وَيُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْاُنْثٰى﴾ (سنن ابن ماجة : كتاب الطهارة وسننها ، حديث ٥٢٢ ، حكم الالباني : حسن صحيح) لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پیشاب کر دیا۔ میں نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول! اپنا کپڑا مجھے دیجیے اور خود کوئی اور کپڑا پہن لیجیے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لڑکے کے پیشاب سے تو چھینٹے مارے جاتے ہیں اور لڑکی کے پیشاب کی وجہ سے (کپڑا) دھویا جاتا ہے۔''

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بچے کے پیشاب پاخانہ والی جگہ کو دھونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس توجیہ کا جواب یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹنے کے بارے میں ان علماء کے پاس مجرد رائے اور قیاس کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے، جبکہ دوسری طرف اس کا ناقض وضو ہونا منصوص ہے۔

''دائمی فتویٰ کمیٹی'' کا یہی جواب ہے کہ براہ راست شرم گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جائے گا، چاہے کسی چھوٹے بچے کی شرم گاہ ہو یا بڑے کی۔ (فتاوى اللجنة الدائمة :

۵ / ۲٦۵)

نیز پردے کے بغیر براہ راست شرم گاہ کو چھونے سے وضوٹوٹ جائے گا اور اگر کپڑے کے اوپر سے شرم گاہ کو ہاتھ لگائے تو وضونہیں ٹوٹے گا۔

﴿ فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ﴾ بیماری کے طول پکڑ جانے کا اندیشہ ہوتو تیمم کرسکتا ہے۔

تیمم کا طریقہ : ① نیت کرے۔ ② تسمیہ (بسم اللہ) کہے۔ ③ پاک مٹی پر ایک ضرب کرے۔ ④ ہتھیلیوں پر پھونک مارے۔ ⑤ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت پر پھیرے۔

48 ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ﴾

وَاَصْلُ الشِّرْكِ اَنْ تَعْدِلَ بِاللّٰهِ تَعَالٰى مَخْلُوْقَاتِهٖ فِيْ بَعْضِ مَا يَسْتَحِقُّهٗ وَحْدَهٗ . (الاستقامة لابن تيمية : ١ / ٣٤٤) ''شرک کی بنیاد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی مخلوقات کو ان بعض خصوصیات میں برابر ٹھہراؤ جن کا اللہ اکیلا ہی مستحق ہے۔''

﴿ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، اَنَّ رَجُلًا قَالَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ ؟ فَقَالَ : جَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ عَدْلًا ، بَلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ ﴾ (مسند احمد : حديث ٢٥٦١ ، حسن لغيره) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا ''جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں۔'' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا تم مجھے اور اللہ کو برابر کررہے ہو؟ بلکہ یوں کہو کہ جو اللہ تن تنہا چاہے۔''

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ظلم کی تین قسمیں ہیں۔ ایک ظلم وہ ہے جسے اللہ معاف نہیں کرے گا۔ دوسرا ظلم وہ ہے جسے معاف کردے گا۔ تیسرا ظلم وہ ہے جسے ترک نہیں کرے گا۔ رہا وہ ظلم جو معاف نہیں کرے گا، سو وہ شرک ہے۔ جو ظلم معاف کردے گا، وہ ظلم ہے جو بندے اپنی جانوں پر اللہ کی معصیت کرکے کرتے ہیں۔ تیسرا

ظلم جسے ترک نہیں کرے گا، یہ وہ ظلم ہے جو بندے ایک دوسرے پر کرتے ہیں۔ ان کا قصاص لیا جائے گا۔" (مسند بزار ، مجمع الزوائد)

ایک آیت میں ہے: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ﴾ (الزمر : ۳۹ / ۵۳)

"بے شک اللہ سب کے سب گناہ بخش دیتا ہے۔"

دو آیات کے درمیان تعارض ایک ناممکن امر ہے۔

......پہلی آیت : اس شخص کے حق میں نازل ہوئی ہے جو شرک کی حالت میں مرا۔

......دوسری آیت : اس شخص کے حق میں ہے جو دنیا میں زندہ تھا۔

پس اگر یہ توبہ کرے تو اللہ اس کا شرک، کفر اور الحاد، سب معاف کر دے گا۔

49 ﴿ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴾

﴿ فَتِيلًا ﴾ باریک دھاگا یا کھجور کی گٹھلی پر باریک چھلکا۔

51 ﴿ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ ﴾

جبت اور طاغوت : ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جبت سے مراد بت ہے اور طاغوت سے مراد بتوں کے ترجمان ہیں۔ جیسے بتوں کے مجاورین، بتوں کی طرف منسوب کر کے من گھڑت باتیں بیان کرتے ہیں۔

اَلطَّاغُوْتُ كُلُّ مَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ، وَيَصُدُّ عَنْ سَبِيْلِهِ ، وَيَعْتَرِضُ عَلَى حُكْمِهِ وَشَرِيْعَتِهِ . (طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے، نیز جو اللہ کے راستے سے روکے اور اس کے حکم اور شریعت پر اعتراض کرے۔)

57 ﴿ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ... ﴾

ابتدا میں اخروی انعامات حاصل کرنے کے لیے صرف ایمان کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ نیک اعمال ضروری ہیں، البتہ دائمی عذاب سے نجات کے لیے صرف ایمان کافی ہے۔

58 ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ...﴾

سوال امانت کیا ہے؟

جواب اَلْاَمَانَةُ هِيَ اَدَاءُ الْحُقُوْقِ وَالْمُحَافَظَةُ عَلَيْهَا . (حقوق کو ادا کرنا اور ان کی حفاظت کرنا امانت کہلاتا ہے۔)

امانت کی تین قسمیں ہیں :

① اَلْاَمَانَةُ الْمُتَعَلِّقَةُ بِالْاِنْسَانِ : حَقُّ نَفْسِكَ . (انسان سے متعلق امانت، یہ تمہاری جان کا حق ہے۔)

② اَلْاَمَانَةُ الْمُتَعَلِّقَةُ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ : حَقُّ اللّٰهِ . (اللہ تعالیٰ سے متعلق امانت، یہ اللہ کا حق ہے۔)

③ اَلْاَمَانَةُ الْمُتَعَلِّقَةُ بِالْآخَرِيْنَ : حَقُّ الْعِبَادِ . (دوسروں سے متعلق امانت، یہ بندوں کا حق ہے۔)

﴿عَنْ اَنَسٍ قَالَ : مَا خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ : لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ ، وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ﴾ (مسند احمد : حديث ١٣١٩٩) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کوئی خطبہ ایسا نہیں دیا جس میں یہ نہ فرمایا ہو" اس شخص کا ایمان نہیں جس کے پاس امانت داری نہ ہو اور اس شخص کا دین نہیں جس کے پاس وعدے کی پاس داری نہ ہو۔"

59 ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ...﴾

مصادر تشریع دو ہیں : ① کتاب، ② سنت۔

رہا اولی الامر کا معاملہ، تو ان کی اطاعت اس امر میں کی جائے گی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقے کے مطابق ہوگا۔ یعنی مَا وَافَقَ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے مطابق۔

پورے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے چالیس بار اطاعت کا حکم دیا ہے جن میں سے

بائیس مرتبہ اپنے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا اور اٹھارہ مرتبہ صرف اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا، مگر اپنی اطاعت کا حکم بغیر رسول ﷺ کی اطاعت کے کہیں ذکر نہیں کیا۔ جہاں اللہ کے رسول ﷺ کی تنہا اطاعت کا ذکر ہے، وہاں اللہ کی اطاعت کا ذکر اس وجہ سے نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (النساء : ٤ / ٨٠) ''جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' یعنی رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ تنہا اپنی اطاعت کا حکم کیوں نہیں دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تنہا اپنی اطاعت کا حکم دیتا تو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو نظر انداز کرنے کا دروازہ کھل جاتا۔

﴿ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ لَا اِلَى اَحَدٍ غَيْرِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ. (نہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی اور کی طرف۔)

جو غیر اللہ کے پاس معاملہ لے گیا۔ فَقَدْ ضَادَّ اَمْرَ اللّٰهِ. (تو اس نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی۔) جو حکم رُدُّوْه میں ہے۔

رد کا مطلب ہے کہ اَلرَّدُّ اِلَى اللّٰهِ هُوَ الرَّدُّ اِلَى كِتَابِهِ، وَالرَّدُّ اِلَى الرَّسُوْلِ هُوَ الرَّدُّ اِلَيْهِ فِىْ حَيَاتِهِ وَالرَّدُّ اِلَى سُنَّتِهِ بَعْدَ وَفَاتِهِ. (اللہ کی طرف رجوع کرنا اس کی کتاب کی طرف لوٹنا ہے اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنا آپ کی زندگی میں آپ کی طرف لوٹنا ہے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف لوٹنا ہے۔)

﴿ ذٰلِكَ ﴾ یعنی یہ جو حکم میں نے دیا ہے کہ میری اطاعت کرو، میرے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی اطاعت کرو، نیز اختلاف کے وقت میرے اور رسول کی طرف پلٹو، یہ تمہارے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں باعث خیر وسعادت ہے۔

﴿ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ هُوَ سَعَادَتُكُمْ فِى الدَّارَيْنِ، فَهُوَ خَيْرٌ

لَكُمْ وَاَحْسَنُ عَاقِبَةً . (جو چیز تمہاری دونوں جہانوں میں سعادت ہے، پس وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے سب سے اچھا ہے۔)

64 ﴿وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ ...﴾

اَلسَّلَفُ مُجْمَعُوْنَ عَلَى اَنَّ هٰذَا الْمَجِيْئَ وَطَلَب الْاِسْتِغْفَارِ اِنَّمَا فِىْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . (سلف صالحین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حاضر ہونا اور مغفرت طلب کرنا صرف رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تھا۔)

فہم قرآن میں منہج سلف کو نظر انداز کرنا بسا اوقات مفضی الی الشرک ہوتا ہے۔

65 ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ ...﴾

اسے کئی طریقوں سے موکد کیا گیا ہے :

① جملہ قسمیہ سے آغاز کیا گیا۔ ② اپنی قسم کھائی۔

③ فعل ایسا لایا گیا جو حدوث پر دال ہے۔ اَىْ لَا يَقَعُ مِنْهُمْ اِيْمَانٌ مَّا حَتَّى يُحَكِّمُوْكَ . (یعنی ان کی طرف سے ذرہ بھر بھی ایمان نہیں پایا جائے گا، یہاں تک کہ وہ آپ کو حکم بنالیں۔)

اَلَا کے بجائے ﴿حَتّٰى﴾ لایا گیا۔ اَلشُّعُوْرُ بِاَنَّهُ لَا يُوْجَدُ الْاِيْمَانُ اِلَّا بَعْدَ حُصُوْلِ التَّحْكِيْمِ لِاَنَّ مَا بَعْدَ حَتَّى يَدْخُلُ فِيْمَا قَبْلَهَا . (اس بات کا ادراک کہ ایمان پایا ہی نہیں جاسکتا، مگر تحکیم کے حاصل ہونے کے بعد، کیونکہ جو "حتیٰ" کے بعد آتا ہے، وہ اس سے پہلے والے میں داخل ہوتا ہے۔)

④ محکم فیہ کو صیغۂ موصول سے لایا گیا اور اَلْمَوْصُوْلُ دَالَّةٌ عَلَى الْعُمُوْمِ . (اسم موصول، عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔)

اَىْ فِىْ جَمِيْعِ مَا تَنَازَعُوْا فِيْهِ مِنَ الدَّقِيْقَةِ وَالْجَلِيْلَةِ . (یعنی ان تمام باتوں میں جن میں وہ باہم اختلاف کریں، خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی۔)

⑤ یہاں ﴿حَرَجًا﴾ نکرہ ہے اور تحت النفی ہے اور ایسا نکرہ جو تحت النفی آئے، وہ عموم پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی کسی قسم کا حرج نہ پائیں۔

⑥ ما موصولہ ہے۔ ﴿مِّمَّا قَضَيْتَ﴾ یہ قضا کے ہر فرد کو عام ہے۔

⑦ صرف تسلیم پر اکتفا نہ کیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ نبی کے حَکَم بنانے اور آپ کے فیصلے پر راضی بھی ہوں۔

⑧ فعل تسلیم کو مصدر موکد کے ساتھ لایا گیا۔

69 ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ﴾

سوال ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کے منکر کا کیا حکم ہے؟

جواب جو دانستہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرے، وہ کافر ہے کیونکہ خلافت صدیقی پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کا منکر کافر ہے۔

وَقَدْ جَاءَ فِی السُّنَّةِ اَحَادِيْثُ صَحِيْحَةٌ ، يَدُلُّ ظَاهِرُهَا عَلٰى اَنَّهُ الْخَلِيْفَةُ بَعْدَهُ ، وَقَدِ انْعَقَدَ الْاِجْمَاعُ عَلٰى ذٰلِكَ وَلَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ مُخَالِفٌ ، وَالْقَادِحُ فِیْ خِلَافَتِهِ مَقْطُوْعٌ بِخَطَئِهِ وَتَفْسِيْقِهِ ، وَهَلْ يَكْفُرُ اَمْ لَا ، يُخْتَلَفُ فِيْهِ ، وَالْاَظْهَرُ تَكْفِيْرُهُ ، وَسَيَاْتِیْ لِهٰذَا الْمَعْنٰى مَزِيْدُ بَيَانٍ فِیْ سُوْرَةٍ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ ، وَالَّذِیْ يُقْطَعُ بِهِ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاَقْوَالِ عُلَمَاءِ الْاُمَّةِ وَيَجِبُ اَنْ تُؤْمِنَ بِهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَفْئِدَةُ فَضْلُ الصِّدِّيْقِ عَلٰى جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ ، وَلَا مُبَالَاةَ بِاَقْوَالِ اَهْلِ الشِّيَعِ وَلَا اَهْلِ الْبِدَعِ ، فَاِنَّهُمْ بَيْنَ مُكَفَّرٍ تُضْرَبُ رَقَبَتُهُ ، وَبَيْنَ مُبْتَدِعٍ مُفَسَّقٍ لَا تُقْبَلُ كَلِمَتُهُ . (تفسير القرطبی : ۸ / ۱۴۸) ”اس بارے میں کئی صحیح احادیث موجود ہیں جن کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہوں گے، نیز اس پر اجماع ہو چکا ہے اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ آپ کی خلافت پر اعتراض کرنے والا قطعی طور پر

خطا کار اور گنہگار ہے، لیکن اس کی تکفیر اور عدم تکفیر میں اختلاف ہے۔ تکفیر والی بات ہی راجح ہے...... کتاب وسنت اور علمائے امت کے اقوال میں قطعی ثبوت ہے اور دلوں میں ایمان بھی یہی ہونا چاہیے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت حاصل ہے۔ شیعوں اور بدعتیوں کے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں جو واجب القتل کافر اور ایسے فاسق بدعتی کے بین بین ہیں جس کی بات قبول نہیں کی جاتی۔"

74 ﴿فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ ...﴾

عدل کی بقا کے لیے قتال ضروری ہے، مگر اسلام میں قتال نہ تو جارحیت کے لیے ہے اور نہ بجائے خود ایک مقصد ہے بلکہ یہ کسی بڑے مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔

78 ﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ ... يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثاً ○﴾

﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ ... مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ نعمتیں اور مصائب دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ یعنی اللہ ہی ان کا خالق ہے، مگر مصائب ان کے ہاتھوں کی کمائی ہے اور نعمت اللہ کا فضل ہے۔ یعنی جو شر اور شوم تمہیں پہنچا تو هُوَ مِنْكُمْ وَمَعَكُمْ فَإِنَّ اَسْبَابَهُ قَائِمَةٌ مَعَكُمْ. (وہ تمہاری جانب سے ہے اور تمہارے ساتھ ہے کیونکہ اس کے اسباب تمہارے پاس موجود ہیں۔)

﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ امور تکوینیہ سے مراد وہ امور ہیں جو بندوں کے دخل کے بغیر وقوع پذیر ہوتے ہیں، جیسے پیدا ہونا، مرنا، زلزلہ آنا، بیماری، بارش، طوفان وغیرہ۔

امور تشریعیہ سے مراد وہ امور ہیں جن کے کرنے یا نہ کرنے کا بندوں کو حکم دیا گیا ہے، مثلاً نیک کام کرنا، برے کاموں کو ترک کر دینا۔ بندہ جس چیز کا قصد کرتا ہے، اللہ اسے پیدا فرما دیتا ہے۔ بندے کے ارادے کو کسب اور اللہ کے پیدا کرنے کو خلق وایجاد کہتے ہیں۔

...... جبریہ ہر برے اور نیک کام کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

انسان پتھر کی طرح مجبور ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان مجبور نہیں بلکہ من وجہ مختار ہے اور بقدر اختیار وہ پرسش کا مکلف بنایا گیا ہے۔ یہ بات ایک کتے کو بھی معلوم ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسی کتے کو اگر پتھر مارا جائے تو کتا پتھر مارنے والے کی طرف دوڑتا ہے، نہ کہ پتھر کی طرف۔

......معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خالق خود ہے۔

......اہل سنت کہتے ہیں کہ بندہ کاسب اور اللہ خالق ہے۔

﴿ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴾ ''وہ کوئی بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں۔''

فقہ اور فہم کے درمیان فرق : اَلْفِقْهُ اَخَصُّ مِنَ الْفَهْمِ وَهُوَ فَهْمُ مُرَادِ الْمُتَكَلِّمِ مِنْ كَلَامِهِ وَهٰذَا قَدْرٌ زَائِدٌ عَلَى مُجَرَّدِ فَهْمِ وَضْعِ اللَّفْظِ فِى اللُّغَةِ ، وَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ . (فقہ، فہم سے زیادہ خاص ہے اور یہ متکلم کی مراد کو اس کے کلام سے سمجھنے کا نام ہے۔ فہم محض لغت میں لفظ کے معنی کو سمجھنے سے بڑھ کر ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی۔)

قَوْلُ مُجَاهِدٍ وَمَالِكٍ : اِنَّهَا مَعْرِفَةُ الْحَقِّ وَالْعَمَلُ بِهِ وَ الْاِصَابَةُ فِى الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ . (تفسير القيم : ص ۲۳۱) مجاہد اور مالک رحمہما اللہ کا قول ہے ''یہ (فقہ و دین) حق کو پہچاننا ہے، اس پر عمل کرنا ہے اور قول و عمل میں درستگی اختیار کرنا ہے۔''

﴿ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ ... فَمِنْ نَّفْسِكَ ﴾ 79

اَلْمَصَائِبُ مِنَ الْاَمْرَاضِ وَالْهَلَاكِ وَالْفِتَنِ كُلُّهَا حِكْمَةٌ ، لٰكِنْ تَحْتَاجُ اِلَى تَدَبُّرٍ وَتَعَمُّقٍ وَنَظَرٍ . (بیماریوں، ہلاکتوں اور فتنوں کی تمام مصیبتیں سراسر حکمت ہیں، لیکن انھیں سمجھنے کے لیے غور و فکر اور بصیرت کی ضرورت ہے۔)

اس آیت میں بھلائی اور برائی کا ایک قانون بتایا جارہا ہے کہ بھلائی تو اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور جو برائی پہنچتی ہے تو اس کا بھیجنے والا بھی گو اللہ ہی ہوتا ہے مگر اس برائی کا سبب تمہارے گناہ ہوتے ہیں۔

نعمت، اللہ کی طرف سے اور مصیبت ان کے نفس کی طرف سے ہے۔ نعمت فضل ہے اور مصیبت عدل ہے۔

وَالْعَبْدُ يَتَقَلَّبُ بَيْنَ فَضْلِهِ وَعَدْلِهِ . (بندہ، اللہ کے فضل اور اس کے عدل کے درمیان گردش کرتا رہتا ہے۔)

82 ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ ... اخْتِلَافاً كَثِيْراً○﴾

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ﴾ قَالَ الْإِمَامُ ابْنُ الْقَيِّمِ : فَقِرَاءَةُ آيَةٍ بِتَفَكُّرٍ وَتَفَهُّمٍ خَيْرٌ مِنْ قِرَاءَةِ خَتْمَةٍ بِغَيْرِ تَدَبُّرٍ وَتَفَهُّمٍ . (مفتاح دار السعادة : ۱ / ۱۸۷) امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں "پس ایک آیت کو غور و فکر اور سمجھ کے ساتھ پڑھنا، بغیر تدبر اور سمجھ کے پورے قرآن کو ختم کرنے سے بہتر ہے۔"

﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾ قرآن حکیم چھ ہزار سے زائد آیات پر مشتمل ہے۔ دو آیتوں کے درمیان کبھی کوئی تعارض نہیں پایا گیا۔ یہ اعجاز قرآنی ہے۔

اختلاف تین وجہ سے ہوسکتا ہے : الفاظ میں، معانی میں، ترتیب میں۔

① الفاظ : بعض فصاحت و بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچے ہوئے ہوں، بعض کم ہوں۔

② معانی : جو خبریں، جو باتیں بیان کی گئی ہیں، بعض صحیح اور بعض غلط ہوں۔

③ ترتیب : ہر آیت کو اس سے متعلق سورت میں آپ ﷺ لکھواتے۔

83 ﴿لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهُ مِنْهُمْ﴾

استنباط کا معنی ہے، کسی چیز کو کسی چیز سے نکالنا۔ عالم اپنے علم و عقل سے کسی خبر میں غور کرکے صحیح نتیجہ نکالے، یا قرآن و حدیث میں غور کرکے احکام شرعیہ اخذ کرے۔

85 ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً ... مُقِيتاً○﴾

چونکہ ''نصیب'' کا لفظ ایسی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کم بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ بھی، جبکہ ''کفل'' کا لفظ صرف مماثلت کے لیے بولا جاتا ہے، اس لیے برائی کے ذکر میں ''کفل'' کا لفظ لایا گیا تاکہ مماثلت کے معنی پر زور دیا جاسکے۔ یہ اللہ کے اس فرمان کی طرف بھی اشارہ ہے: ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا﴾ (الانعام : ٦ / ١٦٠) ''اور جو شخص ایک برائی لے کر آئے گا تو اسے بس اس کے برابر ہی سزا دی جائے گی۔'' اس قول کی طرف بھی: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوریٰ : ٤٢ / ٤٠) ''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''کفل'' کا زیادہ استعمال بری چیزوں کے لیے ہوتا ہے۔

86 ﴿وَإِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَآ﴾

اَلتَّحْذِيْرُ مِنْ عَدَمِ رَدِّ التَّحِيَّةِ ، اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبٌ . (سلام کا جواب نہ دینے سے بچنے کا حکم ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔)

''السلام''، اللہ کا نام ہے۔ مجلس کی ابتدا بھی اللہ کے نام سے اور انتہا بھی اس کے نام پر۔ ابتدا بھی سلامتی کی دعا سے اور انتہا بھی سلامتی کی دعا سے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ :

﴿عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ : تَرَوْنَ يَدِيْ هٰذِهِ صَافَحْتُ بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾ (التمهيد لابن عبد البر قرطبی : ١٢ / ٢٤٦-٢٤٧ ، وسنده صحيح) عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''آپ میرا یہ ہاتھ دیکھ رہے ہیں؟ اس ہاتھ سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا تھا۔''

89 ﴿فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

ہجرت کے معنی ہیں :

① دارالحرب سے دارالاسلام میں منتقل ہونا

② دارالخوف سے دارالامن میں منتقل ہونا

③ گناہوں سے ہجرت کرنا

92 ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِناً اِلَّا خَطَاً...﴾

قتل (قسامہ) : اگر مسلمانوں کے محلے میں کوئی مسلمان مقتول پایا جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا قاتل کون ہے تو اس محلے کے پچاس آدمی قسم کھائیں گے کہ ہم نے نہ اسے قتل کیا اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔قسم کھانے کے بعد اس کی دیت اہل محلہ پر ہوگی تاکہ مسلمان کا خون رائیگاں نہ جائے۔

قتل قائم مقام خطا : ایک شخص کے ہاتھ سے اینٹ وغیرہ گرگئی اور دوسرا شخص ہلاک ہوگیا۔اس کا حکم بھی قتل خطا کی طرح ہے۔

قتل بالسبب : کار، ٹرک یا بس کے نیچے آکر ہلاک ہوجائے۔

دیت : وہ مال جو مقتول کے ورثاء کو مقتول کی جان کے عوض میں دیا جاتا ہے۔اگر مسلمان مقتول کے قرابت دار کافر ہوں تو انھیں دیت نہیں دی جائے گی۔

قتل شبہ عمد : ایسے آلے سے موت جس سے عام طور پر آدمی مرتا نہیں اور اس کا ارادہ صرف ضرب لگانا ہو۔اس کی دیت، عاقلہ پر ہے۔عاقلہ سے مراد مجرم کے باپ کی طرف سے وہ رشتے دار ہیں جنھیں عصبات کہتے ہیں۔

مسئلہ : کسی ٹرک، کسی ٹریکٹر یا کسی ٹریلر کے نیچے آکر جو آدمی مرجائے، اس میں قاتل کی عاقلہ وہ کمپنی یا ادارہ ہے۔اس کی دیت کمپنی یا ادارے کو ادا کرنا ہے۔

101 ﴿اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾

حدیث کی حکمت و مصلحت کی تشریح : ﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعاً ، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيْعاً ، فِيْ غَيْرِ خَوْفٍ ، وَلَا سَفَرٍ﴾ (صحیح

مسلم : كتاب صلاة المسافرين وقصرها ، حديث ۷۰۵) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہا ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا سفر اور بغیر دشمن کے خوف کے ظہر اور عصر کی نماز کو اور مغرب وعشاء کی نماز کو ایک ساتھ پڑھا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضر میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کے درمیان جمع کیا، مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اس میں کیا علت وحکمت مضمر تھی؟ لیکن جب ہم حدیث کے مختلف لفظوں کو اکٹھا کرتے ہیں تو اس عمل کی حکمت سمجھ میں آتی ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کو سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح روایت کیا ہے :

﴿ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعاً بِالْمَدِيْنَةِ ، فِيْ غَيْرِ خَوْفٍ ، وَلَا سَفَرٍ ، قَالَ اَبُو الزُّبَيْرِ : فَسَئَلْتُ سَعِيْداً ، لِمَ فَعَلَ ذٰلِكَ ؟ فَقَالَ : سَئَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ كَمَا سَئَلْتَنِيْ ، فَقَالَ : اَرَادَ اَنْ لَا يُحْرِجَ اَحَداً مِنْ اُمَّتِهِ ﴾ (صحيح مسلم : كتاب صلاة المسافرين وقصرها ، حديث ۷۰۵) ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں بغیر خوف اور بارش کے ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھی۔ زبیر کہتے ہیں، میں نے سعید سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ یہی سوال میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کیا تھا تو انھوں نے جواب دیا ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ اپنی امت میں کسی کو مشقت میں نہ ڈالیں۔''

اس روایت میں بغیر سفر یا بارش کے جمع بین الصلاتین کی حکمت کا پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک رخصت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو مشقت میں پڑنے سے بچانے کے لیے کیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا : ﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (الحج : ۲۲ / ۷۸) ''اور اس نے دین میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

مذکورہ حدیث کا راجح مفہوم بیان کرنے کے لیے علامہ محمد بن آدم اثیوبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”خلاصہ کلام یہ کہ دلیل کی روشنی میں ان میں سب سے راجح قول یہ ہے کہ حالت اقامت میں ظہر اور عصر کے درمیان، نیز مغرب اور عشاء کے درمیان جمع کرنا جائز ہے، لیکن آدمی کو چاہیے کہ اسے اپنی عادت نہ بنالے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ نے اسے اپنی عادت نہیں بنایا تھا۔“ (البحر المحیط الثجاج : ۱۵ / ۱۹۷)

قصر :

① قصر، حدود شہر (میونسپلٹی کی حد) سے نکلنے کے بعد کرے۔

② قصر کی مسافت تین فرسخ (ساڑھے ۲۴ کلومیٹر) ہے۔

③ قصر کی مدت میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ (امام مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ) کہتے ہیں کہ خارج وداخل دونوں کو چھوڑ کر چار دنوں کے قیام کا ارادہ کرے تو پوری نماز پڑھے گا۔

④ تردد ہو تو تادم زیست قصر کر سکتا ہے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آذربائیجان میں چھ ماہ تک قصر کیا۔ انس رضی اللہ عنہ نیشاپور میں دوسال تک قصر کرتے رہے۔

104 ﴿وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ﴾

اَلْاِبْتِغَاءُ : الْاِجْتِهَادُ فِي الطَّلَبِ . (کسی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش میں خوب محنت کرنا ابتغاء کہلاتا ہے۔)

يَبْتَغُوْنَ اَیْ يُرِيْدُوْنَ وَيَسْعَوْنَ ، مَثَلاً الْفِتْنَةَ . (یبتغون کا مطلب ہے، وہ ارادہ کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں، مثلاً فتنہ کی کوشش کرتے ہیں۔)

مثلاً ایک ہدف ہے۔ اسے حاصل کرنے کی خواہش ہو، پھر اس کے لیے سعی (دوڑ) ہو۔

105 ﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْماً﴾

لَا تَكُنْ لِلْخَائِنِيْنَ خَصِيْماً ، تَحْرِيْمُ الْمُحَامَاةِ اِذَا عَلِمَ الْمُحَامِيْ اَنَّ صَاحِبَهُ مُبْطِلٌ . (تم خیانت کرنے والوں کی طرف سے

جھگڑنے والے (وکیل) نہ بنو۔ اس میں اس وکیل کی اس وکالت کی حرمت کی طرف اشارہ ہے جب وکیل کو یہ معلوم ہو کہ اس کا موکل جھوٹا یا باطل پر ہے۔)

112 ﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـئَةً اَوْ اِثْماً ...﴾

......"خطا" گناہ صغیرہ ہے، جبکہ "اثم" گناہ کبیرہ ہے۔

......ایک قول کے مطابق خطا وہ ہے جس کا ضرر مرتکب کو پہنچے، جبکہ اثم وہ ہے جس کا ضرر دوسرے کو پہنچے۔

115 ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ ... وَسَآءَتْ مَصِيْراً ○﴾

اجماع، حجت ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کون سی آیت اجماع کے حجت ہونے پر دلالت کرتی ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے قرآن کو تین سو بار پڑھا تو میں نے اس آیت کو اجماع کے حجت ہونے پر دلیل پایا۔

وَاَنَّهٗ كُلُّ مَنْ يَهُوْنُ اَمْرُهُمَا فَهُوَ مُبْتَدِعٌ مُتَّبِعٌ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ . (حجة الله البالغة : ١ / ٢٣٢) "یہ کہ جو بھی ان دونوں (اللہ اور اس کے رسول کے حکم یا شریعت) کے معاملے کو ہلکا سمجھے تو وہ بدعتی ہے اور مومنین (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرنے والا ہے۔"

116 ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ ... فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً بَعِيْداً ○﴾

اس سے پہلے آیت نمبر ۴۸ میں ﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴾ ہے۔ فَمُجَرَّدُ قَوْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ شَرِيْكٌ افْتِرَاءٌ ، ثُمَّ تَطْبِيْقُ ذٰلِكَ فِيْ عَمَلِهٖ يُعْتَبَرُ ضَلَالًا . (پس محض یہ کہنا کہ "اللہ کا کوئی شریک ہے" سراسر بہتان ہے۔ پھر اس قول کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کرنا ضلال (گمراہی) ہے۔)

شرک کی صورتیں :

① شرک فی الدعا (دعا میں شرک) : جیسے یا علی مدد وغیرہ کہنا۔

﴿ فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى

الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴾ (العنکبوت : ۲۹ / ۶۵) ''پھر جب وہ (مشرکین) کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اطاعت وفرماں برداری کو اسی (اللہ) کے لیے خاص کرتے ہوئے اللہ کو پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو فوراً وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔''

② شرک فی النیہ والارادہ (نیت اور ارادے میں شرک) : اعمال کا مقصد اللہ کی رضا نہ ہو بلکہ کسی کے تقرب کا حصول ہو یا دنیا کی زینت مقصود اصلی ہو۔

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (ہود : ۱۱ / ۱۵-۱۶) ''جو شخص دنیاوی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے تو ہم انھیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ اسی (دنیا) میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں۔ اور برباد ہو گیا جو کچھ انھوں نے اس (دنیا میں) کیا تھا اور وہ عمل ضائع ہو گئے جو وہ کرتے رہے۔''

③ شرک فی الطاعہ (اطاعت میں شرک) : تحلیل وتحریم کا اختیار صرف اللہ کو ہے، مگر کوئی شخص اپنے پیشواؤں کو یہ حق دے تو یہ شرک فی الطاعہ ہے۔

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ ﴾ (التوبۃ : ۹ / ۳۱) ''انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو (اپنا) رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو (بھی)۔''

﴿ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (البقرۃ : ۲ / ۲۳) ''اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو۔''

''من دون اللہ'' کا مفہوم : ہر وہ لفظ جس پر لفظ جلالہ (اللہ) کا اطلاق نہ ہو سکتا ہو، یعنی اسے اللہ نہ کہا جا سکتا ہو، وہ ''من دون اللہ'' میں داخل ہے۔ ''من دون اللہ'' کا یہ

مفہوم اس قدر واضح ہے کہ اس پر کسی بحث کی ضرورت نہیں، مگر لوگوں کی کج فہمی کی وجہ سے یہ بات بھی اختلاف کی نذر ہو چکی ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ یہاں ''ولی اللہ'' کی نفی نہیں ہے بلکہ ''ولی من دون اللہ'' کی نفی ہے۔ ''ولی من دون اللہ'' وہ ہیں جنھیں کفار نے اپنا ناصر و مددگار بنا رکھا تھا، جیسے بت اور شیاطین وغیرہ، جبکہ ''ولی اللہ'' وہ ہے جسے رب نے بندوں کا ناصر و مددگار بنایا ہے، جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء وغیرہ۔

جواب اس کا جواب بہت آسان ہے کہ آیت میں ''من دون اللہ'' ہے، ''ولی من دون اللہ'' کہاں ہے؟ اگر غور کیا جائے تو ''ولی من دون اللہ'' کا مطلب بھی تو یہی ہے کہ اللہ کے علاوہ ولی۔ اس سے بھی تو اللہ کے سوا ہر ایک کی نفی ہوتی ہے۔ بعض لوگوں (جیسے غلام رسول سعیدی) نے یہ کہا کہ ﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ کا مصداق، اصنام وغیرہ ہیں، انبیاء اور اولیاء نہیں ہیں۔ طاہر القادری نے تو کہا کہ ''من دون اللہ'' کے مخاطبین اہل ایمان نہیں بلکہ کفار و مشرکین ہیں اور ''من دون اللہ'' سے مراد ان کے وہ معبودان باطلہ ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔

جواب ''دون''، ''فوق'' کا متضاد اور اس کی نقیض ہے۔ جب ''فوق'' کے معنی اوپر کے ہیں تو ''دون'' کے معنی لامحالہ نیچے کے ہوں گے، لہٰذا ہر وہ چیز جو اللہ سے مقام و مرتبہ میں نیچے ہو، وہ ''دون اللہ'' ہے۔ رہا باہمی معاونت کا معاملہ، تو آیت ﴿ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ کے بالکل خلاف نہیں، ورنہ قرآن میں تناقض و تعارض لازم آئے گا۔

''دون'' کا مطلب : اگر کوئی چیز کسی کے مقابلے میں مقداراً تھوڑی حقیر اور ہلکی ہو تو اسے ''دون'' کہتے ہیں۔

''دون'' اور ''من دون'' میں فرق :

''دون'' کا مطلب : عَلَاقَةٌ بَيْنَ اَفْرَادٍ يَتَّصِفُوْنَ بِصِفَةٍ مُشْتَرَكَةٍ ، وَلٰكِنْ تَخْتَلِفُ فِيْ مُسْتَوٰى قُوَّتِهَا . (بہت سے افراد کے درمیان ایسا تعلق جو مشترک صفت کے ساتھ متصف ہوں، لیکن صفت کی قوت کے معیار میں وہ مختلف

ہوں۔)

''من دون'' کا مطلب : عَلَاقَةٌ بَيْنَ اَفْرَادٍ مُنْفَصِلٍ تَمَاماً عَنْ بَعْضِهِمْ ، وَمُسْتَوَى الْمُشَارَكَةِ فِيْ مُعَيَّنَةٍ وَالصِّفْر ، اَىْ لَا يُوْجَدُ اَىُّ مُشْتَرِكٍ بَيْنَهُمْ . (ایسا تعلق جو ایسے افراد کے درمیان ہو جو اپنے بعض سے مکمل طور پر الگ ہوں اور کسی معین چیز میں شرکت کا معیار صفر درجے میں ہو۔ یعنی ان کے درمیان کوئی مشترک نہ پایا جائے۔)

''دون'' کی مثال : ﴿ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ، اَىْ : اَقَلَّ اَهَمِيَّةً مِنَ الْغَوْصِ . (غوطے سے کم اہمیت والا کام۔)

﴿ مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صالحین کے علاوہ سب مجرمین ہیں۔

کہا جائے : دُوْنَكَ الْكِتَابَ ، اَىْ خُذْ هٰذَا الْكِتَابَ ، يَعْنَى اَنْتَ تُقَرِّبُهُ مِنْهُ وَلَا تَفْصِلُهُ عَنْهُ . (یعنی یہ کتاب لو۔ یعنی تم کتاب کو اس سے قریب کر رہے ہو، اس سے اس کو جدا نہیں کر رہے ہو۔)

''من دون'' کی مثال : ﴿ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴾ اَىْ هَاتَانِ الْجَنَّتَانِ مُنْفَصِلَتَانِ تَمَاماً مِنَ الْجَنَّتَيْنِ السَّابِقَتَيْنِ . (یہ دونوں جنتیں پہلی دو جنتوں سے بالکل الگ ہیں۔)

اُرِيْدُ فِنْجَانَ الْقَهْوَةِ مِنْ دُوْنِ سُكَّرٍ ، تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ الْقَهْوَةُ مُنْفَصِلَةً عَنِ السُّكَّرِ ، وَاَنْ لَا يَضَعَ لَكَ ذَرَّةً وَاحِدَةً مِنَ السُّكَّرِ . (مجھے بغیر شکر کی ایک پیالی چائے چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ چائے شکر سے جدا ہو اور یہ کہ وہ شکر کا ایک دانہ بھی نہ ڈالے۔)

نکتہ : اللہ نے ہر جگہ ''من دون اللہ'' کہا، کہیں بھی ''دون اللہ'' نہیں کہا۔

119 ﴿ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ ... خُسْرَانًا مُّبِينًا ○ ﴾

﴿ وَّلَأُضِلَّنَّهُمْ ﴾ يَعْنِیْ : عَنِ الْحَقِّ . (تفسیر البغوی : ۱ / ۷۰۳) ''یعنی حق سے۔''

﴿ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ ﴾ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : يُرِيْدُ تَسْوِيْفَ التَّوْبَةِ وَتَاخِيْرَهَا . (تفسیر الوسیط للواحدی : ۲ / ۱۱۸) ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ''وہ توبہ کو ٹالنے پر ابھارے گا۔'' جیسے آج کل جاہل پیر کہتے ہیں کہ ہم اپنے مریدوں کو بخشوالیں گے۔

﴿ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ ﴾ اس میں لڑکوں کے کان چھیدنا بھی داخل ہے۔

﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾ اس میں ڈاڑھی چھیل دینا، عورتوں کی طرح چوٹی باندھنا، عورت کا مرد اور مرد کا عورت بننا اور خصی ہوجانا وغیرہ شامل ہے۔

اللہ نے انسان کی فطرت کی تخلیق میں توحید رکھی ہے۔ شیطان نے اسے شرک میں مبتلا کردیا۔

120 ﴿ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴾

شیطان ان سے یہ کہتا ہے کہ جو کچھ ہے، یہی دنیا ہے۔ عمر ابھی بہت باقی ہے۔

127 ﴿ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ... ﴾

یہ عورت کا عظیم حق ہے کہ اس کے بارے میں فتوے کی ذمے داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔

130 ﴿ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ﴾

اِنَّ الْمَرْاَةَ وَالرَّجُلَ اِذَا تَكَسَّرَا بِالْفِرَاقِ بَيْنَهُمَا جَبَرَهُمَا اللّٰهُ بِالْاِغْنَاءِ كُلًّا مِنْ سَعَتِهٖ . (جب عورت اور مرد جدائی کے باعث ٹوٹ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اپنی وسعت سے ہر ایک کو غنی کرکے جوڑ دیتا (یا ان کے نقصان کی تلافی کردیتا) ہے۔)

اِذَا تَعَذَّرَ الْاِتِّفَاقُ فَاِنَّهُ لَا بَأْسَ بِالْفِرَاقِ بِطَلَاقٍ اَوْ خُلْعٍ . (جب اتفاق ناممکن ہوجائے تو اس صورت میں طلاق یا خلع کے ذریعے جدائی اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔)

اَلْمَرْاَةُ يُزَوِّجُ آخَرَ وَالزَّوْجُ بِامْرَاَةٍ اُخْرَى . (عورت دوسرے مرد سے شادی کرے گی اور شوہر دوسری عورت سے شادی کرے گا۔) شوہر کو اس سے اچھی بیوی دے گا اور بیوی کو اس سے اچھا شوہر دے گا۔

کس چیز سے غنی کردے گا؟ ﴿ مِّنْ سَعَتِهٖ ﴾ مِنْ غِنَاهُ وَقُدْرَتِهٖ . (اپنے غنی (غنی ہونے) اور اپنی قدرت سے۔)

سَعَةٌ : عِظَمُ الْعَطَاءِ . (سعۃ سے مراد عطا کی فراخی وبہتات ہے۔)

طلاق سے پہلے دونوں کو جدائی سے زجر کیا اور طلاق کے بعد تسلی دی۔

﴿ كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ ... ﴾ 135

﴿ قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ ﴾ قَوَّامِيْنَ : هِيَ لَفْظُ مُبَالَغَةٍ تَعْنِيْ شَدِيْدِي الْقِيَامِ بِالْعَدْلِ ، وَالْآيَةُ تُحَذِّرُنَا مِنْ اتِّبَاعِ الْهَوَى لِاَنَّهُ عَامِلٌ خَطِيْرٌ فِي التَّسَبُّبِ بِظُلْمِ النَّاسِ . (یہ لفظ مبالغے کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے، عدل پر سختی سے قائم رہنے والے۔ یہ آیت کریمہ ہمیں خواہشات کی پیروی سے خبردار کرتی ہے کیونکہ یہ (اتباع ہویٰ) لوگوں پر ظلم کا باعث بننے والا ایک خطرناک عنصر ہے۔)

اس میں چار امور ہیں :

① اَلْقِيَامُ بِالْقِسْطِ . (عدل قائم کیا جائے۔)

② اَنْ يَكُوْنَ لِلّٰهِ . (یہ عدل قائم کرنا اللہ کے لیے ہو۔) یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو۔

③ اَلشَّهَادَةُ بِالْقِسْطِ . (عدل کی گواہی دی جائے۔)

④ اَنْ تَكُوْنَ لِلّٰهِ . (عدل کی یہ گواہی اللہ کے لیے ہو۔) یعنی اللہ کی رضا کے لیے ہو۔

اس جگہ سورۂ نساء میں ﴿ قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ ﴾ ہے، جبکہ سورۂ مائدہ میں ﴿ قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ﴾ ہے۔

(سوال) عدل کو ادائے شہادت پر مقدم کیوں کیا؟

(جواب) شہادت کے ذریعے دوسرے شخص سے فیصلہ کرایا جاتا ہے اور عدل خود کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عدل کر کے انسان اپنے نفس سے ضرر کو دور کرتا ہے۔ شہادت کے ذریعے دوسرے سے ضرر کو دور کرتا ہے۔ خود سے ضرر دور کرنا، دوسرے سے ضرر کو دور کرنے پر مقدم ہے۔

140 ﴿ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ﴾

ان لوگوں کے پاس بیٹھنا اس وقت منع ہے جب وہ اسلام کے خلاف باتیں کر رہے ہوں۔

142 ﴿ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ﴾

مَنْ اَدَّى الصَّلَاةَ عَلَى وَجْهِ الْكَسَلِ فَفِيْهِ شَبَهٌ بِالْمُنَافِقِيْنَ ، اِذَا رَاَيْتَ فِىْ نَفْسِكَ قِلَّةً فِىْ ذِكْرِ اللّٰهِ ، فَاِنَّ فِيْهِ شَبَهًا بِالْمُنَافِقِيْنَ . (جس نے سستی کے ساتھ نماز ادا کی تو اس میں منافقوں سے مشابہت ہے۔ اگر تم اپنے اندر اللہ کے ذکر میں کمی پاؤ تو جان لو کہ تم میں منافقوں سے مشابہت ہے۔)

145 ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾

﴿ الدَّرْكِ ﴾ علامہ ابن فارس نے کہا کہ جنت میں درجات ہیں اور جہنم میں درکات ہیں۔

جب یہ لحاظ کیا جائے کہ بعض، بعض سے اوپر ہیں تو انھیں ”درج“ کہتے ہیں اور

جب یہ لحاظ کیا جائے کہ بعض، بعض سے نیچے ہیں تو ''درک'' کہتے ہیں۔

عَمَلٌ بِلَا اِيْمَانٍ لَا فَائِدَةَ مِنْهُ ، فَالْمُنَافِقُوْنَ يَعْمَلُوْنَ وَلٰكِنْ لَيْسَ عِنْدَهُمْ اِيْمَانٌ فَلَا يَنْفَعُهُمْ . (ایمان کے بغیر عمل بے فائدہ ہے، چنانچہ منافقین عمل تو کرتے ہیں لیکن ان کے پاس ایمان نہیں ہوتا، اس لیے ان کے اعمال انھیں کوئی فائدہ نہیں دیتے۔)

146 ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا ... اَجْراً عَظِيْماً ○﴾

نفاق سے عذاب سے نجات کی چار شرطیں ہیں :

① توبہ کریں۔ ③ نیک عمل کریں۔

③ اللہ کا دامن پکڑلیں۔ ④ اخلاص اختیار کریں۔

147 ﴿مَّا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ ... اللّٰهُ شَاكِراً عَلِيْماً ○﴾

جب جب عذاب آیا ہے، اس وقت یا تو کفر کیا گیا یا ناشکری۔

(سوال) لَمْ يَقُلْ شَكَرْتُمْ وَصَبَرْتُمْ ، شَكَرْتُمْ وَاَطَعْتُمْ ؟ (یہ نہیں کہا کہ تم نے شکر کیا اور صبر کیا۔ یہ بھی نہیں کہا کہ تم نے شکر کیا اور اطاعت کی۔)

(جواب) مَثَلًا طَبِيْبٌ جَرَّاحٌ ، وَلَهُ ابْنٌ يَتَمَتَّعُ بِصِحَّةٍ جَيِّدَةٍ ، فَهَلْ يَضَعُهُ عَلَى مَنَصَّةِ التَّشْرِيْحِ وَيَحْذِرُهُ وَيَفْتَحُ بَطْنَهُ بِلَا سَبَبٍ ؟ مُسْتَحِيْلٌ . (مثلاً ایک ماہر سرجن ہے اور اس کا ایک بیٹا ہے جو صحت مند ہے۔ کیا وہ اسے آپریشن ٹیبل پر لٹائے گا، اسے ڈرائے گا اور بلا وجہ اس کا پیٹ چاک کردے گا؟ یہ ناممکن ہے۔)

نکتہ : فَالْكَوْنُ لَهُ مُهِمَّتَانِ : الْمُهِمَّةُ الْاُوْلَى اَنْ تَتَعَرَّفَ اِلَى اللّٰهِ مِنْ خِلَالِهِ ، وَالْمُهِمَّةُ الثَّانِيَةُ اَنْ تَنْتَفِعَ بِهِ ، رَدُّ فِعْلِ التَّعَرُّفِ اِيْمَانٌ وَرَدُّ فِعْلِ الْاِنْتِفَاعِ الشُّكْرُ . (پس کائنات کے دو اہم مقاصد ہیں۔ پہلا مقصد یہ ہے کہ تم اس کے ذریعے اللہ کو پہچانو۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ تم اس سے فائدہ

اٹھاؤ۔ اللہ کی پہچان کا ردعمل ایمان ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا ردعمل شکر ہے۔)

اگر عذاب الٰہی کو روکنا ہے تو حَقِّقِ الْهَدَفَ مِنْ وُجُودِكَ اِيْمَاناً ، كَرَدِّ فِعْلٍ عَلَى اَنَّ الْكَوْنَ مُسَخَّرٌ لَكَ (تَسْخِيْرُ تَعْرِيْفٍ) ، وَبِشُكْرِهِ كَرَدِّ فِعْلٍ عَلَى اَنَّ هٰذَا الْكَوْنَ مُسَخَّرٌ لَكَ تَسْخِيْرَ تَكْرِيْمٍ . (اپنے وجود کا مقصد ایمان کے ذریعے حاصل کرو۔ یہ اس بات کا ردعمل ہے کہ کائنات تمہارے لیے مسخر کی گئی ہے جو تسخیر تعریف ہے۔ اللہ کا شکر ادا کر کے بھی مقصد حاصل کرو۔ یہ اس بات کا ردعمل ہے کہ یہ کائنات تمہارے لیے تسخیر تکریم کے طور پر مسخر کی گئی ہے۔)

سوال ایمان پر شکر کو مقدم کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب نعمت کی وجہ سے منعم کی تعظیم کرنا، اور یہ تین امور پر موقوف ہے :

① اس شخص کو نعمت کی معرفت ہو۔

② معرفت کے بعد ذہن کسی منعم کو تلاش کرے تا کہ تعظیم کرے۔

③ منعم مل جائے تو اس کے آگے جھک جائے۔

اور اس طرح شکر ادا کرنا اللہ پر ایمان لانے کا موجب ہوتا ہے۔

شاکر اور علیم کا ربط : شاکر یعنی اللہ ثواب دے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کون اس کی نعمتوں کی قدر کرتا ہے۔ شاکر کی صفت کا اثر بندوں پر مرتب ہونا تھا، یعنی شکر کی جزا دینا۔ اس کا پہلے ذکر کیا۔ جس صفت میں اس کی شان کبریائی تھی اور جس کا تعلق صرف اس کے ساتھ تھا تو اس کا ذکر بعد میں کیا۔

❀

پارہ نمبر ۶

148 ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ...﴾

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ اَن يَدْعُوَ اَحَدٌ عَلَى اَحَدٍ اِلَّا اَن يَكُوْنَ مَظْلُوْماً. (اللہ یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی پر بددعا کرے، سوائے اس کے کہ وہ مظلوم ہو۔)

﴿عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْكُوْ جَارَهُ، فَقَالَ: اذْهَبْ فَاصْبِرْ، فَاَتَاهُ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثاً، فَقَالَ: اذْهَبْ فَاطْرَحْ مَتَاعَكَ فِي الطَّرِيْقِ، فَطَرَحَ مَتَاعَهُ فِي الطَّرِيْقِ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَسْئَلُوْنَهُ فَيُخْبِرُهُمْ خَبَرَهُ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَلْعَنُوْنَهُ: فَعَلَ اللّٰهُ بِهِ، وَفَعَلَ، وَفَعَلَ، فَجَاءَ اِلَيْهِ جَارُهُ فَقَالَ لَهُ: ارْجِعْ لَا تَرَى مِنِّيْ شَيْئاً تَكْرَهُهُ﴾ (سنن ابی داود: كتاب الادب، حديث ۵۱۵۳، حكم الالبانی: حسن صحيح) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے اپنے ہمسائے کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا "جاؤ اور صبر کرو۔" وہ پھر آپ کے پاس دو یا تین بار آیا تو آپ نے فرمایا "جاؤ، اپنا سامان راستے پر ڈال دو۔" چنانچہ اس نے اپنا مال متاع راستے پر ڈال دیا۔ لوگ اس سے پوچھنے لگے (کہ کیا ہوا؟) تو اس نے انھیں اپنے ہمسائے کا سلوک بتایا۔ پس لوگ اسے لعنت ملامت کرنے لگے، اللہ اس کے ساتھ ایسے کرے اور ایسے کرے۔ اب وہ ہمسایہ اس کے پاس آیا اور اس سے بولا "اپنے گھر میں واپس چلے جاؤ۔ (آئندہ) میری طرف سے کوئی ناپسندیدہ سلوک نہیں دیکھو گے۔"

﴿عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ ، فَإِذَا أُتْبِعَ اَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ ﴾ (بخاری : کتاب الحوالات ، حدیث ۲۲۸۷) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مال دار کا (اپنا قرض ادا کرنے میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی کو مال دار کے حوالے کیا جائے تو وہ حوالہ قبول کرے۔''

نکتہ : لا يُحِبُّ بَلْ يُبْغِضُهُ . (اللہ اس سے محبت نہیں بلکہ نفرت کرتا ہے۔)

150 ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ ... بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً ۝﴾

① كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ . (اللہ اور رسل، دونوں کا انکار۔)

② اَرَادُوا التَّفْرِيْقَ بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ . (اللہ کا اقرار اور رسولوں کا انکار۔)

③ آمَنُوْا بِبَعْضِ الرُّسُلِ وَكَفَرُوْا بِبَعْضٍ . (بعض رسولوں کا اقرار اور بعض کا انکار۔)

کفر بالرسل (رسولوں کا انکار)، کفر باللہ (اللہ کا انکار) ہے۔

اب دو قسم کے لوگ ہیں :

① جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں مگر رسولوں کو نہیں مانتے۔

② جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسل دونوں کو مانتے ہیں، مگر بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔

یہاں بتایا گیا کہ ایمان بالجمیع معتبر ہے۔ یہ نہیں ہے تو کفر ہے۔

157 ﴿وَإِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ﴾

یہودی کہتے ہیں کہ اگر یہ عیسیٰ علیہ السلام ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور یہ ہمارا آدمی ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے؟ یہ شک ہے۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے کہا کہ تیس سال کی عمر میں عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کی گئی اور تینتیس سال میں اٹھا لیے گئے، لہٰذا ان کی مدت نبوت تین سال ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

157 ﴿وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ ... وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْناً○﴾

﴿اَلْمَسِيْحَ﴾ لِاَنَّهُ لَا يَمْسَحُ ذَا عَاهَةٍ اِلَّا بَرِئَ ، عِيْسَى اسْمُهُ ، ابْنُ كَرِيْمٍ كُنْيَتُهُ . (کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام جب کسی بیمار کو چھوتے تو وہ شفایاب ہو جاتا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام ان کا نام ہے اور ابن کریم ان کی کنیت۔)

نُسِبَ اِلَى اُمِّهِ لِاَنَّهُ خُلِقَ مِنْ غَيْرِ اَبٍ . (عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی ماں کی طرف منسوب کیا گیا کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔)

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ اَنْ اُلْقِيَ شَبَهُهُ عَلَى رَجُلٍ غَيْرِهِ فَقَتَلُوْهُ وَصَلَبُوْهُ ظَنًّا مِنْهُمْ اَنَّهُ عِيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ . (یہ کہ اللہ نے ایک دوسرے شخص پر عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی تو یہودیوں نے اسے قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا، یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں بارہ حواریین تھے۔

قَالَ : اَيُّكُمْ يُلْقَى عَلَيْهِ شَبَهِي فَيُقْتَلَ مَكَانِي وَيَكُوْنَ مَعِيْ فِيْ دَرَجَتِيْ ، فَقَامَ شَابٌّ مِنْ اَحْدَثِهِمْ سِنًّا ، فَقَالَ لَهُ : اجْلِسْ ، ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِمْ فَقَامَ الشَّابُّ ، اَنَا ، فَقَالَ : اَنْتَ هُوَ ذَاكَ ، فَاُلْقِيَ عَلَيْهِ شَبَهُ عِيْسَى وَرُفِعَ عِيْسَى مِنْ رَوْزَنَةٍ فِي الْبَيْتِ اِلَى السَّمَاءِ . (تفسیر ابن ابی حاتم : ٤ / ١١١٠) آپ (عیسیٰ علیہ السلام) نے فرمایا "تم میں سے کون ہے جس پر میری شبہ ڈال دی جائے تا کہ وہ میری جگہ قتل کیا جائے اور (جنت میں) میرے ساتھ میرے ہی درجے میں ہو؟" ایک نوجوان جوان میں سب سے کم عمر تھا، کھڑا ہوا۔ آپ نے اس سے فرمایا "بیٹھ جاؤ۔" پھر آپ نے اس سے دوبارہ یہی بات دہرائی تو وہی نوجوان (دوبارہ) کھڑا ہوا اور کہنے لگا "میں (تیار ہوں)۔" آپ نے فرمایا "تم ہی اس لائق ہو۔" چنانچہ اس پر عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کو گھر کی ایک کھڑکی سے آسمان کی طرف زندہ اٹھا لیا گیا۔"

اَيُّكُمْ يُلْقَى عَلَيْهِ شَبَهِي فَيُقْتَلُ مَكَانِيْ ، وَهُوَ رَفِيْقِيْ فِي الْجَنَّةِ . (تفسير ابن كثير : ٢ / ٤٥٠) ''تم میں سے کوئی ہے جس کی مجھ سے مشابہت پیدا کر دی جائے تو وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا؟''

مشرک جاہل ہوتا ہے : نصاریٰ کی سفاہت (حماقت) دیکھو کہ صلیب کی عبادت اور تعظیم کرتے ہیں۔ اگر عقل ہوتی تو اسے توڑ دیتے کیونکہ ان کے بقول اسی پر ان کے نبی (عیسیٰ علیہ السلام) کو سولی دی گئی تھی۔ وہ اسے مقدس کیسے مان سکتے ہیں؟

158 ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾

اس جملے میں کلام سابق سے اضراب ہے۔ کلام سابق میں جس چیز کی نفی کی گئی ہے، ''بل'' سے اضراب کرکے اس چیز کا اثبات کیا ہے۔ کلام سابق میں مذکور ہے کہ یہود نے کہا تھا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور انھیں سولی دی ہے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کے جسم مع روح کو قتل کیا ہے اور ان کے جسم مع روح کو سولی دی ہے کیونکہ روح کو قتل کرنا اور اسے سولی دینا غیر معقول ہے اور یہ یہود کا دعویٰ بھی نہ تھا۔ پس ﴿بَلْ﴾ سے پہلے جسم مع روح کو قتل کرنے کا ذکر تھا تو ﴿بَلْ﴾ کے بعد جسم مع روح کے رفع اور اس کے اٹھانے کا ذکر ہے اور اسے صرف روح کے رفع اور اٹھانے پر محمول کرنا سیاق و سباق اور قواعد نحو کے خلاف ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا ایک حواری (یہوداہ اسکریوتی) منافق تھا۔ اس نے تیس درہم لے کر کہا کہ میں بتادوں گا کہ آپ کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ جب وہ عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے تو عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا گیا اور اس منافق پر عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی گئی۔ (تفسير القرطبي : ٤ / ٩٩)

عیسیٰ علیہ السلام اور آدم علیہ السلام میں ایک مشابہت یہ بھی ہے کہ ایک اوپر سے نیچے آیا اور ایک نیچے سے اوپر گیا۔

عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے۔

قرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے نازل کرنے کی حکمتیں :

① عیسائیوں کے دعوے کا رد کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔ انھیں نازل کر کے اللہ ان کے جھوٹ کو ظاہر کر دے گا۔

② انھیں زمین میں دفن کیا جائے گا کیونکہ جو مٹی سے بنا ہے، اسے مٹی میں دفن کیا جائے۔

③ عیسیٰ علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی بشارت دی اور مخلوق کو آپ کی تصدیق واتباع کی دعوت دی، اس لیے بالخصوص عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمایا جائے گا۔

④ دجال کا خاتمہ، شریعت محمدیہ کی پیروی، صلیب کو توڑنا اور خنزیر کو قتل کرنا وغیرہ۔

159 ﴿وَإِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ ...﴾

﴿قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ ہر کتابی، عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا۔

اَنَّ كُلَّ كِتَابِيٍّ لَا يَمُوْتُ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِعِيْسٰى اَوْ بِمُحَمَّدٍ ، وَلٰكِنْ لَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ اِيْمَاناً نَافِعاً . (تفسير ابن كثير : ٢ / ٤٥٤) ”ہر اہل کتاب نہیں مرے گا جب تک وہ عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لے آئے، لیکن وہ ایمان فائدہ مند نہ ہوگا۔“

171 ﴿يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا ... وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلاً ○﴾

اَلْغُلُوُّ : اِجْتِيَازُ الشَّيْءِ عَنْ حَدِّهِ الَّذِيْ وُضِعَ لَهٗ . (کسی چیز کا اپنی مقررہ حد سے تجاوز کر جانا غلو کہلاتا ہے۔)

اللہ نے اس آیت میں یہود کا رد کیا جو عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں تفریط (غلو) کرتے ہوئے حضرت مریم پر بہتان باندھتے تھے۔ انھیں ﴿ابْنُ مَرْيَمَ﴾ کہا۔ عیسائیوں کا بھی رد کیا جو افراط کرتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام، خدا کے بیٹے ہیں۔

﴿وَكَلِمَتُهٗ﴾ سبھی کلمہ ”کن“ سے پیدا ہوتے ہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے کہا کہ ہر انسان کی پیدائش کا ایک سبب قریب ہوتا ہے اور ایک سبب بعید ہوتا ہے۔ سبب قریب،

نطفہ ہے اور سبب بعید، اللہ تعالیٰ کا کلمہ ''کن'' ہے۔عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا سبب قریب (نطفہ) نہ تھا، لہٰذا کلمہ ''کن'' کی طرف نسبت کی۔

روح : عرب میں ''روح''، پھونک کو کہتے ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام، جبریل علیہ السلام کا نفخ تھے اور یہ پھونک اللہ کے اذن سے تھی، اس لیے ﴿ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ﴾ کہا۔علاوہ ازیں کوئی چیز طاہر اور نظیف ہو تو لوگ اسے ''روح'' کہتے ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام چونکہ نطفے کی آمیزش سے پاک تھے، اس لیے انھیں روح کہا گیا۔

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ﴾ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی تین خدا مانتے تھے : اللہ، عیسیٰ علیہ السلام اور مریم۔انھیں وہ ''اقانیم ثلاثہ'' کہتے تھے اور ہر اقنوم کا دوسرے میں حلول مانتے ہیں۔جیسے پانی، شکر، چائے کی پتی، تینوں ایک دوسرے میں گھل گئے۔ان میں تینوں الگ الگ خدا ہیں اور ان تینوں کا مجموعہ بھی خدا ہے۔

یہاں حلول اور اتحاد کا رد کیا کہ ایسا نہیں کہ اللہ ہی عیسیٰ علیہ السلام کے بدن میں حلول کر گیا ہے، یا ان کے بدن کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔پھر صحیح عقیدہ بیان کیا کہ وہ مسیح ابن مریم علیہ السلام اور اللہ کا کلمہ ہیں۔

رد : مرکب اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور جو کسی کا محتاج ہو، وہ خدا نہیں ہو سکتا۔حقیقی بیٹا مانتے ہیں تو بیوی ماننا پڑے گا۔بیٹا تو باپ کے بعد ہوتا ہے اور جو کسی کے بعد ہو، وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ ... ﴾ 172

مسیح علیہ السلام کو اپنے بندے ہونے میں عار نہیں۔انھوں نے گہوارے میں کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔یہ ﴿ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ﴾ اور ﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ ﴾ سے ظاہر ہے۔

ملائکہ مقربین جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، بڑے طاقتور ہیں، پھر بھی انھیں اللہ کی عبادت سے عار نہیں۔

سورۂ مائدہ

① بَدَاتِ هٰذِهِ السُّوْرَةُ الْمُبَارَكَةُ بالْاَمْرِ بِالْوَفَاءِ بِالْعُقُوْدِ ، وَخُتِمَتْ بالْعَقْدِ (الْعَهْدِ) الَّذِیْ اَخَذَهُ عِیْسَى بْنُ مَرْیَمَ عَلَى قَوْمِهِ فَتَرَكُوْهُ وَضَیَّعُوْهُ (عَهْدٍ) مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖ ....

(اس مبارک سورت کا آغاز عقود کو پورا کرنے کے حکم سے ہوا اور اس کا اختتام اس عہد میثاق پر ہوا جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اپنی قوم سے لیا تھا، لیکن انھوں نے اسے چھوڑ دیا اور ضائع کر دیا۔)

② یہ سورت اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ اس میں شریعت کے پانچ مقاصد (حفظ دین، حفظ نفس، حفظ عقل، حفظ عرض، حفظ مال) جمع ہیں۔

نکتہ : پورے قرآن میں ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ﴾ کل ۸۸ بار آیا ہے جن میں ۱۶ مرتبہ صرف سورۂ مائدہ میں ہے اور ہر نداء میں اجتماعی زندگی کے لیے کوئی نہ کوئی منظم قانون ہے۔

• وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ : اِذَا قَالَ اللّٰهُ : يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ، فَارْعِهَا سَمْعَكَ فَاِنَّهُ خَيْرٌ تُؤْمَرُ بِهِ اَوْ شَرٌّ تُنْهَى عَنْهُ . (النکت والعیون - تفسیر الماوردی : ٦ / ٤٣) ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”جب اللہ تعالیٰ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ﴾ فرمائے تو اپنے کان اس کی طرف لگاؤ کیونکہ وہ یا تو کوئی ایسی بھلائی ہوگی جس کا تمھیں حکم دیا جائے گا، یا کوئی ایسی برائی ہوگی جس سے تمھیں روکا جائے گا۔“

• سورۂ مائدہ تمام مقاصد شرعیہ کو مشتمل ہے :

① حفظ الدین : ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ (المائدة : ٥٤) ”اے لوگو جو ایمان

لائے ہو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو پھر اللہ جلد ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، وہ مومنوں پر نرمی کرنے والے ہوں گے اور کافروں پر سختی کرنے والے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ (بڑی) وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔''

② حفظ النفس : ﴿ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ (المائدة : ٣٢) ''جو شخص کسی کو قتل کر دے، سوائے اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد کرنے والا ہو تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔''

③ حفظ النسل : ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ﴾ (المائدة : ٥) ''اور تمھارے لیے پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جبکہ تم انھیں ان کے مہر دے دو، نیز انھیں نکاح کی قید میں لانے والے بنو، نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والے۔''

④ حفظ المال : ﴿ وَالسَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (المائدة : ٣٨) ''اور تم چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو۔ یہ اللہ کی طرف سے اس گناہ کی عبرت ناک سزا ہے جو انھوں نے کیا۔ اور اللہ سب پر غالب، خوب حکمت والا ہے۔''

⑤ حفظ العقول : ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (المائدة : ٩٠) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک شراب اور جوا اور آستانے اور فال نکالنے

کے تیر، سب گندے کام ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں، پس تم ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔"

نکتہ : سورۂ مائدہ میں تین مرتبہ ﴿ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ آیا ہے۔

• پہلے ﴿ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ہے۔ یہ آیت (نمبر ۱۲) یہود کے بارے میں ہے جنھوں نے مِیْثَاقُ اَخَذَهُ اللّٰهُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ فَهٰؤُلَاءِ اِنْ اَطَاعُوا اللّٰهَ. (یہ وہ میثاق ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل سے لیا، پس یہ لوگ اگر اللہ کی اطاعت کریں گے تو......) انھیں جنت ملے گی۔

پھر ﴿ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ﴾ ہے۔ یہ آیت (نمبر ۸۵) نصاریٰ کے بارے میں ہے جو اَكْثَرُ طَاعَةً لِلّٰهِ مِنَ الْيَهُوْدِ. (یہودیوں سے زیادہ اطاعت کرنے والے ہیں۔)

پھر ﴿ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ﴾ ہے۔ اس آیت (نمبر ۱۱۹) میں ہے: تَشْمَلُ جَمِيْعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَكُلَّ مَنْ صَدَّقَ بِالْقُرْآنِ، فَاَضَافَ صِيْغَةَ الْاَبَدِيَّةِ. (یہ حکم تمام مومنین اور ہر اس شخص کو شامل کرتا ہے جس نے قرآن کی تصدیق کی، (اسی لیے اللہ نے اجر کے لیے) ہمیشگی کی صفت کا اضافہ کیا۔)

تَدَرُّجٌ فِی الْجَزَاءِ. (جزا میں تدریج ہے۔)

ان تینوں میں ترتیب بھی زمنی ہے۔ پہلے یہود، پھر نصاریٰ اور آخر میں مومنین۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ :

① مسح علی الخفین کے راویوں میں سے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ فَاِنَّ الرَّافِضَةَ لَا يَقُوْلُوْنَ بِالْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ. (پس رافضی موزوں پر مسح کے قائل نہیں ہیں۔)

② عَلِیٌّ هُوَ مِنْ جُمْلَةِ مَنْ رَوَى تَحْرِيْمَ الْمُتْعَةِ، وَهُوَ (الشِّيْعَةُ) لَا يَقُوْلُوْنَ بِالتَّحْرِيْمِ. (علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں

نے متعہ کی حرمت کو روایت کیا ہے، لیکن شیعہ اسے حرام قرار نہیں دیتے۔)

③ عَلِیٌّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ یَقُوْلُ وَیُعْلِنُ عَلٰی مِنْبَرِ الْکُوْفَةِ بِاَنَّ خَیْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْ بَکْرٍ وَعُمَرُ ، وَهُمْ (الشِّیْعَةُ) یَقُوْلُوْنَ : لَیْسَا خَیْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَبَعْضُهُمْ یَقُوْلُ اِنَّهُمَا کَافِرُوْنَ . (علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کوفہ کے منبر پر کھڑے ہو کر یہ کہتے اور اعلان کرتے تھے کہ اس امت کے بہترین لوگ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں، جبکہ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں اس امت کے بہترین لوگ نہیں ہیں۔ ان میں سے بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ دونوں کافر ہیں۔)

④ عَقِیْدَةٌ لِلرَّافِضَةِ لَیْسَتْ عَلٰی هُدًی وَلٰکِنَّهَا عَلٰی هَوًی . (شیعوں کا عقیدہ ہدایت پر مبنی نہیں ہے بلکہ خواہشات پر مبنی ہے۔)

1 ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ... یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ○﴾

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ کسی چیز کو مضبوطی سے دوسری چیز کے ساتھ جوڑنے کو ''عقد'' کہتے ہیں۔

عقد کی تین قسمیں ہیں :

① انسان اور اللہ کے درمیان عقد : بندہ ایمان لانے کے تمام احکام پر عمل کرے۔

② انسان کا اپنے اور اپنی ذات کے درمیان عقد : جیسے نذر وغیرہ ماننا۔

③ انسان اور دوسرے انسان کے درمیان عقد : جیسے عقد بیع، عقد نکاح۔

﴿اُحِلَّتْ لَکُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ﴾ اَلْبَهِیْمَةُ : کُلُّ مَا لَا یَنْطِقُ مِنَ الْحَیَوَانَاتِ . (بہیمہ ہر وہ جانور ہے جو بول نہ سکے۔)

اَلْاَنْعَامُ : مُضَافٌ اِلَیْهِ . (انعام، مضاف الیہ ہے۔) یہ اضافت بیانیہ ہے، جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ . (چاندی کی انگوٹھی۔)

اَلْبَهِیْمَةُ الَّتِیْ هِیَ الْاَنْعَامُ : اَلْاِبِلُ ، وَالْبَقَرُ ، وَالْغَنَمُ ، وَهِیَ الْاَزْوَاجُ الثَّمَانِیَةُ ، ثَمَانِیَةُ اَزْوَاجٍ . (وہ چوپائے جو مویشی ہیں، یعنی گائے،

اونٹ اور بکری۔ یہ آٹھ قسمیں ہیں، آٹھ جوڑے۔)

اَلْاَنْعَامُ : سُمِّيَتْ هٰذِهِ الْاَزْوَاجُ الثَّمَانِيَةُ - الْاَنْعَامَ - لِمَا فِيْ مَشْيِهَا مِنَ النَّعُوْمَةِ وَاللِّيْنِ . (آٹھ قسموں کو انعام اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی چال میں نرمی اور آہستگی ہوتی ہے۔)

قاعدہ : اِسْمٌ مُفْرَدٌ مُضَافٌ اِلَى مَعْرِفَةٍ فَصَارَ عَامًّا لِكُلِّ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ . (مفرد (بہیمہ) اسم جو معرفہ (الانعام) کی طرف مضاف ہوا تو وہ تمام چوپایوں (بہیمۃ الانعام) کے لیے عام ہو گیا۔)

اِنَّ الْاَصْلَ فِيْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ الْحِلُّ اِلَّا مَا وَرَدَ الدَّلِيْلُ بِتَحْرِيْمِهِ . (بہیمۃ الانعام میں اصل حلال ہونا ہے، سوائے اس کے جس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل وارد ہو۔)

﴿ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾ کہہ کر استثنا کیا گیا کہ یہ حرام ہیں۔

﴿ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ ، وَعَنْ كُلِّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ ﴾ (صحيح مسلم : كتاب الصيد والذبائح ، حديث ١٩٣٤) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلی والے درندے اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندے (کو کھانے) سے منع فرمایا۔

﴿ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ﴾ اَلصَّيْدُ هُوَ الْحَيَوَانُ الْمَاْكُوْلُ الْمُتَوَحِّشُ . (صید (شکار) سے مراد کھایا جانے والا وہ جانور ہے جو جنگلی ہو۔)

محرم پر صید البحر (سمندری شکار) جائز ہے اور صید البر (خشکی کا شکار) ناجائز ہے۔

2 ﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى... وَالْعُدْوَانِ ﴾

اَلتَّقْوٰى اَحْيَانًا تُقْرَنُ بِالْبِرِّ وَاَحْيَانًا تُفْرَدُ ، فَاِنْ قُرِنَتْ صَارَ مَعْنَاهَا اجْتِنَابَ الْمَعَاصِيْ وَالْبِرُّ فِعْلُ الطَّاعَاتِ ، وَاِنْ اُفْرِدَتْ

عَنْهُ صَارَتْ شَامِلَةً لِفِعْلِ الْاَوَامِرِ وَاجْتِنَابِ النَّوَاهِيْ . (تقویٰ بعض اوقات نیکی کے ساتھ ملایا جاتا ہے اور بعض اوقات اسے تنہا استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر اسے نیکی کے ساتھ ملایا جائے تو اس کا معنی گناہوں سے بچنا ہوتا ہے، جبکہ نیکی کا مطلب اطاعت والے کام کرنا ہوتا ہے۔ اور اگر اسے علاحدہ استعمال کیا جائے تو یہ اوامر اور نواہی دونوں کو شامل ہوتا ہے۔)

تعاون بالبر کے ساتھ تقویٰ کو ذکر فرمایا گیا۔ لِاَنَّ فِي التَّقْوَى رِضَا اللّٰهِ وَفِي الْبِرِّ رِضَا النَّاسِ ، وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَ رِضَا اللّٰهِ وَرِضَا النَّاسِ فَقَدْ تَمَّتْ سَعَادَتُهُ وَعَمَّتْ نِعْمَتُهُ . (کیونکہ تقویٰ میں اللہ کی رضا ہے اور بر (نیکی) میں لوگوں کی رضا ہے۔ جس نے اللہ کی رضا اور لوگوں کی رضا کو جمع کرلیا، اس کی سعادت مکمل ہوگئی اور اس کی نعمت عام ہوگئی۔)

اثم اور عدوان میں فرق :

① اَلْاِثْمُ : مُحَرَّمُ الْجِنْسِ ، اَيْ مَا كَانَ حَرَاماً لِجِنْسِهِ . (اثم وہ گناہ ہے جس کی جنس ہی حرام ہو، یعنی جو اپنی نوعیت کی وجہ سے ہی حرام ہو۔)

② اَلْعُدْوَانُ : مُحَرَّمُ الْقَدْرِ ، اَيْ مَا حُرِّمَ لِزِيَادَةٍ فِيْ قَدْرِهِ . (عدوان وہ ہے جو مقدار میں زیادتی کی وجہ سے حرام کیا گیا ہو، یعنی وہ چیز جو اپنی حد سے بڑھ جانے کے سبب حرام ہو۔)

جیسے چوری، زنا، شراب، سب اثم ہیں، جبکہ پانچ عورتوں سے نکاح کرنا عدوان ہے۔

3 ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ... غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

﴿وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ﴾ جس جانور کا گوشت کھایا جائے، اس کے اوصاف کا انسان کی طبیعت پر اثر پڑتا ہے۔ خنزیر انتہائی بے غیرت جانور ہے۔

﴿وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ تقرب کے لیے کسی چیز کو غیر اللہ کی طرف منسوب

کرنا۔

زید جو زندہ ہے، اس کی طرف منسوب کر کے کہنا کہ یہ زید کا بکرا ہے، جائز ہے، مگر غوث پاک کا بکرا کہنا جائز نہیں کیونکہ مردہ کسی چیز کی ملکیت نہیں رکھتا۔

﴿ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ﴾ جیسے فال کے تیروں سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنا، نجومی کا ہاتھ کی لکیریں دیکھنا، طوطے کی چونچ سے لفافہ نکلوانا، قرآن سے فال نکالنا، دیوان حافظ شیرازی سے فال نکالنا۔

(سوال) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فال (نیک شگون) کو پسند کرتے تھے تو تیروں سے فال ''فسق'' کیوں ہے؟

(جواب) اس سے قسمت کا حال معلوم کرنا اس لیے حرام ہے کہ اس میں غیب کی معرفت کی طلب ہے اور یہ حرام ہے کیونکہ ارشاد باری ہے: ﴿ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ﴾ (لقمان: ۳۱ / ۳۴) ''کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کچھ کرے گا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے تھے۔ جیسے کسی کا نام پوچھتے۔ اگر اچھا ہوتا تو خوش ہوتے اور ناپسند ہوتا تو چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی، جیسے یاراشد (راہ یاب)، یا نجیح (کامیاب)۔

﴿ وَالْمُنْخَنِقَةُ ﴾ گلا گھٹنے والا جانور، خواہ خود بخود رسی وغیرہ سے گھٹ کر مر جائے یا کوئی اس کا گلا گھونٹ کر مار دے۔

﴿ وَالْمَوْقُوْذَةُ ﴾ جسے کسی لاٹھی یا پتھر وغیرہ کی چوٹ سے مارا جائے۔

دیگر آلات سے شکار کا حکم : گلے کے گھٹنے سے مرا ہو تو حرام ہے اور کٹ کر یا چھد کر مرا ہو تو حلال ہے۔ ایک زکوٰۃ اختیاری ہے۔ (عام ذبح) ایک زکوٰۃ اضطراری ہے۔ (زخم آئے۔)

بندوق سے شکار کا حکم : بعض ناجائز کہتے ہیں کیونکہ اس سے شکار کٹتا نہیں، ٹوٹتا ہے۔ پس وہ ﴿ وَالْمَوْقُوْذَةُ ﴾ ہے۔

قاعدہ : یہ ہے کہ مشتق کا ماخذ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے۔ حلت کی علت، جرح (زخمی کرنا) ہے۔

زخمی کرنے والے کا شکار حلال ہے۔ (کبریٰ)

بندوق زخمی کرنے والا ہے۔ (صغریٰ)

لہٰذا بندوق کا شکار حلال ہے۔ (نتیجہ)

حلال ہونے کی علت جرح (زخمی کرنا) ہے۔

﴿ وَالْمَوْقُوْذَةُ ﴾ میں بھاری اور وزنی چیز کے ضرب سے ہلاک کرنا ہے اور بندوق کی گولی بھاری اور وزنی نہیں ہوتی۔

سوال جانور بے زبان ہیں، مدافعت نہیں کر سکتے، لہٰذا ان کا ذبح کرنا ظلم ہے۔

جواب ذبح کے وقت تکلیف نہیں ہوتی۔ یہ جواب مکابرہ (مخالفت وعناد) ہے اور ہدایت سے انکار ہے۔ اللہ ہر چیز کا مالک ہے۔ ظلم اس وقت ہوتا جب غیر کی ملک میں تصرف کیا جاتا۔

3 ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ... ﴾

پچھلی شریعتیں بھی کامل تھیں۔

فَالْاَوَّلُ كَمَالٌ اِلَى زَمَنٍ مَخْصُوْصٍ ، وَالثَّانِيْ كَمَالٌ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ . (پس پہلا کمال ایک مخصوص وقت تک ہے، جبکہ دوسرا کمال قیامت کے دن تک ہے۔)

اَلْاِبْتِدَاعُ خَطَرٌ عَظِيْمٌ لِاَنَّهُ فِى الْحَقِيْقَةِ اسْتِدْرَاكٌ عَلَى الشَّرْعِ . (بدعت ایک بہت بڑا خطرہ ہے کیونکہ دراصل یہ شریعت میں اضافہ ہے۔)

اَلتَّمَامُ ضِدُّ النَّقْصِ وَيُمْكِنُ الزِّيَادَةُ فِيْهِ ، وَالْكَمَالُ الْحَالَةُ الْمُثْلَى حَيْثُ لَا يُزَادُ عَلَيْهِ . (التمام نقص کی ضد ہے اور اس میں اضافہ ممکن ہوتا ہے، جبکہ الکمال وہ مثالی حالت ہے جس پر مزید اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔)

اکملت اور اتممت میں فرق : اَكْمَلْتُ اَیْ اَنْهَيْتُ الْعَمَلَ عَلٰى مَرَاحِلَ مُتَقَطِّعَةٍ ، اَمَّا اَتْمَمْتُ : فَاَنْهَيْتُ الْعَمَلَ مَرَّةً وَاحِدَةً مِنْ دُوْنِ انْقِطَاعٍ ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ، فَالدِّيْنُ جَاءَ عَلٰى مَرَاحِلَ مُتَقَطِّعَةٍ ، اَمَّا النِّعْمَةُ فَلَا تَنْقَطِعُ اَبَداً ، وَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ، وَيَقْصِدُ بِذٰلِكَ اَنَّ الصِّيَامَ يَجِبُ اَنْ لَا يَنْقَطِعَ اَبَداً اِلَى اللَّيْلِ ، بَلْ يَجِبُ اَنْ يَكُوْنَ مُتَّصِلاً طَوَالَ النَّهَارِ . (اکملت اور اتممت کے درمیان فرق یہ ہے کہ اکملت کا مطلب ہے کہ کام کو غیر مسلسل (رک رک کر طے ہونے والے) مراحل پر مکمل کیا، جبکہ اتممت کا مطلب ہے کہ کام کو ایک ہی بار بغیر کسی انقطاع کے مکمل کیا۔ اللہ نے فرمایا ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔'' اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دین اسلام منقطع مراحل میں (آہستہ آہستہ) نازل ہوا، جبکہ اللہ کی نعمت کبھی منقطع نہیں ہوتی۔ اللہ فرماتا ہے ''پھر تم روزے کو رات تک پورا کرو۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ روزہ کبھی رات تک منقطع نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے پورے دن مسلسل رہنا چاہیے۔)

اکمال یہ ہے کہ لَا نَقْصَ فِيْهِ وَلَا عَيْبَ وَلَا خَلَلَ وَلَا شَيْءَ خَارِجٌ عَنِ الْحِكْمَةِ بِوَجْهٍ بَلْ هُوَ الْكَامِلُ فِيْ حُسْنِهِ وَجَلَالَتِهِ . (اس میں نہ کوئی کمی ہے، نہ کوئی عیب، نہ کوئی خرابی اور نہ کسی بھی طرح کوئی چیز حکمت سے خارج ہے بلکہ وہ اپنے حسن اور اپنی عظمت میں کامل ہے۔)

اتمام یہ ہے کہ اِيْذَاناً بِدَوَامِهَا وَاتِّصَالِهَا . (اس کے دوام اور لگاتار ہونے کی علامت کے طور پر۔) کہ دینے کے بعد چھینے گا نہیں۔

اکمال کے ساتھ ﴿ لَكُمْ ﴾ میں لام (ل) لایا گیا جو اختصاص کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جس کے ساتھ وہی خاص کیے گئے ہیں، دوسری امتیں نہیں۔

جبکہ اتمام کے ساتھ ﴿ عَلَيْكُمْ ﴾ میں "علیٰ" لایا گیا جو استعلاء، اشتمال اور احاطے کو بتاتا ہے۔

اِنَّ التَّمَامَ يُقَابِلُ نُقْصَانَاتِ الْاَصْلِ وَالْكَمَالَ يُطَابِقُ نُقْصَانَ الْوَصْفِ . (تمام ہونا، اصل کی کمیوں کا مقابلہ کرنا ہے اور کمال وصف کی کمی کے مطابق ہوتا ہے۔)

﴿ اَكْمَلْتُ ﴾ کے مقابلے میں ﴿ اَتْمَمْتُ ﴾ ہے اور ﴿ لَكُمْ ﴾ کے مقابلے میں ﴿ عَلَيْكُمْ ﴾ ہے۔ ﴿ دِيْنَكُمْ ﴾ کے مقابلے میں ﴿ نِعْمَتِيْ ﴾ ہے۔

اَلْقَائِمُوْنَ بِهِ . (وہی اس پر قائم رہنے والے ہیں۔)

﴿ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾ نعمت کی دو قسمیں ہیں :

① نعمت مطلقہ : هِيَ الْمُتَّصِلَةُ بِسَعَادَةِ الْاَبَدِ وَهِيَ نِعْمَةُ الْاِسْلَامِ . (یہ وہ نعمت ہے جو ابدی سعادت سے جڑی ہوئی ہے اور یہ اسلام کی نعمت ہے۔)

② نعمت مقیدہ : كَنِعْمَةِ الصِّحَّةِ وَعَافِيَةِ الْجَسَدِ وَبَسْطَةِ الْجَاهِ وَكَثْرَةِ الْوَلَدِ فَهٰذِهِ النِّعْمَةُ مُشْتَرَكَةٌ بَيْنَ الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ وَالْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ . (جیسے صحت کی نعمت، جسم کی عافیت، عزت و مرتبے کی فراوانی اور اولاد کی کثرت جیسی نعمتیں نیک، بدکار، مومن اور کافر سب کے درمیان مشترک ہیں۔)

نعمت مطلقہ بھی انھیں دی گئی تھی، مگر فَبَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ وَآثَرُوْا عَلَيْهَا الضَّلَالَ . (انھوں نے اللہ کی نعمت کو بدل دیا اور اس پر گمراہی کو ترجیح دی۔)

4 ﴿ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ ... ﴾

جانور سے شکار کی شرائط :

① کتا معلَّم ہو۔ (سدھایا ہوا ہو۔)

② بسم اللہ پڑھ کر شکاری اسے جانور کی طرف بھیجے۔

③ خود ہی شکار کرنے نہ چلا جائے۔

④ دوسرا جانور اس میں شریک نہ ہو۔

⑤ کتا، شکار میں سے نہ کھائے بلکہ لے آئے۔

⑥ وہ جانور فی نفسہ حلال ہو۔

5 ﴿الْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ... مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ○﴾

﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ﴾ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک جو جانور صرف پانی میں زندہ رہتے ہیں، وہ حلال ہیں۔

اَلطَّيِّبَةُ وَهِيَ مَا كَانَ فِيْهِ مَنْفَعَةٌ اَوْ لَذَّةٌ مِنْ غَيْرِ ضَرَرٍ بِالْبَدَنِ وَلَا بِالْفِعْلِ مِنَ الْاَطْعِمَةِ وَالْاَشْرِبَةِ ، وَضِدُّهَا الْخَبَائِثُ . (طیبہ وہ ہے جس میں فائدہ یا لذت ہو، جسم کو یا عمل کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر۔ یہ کھانے پینے کی اشیاء میں ہوتی ہے۔ اس کی ضد خبائث ہے۔)

﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ ... ﴾ شہوت طعام کے بعد شہوت فرج کا ذکر فرمایا۔

اَلْمُحْصَنَاتُ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ : اَلْعَفَائِفُ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَقَدْ رَجَّحَ هٰذَا ابْنُ الْقَيِّمِ . (اہل کتاب کی محصنات، اس سے مراد اہل کتاب کی پاک دامن عورتیں ہیں۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔)

جب مومنہ میں عفت شرط ہے تو کتابیہ میں بدرجۂ اولیٰ ہوگی۔

﴿ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ﴾ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

نکتہ : اَلزَّوَاجُ بِالْمُحْصَنَاتِ اَوْلَى وَاَفْضَلُ مِنَ الزَّوَاجِ بِالْمُحْصَنَاتِ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ ، لِاَنَّ اللّٰهَ قَدَّمَ الْمُؤْمِنَاتِ عَلَى الْكِتَابِيَّاتِ . (مسلمان محصنات سے نکاح کرنا، اہل کتاب کی محصنات سے نکاح کرنے سے زیادہ بہتر اور افضل ہے کیونکہ اللہ نے مومنات کو اہل کتاب کی عورتوں پر مقدم رکھا ہے۔)

کتابیہ سے نکاح : قَالَ ابْنُ الْهُمَامِ : يَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْكِتَابِيَّاتِ ، وَالْاَوْلٰى اَنْ لَا يَفْعَلَ . (فتح القدير : ۳ / ۲۲۸) امام ابن ہمام رحمہ اللہ نے لکھا ہے ''کتابیات سے نکاح جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ نہ کرے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل موجود ہے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ سے، عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانیہ سے اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانیہ سے شادی کی۔

کتابیہ سے نکاح کی تین شرائط : ① پاک دامن ہو۔ ② واقعی اہل کتاب ہو۔ ③ ایمان کے ضیاع کا اندیشہ نہ ہو۔

نکتہ : ایک طرف اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کی اجازت دیتا ہے، دوسری طرف ارتداد سے ڈراتا ہے۔ لِاَنَّهٗ اَخْطَرُ نَتَائِجِ ضَيَاعِ الْهُوِيَّةِ . (کیونکہ یہ شناخت کے ضائع ہونے کے سب سے خطرناک نتائج میں سے ایک ہے۔)

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کتابیہ سے نکاح کو ناپسند کیا ہے۔ جب خلافت راشدہ کے زمانے میں انھوں نے ناپسند کیا تو آج بدرجۂ اولیٰ ناپسندیدہ ہوگا کیونکہ اہل کتاب میں جو فساد موجود ہے۔ لِاَنَّ الزَّوْجَةَ الْكِتَابِيَّةَ قَدْ تُؤَثِّرُ عَلَى الْاَوْلَادِ ، بَلْ قَدْ تُؤَثِّرُ عَلَى الزَّوْجِ نَفْسِهٖ . (کیونکہ کتابیہ بیوی، اولاد پر اثر انداز ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات وہ شوہر پر بھی اثر انداز ہوسکتی ہے۔)

﴿ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ﴾ میں اشارہ اعلان نکاح کا ہے۔

﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ﴾ اَیْ يُنْكِرُ مَا يَقْتَضِيْهِ الْاِيْمَانُ مِنَ الْمُعْتَقَدَاتِ . (یعنی وہ ان عقائد کا انکار کرے جن عقائد کا ایمان تقاضا کرے۔)

﴿ حَبِطَ ﴾ فَسَادُ شَیْءٍ كَانَ صَالِحاً . (حبط سے مراد ہے، کسی ایسی چیز کا بگڑ جانا جو پہلے ٹھیک تھی۔)

وَمِنْهُ سُمِّیَ الْحَبَطُ مَرَضاً يُصِيْبُ الْاِبِلَ مِنْ جَرَّاءِ اَكْلِ

الْخُضَرِ فِیْ اَوَّلِ الرَّبِیْعِ فَتَنْتَفِخُ اَمْعَاؤُهَا ، وَرُبَّمَا مَاتَتْ كَذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتَابِ اَنَّهُمْ لَا تَنْفَعُهُمْ قُرُبَاتُهُمْ وَاَعْمَالُهُمْ . (اسی سے حبط اس بیماری کو کہا جاتا ہے جو اونٹوں کو ابتدائی بہار میں ہریالی کھانے کے نتیجے میں لگتی ہے جس سے ان کی آنتیں پھول جاتی ہیں۔ بعض اوقات وہ اسی طرح مرجاتی ہے تاکہ اہل کتاب کو معلوم ہو جائے کہ ان کی قربانیاں اور اعمال انھیں کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔)

6 ﴿اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا﴾

(سوال) وضو یا غسل کرنے کے بعد کوئی جگہ خشک رہ جائے تو کیا کیا جائے؟

(جواب) ﴿عَنْ جَرِيْرِ بْنِ حَازِمٍ ، اَنَّهُ سَمِعَ قَتَادَةَ بْنَ دِعَامَةَ ، حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ ، اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَقَدْ تَوَضَّاَ وَتَرَكَ عَلَى قَدَمِهِ مِثْلَ مَوْضِعِ الظُّفْرِ ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ارْجِعْ فَاَحْسِنْ وُضُوْءَكَ﴾ (ابی داود : كتاب الطهارة ، حديث ۱۷۳ ، حكم الالبانی : صحيح) قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ وہ وضو کر چکا تھا، مگر اس نے اپنے پاؤں پر ناخن بھر جگہ (خشک) چھوڑ دی تھی (دھوئی نہ تھی)۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا "واپس جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کرنے کے بعد اگر کوئی جگہ خشک رہ جائے تو دوبارہ وضو کرے اور اگر اس وضو سے اس نے نماز پڑھی ہے تو اس نماز کا اعادہ بھی ضروری ہے کیونکہ صحیح یہ ہے کہ موالاۃ (اعضائے وضو کو یکے بعد دیگرے دھونا) فرض ہے۔

7 ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ ...﴾

اللہ کی نعمتیں یاد دلائی گئیں۔

حسن خطاب دیکھیے :

① تَذْكِيْرٌ بِنِعَمِ اللّٰهِ (اللہ کی نعمتوں کو یاد دلانا)

② بِشَارَةُ الْفَتْحِ (فتح کی خوش خبری)

③ نَهْيٌ عَنِ الْمَعْصِيَةِ (گناہوں سے منع کرنا)

اس خطاب میں امر، نہی، بشارت، نذارت، ترغیب، ترہیب، سب جمع ہیں۔

8 ﴿اعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾

اَلْعَدْلُ مِنْ اَقْصَرِ الطُّرُقِ الْمُؤَدِّيَةِ لِلتَّقْوَى . (عدل، تقویٰ کی طرف لے جانے والے سب سے مختصر راستوں میں سے ہے۔)

12 ﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ ... سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○﴾

﴿نَقِيْبًا﴾ یہ نقب (سوراخ کرنا) سے ہے۔ قوم میں جو شخص موثر ہوتا ہے، اسے نقیب کہتے ہیں۔

﴿وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ﴾ مراد ہے، تعظیم کے ساتھ مدد کرنا۔

13 ﴿وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قَاسِيَةً﴾

دل تین طرح کے ہوتے ہیں :

① اَرْضٌ قَاسِيَةٌ لَا تُنْبِتُ شَيْئًا . (سخت زمین کی طرح جو کچھ نہیں اگاتی۔)

① قَلْبٌ قَاسٍ ، وَهُوَ الْيَابِسُ الصُّلْبُ الَّذِيْ لَا يَقْبَلُ صُوْرَةَ الْحَقِّ وَلَا يَنْطَبِعُ . (سخت دل، یہ ایسا خشک اور سخت دل ہوتا ہے جو نہ حق کی صورت کو قبول کرتا ہے اور نہ اس پر حق کا نقش بیٹھتا ہے۔)

② اَلْقَلْبُ اللَّيِّنُ ، وَهُوَ السَّلِيْمُ مِنَ الْمَرَضِ يَقْبَلُ صُوْرَةَ الْحَقِّ . (وہ دل جو بیماری سے محفوظ ہو اور حق کی صورت کو قبول کرتا ہو۔)

③ اَلْقَلْبُ الْمَرِيْضُ : اَلَّذِيْ لَا يَحْفَظُ مَا يَنْطَبِعُ فِيْهِ كَالْمَائِعِ الَّذِيْ اِذَا طَبَعْتَ فِيْهِ الشَّيْءَ قَبِلَ صُوْرَتَهُ وَلٰكِنْ رَخَاوَتُهُ تَمْنَعُهُ

مِنْ حِفْظِهَا . (بیمار دل، ایسا دل جو اس چیز کو محفوظ نہیں رکھتا جو اس پر نقش ہو۔ جیسے ایک مائع جس پر اگر تم کوئی چیز نقش کر دو تو وہ اس کی صورت کو قبول کر لیتا ہے، لیکن اس کی نرمی اسے محفوظ رکھنے سے روکتی ہے۔) جیسے پانی پر تصویر گری۔

16 ﴿يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ ... النُّوْرِ بِإِذْنِهٖ﴾

فَإِنَّ طُرُقَ مَرْضَاتِهٖ كُلَّهَا تَرْجِعُ إِلَى صِرَاطٍ وَاحِدٍ وَسَبِيْلٍ وَاحِدٍ . (پس اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی تمام راہیں ایک ہی سیدھے راستے کی طرف لوٹتی ہیں۔)

21 ﴿يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ﴾

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : هِيَ فِلَسْطِيْنُ وَالْأُرْدُنُّ . (الهداية الى بلوغ النهاية : ۳ / ۱۶۵۹) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "ارض مقدسہ سے مراد فلسطین اور اردن ہیں۔"

22 ﴿قَالُوْا يَا مُوْسَىٰ إِنَّ فِيْهَا قَوْماً جَبَّارِيْنَ وَإِنَّا لَنْ ...﴾

جواب میں قوم نے ﴿ يٰمُوْسٰى ﴾ کہا، یعنی نبی کی توہین کی۔ انھیں نام سے پکارا، یا نبی اللہ نہیں کہا۔

﴿ إِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ﴾ کہا اور قدرة الجبار کو بھول گئے۔ پھر صراحت کے ساتھ ﴿ وَإِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا ﴾ کہتے ہوئے انکار کر دیا۔

﴿ لَنْ ﴾ یعنی اب بھی داخل نہ ہوں گے اور کبھی بھی داخل نہ ہوں گے۔

ان کی اس شرارت کے باوجود اللہ کا حلم دیکھیے کہ فوراً سزا نہ دی۔ زیادہ سے زیادہ چالیس سال کے لیے میدان تیہ میں لوٹا دیا۔ پھر وہاں کھانا مفت، پینا مفت، سکنیٰ (قیام) مفت۔

30 ﴿فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ ...﴾

نکتہ : قابیل نے تہور (جوش میں آکر)، غضب اور حسد کی وجہ سے عہد توڑا (قتل کیا) اور بنی اسرائیل نے جبن (بزدلی) کی وجہ سے عہد توڑا۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ ارض

مقدسہ میں داخل ہوجاؤ۔ انھوں نے کہا: ﴿ اِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ﴾ ''وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں۔'' پس چالیس سال تک ارض مقدسہ ان پر حرام کردی گئی۔ اسلام ہمیں وسطیت کا حکم دیتا ہے۔

31 ﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَاباً ... فَاَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِيْنَ ○ ﴾

تَاَمَّلْ حِكْمَةَ اللّٰهِ فِیْ اِرْسَالِ الْغُرَابِ ، فَاسْمُ الْغُرَابِ يُوْحِیْ بِغُرْبَةِ الْقَاتِلِ مِنْ اَخِيْهِ ، وَغُرْبَتِهِ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ وَغُرْبَتِهِ مِنْ اَهْلِهِ . (کوے کے بھیجنے میں اللہ کی حکمت پر غور کرو! کوے کو ''غراب'' کہا جاتا ہے جو قاتل کی اپنے بھائی سے دوری، اللہ کی رحمت سے دوری اور اپنے گھر والوں سے دوری کی طرف اشارہ کرتا ہے۔)

''غراب''، غربت سے مشتق ہے جس کے معنی جدائی اور دوری کے ہیں۔ اسی وجہ سے پردیسی کو غریب کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے گھر سے دور رہتا ہے۔

اَلْغُرَابُ اَحَدُ الْفَوَاسِقِ الْخَمْسَةِ الَّتِیْ اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِهَا فِی الْحِلِّ وَالْحَرَمِ ، وَفِعْلُ ابْنِ آدَمَ (الْقَتْلُ) مِنْ اَعْظَمِ الْفِسْقِ ، فَنَاسَبَ مَا بُعِثَ اِلَيْهِ هٰذَا الْفِعْلُ . (کوا ان پانچ فاسق میں سے ایک ہے جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حل اور حرم دونوں جگہوں پر قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ابن آدم کا قتل کا فعل سب سے بڑی نافرمانیوں میں سے ہے۔ پس یہ فعل بھیجے گئے کوے سے بڑی مناسبت رکھتا ہے۔)

آدمی مٹی سے پیدا ہوا ہے، اسے مٹی ہی کے حوالے کرنا چاہیے۔ آدمی جب کسی سفر پر جاتا ہے تو بچے کو اس کی حقیقی ماں کے حوالے کرتا ہے، نہ کہ سوکن کے۔

نکتہ: سَوْءَةَ اَخِيْهِ ، اَیْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمَقْتُوْلِ لِاَنَّ الْبَدَنَ الْمَيِّتَ كُلَّهٗ عَوْرَةٌ وَلِهٰذَا اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُكَفَّنَ بَدَنُ الْمَيِّتِ كُلُّهٗ وَلَا يُخْرَجَ مِنْهُ شَیْءٌ مَا عَدَا الْمُحْرِمَ بِحَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ

مِنَ الرِّجَالِ فَيَجِبُ كَشْفُ رَأْسِهِ . (اپنے بھائی کی سوءۃ یعنی اپنے بھائی کی شرم گاہ، کیونکہ میت کا سارا بدن ستر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ میت کے پورے بدن کو کفن دیا جائے اور اس کی کوئی چیز کھلی نہ رکھی جائے، سوائے اس مرد کے جو حج یا عمرہ کا احرام باندھے ہو تو اس کا سر کھلا رکھنا واجب ہے۔)

صَارَ دَفْنُ الْمَوْتَى سُنَّةً مِنْ بَنِيْ آدَمَ بَعْدَ ذٰلِكَ . (اس کے بعد مردوں کو دفن کرنا بنی آدم کی سنت بن گیا۔)

35 ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ...﴾

تقویٰ کے بعد اگر اطاعت کا ذکر ہو تو اس سے مراد محرمات اور منہیات سے باز رہنا ہے۔

اَيْ لَا تَتَوَسَّلُوْا اِلَّا اِلَيْهِ ، اَيْ اطْلُبُوْا اِلَيْهِ الْقُرْبَةَ . (اے لوگو! اس اللہ کے سوا کسی اور سے وسیلہ نہ پکڑو۔ اے لوگو! اسی سے قربت طلب کرو۔)

لَيْسَ الْمُرَادُ بِالْوَسِيْلَةِ : جَعْلَ وَسَائِطَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ رَبِّهِ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ اَوِ الْاَوْلِيَاءِ . (وسیلہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ بندے اور اس کے رب کے درمیان انبیاء یا اولیاء کو واسطہ بنایا جائے۔)

اِنَّ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ تَعَالَى فَرِيْقَانِ : مِنْهُمْ مَنْ يَعْبُدُ لَا لِغَرَضٍ سِوَى اللّٰهِ ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَعْبُدُه لِغَرَضٍ آخَرَ . (جو لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں، وہ دو قسم کے ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اللہ کے سوا کسی اور غرض کے لیے عبادت نہیں کرتے، جبکہ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اللہ کی عبادت کسی دوسری غرض کے لیے کرتے ہیں۔)

وسیلہ : نبی ﷺ کی ذات سے توسل نہیں ہے۔ آپ سے توسل کا مطلب آپ سے دعا کرانا ہے جو آپ کی وفات کے بعد ناممکن ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے وقت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروائی۔ (صحیح البخاری : حدیث ۱۰۱۰)

مقام وسیلہ : وَهِيَ اَعْلَى دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ ، وَهِيَ خَاصَّةٌ بِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . (یہ جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ وہ مقام ہے جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے۔)

اقسام وسیلہ : وسیلے کی تین قسمیں ہیں :

① جائز (مشروع) : اللہ کے اسماء وصفات کا وسیلہ، یا اپنے اعمال صالحہ کا وسیلہ، یا بدعاء الحی الصالح (نیک بندے کی دعا) کا وسیلہ۔

② بدعی : جیسے بِحَقِّ فُلَانٍ ، بِجَاهِ النَّبِيِّ . یہ سب وسیلے، وسائل شرک ہیں۔

③ شرکی : عبادت، دعا، حاجت طلبی اور استعانت میں مردوں کو وسیلہ بنانا۔

وَلَمْ يَرِدْ عَنْ اَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ - وَهُوَ اَحْرَصُ الْخَلْقِ عَلَى الْخَيْرِ - اَنَّهُ طَلَبَ مِنْ مَيِّتٍ شَيْئاً . (کسی بھی صحابی سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انھوں نے کسی مردے سے کوئی چیز طلب کی ہو، حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم تمام مخلوق میں خیر کے سب سے زیادہ حریص تھے۔)

قَالَ اَبُوْ يَزِيْدَ الْبِسْطَامِيُّ : اِسْتِغَاثَةُ الْمَخْلُوْقِ بِالْمَخْلُوْقِ كَاسْتِغَاثَةِ الْغَرِيْقِ بِالْغَرِيْقِ . (مجموع الفتاوى : ١ / ١٠٦) ابو یزید بسطامی نے فرمایا "مخلوق کا مخلوق سے مدد طلب کرنا ایسا ہے جیسے ڈوبتے ہوئے آدمی کا کسی ڈوبتے ہوئے آدمی سے مدد مانگنا۔"

41 ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ﴾

دَلَّتِ الْآيَةُ اَنَّ طَهَارَةَ الْقَلْبِ مَوْقُوْفَةٌ عَلَى اِرَادَةِ اللّٰهِ ، وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بَعْدَ طُهْرِهِ. (آیت نے اس بات پر دلالت کی ہے کہ دل کی پاکیزگی، اللہ کے ارادے پر موقوف ہے اور جنت میں داخلہ دل کے پاک ہونے کے بعد ہی ہوگا۔)

﴿عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَخْلُصُ الْمُؤْمِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ النَّارِ ، فَيُحْبَسُوْنَ عَلَى قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ، فَيُقْتَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ مَظَالِمُ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَتَّى إِذَا هُذِّبُوْا وَنُقُّوْا ، أُذِنَ لَهُمْ فِيْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ ، فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَأَحَدُهُمْ أَهْدَى لِمَنْزِلِهِ فِي الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهِ كَانَ فِي الدُّنْيَا ﴾ (مسند احمد : حديث ١١٠٩٥ ، اسناده صحيح على شرط الشيخين) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”قیامت کے دن مسلمان جب جہنم سے نجات پائیں گے تو انھیں جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا اور ان سے ایک دوسرے کے مظالم اور معاملات دنیوی کا قصاص پورا لیا جائے گا اور جب وہ پاک صاف ہوجائیں گے تو انھیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان میں سے ہر شخص اپنے دنیوی گھر سے زیادہ جنت کے گھر کا راستہ جانتا ہوگا۔“

طہارت کی دو قسمیں ہیں :

① طَهَارَةُ الْبَدَنِ بِالْمَاءِ (پانی کے ذریعے بدن کی طہارت)

② طَهَارَةُ الْقَلْبِ بِالتَّوْبَةِ (توبہ کے ذریعے دل کی طہارت)

44 ﴿إِنَّآ أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ﴾

ہدایت سے مراد احکام شرعیہ اور نور سے مراد عقائد ہیں۔

یا ہدایت سے مراد دین حق کی طرف رہنمائی ہے اور نور سے مراد ان احکام کو کھول کر بیان کرنا ہے جو ان پر مخفی تھے۔

48 ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجاً﴾

﴿وَّمِنْهَاجًا﴾ سے مراد راستہ ہے۔

﴿شِرْعَةً﴾ تَفَاصِيْلُ الطَّرِيْقِ وَضَرُوْرَاتُهُ ، وَكَيْفِيَّةُ الْمَسِيْرِ

وَاَوْقَاتُ الْمَسِيْرِ . (راستے کی تفصیلات اور اس کی ضروریات، نیز سفر کا طریقہ اور سفر کے اوقات۔)

﴿ شِرْعَةً ﴾ سے مراد کتاب اللہ ہے اور ﴿ مِنْهَاجًا ﴾ سے مراد سنت ہے۔

شرعہ اور منہاج میں فرق : امت محمدیہ کے لیے ایک شریعت اور ایک مخصوص منہاج ہے۔ اس امت کے لیے منہاج، شریعت سے زیادہ خاص ہے کیونکہ شریعت بنیادی چیزوں جیسے نماز، روزہ اور زکوٰۃ میں متفق ہوسکتی ہے، لیکن منہاج مختلف ہوسکتا ہے۔ چنانچہ روزہ ہم پر بھی فرض کیا گیا ہے، جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، لیکن اللہ نے ہمارے لیے روزے کی رات میں جماع کو حلال کر دیا اور ہماری نمازوں کے لیے ایسے احکام وشرائط مقرر کیے جو دوسری شریعتوں میں نہیں تھے۔ اسی طرح بہت سے شرعی احکام جو اپنی بنیاد میں مشترک ہیں، ان میں اس امت کے لیے مقرر کردہ منہاج دوسری امتوں سے مختلف ہوسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس امت کا منہاج دوسری امتوں کے منہاج سے زیادہ خاص ہے۔

خلاصہ : شِرْعَةٌ : مَا تَفْعَلُ . (شرعہ کا مطلب ہے، آپ کیا کریں۔)

مِنْهَاجٌ : كَيْفَ تَفْعَلُ . (شرعہ کا مطلب ہے، آپ اسے کیسے کریں۔)

تقریب الی الفہم کے لیے دونوں کی مثال : ﴿ شِرْعَةً ﴾ مورد الماء (گھاٹ) کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ گھاٹ پر لوگ پانی کے لیے جاتے ہیں اور اس گھاٹ تک پہنچنے کا کوئی راستہ ہوتا ہے۔ پس ﴿ شِرْعَةً ﴾ تو گھاٹ ہے اور اس تک پہنچنے کا راستہ ﴿ مِنْهَاجًا ﴾ ہے۔

63 ﴿ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ ... يَصْنَعُوْنَ ﴾

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ﴿ الرَّبّٰنِيُّوْنَ ﴾ سے مراد عیسائی علماء اور ﴿ الْاَحْبَارُ ﴾ سے مراد یہودی علماء ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا کہ "ربانیون" سے مراد یہودی دراویش اور "احبار" سے مراد

یہودی علماء ہیں۔

﴿ الرَّبّٰنِيُّوْنَ ﴾ مَنْسُوْبٌ اِلَى الرَّبِّ ، اَىِ الْمُدَّعُوْنَ لِلتَّخَلِّیْ عَنِ الدُّنْيَا اِلَى سَبِيْلِ الرَّبِّ . (رب کی طرف منسوب ہے، یعنی وہ لوگ جو دنیا کو چھوڑ کر رب کی راہ اختیار کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔)

﴿ الْاَحْبَارُ ﴾ جَمْعُ الْحِبْرِ ، بِمَعْنَى الْاَثَرِ الْمُسْتَحْسَنِ ، لِمَا يَبْقَى مِنْ اَثَرِ عُلُوْمِهِمْ فِىْ قُلُوْبِ النَّاسِ . (یہ حبر کی جمع ہے۔ مستحسن اثر کے معنی میں ہے، اس وجہ سے کہ ان علماء کے علوم کا اثر لوگوں کے دلوں میں باقی رہتا ہے۔)

﴿ الْاِثْمَ ﴾ اَلْاِثْمُ فِيْمَا يَتَعَلَّقُ بِحَقِّ اللّٰهِ . (اثم وہ گناہ ہے جس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو۔) اس میں تمام اقوال وافعال منکرہ داخل ہیں۔

﴿ السُّحْتَ ﴾ كُلُّ كَسْبٍ مُحَرَّمٍ هُوَ السُّحْتُ . (ہر حرام کمائی، سحت میں داخل ہے۔) جیسے سود، رشوت وغیرہ۔

سُحْتٌ : اَىْ قَلْعُهُ مِنْ اَصْلِهِ . (سحت کا مفہوم ہے، جڑ سے اکھاڑ دینا۔) یعنی حرام کمائی، مال میں برکت کو بالکل ختم کر دیتی ہے۔

﴿ لَوْ لَا ﴾ حرف توبیخ ہے۔ اس کا معنی لِمَ لَا (کیوں نہیں) ہے۔ اَوْ اِنَّ هٰذَا حَرْفُ التَّحْضِيْضِ الَّذِىْ يَتَضَمَّنُ التَّوْبِيْخَ . (یا یہ حرف تحضیض ہے جو توبیخ (سرزنش) کے معنی کو متضمن ہے۔)

يَقُوْلُوْنَ ، يَفْعَلُوْنَ ، يَعْمَلُوْنَ ، يَصْنَعُوْنَ . ان چار الفاظ کے مابین کئی فرق بیان کیے گئے ہیں جن میں سے ایک فرق درج ذیل ہے :

يَقُوْلُوْنَ : بِاللِّسَانِ . (قول، زبان سے۔)

يَفْعَلُوْنَ : بِبَقِيَّةِ الْاَعْضَاءِ . (فعل، باقی اعضاء سے۔)

يَعْمَلُوْنَ : بِالْقَوْلِ وَالْفِعْلِ . (قول اور فعل سے۔)

يَصْنَعُوْنَ : الصُّنْعُ هُوَ عَمَلُ الْاِنْسَانِ بَعْدَمَا يَتَدَرَّبُ وَيَتَمَهَّرُ .
(صنعت انسان کا وہ عمل ہے جسے انسان تربیت اور ٹریننگ اور ماہر ہونے کے بعد کرتا ہے۔) جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ﴾ (النمل: ۲۷ / ۸۸) ''یہ اللہ کی کاری گری ہے جس نے ہر چیز کو پختہ اور مضبوط بنایا۔''

آیت کریمہ میں لفظ ﴿ يَصْنَعُوْنَ ﴾ استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی یہ علماء اور درویش، یہودیوں کے برے کاموں پر ترک نکیر میں بڑے ٹرینڈ اور ماہر ہو گئے تھے۔ یعنی انھوں نے بڑے ماہرانہ انداز میں یہودیوں کے برے کاموں پر اعتراض کرنا چھوڑ دیا تھا، لہٰذا ذَمَّهُمُ الْقُرْآنُ بِاَبْلَغِ الذَّمِّ . (اسی وجہ سے قرآن نے انتہائی بلیغ انداز میں ان کی مذمت کی ہے۔)

﴿ لَبِئْسَ ﴾ یعنی یہ بات حسین نہیں بلکہ بہت ہی قبیح ہے۔

نکتہ : لِاَنَّ تَرْکَ الْحَسَنِ اَقْبَحُ مِنْ مُوَاقَعَةِ الْمَعْصِيَةِ لِاَنَّ الْمَعْصِيَةَ يَتَلَذَّذُ بِهَا الْاِنْسَانُ ، وَتَرْکَ الْحَسَنِ لَا يَتَلَذَّذُ بِهِ الْاِنْسَانُ . (کیونکہ نیکی کو چھوڑ دینا گناہ کے ارتکاب سے زیادہ برا ہے، اس لیے کہ گناہ میں انسان لذت محسوس کرتا ہے، جبکہ نیکی کو چھوڑنے میں انسان لذت محسوس نہیں کرتا۔)

﴿ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ ﴾ 75

﴿ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ﴾ صدیقہ (راست باز) ہونا الگ بات ہے اور الٰہ ہونا الگ بات ہے، جیسے اولیاء کو ماننا الگ بات ہے اور ان سے مانگنا الگ بات ہے۔

﴿ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ﴾ کھانے کا لازمی نتیجہ قضائے حاجت ہے، مگر یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ اللہ کا کلام بہت نفیس اور مطہر ہے۔ اور جو خود محتاج ہو، وہ دوسروں کی حاجت روائی کیا کر سکتا ہے!

﴿ لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴾ 76

اِذَا كَانَ السِّيَاقُ فِی الدُّعَاءِ وَالْعِبَادَةِ وَالسُّؤَالِ كَانَ ذِكْرُ

النَّفْعِ اَوْلٰی وَاَهَمَّ . (سیاق کلام جب دعا، عبادت اور سوال کے بارے میں ہو تو نفع کا ذکر کرنا زیادہ بہتر اور اہم ہے۔)

وَاِذَا کَانَ سِیَاقُ الْمُلْكِ وَالْقُدْرَةِ کَانَ ذِکْرُ رَفْعِ الضَّرِّ اَهَمَّ . (سیاق کلام جب بادشاہت اور قدرت کے بارے میں ہو تو نقصان کو دور کرنے کا ذکر زیادہ مناسب ہے۔)

77 ﴿قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا﴾

یہاں پہلے ﴿ضَلُّوْا﴾ سے مراد عقیدے کی گمراہی اور دوسرے ﴿ضَلُّوْا﴾ سے مراد عمل کی گمراہی ہے۔

78 ﴿لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ...﴾

الْقُرْآنُ یَلْعَنُ الْمُجْتَمَعَ السَّلْبِیَّ الَّذِیْ یَرَی الْمُنْکَرَ وَلَا یُنْکِرُ . (قرآن اس منفی معاشرے پر لعنت کرتا ہے جو برائی کو دیکھتا ہے، پھر بھی اس پر نکیر نہیں کرتا۔)

پارہ نمبر ۷

87 ﴿لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ﴾

طَيِّبَةٌ : وَهِيَ كُلُّ مَا فِيْهِ مَنْفَعَةٌ اَوْ لَذَّةٌ مِنْ غَيْرِ ضَرٍّ بِالْبَدَنِ وَلَا بِالْفِعْلِ مِنَ الْاَطْعِمَةِ وَالْاَشْرِبَةِ وَضِدُّهَا الْخَبَائِثُ . (طیبہ ہروہ چیز ہے جس میں کوئی فائدہ یالذت ہو، بغیر جسم یا عمل کونقصان پہنچائے، جیسے کھانے پینے کی چیزیں۔ اس کی ضد خبائث ہے۔)

دین میں کوئی چیز مباح ہے۔ اس سے پرہیز نہیں کرنا چاہیے۔ یہ دو طرح سے ہوتا ہے: ① رہبانیت سے، ② طبیعت ناگوار سمجھتی ہے۔

اگر مباح کام کے نہ کرنے کی قسم کھالے تو چاہیے کہ قسم توڑ دے اور کفارہ دے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ : اَنَّ رَجُلًا قَالَ : اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْفِرَاشَ ، فَتَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ ، وَقَالَ : نَمْ عَلٰى فِرَاشِكَ ، وَكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ . (التفسير المنير للزحيلي : ۷ / ۱٤) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا "میں نے اپنے لیے بستر حرام کرلیا ہے۔ (اپنی بیوی سے علاحدگی اختیار کرلی ہے، یا ازدواجی تعلق سے پرہیز کا عہد کیا ہے۔)" انھوں نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا "اپنے بستر پر سوؤ اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو۔"

﴿وَلَا تَعْتَدُوْا﴾ لَا تُشَدِّدُوْا فَتُحَرِّمُوْا حَلَالًا ، وَلَا تَتَرَخَّصُوْا فَتُحِلُّوْا حَرَامًا . (نہ سختی کرو کہ حلال کو حرام کردو اور نہ رخصت اختیار کرو کہ حرام کو حلال کردو۔)

89 ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ ...﴾

قسم کی تین قسمیں ہیں :

① یمین لغو : وہ ہے بلا ارادہ وقصد محض عادتاً مسلمان کی زبان پر جاری ہو جائے، جیسے لَا وَاللّٰهِ ، وَبَلٰى وَاللّٰهِ .

② یمین غموس : وہ ہے جو نیت اور ارادے سے کسی کو فریب دینے کے لیے کھائی جائے۔ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس کا کوئی کفارہ نہیں، بس توبہ واستغفار کرلے۔

③ یمین منعقدہ : نیت اور ارادے کے ساتھ مستقبل میں کسی کام کے کرنے کی قسم کھائے کہ ایسا کروں گا یا ایسا نہیں کروں گا۔ اس صورت میں قسم توڑ دے اور کفارۂ یمین دے۔

90-91 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ ... فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○﴾

سات وجہوں سے شراب کی حرمت بیان کی گئی :

① ام الخبائث ہے۔ ② رجس (گندگی) ہے۔

③ شیطانی عمل ہے۔ ④ اس سے بچنا چاہیے۔

⑤ اس سے فلاح کی امید نہیں۔

⑥ تمہارے دلوں میں بغض وعداوت ڈالتا ہے۔

⑦ اللہ کے ذکر کے اور نماز کے آڑے آتا ہے۔

پوری انسانی تاریخ کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ تین چیزوں میں گھس کر آدمی آسانی سے واپس نہیں آسکتا : ① نشہ (شراب)، ② قمار (جوا)، ③ زنا (جنسی انحراف)۔

101 ﴿لَا تَسْئَلُوْا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾

كَقَوْلِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ : مَنْ أَبِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ وَقَوْلِ آخَرَ : أَيْنَ أَبِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : فِي النَّارِ . (صحيح البخاری : ٤٧٩٤ ، صحيح مسلم : ٢٠٣ ، مسند احمد) جیسا کہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے ''یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟'' ایک دوسرے شخص کا بھی قول ہے ''یارسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جہنم میں۔''

لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ الْمُشْرِكِيْنَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا فِی الْوَصِيَّةِ . (مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کی گواہی جائز نہیں، سوائے وصیت کے معاملے میں۔)

وَلَا تَجُوْزُ فِی الْوَصِيَّةِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مُسَافِراً . (پھر وصیت کے معاملے میں بھی ان کی گواہی جائز نہیں، مگر یہ کہ آدمی مسافر ہو۔)

فَهٰذَا لِمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ عِنْدَهُ اَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ . (پس یہ اس شخص کے لیے ہے جو فوت ہو جائے اور اس کے پاس کوئی مسلمان نہ ہو۔)

ورنہ اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ يَشْهَدَ رَجُلَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ . (اللہ نے حکم دیا ہے کہ دو مسلمان مرد گواہی دیں۔)

105 ﴿لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿ائْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ ، وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ، حَتَّى اِذَا رَاَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا ، وَهَوًى مُتَّبَعاً ، وَاِعْجَابَ كُلِّ ذِیْ رَاْیٍ بِرَاْيِهِ ، فَعَلَيْكَ بِنَفْسِكَ لَا يَضُرُّكَ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتَ﴾ (تفسير الطبری : ۹ / ٤٦) ''نیکی کا حکم دیتے رہو، یہاں تک کہ جب تم یہ دیکھو: ① بخل کی اطاعت کی جارہی ہے۔ ② خواہش کی پیروی کی جارہی ہے۔ ③ ہر شخص اپنی رائے پر اترا رہا ہے۔ پھر اس وقت اپنی جانوں کی فکر کرو اور لوگوں کی فکر کرنا چھوڑ دو۔''

106 ﴿اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾

سفر میں وصیت کرتے ہوئے دو غیر مسلموں کو گواہ بنانا جائز ہے، اگر کوئی مسلمان نہ ملے۔

﴿تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ﴾ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص پر شبہ ہو، اسے روکنا اور قید کرنا جائز ہے۔

قید کی دو قسمیں ہیں : ① قید بطور سزا، ② قید بطور تفتیش۔

نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دن کے تھوڑے وقت قید کیا، پھر اسے رہا کر دیا۔

ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو تین دن قید کر رکھا۔ یہ حدیث مجرموں کو قید کرنے کی اصل ہے۔

اگر کوئی قیدی مار سے بچنے کے لیے نا کردہ جرائم کا اعتراف کر لیتا ہے تو یہ اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ مقروض جب قرض ادا کرنے پر قادر ہو مگر ادا نہ کرے تو سختی کے لیے اسے قید کرنا جائز ہے۔ (فتح الباری)

109 ﴿قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَآ﴾

تیرے علم کامل و محیط کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں۔ گویا یہ الفاظ تادب مع اللہ کے طور پر کہے۔

ان کے احوال کا علم (یقین) نہیں بلکہ ان کے احوال کا صرف ظن ہے۔

110 ﴿وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ﴾

اعمی اور اکمہ کا فرق : اعمی اس شخص کو کہتے ہیں جو بصیر پیدا ہو اور بعد میں اندھا ہو جائے۔ اکمہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اندھا پیدا ہو۔

114 ﴿قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ... وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○﴾

خوان نعمت کے نزول کا مطالبہ کہ اب تک تمام معجزات کا تعلق زمین سے تھا اور نزول مائدہ کا تعلق آسمان سے ہے۔

نکتۂ عجیبہ : عیسیٰ علیہ السلام کی دعا میں اخروی غرض (اگلے پچھلوں کے لیے عید اور نشانی ہونا) پہلے ہے اور حوارین کی دعا میں پہلے کھانے کا ذکر کیا، پھر اخروی غرض ایمان کی پختگی کا ذکر کیا۔ یہ فرق ہے نبی کی نظر اور عام آدمی کی نظر میں۔

عیسیٰ علیہ السلام کا دعا میں ﴿اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا﴾ کہنا ان کی الوہیت کی نفی ہے اور ان کی بندگی کا اثبات ہے۔ پہلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام پر آٹھ نعمتوں کا ذکر تھا اور خوان نعمت کے بارے میں نویں نعمت کا ذکر ہے۔

﴿عِيدًا﴾ اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں، کسی تیسری عید کا تصور نہیں ہے۔

﴿عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَكْرَةَ ، عَنْ اَبِيْهِ - رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ - عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : شَهْرَا عِيْدٍ لَا يَنْقُصَانِ ، رَمَضَانُ وَذُو الْحِجَّةِ﴾ (صحيح مسلم : كتاب الصيام ، حديث ١٠٨٩) عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عید کے دو ماہ ناقص نہیں ہوتے : ایک رمضان کا اور دوسرے ذوالحجہ کا۔''

سوال عیدین کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب بعض کے نزدیک عیدین کی نماز فرض ہے۔ ان کے نزدیک فرضیت کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ وتابعین نے کبھی اس نماز کو ترک نہیں کیا۔

مگر راجح یہ ہے کہ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ عِنْدَ جُمْهُوْرِ اَهْلِ الْعِلْمِ . (یہ جمہور علم کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔)

مسئلہ : اگر جمعہ اور عید جمع ہو جائیں تو عید پڑھی جائے گی اور جمعہ کا اختیار ہے۔ (سنن ابی داود : حديث ١٠٧٠ ، وسنده حسن)

مسئلہ : اگر نماز عید چھوٹ جائے تو اس کی قضا کر لے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابو عمیر ابن انس رضی اللہ عنہ کے چچا جو صحابی رسول ہیں، بیان کرتے ہیں کہ ہمیں شوال کا چاند نظر نہ آیا تو ہم نے صبح کو روزہ رکھ لیا۔ پھر پچھلے پہر ایک قافلہ آیا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر گواہی دی کہ انھوں نے کل چاند دیکھا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اس دن روزہ افطار کرنے کا حکم دیا اور اگلے دن عید گاہ جانے کا حکم دیا۔ (مسند احمد : ٥ / ٨٦ ، ابی داود : ١١٥٧ ، نسائی : ١٥٥٨ ، ابن ماجه : ١٦٥٣ ، وسنده صحيح)

سوال نماز عید کا وقت کیا ہے؟

جواب نماز عید کا وقت طلوع آفتاب (سورج نکلنے کے پندرہ منٹ بعد جب سورج ایک دو نیزہ بلند ہو جائے) سے زوال تک ہے، البتہ اس نماز کو اول وقت ہی میں ادا کرنا

چاہیے۔ بلا وجہ تاخیر درست نہیں۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے میں فرمایا:

﴿إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ مِنْ يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ ، ثُمَّ نَرْجِعَ ، فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا﴾ (صحیح البخاری : ۹۵۱) ''ہم اس (عید) کے دن سب سے پہلے نماز عید ادا کریں گے، پھر واپس جا کر قربانی کریں گے۔ جس نے ایسا کیا، اس نے ہماری سنت کو پالیا۔''

اس حدیث کے عموم سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نماز عید جلدی کرنا چاہیے اور بلا وجہ تاخیر نہیں کرنا چاہیے۔

تکبیر کا صحیح صیغہ :

﴿اللّٰهُ أَكْبَرُ ، اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا﴾ (السنن الکبری للبیهقی : رقم ۶۲۸۲)

''اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے، بہت بڑا۔''

﴿لِّأَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا﴾ اول سے مراد اس وقت کے زندہ لوگ اور آخر سے مراد ان کے بعد آنے والے لوگ ہیں۔

116-118 ﴿وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسٰى ... فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○﴾

﴿سُبْحٰنَكَ﴾ سے شریک ہونے کی تنزیہ کی گئی۔

الغفور الرحیم کے بجائے ﴿الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ کہا۔

غفور ہر محتاج کے لیے مغفرت کو واجب کرتی ہے۔ عزیز یعنی غالب ہے، پھر بھی بخش دے تو اس کا بڑا کرم ہے۔ غفور رحیم سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام شفاعت کر رہے ہیں اور العزیز سے معلوم ہوا کہ بالکلیہ معاملہ اللہ پر چھوڑ رہے ہیں۔

119 ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾

رضا اور یقین میں فرق : اَلرِّضَا هُوَ الْاِتِّفَاقُ بَيْنَ النَّفْسِ وَصَاحِبِهَا ، وَالْيَقِيْنُ هُوَ الْاِتِّفَاقُ بَيْنَ النَّفْسِ وَخَالِقِهَا . (رضا، نفس اور اس کے

مالک کے درمیان متفق ہونے کا نام ہے، جبکہ یقین، نفس اور اس کے خالق کے درمیان متفق ہونے کا نام ہے۔)

سورۂ انعام

نکات :

① سورۂ انعام کی ۴۹ آیات میں ۴۹ مرتبہ توحید اللہ وعدم الشرک بہ آیا ہے تاکہ ہمارے قلب میں غیر اللہ نہ رہے۔ یعنی یہ سورت تقریباً تیس فی صد اسی موضوع پر بحث کرتی ہے۔ سورۂ بقرہ میں زیادہ تر یہودیوں سے اور سورۂ آل عمران میں عیسائیوں سے بحث ہے۔ سورۂ انعام خاص مشرکین کے بارے میں ہے۔

② اس سورت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ نَزَلَتْ جُمْلَةٌ وَاحِدَةٌ. (یک بارگی نازل ہوئی ہے۔)

③ اَوَّلُ وَاجِبٍ هُوَ التَّوْحِيْدُ. (اسلام کا اولین فریضہ توحید ہے۔)

④ سورۂ انعام میں ۴۴ مرتبہ ''قل'' آیا ہے۔

(الف) صِلَةُ اللّٰهِ بِنَبِيِّهِ. (اللہ کا اپنے نبی سے تعلق۔)

(ب) عِصْمَةٌ لَهُ. (آپ کے لیے عصمت۔)

(ج) وَنُطْقُهُ بِوَحْيِهِ. (آپ کا وحی کے ذریعے کلام کرنا۔)

⑤ طویل سورت ہونے کے باوجود یہ سورت انبیاء کے قصوں سے خالی ہے۔ سِوَى حِوَارَيْنِ لِسَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ مَعَ اَبِيْهِ وَعَبَدَةِ الْكَوَاكِبِ. (ابراہیم علیہ السلام کے اپنے والد اور ستاروں کے پجاریوں کے ساتھ دو مکالموں کے سوا۔)

1 ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ ... بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ۝﴾

كُلُّ مَا فِي الْقُرْآنِ مِنَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرِ فَالْمُرَادُ مِنْهَا الْكُفْرُ وَالْاِيْمَانُ غَيْرَ الَّتِيْ فِيْ سُوْرَةِ الْاَنْعَامِ فَالْمُرَادُ مِنْهُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ. (قرآن میں جہاں کہیں بھی ظلمات اور نور کا ذکر ہے تو ان سے مراد کفر اور

ایمان ہے، سوائے سورۂ انعام کے جہاں ان (ظلمات اور نور) سے مراد رات اور دن ہے۔)

اَفْتَتَحَ اللّٰهُ الْخَلْقَ بِالْحَمْدِ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ، وَخَتَمَهُ بِالْحَمْدِ : وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ . (اللہ تعالیٰ نے تخلیق کو حمد کے ساتھ شروع کیا اور اسے حمد ہی پر ختم کیا۔)

﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ خَلْقٌ : هُوَ اِنْشَاءٌ مِنْ عَدَمٍ ، وَاَمَّا جَعْلٌ : هُوَ تَصَرُّفٌ فِى الْخَلْقِ بَعْدَ الْاِيْجَادِ ، فَكَانَ التَّرْتِيْبُ الطَّبِيْعِىُّ خَلْقاً مِنْ عَدَمٍ ثُمَّ تَصَرُّفًا فِىْ هٰذَا الْخَلْقِ بَعْدَ الْاِيْجَادِ . (خلق، کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا ہے، جبکہ جعل کسی چیز کو وجود میں لانے کے بعد اس میں تصرف کرنا یا اس کی حالت میں تبدیلی لانا ہے۔ پس طبعی ترکیب یہ ہے کہ پہلے کسی چیز کو عدم سے پیدا کیا جائے، پھر اس موجودہ چیز میں تصرف کیا جائے۔)

نکتہ : ایک جگہ ارشاد ہے : ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ﴾ (المومن : ٤٠ / ٥٧) ''آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے کہیں زیادہ بڑا (کام) ہے۔'' پھر زمین بڑی یا آسمان؟

(جواب) زمین بڑی ہے۔ اسے مقارنات قرآنیہ کے ذریعے جانیں کہ زمین چار دنوں میں بنی اور آسمان دو دنوں میں۔

فَجَمَعَ لَفْظَ الظُّلُمَاتِ وَوَحَّدَ لَفْظَ النُّوْرِ ، لِكَوْنِهِ اَشْرَفَ كَقَوْلِهِ تَعَالَى : عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ . (پس اللہ عزوجل نے ''ظلمات'' کے لفظ کو جمع ذکر کیا اور ''نور'' کے لفظ کو واحد ذکر کیا، اس لیے کہ نور زیادہ اشرف ہے۔) کیونکہ یمین (دائیں) کو واحد لایا گیا اور شمائل (بائیں) کو جمع لایا گیا۔

﴿ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴾ خالق کو مخلوق کے برابر کر دیا۔ ایک جگہ ارشاد ہے : ﴿ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾ (الشعراء : ٢٦ / ٩٨) ''جبکہ ہم

تمھیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔"

2 ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ...﴾

اللہ نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کی مدت بقاء کو اس دنیا میں متعین کیا۔ پھر اس دنیا کی مدت بقاء کو متعین کیا۔ یہاں دو اجل (ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا اور وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى) ہیں۔

﴿ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَمُجَاهِدٍ : ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ يَعْنِيْ : مُدَّةَ الدُّنْيَا ، وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ يَعْنِيْ : عُمُرَ الْاِنْسَانِ اِلَى حِيْنِ مَوْتِهِ . (تفسير ابن كثير : ۳ / ۲۳۹) ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے "پہلی مقررہ مدت ﴿ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ﴾ سے مراد (قیامت تک) دنیا کی مدت ہے، جبکہ دوسری مقررہ مدت ﴿وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ﴾ سے مراد موت تک انسان کی عمر ہے۔"

نکتہ : مِنْ عَجِيْبِ اَمْرِ الْمُشْرِكِيْنَ اَنَّهُمْ رَضُوْا بِالْاِلٰهِ اَنْ يَكُوْنَ حَجَراً وَاَنْكَرُوْا عَلَى الرَّسُوْلِ اَنْ يَكُوْنَ بَشَراً . (مشرکین کے عجیب معاملات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ معبود پتھر ہو، لیکن انھوں نے اس بات کا انکار کیا کہ رسول بشر ہو۔)

حَيَاتُكَ مِنْ اَوَّلِهَا اِلَى آخِرِهَا . (آپ کی زندگی، اس کے آغاز سے لے کر اس کے انجام تک۔)

ثَلَاثَةُ اَحْرُفٍ اَجَلْ ، فَلَا تَسْتَطِلِ الْعُمْرَ ، فَاِنَّهُ يَسْبِقُ الْبَصَرَ . (اجل میں تین حروف ہیں۔ پس عمر کو لمبا کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ وہ (موت کا وقت) نظر سے بھی تیز ہے۔)

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ جملہ، قصر کا فائدہ دے رہا ہے۔ یعنی اللہ ہی نے تمھیں پیدا کیا ہے۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خالق نہیں ہے۔

﴿مِّنْ طِیْنٍ﴾ خَلْقُ الْبَشَرِ مِنْ طِيْنٍ بِاعْتِبَارِ الْاَصْلِ ، وَاَمَّا

خَلْقُهُمْ مِنَ الْمَاءِ الدَّافِقِ ، فَبِاعْتِبَارِ الْفَرْعِ الْمُتَوَلِّدِ مِنَ الْاَصْلِ . (انسان کی تخلیق مٹی سے اس کے اصل کے اعتبار سے ہے۔ جہاں تک ان کی تخلیق اچھلتے ہوئے پانی سے ہے تو یہ اصل سے پیدا ہونے والی فرع کے اعتبار سے ہے۔)

هُوَ تُرَابٌ بَلْ بِالْمَاءِ ، فَصَارَ طِيْناً ثُمَّ تُرِكَ ، فَصَارَ حَمَاً مَسْنُوْناً . (وہ اصل میں مٹی ہے بلکہ پانی ملنے سے وہ گارا بن گیا، پھر اسے چھوڑ دیا گیا تو وہ سڑا ہوا گارا بن گیا۔)

7 ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ﴾

﴿فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ﴾ ہاتھ سے چھونے کا ذکر اس لیے کیا کہ کبھی دیکھی ہوئی چیزوں کی بہ نسبت ہاتھوں سے چھوئی ہوئی چیز سے زیادہ یقینی ہوتی ہے کیونکہ مشاہدے میں یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ نظر نے دھوکا کھایا ہو، لیکن چھونے کے بعد یہ احتمالات ختم ہوجاتے ہیں۔

9 ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكاً لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلاً ...﴾

اگر ہم فرشتے کو نازل کرتے تو ہم اسے مرد ہی کی شکل میں بناتے اور ہم ان پر معاملے کو گڈمڈ کردیتے، پھر انھیں یہ شک ہوجاتا کہ آیا یہ فرشتہ ہے یا انسان؟ اور امیوں کے درمیان امی نبی بھیجا گیا۔ اگر فیلسوف (فلسفی) بھیج دیا جاتا تو وہ سمجھ ہی نہ پاتے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا حکم دے رہا ہے۔

11 ﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا ...﴾

قُلْ سِيْرُوْا : حَرَكَةٌ بَدَنِيَّةٌ ، وَفِي انْظُرُوْا : حَرَكَةٌ ذِهْنِيَّةٌ (مِنْ اَجْلِ مَعْرِفَةِ مَا اَخْبَرَ اللّٰهُ بِهِ) . (اللہ کا فرمان ہے ''کہو، سیر کرو۔'' یہ ایک جسمانی حرکت ہے۔ ارشاد ہے ''غور کرو۔'' اس میں ذہنی حرکت ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ بتایا ہے، اسے پہچان لیا جائے۔) ان دونوں حرکتوں کا نتیجہ ''سکون'' ہے۔

12 ﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾

اِنَّ رَحْمَتَهُ تَغْلِبُ غَضَبَهُ . (اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔)

﴿عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ ، اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ ، كَتَبَ فِىْ كِتَابِهِ ، فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ : اِنَّ رَحْمَتِىْ تَغْلِبُ غَضَبِىْ﴾ (صحيح مسلم : كتاب التوبة ، حديث ٢٧٥١) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں لکھ دیا اور وہ (کتاب) عرش کے اوپر اس کے پاس ہے : یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب ہوگی۔"

وَاَنَّ الْعَطَاءَ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنَ الْمَنْعِ ، لَا يُعَجِّلُ الْعُقُوْبَةَ وَيَقْبَلُ التَّوْبَةَ . (بے شک اللہ کو دینا، نہ دینے سے زیادہ پسند ہے۔ وہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور توبہ قبول کرتا ہے۔)

13 ﴿وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِى الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○﴾

يُسَمِّيْهِ الْبَلَاغِيُّوْنَ بِالْاِكْتِفَاءِ ، اَىْ اَنَّهٗ ذَكَرَ اَحَدَ الْمُتَقَابِلَيْنِ لِيَدُلَّ بِهٖ عَلَى الْآخَرِ . (بلاغیون اسے "اکتفاء" کا نام دیتے ہیں۔ یعنی متقابلین میں سے ایک کو ذکر کیا جائے کیونکہ پہلا، دوسرے پر دلالت کر رہا ہے۔)

یہاں وَتَحَرَّكَ نہیں کہا۔ لِاَنَّ كُلَّ مُتَحَرِّكٍ يَؤُوْلُ اَمْرُهٗ اِلَى سُكُوْنٍ . (کیونکہ ہر متحرک چیز کا انجام سکون کی طرف ہوتا ہے۔)

﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ مکان (اسپیس) کا مالک ہے۔

﴿وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِى الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ وہ زمان (ٹائم) کا مالک ہے۔

جب اس نے زمان ومکان پیدا کیے اور یہ دونوں مخلوق ہیں تو خالق، مخلوق میں کیسے ہوسکتا ہے؟

﴿مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ ... وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ○﴾ 16

﴿مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ﴾ لَا يُنْجِيْ مِنَ عَذَابِ اللّٰهِ سِوَى رَحْمَتِهِ . (اللہ کے عذاب سے اس کی رحمت کے سوا کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔)

﴿وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ﴾ فوز کی تین قسمیں ہیں :

① الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ (اَنْ يُصْرَفَ عَنْكَ عَذَابُ النَّارِ) (النَّجَاةُ مِنَ النَّارِ) . (الفوز المبین یہ ہے کہ تم سے آگ کا عذاب پھیر دیا جائے۔یعنی جہنم کی آگ سے نجات ہو جائے۔)

جیسے فرمایا: ﴿مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ﴾ (الانعام : ٦ / ١٦) ''اس دن جس شخص سے عذاب ہٹالیا گیا تو یقیناً اس پر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا۔اور یہی واضح کامیابی ہے۔''

② اَلْفَوْزُ الْكَبِيْرُ : دُخُوْلُ الْجَنَّة . (الفوز الکبیر یہ ہے کہ تمھیں جنت میں داخل کر دیا جائے۔)

③ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ : خُلُوْدٌ فِيْ نَعِيْمِ الْجَنَّةِ مَعَ رِضْوَانٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٍ مِنْهُ . (الفوز العظیم یہ ہے کہ تم اللہ کی رضا اور اس کی رحمت کے ساتھ جنت کی نعمتوں میں ہمیشہ رہو۔)

جیسے فرمایا: ﴿هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (المائدة : ٥ / ١١٩) ''یہ ایسا دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا۔ ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

﴿قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ ...﴾ 19

﴿قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ﴾ يَعْنِيْ عَلَى صِحَّةِ مَا جِئْتَ بِهِ .

(یعنی اس بات کی سچائی پر جو تم لائے ہو۔)

﴿ قُلِ اللّٰهُ ﴾ اَیْ اللّٰهُ یَشْهَدُ عَلَى صِدْقِیْ وَصِدْقِ رِسَالَتِیْ.
(یعنی اللہ میری سچائی اور میری رسالت کی سچائی پر گواہ ہے۔)

﴿ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ﴾ مَنْ بَلَغَهُ الْقُرْآنُ فَكَاَنَّمَا رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (تفسیر الطبری: ۹ / ۱۸۳)
"جس شخص تک قرآن پہنچا تو گویا اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔"

21 ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ ... اَوْ كَذَّبَ بِاٰيَاتِهٖ ﴾

جو لوگ اللہ کی حرام کردہ چیزوں میں اضافہ کریں اور ان باتوں کو اللہ کی طرف منسوب کریں جو اس میں نہیں ہیں۔

25 ﴿ وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْراً ﴾

وَقْرٌ اور وِقْرٌ میں فرق: وَقْرٌ: الثِّقْلُ فِي الْاُذُنِ، وَوِقْرٌ: الثِّقْلُ فِي الْوَزْنِ، نَحْوُ: فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ. (وقر کانوں میں بہرے یا بھاری پن کو کہتے ہیں، جبکہ وِقر وزن میں بھاری پن کو کہتے ہیں۔ جیسے ارشاد ہے "پھر ان بادلوں کی قسم جو (پانی کا) بھاری بوجھ اٹھانے والے ہیں!")

26 ﴿ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ﴾

اِنَّهُمْ يَنْهَوْنَ النَّاسَ عَنِ اتِّبَاعِ الْحَقِّ، وَيَبْعُدُوْنَ هُمْ عَنْهُ، فَيَجْمَعُوْنَ بَيْنَ الْفِعْلَيْنِ الْقَبِيْحَيْنِ، لَا يَنْتَفِعُوْنَ وَلَا يَدَعُوْنَ اَحَدًا يَنْتَفِعُ. (وہ لوگوں کو حق کی پیروی کرنے سے روکتے ہیں اور خود بھی حق سے دور رہتے ہیں۔ پس وہ دو بری باتوں کو جمع کرتے ہیں، نہ خود فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ کسی اور کو فائدہ اٹھانے دیتے ہیں۔)

32 ﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ﴾

اَلدُّنْيَا مَذْمُوْمَةٌ اِذَا اقْتَرَنَتْ بِاللَّهْوِ وَاللَّعِبِ وَالتَّفَاخُرِ،

وَمَمْدُوْحَةٌ اِذَا كَانَتْ مُعِيْنَةً عَلَى الطَّاعَةِ. (دنیا مذموم ہے جب وہ لہو و لعب (کھیل کود) اور فخر کے ساتھ ہو، جبکہ دنیا قابل تعریف ہے جب وہ اطاعت الٰہی میں مددگار ہو۔)

عام طور پر بچے لہو ولعب میں مشغول ہوتے ہیں، زیرک اور عقل مند لوگ نہیں۔ اسی طرح جاہل، بے وقوف اور نادان لوگ دنیا کی دل فریبیوں پر فریفتہ ہوتے ہیں۔ عقل مند آخرت میں باقی رہنے والی نعمتوں کو حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

جس چیز میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے انسان اپنے مقصود سے غافل ہو جائے، جیسے دنیا کی زیب وزینت، عورت، بچے وغیرہ...... اسے ''لہو'' کہا جاتا ہے۔

''لعب''، لعاب سے ہے۔ وہ خود بخود منہ سے بہنے لگتا ہے۔ یعنی کسی شخص کا فعل بغیر قصد واقع ہو تو اسے ''لعب'' کہا جاتا ہے۔ مراد ہے، لغو بے فائدہ کام کرنا۔ فَلَعِبَ بِهِمِ الْمَوْجُ شَهْراً فِي الْبَحْرِ. (مسلم : کتاب الفتن واشراط الساعة، رقم ۲۹۴۲) تمیم داری رضی اللہ عنہ کی کشتی سے موجیں لعب کرتی (کھیلتی) رہیں اور انھیں اس طرف نہیں جانے دیا جس طرف وہ جانا چاہتے تھے۔

خلاصہ : لہو کا مطلب غافل کرنا اور لعب کا مطلب بے فائدہ کام کرنا ہے۔

لعب ولہو :

① اَللَّهْوُ : هُوَ الْمَيْلُ عَنِ الْجِدِّ اِلَى الْهَزْلِ، وَاللَّعِبُ : تَرْكُ مَا يَنْفَعُ بِمَا لَا يَنْفَعُ. (سنجیدہ چیز سے غیر سنجیدہ چیز کی طرف مائل ہونے کو لہو کہا جاتا ہے، جبکہ مفید چیز کو چھوڑ کر غیر مفید چیز میں مشغول ہو جانا لعب کہلاتا ہے۔)

② اَللَّهْوُ : هُوَ الْاِعْرَاضُ عَنِ الْحَقِّ، وَاللَّعِبُ : هُوَ الْاِقْبَالُ عَلَى الْبَاطِلِ. (حق سے روگردانی کرنا لہو کہلاتا ہے، جبکہ باطل کی طرف مائل ہونا لعب کہلاتا ہے۔)

③ قَالَ الْاِمَامُ ابْنُ الْقَيِّمِ : اِنَّ اللَّهْوَ يَكُوْنُ فِي الْقَلْبِ، وَاللَّعِبَ

يَكُوْنُ بِالْجَوَارِحِ . (امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا "لہو کا تعلق دل سے ہے، جبکہ لعب کا تعلق اعضاء و جوارح سے ہے۔")

33 ﴿ وَلٰكِنَّ الظَّالِمِيْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴾

جحود، دل اور زبان سے اعتراف کے بعد ہی ہوتا ہے۔

وَقَالَ اَبُوْ صَالِحٍ وَقَتَادَةُ : يَعْلَمُونَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ، وَيَجْحَدُوْنَ . (تفسير ابن كثير : ٣ / ٢٥١) ابو صالح اور قتادہ رحمہما اللہ کہتے ہیں "وہ جانتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، پھر بھی انکار کرتے ہیں۔"

38 ﴿ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ﴾

یعنی مخلوق کی ہدایات کے لیے جتنی چیزیں ضروری تھیں، اجمالاً یا تفصیلاً سب بیان کر دیا۔

﴿ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ ہر انسان میں کسی نہ کسی حیوان کی خصلت موجود ہے۔

﴿ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ میں سے ہر ایک کی تفصیل ہے۔

42 ﴿ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴾

سختیوں میں مبتلا کرنا اللہ کی سنت جاریہ ہے تاکہ وہ گمراہی سے ہدایت کی طرف رجوع کریں کیونکہ سختیوں کی بھٹی میں تپ کر ہی انسان کندن بنتا ہے۔

43 ﴿ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا ... ﴾

يَنْزِلُ الْبَلَاءُ لِتَلِيْنَ الْقُلُوْبُ ، لَا تَلِيْنُ قُلُوْبُ الْبَعْضِ اِلَّا بِالتَّأْدِيْبِ . (بلا اس لیے نازل ہوتی ہے کہ دل نرم پڑ جائیں۔ بعض لوگوں کے دل تادیب کے بغیر نرم نہیں ہوتے۔) یعنی لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

44 ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ ... ﴾

﴿ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ : اِذَا رَاَيْتَ اللّٰهَ يُعْطِى الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلٰى مَعَاصِيْهِ مَا يُحِبُّ ، فَاِنَّمَا هُوَ اسْتِدْرَاجٌ ، ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ ﴾ (مسند احمد : حدیث ۱۷۳۱۱) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی نافرمانیوں کے باوجود دنیا میں اسے وہ کچھ عطا کر رہا ہے جو وہ چاہتا ہے تو یہ استدراج ہے۔'' پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی : ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ ﴾ ''پھر جب وہ اسے بھول گئے جس کی انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے، یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں کے ساتھ خوش ہو گئے جو انھیں دی گئی تھیں، ہم نے انھیں دفعتاً پکڑ لیا تو اچانک وہ ناامید تھے۔''

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَیَّ . (میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔)

اجتہاد : احکام شرعیہ حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔

وحی کی اتباع اور آپ کا اجتہاد : آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد میں خطا ہوتی تو بذریعۂ وحی اس کی اصلاح کر دی جاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجتہاد سے جو احکام دیے، ان کی تائید وحی سے ہو گئی۔

45 ﴿ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ ... لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾

هَلَاكُ الظَّالِمِيْنَ نِعْمَةٌ عَظِيْمَةٌ تَسْتَوْجِبُ حَمْدَ اللّٰهِ وَشُكْرَهُ . (ظالموں کی ہلاکت ایک عظیم نعمت ہے جس پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔)

''حمد'' یہاں شکر کے معنی میں ہے کیونکہ وہ نعمت کے مقابلے میں ہے اور نعمت، ہلاک الظالمین ہے۔

50 ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ ... اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ○﴾

اہل بدعت کہتے ہیں کہ ① نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار کل ہیں۔ ② آپ عالم الغیب ہیں۔ ③ آپ، بشر نہیں ہیں۔ اس آیت میں ان تینوں عقیدوں کا رد کیا گیا ہے۔

(سوال) اعمی، مکفوف، اکمہ اور ضریر میں کیا فرق ہے؟

(جواب) اَلْاَعْمَى : لِلْبَصَرِ وَلِلْقَلْبِ ، وَالْمَكْفُوْفُ : لِلْبَصَرِ فَقَطْ ، وَالْاَكْمَهُ : هُوَ مَنْ وُلِدَ اَعْمَى ، وَاَمَّا الضَّرِيْرُ : فَهُوَ مَنْ اَصَابَهُ الْعَمَى بَعْدَ اِبْصَارٍ . (اعمی، آنکھ اور دل کے اندھے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مکفوف صرف آنکھ کے اندھے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اکمہ وہ ہے جو پیدائشی اندھا ہو، جبکہ الضریر وہ ہے جسے بینائی حاصل ہونے کے بعد نابینائی لاحق ہوئی۔)

51 ﴿وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ...﴾

اَكْثَرُ النَّاسِ انْتِفَاعاً بِالْقُرْآنِ اَكْمَلُهُمْ اسْتِمْدَاداً لِلْآخِرَةِ . (لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن سے نفع اٹھانے والا وہ ہے جو آخرت کے لیے سب سے زیادہ تیاری کرتا ہے۔)

54 ﴿ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَاَصْلَحَ﴾

قَبُوْلُ تَوْبَةِ الْمُسِيْئِيْنَ وَاِثَابَتُهُمْ هِيَ مَعْنَى اَنَّ رَحْمَتَهُ سَبَقَتْ غَضَبَهُ . (گنہگاروں کی توبہ قبول کرنا اور انھیں اجر وثواب عطا کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب آگئی۔)

55 ﴿وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾

مجرموں کا طریقہ واضح ہو جائے تو اہل حق کا طریقہ معلوم ہو جائے گا کیونکہ باطل، حق کی ضد ہے۔

56 ﴿قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ﴾

اس سے مراد ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔

اِتِّبَاعُ الْهَوَى مُبْعِدٌ عَنِ الْهُدَى ، مُوْرِدٌ لِلضَّلَالِ . (خواہشات کی پیروی ہدایت سے دور کرتی ہے اور گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔)

59 ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ...﴾

حسن ترتیب دیکھیے۔ بَدَأَ اَوَّلاً بِاَمْرٍ مَعْقُوْلٍ لَا نُدْرِكُ كَثِيْراً مِنْهُ بِالْحِسِّ ، ثُمَّ ثَالِثاً بِجُزْاَيْنِ لَطِيْفَيْنِ ، اَحَدُهُمَا عُلْوِيٌّ وَهُوَ سُقُوْطُ وَرَقَةٍ مِنْ عُلُوٍّ اِلَى سُفْلٍ ، وَالثَّانِيْ سُفْلِيٌّ وَهُوَ اخْتِفَاءُ حَبَّةٍ فِيْ بَطْنِ الْاَرْضِ . (ایک امر معقول سے بات شروع کی جس کا ادراک ہم اکثر حواس سے نہیں کرتے۔ پھر تیسری بات میں دو لطیف حصے ذکر کیے گئے۔ ان میں پہلا علوی (آسمانی) ہے اور وہ کسی پتے کا اوپر سے نیچے گرنا ہے اور دوسرا سفلی (زمینی) ہے اور وہ زمین کے اندر کسی دانے کا غائب ہونا ہے۔)

60 ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ ...﴾

﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ﴾ نیند گویا موت اصغر ہے۔ اسی طرح فرمایا: ﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ﴾ (الزمر : ۳۹ / ۴۲) ’’اللہ ہی موت کے وقت جانیں قبض کرتا ہے اور جس کی موت نہیں آئی ہوتی، اسے اس کی نیند میں (قبض کرتا ہے)۔ پھر وہ اس (روح) کو روک لیتا ہے جس پر اس نے موت کا فیصلہ کر دیا ہو اور دوسری کو ایک مقررہ وقت تک (واپس) بھیج دیتا ہے۔‘‘ اس آیت میں وفات کبریٰ وصغریٰ دونوں کا ذکر ہے۔ اسی طرح اس مقام پر بھی وفات صغریٰ، پھر کبریٰ دونوں ہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ ’’اور وہی (اللہ) ہے جو رات کو (سونے کی حالت

میں) تمھیں فوت کرتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو۔" یعنی وہ تمہارے دن بھر کے اعمال کو بھی خوب جانتا ہے۔ اس جملۂ معترضہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا علم اپنی تمام مخلوق کے لیل ونہار اور ان کی حرکت وسکون کی ہر ہر حالت میں ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ (تفسیر ابن کثیر : ۳ / ۲٦٦)

نکتہ : روح قبض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف اس وجہ سے ہے کہ وہ فاعل حقیقی ہے، ملائکہ کی طرف اس اعتبار سے ہے کہ وہ اس کے ظاہری فاعل ہیں اور دوسرے فرشتوں کی طرف نسبت اس اعتبار سے ہے کہ وہ ملک الموت کے اعوان وانصار ہیں۔

﴿ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ ﴾ نیند، وفات صغریٰ ہے اور موت، وفات کبریٰ ہے۔ یہاں وفات صغریٰ سے وفات کبریٰ پر استدلال ہے۔

61 ﴿ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ﴾

اعمال لکھے جانے کی وجہ : ایک تو یہ کہ اس کے خلاف ایک مادی حجت قائم کر دی جائے تا کہ وہ اپنے کسی قول وعمل کا انکار نہ کر سکے۔ دوسرے، آدمی کو معلوم ہو کہ اعمال لکھے جا رہے ہیں تو گناہوں کے ارتکاب سے ڈرے گا۔

70 ﴿ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ ﴾

اَیْ لِئَلَّا تُبْسَلَ ، اَیْ تُسَلَّمَ اِلَی الْھَلَکَۃِ . (تذكرة الاريب في تفسير الغريب : ١ / ٩٧) "یعنی تا کہ تم ہلاکت کے سپرد نہ کیے جاؤ۔"

اَلْاِبْسَالُ ھُوَ تَسْلِیْمُ النَّفْسِ اِلَی الْھَلَکَۃِ . (ابسال کا معنی ہے، اپنی جان کو ہلاکت کے سپرد کرنا۔)

اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا کَسَبَتْ . (تا کہ کوئی جان اپنے کمائے ہوئے اعمال کے بدلے ہلاکت میں نہ ڈالی جائے۔)

تُبْسَلُ اَیْ تُرْتَھَنُ . (تبسل کا مطلب ہے، گروی رکھا جائے۔)

صَغَارٌ اَیِ الذُّلُّ وَالْھَوَانُ . (صغار کا مطلب ہے، ذلت اور رسوائی۔)

72 ﴿كُنْتُمْ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾
نماز کا حکم دیا گیا، لیکن کیفیت نہیں بتلائی۔ دَلَالَةٌ عَلَى وُجُوْبِ السُّنَّةِ.
(یہ سنت کے واجب ہونے پر دلیل ہے۔)

75 ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾
فَالْمُلْكُ: مَا تُشَاهِدُهُ بِعَيْنِكَ، وَالْمَلَكُوْتُ: مَا وَرَاءَ مَا تُشَاهِدُهُ بِعَيْنِكَ. (پس مُلک وہ ہے جسے تم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہو، جبکہ ملکوت وہ ہے جو تمہاری آنکھوں سے دیکھی جانے والی چیزوں کے پرے ہے۔)

وَالْمَلَكُوْتُ: هُوَ الْعَجَائِبُ وَالْغَرَائِبُ الْمَوْجُوْدَاتُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ. (آسمانوں اور زمین میں موجود عجائبات اور انوکھی چیزیں ملکوت کہلاتی ہیں۔)

82 ﴿اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْآ اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾
وَلَمْ يَقُلْ: وَلَمْ يَظْلِمُوْا اَنْفُسَهُمْ، بَلْ قَالَ: وَلَمْ يَلْبِسُوْآ اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ، وَلَبْسُ الشَّيْءِ بِالشَّيْءِ تَغْطِيَتُهُ بِهِ وَاِحَاطَتُهُ مِنْ جَمِيْعِ جِهَاتِهِ، وَلَا يُغَطِّي الْاِيْمَانَ وَيُحِيْطُ بِهِ وَيُلْبِسُهُ اِلَّا الْكُفْرُ. (اللہ نے یہ نہیں فرمایا "اور انھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔" بلکہ فرمایا "اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا۔" کسی چیز کو دوسری چیز سے ملانے کا مطلب ہے، اسے ڈھانپ لینا اور اسے ہر طرف سے گھیر لینا۔ ایمان کو تو صرف کفر ڈھانپتا ہے، اس کا احاطہ کرتا ہے اور اسے اپنے اندر سمو لیتا ہے۔)

83 ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ آتَيْنَاهَآ اِبْرَاهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهِ﴾
یہ حجت اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو سکھائی۔ اسی وجہ سے حجت کی اضافت اپنی طرف کی۔ جب اللہ عزوجل کے دشمن دلیل کے میدان میں ہار گئے تو عقوبت کا ارادہ کیا اور باطل پرستوں کا طریق یہ ہے کہ جب وہ دلیل کے میدان میں ہار جاتے ہیں تو هَمُّوْا

بِالْعُقُوْبَةِ . (سزا دینے کا ارادہ کرتے ہیں۔)

88 ﴿ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

شرک کی مثال : اگر کسی مٹکے کے بالکل نچلے حصے میں سوراخ کر دیا جائے تو مٹکے میں ایک قطرہ پانی نہیں رہے گا۔ یہی مثال شرک کی ہے۔

سورۂ انعام میں پچیس انبیاء علیہم السلام کا نام آیا ہے جن میں اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے فرمایا گیا: ﴿ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو وہ عمل کرتے تھے، برباد ہو جاتے۔''

90 ﴿ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ﴾

قَالَ : بِهُدَاهُمْ ، وَلَمْ يَقُلْ : بِهِمْ ، لِاَنَّ الْعِبْرَةَ بِالْمَنْهَجِ لَا بِالْاَشْخَاصِ ، فَلَا تَتَعَصَّبْ لِدَاعِيَةٍ اِنْ حَادَ عَنْ طَرِيْقِ الْحَقِّ فَاِنَّ الْحَقَّ لَيْسَ بِكَثْرَةِ الرِّجَالِ وَاِنَّمَا بِمُوَافَقَةِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ .

(الشرح الممتنع لابن عثيمين : ٤ / ٣٧٩) ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ ان کی ہدایت کی اقتدا کرو، ان کی ذاتوں کی نہیں کیونکہ اعتبار منہج کا ہے، نہ کہ شخصیتوں کا۔ پس کسی داعی کی حمایت نہ کرو، اگر وہ حق کے راستے سے ہٹ جائے کیونکہ حق لوگوں کی کثرت میں نہیں بلکہ کتاب وسنت کی موافقت میں ہے۔''

91 ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ... فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ○ ﴾

﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ ﴾ وَلَمْ يَقُلْ : وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ قَدْرَهُ . (اللہ نے یہ نہیں فرمایا ''اور انھوں نے اللہ کی عظمت و مرتبے کو نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق تھا۔'') کیونکہ ان پر حق ہے کہ اللہ کی قدر جانیں، مگر اس حق کا انھوں نے انکار کیا اور وَمَا قَامُوْا بِذٰلِكَ الْحَقِّ مَعْرِفَةً وَاِقْرَاراً وَلَا عُبُوْدِيَّةً . (نہ تو اس حق کی معرفت حاصل کی، نہ اس کا اقرار کیا اور نہ حق پر عمل پیرا ہوئے۔)

﴿ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ یہ کافرین کا قول ہے۔

اس پر اہل کتاب سے استشہاد کیا گیا کہ یہ بتاؤ، تم سے زیادہ علم والے اہل کتاب ہیں تو ان سے پوچھو : ﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى﴾ ''آپ کہہ دیجیے، پھر وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے موسیٰ علیہ السلام لائے تھے؟''

﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ بعض لوگوں نے کہا کہ اسم ظاہر مفرد ''اللہ، اللہ'' کا ورد کریں۔ بعض نے ''ھو، ھو'' اسم ضمیر کو ''اللہ، اللہ'' اسم ظاہر سے افضل مانا۔ یہ سب خیالات باطلہ ہیں۔ اگر کوئی کافر پوری زندگی ''اللہ، اللہ'' کہتا رہے تو مسلمان نہ ہوگا۔ یہاں ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ کا مطلب ''اللہ، اللہ'' کہو نہیں ہے۔ یعنی اس کا یہ مطلب نہیں کہ قُلْ هٰذَا الْاِسْمَ. (یہ نام کہو۔) بلکہ اسم اللہ یہاں ﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى﴾ کا جواب ہے۔ یعنی قُلِ اللّٰهُ اَنْزَلَهٗ. (کہو، اللہ نے اسے نازل کیا ہے۔)

قاعدہ : فَیُحْذَفُ الْفِعْلُ لِدَلَالَةِ السُّؤَالِ عَلَیْهِ. (فعل کو اس لیے حذف کر دیا جاتا ہے کہ سوال اس پر دلالت کرتا ہے۔)

﴿اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ﴾ 93

هٰذَا خِطَابٌ لَهُمْ عِنْدَ الْمَوْتِ، وَقَدْ اَخْبَرَتِ الْمَلَائِكَةُ وَهُمُ الصَّادِقُوْنَ اَنَّهُمْ حِیْنَئِذٍ یُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ. (یہ ان سے موت کے وقت کا خطاب ہے اور فرشتوں نے جو سچے ہیں، خبر دی ہے کہ اس وقت انھیں ذلت آمیز عذاب دیا جائے گا۔)

وَلَوْ تَاَخَّرَ عَنْهُمْ اِلَی انْقِضَاءِ الدُّنْیَا لَمَا صَحَّ اَنْ یُّقَالَ لَهُمُ الْیَوْمَ تُجْزَوْنَ. (اگر ان پر عذاب دنیا کے ختم ہونے تک موخر کر دیا جاتا تو ان کے لیے یہ کہنا درست نہ ہوتا کہ ''آج'' تمھیں بدلہ دیا جا رہا ہے۔)

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ...﴾ 95

تنا بھی لکڑی ہے اور جڑ بھی لکڑی ہے۔ جڑ نیچے جا رہی ہے، تنا اوپر جا رہا ہے۔ اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا زمین کے اوپر جانا ہے تو جڑ نیچے کیوں جا رہی ہے؟ یہ ایک قادر

کے حکم سے ہو رہا ہے۔

خُرُوْجُهُ مِنْ بَيْنِ الْحَطَبِ وَالْوَرَقِ آيَةٌ بَاهِرَةٌ . (اس کا لکڑی اور پتوں کے درمیان سے نکلنا ایک حیرت انگیز معجزہ ہے۔)

پھر رنگ، پھر کھٹا ہونا، میٹھا ہونا، کڑوا ہونا، یہ نشانیاں ہیں۔

وَقَالَ بَعْضُ السَّلَفِ : حَقٌّ عَلَى النَّاسِ اَنْ يَخْرُجُوْا وَقْتَ اِدْرَاكِ الثِّمَارِ وَيَنْعِهَا فَيَنْظُرُوْا اِلَيْهَا ، ثُمَّ يَتْلُوْا : اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ .
بعض سلف فرماتے ہیں "لوگوں پر حق ہے کہ جب پھل پکنے لگیں اور ان کا وقت ادراک ہو تو وہ باہر نکلیں اور ان پھلوں کو دیکھیں، پھر یہ آیت تلاوت کریں (تم ان کے پھل پر غور کرو۔)"

نکتۂ عجیبہ : ایک دانہ جب تر زمین میں جاتا ہے، پھر عرصہ گزرتا ہے تو دو شق ہوتے ہیں، ایک اوپر اور ایک نیچے۔

فَالْاَوَّلُ يَخْرُجُ مِنَ الشَّجَرَةِ الصَّاعِدَةِ اِلَى الْهَوَاءِ ، وَالثَّانِیْ يَخْرُجُ مِنَ الشَّجَرَةِ الْهَابِطَةِ فِی الْاَرْضِ . (تو پہلا (پھل) درخت سے نکلتا ہے جو ہوا کی طرف بلند ہوتا ہے۔ دوسرا (پھل یا حصہ) اس درخت سے نکلتا ہے جو زمین میں نیچے کی طرف جاتا ہے۔)

جبکہ اس درخت کی طبیعت ہے : اِنْ كَانَتْ تَقْتَضِی الْهَوَاءَ فِیْ عُمْقِ الْاَرْضِ ، وَاِنْ كَانَتْ تَقْتَضِی الصُّعُوْدَ فِی الْهَوَاءِ ، فَكَيْفَ تَوَلَّدَتْ مِنْهَا الشَّجَرَةُ الْهَابِطَةُ فِی الْاَرْضِ . (اگر درخت زمین کی گہرائی میں ہوا چاہتا ہے اور اگر وہ (درخت یا اس کا حصہ) ہوا میں بلندی چاہتا ہے تو پھر اس سے زمین میں نیچے کی طرف جانے والا درخت کیسے پیدا ہو گیا؟)

فَلَمَّا تَوَلَّدَ مِنْهَا الشَّجَرَتَانِ مَعَ اَنَّ الْحِسَّ وَالْعَقْلَ تَشْهَدُ بِكَوْنِ طَبِيْعَةِ اِحْدَى الشَّجَرَتَيْنِ مُضَادَّةً لِطَبِيْعَةِ الشَّجَرَةِ

الْاُخْرَی ، عَلِمْنَا اَنَّ ذٰلِكَ لَيْسَ بِمُقْتَضَى الطَّبْعِ وَالْخَاصِيَّةِ بَلْ مُقْتَضَى الْاِيْجَادِ وَالْاِبْدَاعِ وَالتَّكْوِيْنِ . (پھر ایک ہی چیز سے دو درخت کیسے پیدا ہو گئے، حالانکہ حواس اور عقل اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ایک درخت کی فطرت دوسرے درخت کی فطرت کے مخالف ہے؟ ہم نے جان لیا کہ یہ کام فطرت اور خاصیت کے تقاضے سے نہیں بلکہ ایجاد، ابداع اور تخلیق کے تقاضے سے ہے۔)

وَثَانِيْهِمَا اَنَّ بَاطِنَ الْاَرْضِ جِرْمٌ كَثِيْفٌ صَلْبٌ لَا تَنْفُذُ الْمِسَلَّةُ الْقَوِيَّةُ فِيْهِ وَلَا يَغُوْصُ السِّكِّيْنُ الْحَادُّ الْقَوِيُّ فِيْهِ ثُمَّ اِنَّا نُشَاهِدُ اَطْرَافَ تِلْكَ الْعُرُوْقِ فِيْ غَايَةِ الدِّقَّةِ وَاللَّطَافَةِ بِحَيْثُ لَوْ دَلَكَهَا الْاِنْسَانُ بِاِصْبَعِهِ بِاَدْنٰى قُوَّةٍ لَصَارَتْ كَالْمَاءِ ثُمَّ اِنَّهَا مَعَ غَايَةِ اللَّطَافَةِ تَقْوٰى عَلَى النُّفُوْذِ فِيْ تِلْكَ الْاَرْضِ الصُّلْبَةِ وَالْغَوْصِ فِيْ بَوَاطِنِ تِلْكَ الْاَجْرَامِ الْكَثِيْفَةِ . (ان میں سے دوسری بات یہ ہے کہ زمین کا اندرونی حصہ ایک ٹھوس اور سخت جسم ہے جس میں نہ ایک مضبوط سُوا نفوذ کر سکتا ہے اور نہ ایک تیز اور مضبوط چاقو اس میں گہرائی تک اتر سکتا ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ درختوں کی رگوں کے سرے انتہائی باریک اور نرم ہوتے ہیں، اس حد تک اگر انسان انھیں اپنی انگلی سے ذرا سی بھی طاقت سے ملے تو وہ پانی کی طرح ہو جائیں۔ اپنی انتہائی نزاکت کے باوجود وہ اس سخت زمین میں گھسنے اور ان ٹھوس اجسام کے اندرونی حصوں میں اترنے کی طاقت رکھتے ہیں۔)

كَيْفَ ؟ لَا بُدَّ وَاَنْ يَكُوْنَ بِتَقْدِيْرِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ . (کیسے؟ یہ یقیناً اللہ عزیز و حکیم کے مقرر کرنے سے ہے۔)

﴿وَهُوَ الَّذِىْ اَنْشَاَكُمْ ...﴾ 98

نکتہ : ﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ تمام انسانوں کا سلسلہ ایک نفس پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کائنات کا سلسلہ ایک اصل اور فاعل مختار پر ختم

ہو جاتا ہے۔

﴿ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ﴾ مُسْتَقَرُّ الْمَاْوٰی فِی الدُّنْیَا ، وَاَمَّا مُسْتَوْدَعُھَا فَھُوَ مَکَانُ دَفْنِھَا . (اس کا مستقر دنیا میں ہے، جبکہ اس کا مستودع اس کے دفن ہونے کی جگہ ہے۔)

99 ﴿وَهُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهِۦ نَبَاتَ ...﴾

نکتہ : پھلوں کے درختوں سے پہلے کھیتوں کا تذکرہ کیا کیونکہ کھیتوں سے غذا حاصل ہوتی ہے اور درختوں کے پھلوں سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ غذا، لذت سے اہم ہے اور اس پر مقدم ہے۔ پھر کھجور کو پہلے ذکر کیا گیا کہ وہ غذا کے قائم مقام ہے۔ کھجور کے سوا کسی درخت کو گابھا نہیں کیا جاتا۔ اس کی کوئی چیز بے کار نہیں ہوتی۔ عجوہ کھجور خصوصاً دل کے لیے مفید ہے۔ کھجور کا مزاج گرم و خشک ہے۔

101 ﴿بَدِيْعُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾

اللہ کے وجود کی دلیل :

① آپ نے خود کو پیدا کیا ہے؟ اس کا مطلب ہے، آپ اپنے وجود سے پہلے ہی موجود تھے۔

② نیست کچھ بھی تخلیق نہیں کر سکتا۔ (اس لیے کوئی ابدی وجود پہلے سے موجود ہے۔)

مردگی (لازیستیت / غیر زندگی) زیست کو کیسے پیدا کر سکتی ہے؟ یہ تو ایسے ہوا کہ نامعقولیت نے معقولیت کو پیدا کر لیا، یا لاشعوریت نے شعور کو پیدا کر لیا۔

103 ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾

اَلْاِدْرَاکُ ھُوَ الْاِحَاطَۃُ بِالشَّیْءِ وَھُوَ قَدْرٌ زَائِدٌ عَلَی الرُّؤْیَۃِ فَالرَّبُّ تَعَالٰی یُرٰی وَلَا یُدْرَکُ ، ھٰذَا ھُوَ الَّذِیْ فَھِمَ الصَّحَابَۃُ وَالْاَئِمَّۃُ مِنَ الْآیَۃِ . (کسی چیز کا احاطہ کر لینا ادراک ہے اور یہ رؤیت سے ایک زائد "مرتبہ" ہے۔ پس رب تعالیٰ کو دیکھا تو جائے گا، لیکن اس کا ادراک نہیں کیا جائے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ کرام نے آیت سے یہی سمجھا ہے۔)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ، يَقُوْلُ : لَا يُحِيْطُ بَصَرُ اَحَدٍ بِالْمُلْكِ . (تفسير الطبرى : ۹ / ٤٥٩) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''اس کا مطلب ہے، کسی کی نگاہ اس کی بادشاہت کا احاطہ نہیں کر سکتی۔''

بِمَعْنَى : اَنَّهَا لَا تُحِيْطُ بِهِ ، اِذْ كَانَ غَيْرُ جَائِزٍ اَنْ يُوْصَفَ اللّٰهُ بِاَنَّ شَيْئاً يُحِيْطُ بِهِ . (تفسير الطبرى : ۹ / ٤٥٩) ''اس کے معنی یہ ہیں کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں کیونکہ یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت یہ بیان کی جائے کہ کوئی چیز اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔''

وَهٰذَا الشَّمْسُ - وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلَى - بَدَا لَهَا وَلَا نُدْرِكُهَا كَمَا هِيَ عَلَيْهِ وَلِذٰلِكَ ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : حِيْنَ سُئِلَ وَاُوْرِدَ عَلَيْهِ : لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ، فَقَالَ : اَلَسْتَ تَرَى السَّمَاءَ ؟ قَالَ : بَلَى ، قَالَ : اَفَتُدْرِكُهَا ؟ قَالَ : لَا ، قَالَ : فَاللّٰهُ تَعَالَى اَعْظَمُ وَاَجَلُّ . (تفسير المنار : ۹ / ١٤٩) (یہ سورج ...... وللہ المثل الاعلیٰ ...... اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے، لیکن ہم اس کا ویسا ادراک نہیں کر سکتے جیسا وہ حقیقت میں ہے۔ اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ کے بارے میں پوچھا گیا اور اعتراض کیا گیا تو انھوں نے فرمایا ''کیا تم آسمان کو نہیں دیکھتے؟'' سائل نے کہا ''کیوں نہیں!'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''تو کیا تم اس کا ادراک کر لیتے ہو؟'' سائل نے کہا ''نہیں۔'' پس ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''پھر اللہ تعالیٰ (اس سے بھی) زیادہ عظیم اور بزرگ ہے۔'')

108

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ... بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ اللہ نے مشرکین کے معبود کے سبّ (گالی دینا) کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ یہ ان کی طرف

سے اللہ کے سبّ کا ذریعہ بن جائے گا۔

وَهٰذَا كَالتَّنْبِيْهِ بَلْ كَالتَّصْرِيْحِ عَلَى الْمَنْعِ مِنَ الْجَارِ ؟ لِئَلَّا يَكُوْنَ سَبَباً فِيْ فِعْلِ مَا لَا يَجُوْزُ . (یہ حکم پڑوسی سے نقصان دہ تعلقات سے روکنے کے لیے تنبیہ ہے بلکہ صریح حکم ہے تاکہ پڑوسی کسی ایسے کام کو کرنے کا سبب نہ بنے جو جائز نہیں۔)

نکتہ: کسی گناہ کا سبب بھی گناہ ہے۔ جو جائز کام، ناجائز کام کا ذریعہ بنے، اس کا نہ کرنا واجب ہے۔ یعنی مباح اگر حرام کا سبب بن جائے تو حرام ہو جاتا ہے۔

﴿ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ﴾ فَيُرِي سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى الْعَبْدَ عَمَلَهُ السَّيِّءَ عُقُوْبَةً مِنْهُ لَهُ عَلَى اِعْرَاضِهِ عَنْ تَوْحِيْدِهِ وَعُبُوْدِيَّتِهِ . (اللہ تعالیٰ، بندے کو اس کا برا عمل دکھاتا ہے جو اللہ کی طرف سے بندے کے لیے ایک سزا ہوتی ہے، اس کے توحید اور بندگی سے منھ موڑنے پر۔)

وَاِيْثَارُ سَيِّئِ الْعَمَلِ عَلَى حَسَنِهِ ، فَاِذَا آثَرَ الْقَبِيْحَ وَاخْتَارَهُ وَاَحَبَّهُ وَرَضِيَهُ لِنَفْسِهِ ، زَيَّنَهُ سُبْحَانَهُ لَهُ وَاَعْمَاهُ عَنْ رُؤْيَةِ قُبْحِهِ بَعْدَ اَنْ رَاٰهُ قَبِيْحاً ، فَتَزْيِيْنُ الرَّبِّ تَعَالَى عَدْلٌ وَعُقُوْبَتُهُ حِكْمَةٌ . (برے عمل کو اچھے پر ترجیح دینا ہے۔ پس بندہ جب بری چیز کو ترجیح دیتا ہے، اسے اختیار کرتا ہے، اسے پسند کرتا ہے اور اپنی ذات کے لیے اس پر راضی ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے لیے مزین کر دیتا ہے اور اسے اس کی برائی دیکھنے سے اندھا کر دیتا ہے، حالانکہ وہ اسے پہلے برا دیکھ چکا ہوتا ہے۔ پس رب تعالیٰ کا مزین کرنا عدل ہے اور اس کی سزا حکمت ہے۔)

110 ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ ... ﴾

اَلتَّقْلِيْبُ : تَحْوِيْلُ الشَّيْءِ مِنْ وَجْهٍ اِلَى وَجْهٍ . (ایک رخ سے دوسرے رخ کی طرف پلٹ جانا تقلیب کہلاتا ہے۔)

جب آیت آ گئی اور انھوں نے اسے آنکھوں سے دیکھ لیا تو اگر ایمان نہ لائیں تو یہ ان کے قلوب و ابصار کی تقلیب ہوئی۔

عَنْ وَجْهِهَا الَّذِیْ یَنْبَغِیْ اَنْ تَکُوْنَ عَلَیْهِ ۔ (جس رخ پر ہونا چاہیے، اس رخ سے پلٹ جانا۔)

پارہ نمبر ۸

111 ﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ ...﴾

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : هُمْ اَهْلُ الشَّقَاوَةِ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ ، هُمْ اَهْلُ السَّعَادَةِ لِاَنَّهُمْ لَا يَنْظُرُوْنَ فِى الْآيَاتِ نَظَرَ هِدَايَةٍ وَمَوْعِظَةٍ.

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''وہ بدبخت لوگ ہیں، مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ وہ سعادت مند نہیں ہیں کیونکہ وہ آیات کو ہدایت اور نصیحت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔''

112 ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ ...﴾

وَقَالَ مَالِكُ بْنُ دِيْنَارٍ : اِنَّ شَيْطَانَ الْاِنْسِ اَشَدُّ عَلَىَّ مِنْ شَيْطَانِ الْجِنِّ ، وَذٰلِكَ اَنِّىْ اِذَا تَعَوَّذْتُ بِاللّٰهِ ذَهَبَ عَنِّىْ شَيْطَانُ الْجِنِّ ، وَشَيْطَانُ الْاِنْسِ يَجِيْئُنِىْ فَيَجُرُّنِىْ اِلَى الْمَعَاصِىْ عِيَاناً.

(تفسير القرطبى : ۷ / ٦٨) مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا ''انسانی شیطان مجھ پر جناتی شیطان سے زیادہ سخت ہے، وہ اس طرح کہ جب میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں تو جناتی شیطان مجھ سے دور ہو جاتا ہے، جبکہ انسانی شیطان میرے پاس آتا ہے اور مجھے علانیہ گناہوں کی طرف کھینچتا ہے۔''

﴿يُوْحِىْ﴾ وحی کا معنی ہے، اشارہ کرنا۔ اس کی نسبت شیطان کی طرف ہو تو اسے ''وسوسہ'' کہتے ہیں۔

﴿زُخْرُفَ الْقَوْلِ﴾ اَلَّذِىْ يَكُوْنُ بَاطِنُهٗ بَاطِلًا وَظَاهِرُهٗ مُزَيَّناً خَادِعاً . (جو ایسا ہو کہ اس کا باطن باطل ہو اور اس کا ظاہر دل فریب اور دھوکا دینے والا ہو۔) جیسے گوبر پر سونے کا ملمع۔

یہاں باطل کا اصول بیان کیا گیا ہے اور اس سے بچنے کی تنبیہ کی گئی ہے کہ جب آپ

مقالات اہل باطل کو دیکھیں گے تو الفاظ رائقہ (دل موہ لینے والے الفاظ) لائیں گے کہ جس کے پاس بصیرت نافذہ نہ ہو، اسے جلدی قبول کر لیتے ہیں۔

فجور کی بعض قسموں کو ایسے ناموں اور عبارتوں کے ساتھ لاتے ہیں کہ طبیعت اس کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ فَيُسَمُّوْنَ اُمَّ الْخَبَائِثِ اُمَّ الْاَفْرَاحِ ، يُرَغِّبُوْنَ النَّاسَ فِى الْفِسْقِ وَالْفُجُوْرِ بَعْدَ تَسْمِيَتِهَا بِاَسْمَاءٍ مُزَخْرَفَةٍ ، فَيَصْرِفُوْنَ قُلُوْبَ الْعِبَادِ عَنِ الْقُرْآنِ اِلَى الْغِنَاءِ ، وَتَسْمِيَةَ غِذَاءِ الرُّوْحِ اِلَّا مَتَاعَ النَّفْسِ . (پس وہ ام الخبائث (شراب) کو ام الافراح (تمام خوشیوں کا سرچشمہ) کا نام دیتے ہیں۔ وہ ان چیزوں کو مزین ناموں سے پکارنے کے بعد لوگوں کو فسق و فجور کی ترغیب دیتے ہیں۔ وہ بندوں کے دلوں کو قرآن سے ہٹا کر گانے بجانے کی طرف پھیر دیتے ہیں اور روح کی غذا کو صرف نفس کی لذت کا نام دیتے ہیں۔)

﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَماً وَّهُوَ الَّذِىْ ...﴾ 114

بعض اللہ کے غیر کو حکم بنا لیتے ہیں۔ وَيَتَحَاكَمُ اِلَيْهِ وَيَرْضٰى بِحُكْمِهِ . (اس کی طرف فیصلے کے لیے رجوع کرتے ہیں اور اس کے فیصلے پر راضی ہوتے ہیں۔)

یہ تین مقامات توحید کی اصل ہیں :

① اَنْ لَا يَتَّخِذَ سِوَاهُ وَلِيًّا . (یہ کہ وہ اس اللہ کے سوا کسی کو ولی نہ بنائے۔)
② اَنْ لَا يَتَّخِذَ سِوَاهُ رَبًّا . (یہ کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔)
③ اَنْ لَا يَتَّخِذَ سِوَاهُ حَكَماً . (یہ کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو فیصلہ کرنے والا نہ بنائے۔)

...... ﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا﴾ (الانعام : ٦ / ١٤) ”(اے نبی!) کہہ دیجیے، کیا میں اس اللہ کے سوا اور معبود بنا لوں؟“

...... ﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ رَبًّا﴾ (الانعام : ٦ / ١٦٤) ”کہہ دیجیے، کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟“

...... ﴿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا ﴾ (الانعام : ٦ / ١١٤) ”(کہہ دیجیے) کیا پھر میں اللہ کے سوا کوئی اور حکم (فیصلہ کرنے والا) تلاش کروں؟“

115 ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾

یہاں ﴿ كَلِمَتُ ﴾ سے مراد قرآن ہے۔

کذب ایک نقص ہے اور اللہ پر نقص محال ہے۔

اَلْقُرْآنُ كُلُّهُ خَبَرٌ وَاَمْرٌ ، فَمَا اَخْبَرَ بِهِ فَهُوَ صِدْقٌ وَمَا اَمَرَ بِهِ فَهُوَ عَدْلٌ . (قرآن سارا کا سارا خبر اور حکم ہے۔ پس جس چیز کی اللہ نے خبر دی تو وہ سچ ہے اور جس چیز کا اس نے حکم دیا تو وہ عدل ہے۔)

جو اپنی عقل سے اس کا معارضہ کرے، وہ مصدق نہیں۔ جو لفظ کا اقرار کرے مگر معنی کا انکار کرے یا تحریف کر کے دوسرا معنی بیان کرے جو مراد الٰہی کے خلاف ہو تو بھی وہ مصدق نہیں بلکہ یہ تکذیب سے قریب ہے۔

اَلصِّدْقُ يَكُوْنُ فِي الْاَخْبَارِ ، وَالْعَدْلُ يَكُوْنُ فِي الْاَحْكَامِ . (صدق کا تعلق اخبار سے ہے اور عدل کا تعلق احکام سے ہے۔)

﴿ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ﴾ لَا يَزِيْدُ فِيْهِ الْمُفْتَرُوْنَ وَلَا يَنْقُصُوْنَ . (افترا پرداز لوگ قرآن میں نہ کچھ بڑھا سکتے ہیں اور نہ کچھ گھٹا سکتے ہیں۔)

116 ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ ... ﴾

شخصیتوں کو حق کے ذریعے پہچانا جائے گا، حق کو شخصیتوں کے ذریعے نہیں۔

اِنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ الْاَرْضِ ضَلَالًا فِي الْاِعْتِقَادِ وَفِي الْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ . (زمین کے اکثر لوگ عقائد میں اور شرعی احکام میں گمراہ ہیں۔)

118 ﴿ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾

دونوں جانوروں کو مارنے والا اللہ ہے، البتہ جو جانور طبعی موت مرا ہے تو اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور جسے مسلمان نے اللہ کے نام پر ذبح کیا ہے تو اس کی جان اللہ کے نام پر

نکلی ہے۔

﴿عَنْ مَعْمَرٍ قَالَ : سُئِلَ الزُّهْرِيُّ عَنْ رَجُلٍ ذَبَحَ بِسَيْفِهِ فَقَطَعَ الرَّأْسَ ، قَالَ : بِئْسَ مَا فَعَلَ ، فَقَالَ الرَّجُلُ : فَيَأْكُلُهَا ؟ قَالَ : نَعَمْ﴾ (مصنف عبد الرزاق : حديث ٨٦٠٠) معمر رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ زہری رحمہ اللہ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی تلوار سے ذبح کیا اور سر کاٹ دیا۔ انھوں نے فرمایا ''اس نے بہت برا کیا۔'' اس شخص نے پوچھا ''تو کیا وہ ذبیحہ کھایا جا سکتا ہے؟'' انھوں نے فرمایا ''ہاں۔''

﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ...﴾ 120

......افعال الجوارح، جیسے زنا، چوری وغیرہ۔

......افعال القلوب، جیسے شرک، نفاق، حقد، حسد، کبر وغیرہ۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ﴾ سَيُجْزَوْنَ : حَرْفُ السِّيْنِ الْمَوْضُوْعُ لِلْجُزْءِ الْمُسْتَقْبَلِ ، مُسْتَعْمَلٌ هُنَا فِيْ تَحَقُّقِ الْوُقُوْعِ وَاسْتِمْرَارِهِ . (حرف سین جو مستقبل کے لیے وضع کیا گیا ہے، یہاں فعل میں واقع ہونے کے یقین اور اس کے تسلسل کے لیے استعمال ہوا ہے۔)

﴿بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ﴾ اِنَّ الْاِقْتِرَافَ اِذَا اُطْلِقَ فَالْمُرَادُ بِهِ اكْتِسَابُ الْاِثْمِ . (جب اقتراف کا لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے مراد گناہ کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے۔) اگر مقید ہو تو بھلائی کے لیے بھی آتا ہے۔ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً . (اور جو کوئی نیکی کمائے۔)

فِعْلُ قَرَفَ : نَجِدُ اَنَّهُ بِمَعْنَى اكْتَسَبَ الشَّيْءَ مَعَ نَزْعِهِ بِالْقُوَّةِ . (ہم دیکھتے ہیں کہ قرف کا معنی ہے، کسی چیز کو طاقت سے کھینچنا۔)

اِقْتَرَفَ الْمَالَ اَيْ تَحَصَّلَ عَلَيْهِ بِمَشَقَّةٍ . (اقترف المال کا مطلب ہے، اس نے مال بڑی مشقت سے حاصل کیا۔)

يَقْتَرِفُوْنَ : صَوْتٌ يُشْعِرُ بِاَمْرٍ كَرِيْهٍ اِلَى النَّفْسِ بِخِلَافِ غَيْرِهِ . (اقتراف کا معنی ہے : ایسی آواز جس سے نفس کو کراہت محسوس ہوتی ہے، برخلاف اس کے غیر کے۔)

121 ﴿وَاِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلَى اَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ﴾

یہاں چار امور ہیں :

① غُرُوْرُ مَنْ يُوْحُوْنَ اِلَيْهِ (اس شخص کو دھوکا دینا جس کے دل میں یہ شیطان جن وانس وسوسہ ڈالتے ہیں۔)

② اِصْغَاءُ اَفْئِدَتِهِمْ اِلَيْهِمْ (ان کے دلوں کا ان کی طرف مائل ہونا)

③ مَحَبَّتُهُمْ لِذٰلِكَ (ان کی اس سے محبت)

④ اِنْفِعَالُهُمْ عِنْدَهُ بِالْاِقْتِرَافِ (اس گناہ کی وجہ سے ان کا متاثر ہونا)

یعنی وہ جب دھوکا دیتے ہیں تو :

......لوگوں کے قلوب ان کی طرف کان لگاتے ہیں۔

......پھر اس چیز کو وہ پسند کرنے لگتے ہیں۔

......پھر اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

......پھر اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔

122 ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتاً فَاَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوْراً﴾

قلب صحیح کہ اگر قبائح پیش کیے جائیں تو ان سے نفور کرے، بخلاف قلب میت کہ وہ حسن وقبح کے درمیان فرق نہیں کرسکتا۔

كَمَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ : هَلَكَ مَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ قَلْبٌ يَعْرِفُ بِهِ الْمَعْرُوْفَ وَيُنْكِرُ بِهِ الْمُنْكَرَ .

(اغاثة اللهفان لابن القيم : ١ / ٢٠) جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے "وہ شخص ہلاک ہوگیا جس کے پاس ایسا دل نہ ہو جس سے وہ نیکی کو پہچانے اور برائی کا انکار

کرے۔"

انسان میں جو روح ہے، وہ ایک دوسری روح سے زندہ ہے اور وہ روح وحی ہے، اسلام ہے، قرآن ہے، اللہ کی معرفت ہے، توحید ہے، عبادت ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے ضعف نظر کے لیے نظارہ (عینک) ہے۔

بدن کے لیے روح ہے۔ روح نہ ہو تو بدن مر جائے۔ اسی طرح اس روح کے لیے روح، وحی ہے۔ اگر یہ روح نہ ہو تو وہ روح مر جائے۔ وہ روح مر گئی تو انسان مر گیا۔

﴿فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ ... لَا يُؤْمِنُوْنَ۝﴾ 125

﴿يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ اِذِ الشَّرْحُ التَّوْسِعَةُ وَالْبَسْطُ فِي الْاَجْسَامِ ، وَاِذَا كَانَ الْجِرْمُ مَشْرُوْحًا مُوَسَّعًا لَكَانَ مُعَدًّا لِيَحِلَّ فِيْهِ ، فَشَبَّهَ تَوْطِئَةَ الْقَلْبِ وَتَنْوِيْرَهٗ وَاِعْدَادَهٗ لِلْقَبُوْلِ بِالشَّرْحِ وَالتَّوْسِيْعِ ، وَشَبَّهَ قَبُوْلَهٗ وَتَحْصِيْلَهٗ لِلْاِيْمَانِ بِالْحُلُوْلِ فِي الْجِرْمِ الْمَشْرُوْحِ . (شرح، اجسام میں وسعت اور کشادگی کو کہتے ہیں۔ جب کوئی جسم وسیع اور کشادہ ہو تو وہ کسی چیز کے اس میں حلول کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ پس اللہ نے دل کو تیار کرنے، اسے روشن کرنے اور قبول کرنے کے لیے آمادہ کرنے کو شرح اور توسیع سے تشبیہ دی، جبکہ دل کے قبول کرنے اور ایمان کو حاصل کرنے کو ایک کشادہ جسم میں حلول کرنے سے تشبیہ دی۔)

﴿يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ وَرُوِيَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَرَاَهَا يَوْماً بِفَتْحِ الرَّاءِ ، فَقَرَاَهَا لَهٗ بَعْضُ الصَّحَابَةِ بِكَسْرِ الرَّاءِ ، فَقَالَ : ابْغُوْنِيْ رَجُلًا مِنْ كِنَانَةَ وَلْيَكُنْ رَاعِياً مِنْ بَنِيْ مُدْلِجٍ ، فَلَمَّا جَاءَهٗ قَالَ لَهٗ : يَا فَتٰى ! مَا الْحَرَجَةُ عِنْدَكُمْ ؟ قَالَ : الشَّجَرَةُ تَكُوْنُ بَيْنَ الْاَشْجَارِ لَا تَصِلُ اِلَيْهَا رَاعِيَةٌ وَلَا وَحْشِيَّةٌ ، قَالَ عُمَرُ : كَذٰلِكَ قَلْبُ الْمُنَافِقِ لَا يَصِلُ

اِلَیْهِ شَیْءٌ مِنَ الْخَیْرِ . (تفسير ابن عطية : ٢ / ٣٤٣) روایت ہے کہ ایک دن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس (ضَیِّقًا) کو راء پر زبر کے ساتھ پڑھا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے انھیں راء پر زیر کے ساتھ پڑھ کر سنایا۔ اس پر آپ نے فرمایا ''میرے پاس کنانہ قبیلے سے ایک ایسا شخص لاؤ جو بنی مدلج کا چرواہا ہو۔'' جب وہ شخص آیا تو آپ نے اس سے پوچھا ''اے نوجوان! تمہارے نزدیک حَرَجَة کسے کہتے ہیں؟'' اس نے کہا ''وہ درخت جو دوسرے درختوں کے درمیان ہو اور نہ تو چرواہا اس تک پہنچ سکے اور نہ کوئی جنگلی جانور۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''منافق کا دل بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس تک خیر کی کوئی چیز نہیں پہنچتی۔''

﴿ يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ﴾ إِنَّ الَّذِيْ يَصْعَدُ فِي الْجَوِّ يَتْعَبُ وَيَحْتَاجُ إِلَى مَجْهُوْدَيْنِ : الْأَوَّلُ لِلْعَمَلِ ، وَالثَّانِيْ لِمُنَاهَضَةِ الْجَاذِبِيَّةِ ، وَلِذٰلِكَ يَضِيْقُ صَدْرُهُ لِأَنَّهُ لَا يَجِدُ الْهَوَاءَ الْكَافِيَ لِإِمْدَادِهِ بِطَاقَةٍ تُوَلِّدُ وَقُوْداً . (جو شخص ہوا میں اوپر چڑھتا ہے، وہ تھک جاتا ہے اور اسے دو کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے : پہلی کام کے لیے اور دوسری کشش ثقل کا مقابلہ کرنے کے لیے۔ اسی وجہ سے اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے کیونکہ اسے ایندھن پیدا کرنے والی توانائی فراہم کرنے کے لیے کافی ہوا نہیں ملتی۔)

126 ﴿ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقاً حَرَجاً ﴾

قرآن سینوں سے ضیق اور حرج دور کر دیتا ہے۔

﴿ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ ﴾ قَالَ مُجَاهِدٌ : الرِّجْسُ : كُلُّ مَا لَا خَيْرَ فِيْهِ . (تفسير ابن كثير : ٣ / ٣٣٧) امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''رجس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس میں کوئی خیر و بھلائی نہ ہو۔''

127 ﴿ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾

''سلام'' کی طرف اضافت میں تین اقوال ہیں :

① اس کا مالک ''السلام'' ہے۔

② ان کا تحیۃ ''سلام'' ہوگا۔

③ جنت ہر آفت و نقص سے ''سالم'' ہوگی۔

128 ﴿وَقَالَ اَوْلِیَآؤُھُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا ... مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾

﴿النَّارُ مَثْوٰکُمْ﴾ فَهٰذَا خِطَابٌ لِلصِّنْفَيْنِ وَهُوَ صَرِيْحٌ فِيْ اشْتِرَاكِهِمْ فِي التَّكْلِيْفِ ، كَمَا هُوَ صَرِيْحٌ فِي اشْتِرَاكِهِمْ فِي الْعَذَابِ . (پس یہ (قرآن یا کلام) دونوں گروہوں (جن وانس) کے لیے خطاب ہے اور یہ اس بات میں صریح ہے کہ وہ دونوں تکالیف میں شریک ہیں جس طرح کہ وہ عذاب میں شریک ہیں۔)

﴿رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ﴾ ہر نوع نے دوسری نوع سے فائدہ اٹھایا۔جنوں نے فائدہ اٹھایا کہ انسانوں نے ان کے حکموں کی اطاعت کی۔کفر کا حکم دیا تو کفر کیا، شرک کا حکم دیا تو شرک،فسوق وعصیان کیا۔پس اگر انسانوں نے ان کی اطاعت کی تو انھوں نے انسانوں کو فائدہ پہنچایا۔

اِنْتَفَعَ كُلٌّ مِنَّا بِالْآخَرِ حَيْثُ دَلُّوْهُمْ عَلَى الشَّهَوَاتِ وَعَلَى اَسْبَابِ التَّوَصُّلِ اِلَيْهَا ، وَانْتَفَعَ الْجِنُّ بِالْاِنْسِ حَيْثُ اَطَاعُوْهُمْ وَسَاعَدُوْهُمْ عَلٰى مُرَادِهِمْ . (ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے فائدہ اٹھایا۔جہاں جنوں نے انسانوں کو شہوات اور ان تک پہنچنے کے طریقوں پر رہنمائی کی، وہیں جنوں نے انسانوں سے فائدہ اٹھایا کہ انسانوں نے ان کی اطاعت کی اور ان کے مقاصد میں ان کی مدد کی۔)

129 ﴿وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ ... كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○﴾

اَلظَّالِمُ سَوْطُ اللّٰهِ يَنْتَقِمُ بِهٖ ثُمَّ يَنْتَقِمُ مِنْهُ . (ظالم، اللہ کا کوڑا ہے۔ وہ اس کے ذریعے انتقام لیتا ہے، پھر اس سے انتقام لیا جاتا ہے۔)

141 ﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ ...﴾

لوگ ایک ہی جان سے پیدا کیے گئے ہیں، اس کے باوجود وہ اپنے رنگوں اور شکلوں میں مختلف ہیں۔ ایسا ہی حال پودوں کے ساتھ ہے جنھیں اللہ ایک ہی پانی سے نکالتا ہے، لیکن وہ رنگوں یا شکلوں میں مختلف ہوتے ہیں۔ نباتات میں بھی (کمی بیشی یا کیفیت میں) فرق ہوتا ہے۔

اَلْمَعْرُوْشَاتُ الْمُنْبَسِطَاتُ عَلَى الْاَرْضِ كَالْكُرُوْمِ وَالزُّرُوْعِ وَالْبِطِّيْخِ ، وَغَيْرُ الْمَعْرُوْشَاتِ مَا قَامَ عَلَى سَاقٍ كَالنَّخْلِ وَسَائِرِ الْاَشْجَارِ . (معروشات وہ پودے ہیں جو زمین میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، جیسے انگور کی بیلیں، کھیت کی فصلیں اور تربوز۔ غیر معروشات وہ پودے ہیں جو تنے پر کھڑے ہوتے ہیں، جیسے کھجور اور دوسرے تمام درخت۔)

145 ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ ...﴾

اس زمانے کے مشرکین کے لحاظ سے بات ہو رہی ہے کہ وہ چار چیزوں (مردار، بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت، غیر اللہ کا ذبیحہ) کو حلال سمجھتے تھے۔

﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ اَلدَّمُ مِنْ دُوْنِ اَنْ يُسْفَحَ طَاهِرٌ ، لِمَاذَا هُوَ طَاهِرٌ؟ لِاَنَّهُ يُصَفَّى ثَلَاثَ مَرَّاتٍ : مَرَّةً عَنْ طَرِيْقِ الرِّئَتَيْنِ ، وَيُصَفَّى عَنْ طَرِيْقِ الْكُلْيَتَيْنِ ، وَيُصَفَّى عَنْ طَرِيْقِ الْغُدَدِ الْعَرَقِيَّةِ فِى الْجِسْمِ ، حِيْنَ سَفَحَ فَيُصْبِحُ نَجِساً . (خون جو مسفوح (بہا ہوا) نہ ہو، وہ پاک ہے۔ وہ کیوں پاک ہے؟ کیونکہ وہ تین بار صاف کیا جاتا ہے۔ ایک بار پھیپھڑوں کے ذریعے، دوسری بار گردوں کے ذریعے اور تیسری بار جسم میں پسینے کے غدود کے ذریعے صاف ہوتا ہے۔ اور جب یہ بہایا جاتا ہے تو ناپاک ہو جاتا ہے۔)

﴿فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ لحم خنزیر، صحت کے اعتبار سے بے شمار بیماریوں کا باعث ہے۔ یہ معنوی گندگی ہے۔ خنزیر بے غیرتی میں بدترین جانور ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے کھانے

والوں پر اس کے معنوی گندے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

﴿ اَوْ فِسْقًا ﴾ اللہ کی اطاعت سے نکل جانا ہے کیونکہ اس کا حکم ہے کہ جانور اس کے نام پر ذبح کیا جائے۔

﴿ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ ﴾ میں ضمیر تینوں طرف لوٹ سکتی ہے، مگر راجح ﴿ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ ﴾ ہے۔ اس کی تین وجہیں ہیں :

① اس کا مرجع، قریب ہے۔

② مذکر ہے، جبکہ ﴿ مَيْتَةً ﴾ اور ﴿ دَمًا ﴾ مونث ہیں۔

③ فاء اور اَنْ لایا گیا جو علت تحریم پر دلیل ہے کیونکہ بعض طائع (فرماں بردار) اس سے استلذاذ (لذت حاصل کرنا) اور استطابۃ (طیب سمجھنا) کرتے ہیں تو اس سے نفی کی کہ یہ رجس ہے۔ ﴿ مَيْتَةً ﴾ اور ﴿ دَمًا ﴾ میں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ یہ دونوں رجس ہیں۔

﴿ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ اہلال کا مطلب ہے، آواز بلند کرنا۔ یعنی کسی جانور پر غیر اللہ کا نام مشہور کر دیا جائے۔ جیسے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صحنک، امام حسین رضی اللہ عنہ کی سبیل، اجالے شاہ کا مرغا، بڑے پیر کا بکرا، سید احمد کبیر کی گائے، ان پر بسم اللہ بھی پڑھی جائے تو بھی حرام ہے۔

(سوال) ہمارا مارا (ذبیحہ) حلال اور اللہ کا مارا (مردار) حرام کیسے ہوا؟

(جواب) یہ وسوسہ ہے۔ اس اعتراض کی بنیاد ہی غلط ہے کیونکہ جس جانور کو کوئی شخص مارے اور جو جانور خود مرے، دونوں کو بہر حال موت دینے والا اللہ ہی ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں فرق کرنا ہی باطل ہے کہ ایک کو ہم نے مارا اور دوسرے کو اللہ نے۔

(سوال) اب سوال یہ رہا کہ ایک حلال اور دوسرا حرام کیوں؟

(جواب) کیونکہ جانوروں کا خالق وہی ہے۔ وہ حکم دیتا ہے کہ میرے نام سے ذبح کرو۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو حرام ہے۔

148 ﴿سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ... اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا﴾

كُنْتُ اَضْرِبُ مَثَلًا مَشْهُوْراً ، فَاَقُوْلُ : اِنَّ الْقَمْحَ مَادَّةٌ خَطِيْرَةٌ ، مَا مَعْنَى خَطِيْرَةٍ ؟ هَلْ تَعْنِيْ اَنَّهُ قُنْبُلَةٌ ؟ لَا ، بَلْ اِنَّهُ مَادَّةٌ اَسَاسِيَّةٌ ، وَلٰكِنَّ كَلِمَةَ خَطِيْرَةٍ تَحْتَمِلُ اَنَّهُ مُؤْذٍ اَوْ نَافِعٌ ، هٰذِهِ كَلِمَةٌ مُتَشَابِهَةٌ تُشْبِهُ الْخَيْرَ اَوِ الشَّرَّ ، فَاِذَا قُلْتَ بَعْدَ قَلِيْلٍ : اَلْقَمْحُ مَادَّةٌ اَسَاسِيَّةٌ فِيْ حَيَاةِ الْاِنْسَانِ ، نُفَسِّرُ الْاُوْلَى فِيْ ضَوْءِ الثَّانِيَةِ . (میں ایک مشہور مثال دے رہا تھا۔ میں نے کہا ''بے شک گندم ایک خطرناک چیز ہے۔'' خطرناک کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک بم ہے؟ نہیں! بلکہ یہ ایک بنیادی مادہ ہے، لیکن خطرناک کا لفظ اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ نقصان دہ ہے یا فائدہ مند؟ یہ ایک متشابہ لفظ ہے جو خیر یا شر سے مشابہت رکھتا ہے۔ پس اگر آپ تھوڑی دیر بعد کہیں کہ گندم انسانی زندگی میں ایک بنیادی مادہ ہے، تو ہم پہلے جملے کی تشریح دوسرے جملے کی روشنی میں کریں گے۔)

149 ﴿قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾

حجت، دلیل اور برہان میں فرق :

- اَلْبُرْهَانُ : هُوَ الشُّعَاعُ الَّذِيْ اَمَامَ قُرْصِ الشَّمْسِ . (برہان اس شعاع کو کہتے ہیں جو سورج کی ٹکیہ کے سامنے ہو۔)

اَوْ هُوَ الدَّلِيْلُ الَّذِيْ لَا شَكَّ فِيْهِ ، وَهُوَ اَخَصُّ مِنَ الدَّلِيْلِ وَالْحُجَّةِ . (برہان وہ دلیل ہے جس میں کوئی شک نہ ہو۔ یہ دلیل اور حجت سے زیادہ خاص ہے۔)

- اَلْحُجَّةُ : هُوَ الدَّلِيْلُ الَّذِيْ يُسْتَخْدَمُ لِمُوَاجَهَةِ الْخَصْمِ ، وَهِيَ اَخَصُّ مِنَ الدَّلِيْلِ . (حجت وہ دلیل ہے جو فریق مخالف کا سامنا کرنے کے لیے استعمال کی جائے۔ یہ عام دلیل سے زیادہ خاص ہوتی ہے۔)

جیسے ﴿ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ﴾ ”کہہ دیجیے، پھر مضبوط دلیل تو اللہ ہی کی ہے۔“

- اَلدَّلِيْلُ : هُوَ الْهَادِي الَّذِيْ يُهْتَدَى بِهِ ، وَهُوَ اَعَمُّ الْاَلْفَاظِ .

(دلیل وہ رہنمائی کرنے والا ہے جس کے ذریعے ہدایت حاصل کی جائے۔ یہ الفاظ میں سب سے زیادہ عام ہے۔)

جیسے ﴿ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴾ (الفرقان : ۲۵ / ۴۵) ”پھر ہم نے سورج کو اس (سائے) پر رہنما بنایا۔“

152 ﴿ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ ﴾

وصّی اور اوصی میں فرق : وَصَّى امور معنویہ (جیسے امور دینیہ) میں اور اَوْصَى امور مادیہ (جیسے وصیت وغیرہ) میں استعمال کیا جاتا ہے۔

جیسے ﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ﴾ (النساء : ۴ / ۱۱) ”اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے۔“

﴿ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ﴾ (البقرۃ : ۲ / ۱۳۲) ”ابراہیم علیہ السلام نے اور یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو اسی (کلمۂ حق) کی وصیت کی۔“ چونکہ وصیت کا حکم اہم اور شدید تھا، لہٰذا وصّی استعمال کیا گیا۔

ملحوظہ : اَوْصَى پورے قرآن حکیم میں امور دینیہ میں استعمال نہیں کیا گیا ہے، سوائے ایک جگہ کے اور وہ ﴿ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ ﴾ (مریم : ۱۹ / ۳۱) ہے۔ اس جملے کو عیسیٰ علیہ السلام نے جب کہا تو اس وقت وہ گہوارے میں تھے اور امور دینیہ کے بالکل مکلف نہیں تھے۔

153 ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْماً فَاتَّبِعُوْهُ ﴾

بَيْنَ نُقْطَتَيْنِ لَا يَمُرُّ اِلَّا مُسْتَقِيْمٌ وَاحِدٌ ، وَلَوْ رَسَمْتَ اَلْفَ مُسْتَقِيْمٍ بَيْنَ هَاتَيْنِ النُّقْطَتَيْنِ تَاْتِيْ كُلُّ الْمُسْتَقِيْمَاتِ عَلَى

بَعْضِهَا بَعْضاً . (دو نقطوں کے درمیان صرف ایک سیدھی لکیر ہی گزرتی ہے۔ اگر آپ ان دو نقطوں کے درمیان ہزاروں سیدھی لکیریں بھی کھینچیں تو تمام سیدھی لکیریں ایک دوسرے پر منطبق ہو جائیں گی۔)

اَلْحَقُّ لَا يَتَعَدَّدُ . (حق متعدد نہیں ہوتا۔) یعنی حق صرف ایک ہوتا ہے۔

163 ﴿وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾

اِنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِسْلَاماً . (بے شک آپ ﷺ اس امت میں سب سے پہلے اسلام لانے والے تھے۔)

قَالَ الزَّمَخْشَرِيُّ : لِاَنَّ اِسْلَامَ كُلِّ نَبِيٍّ مُتَقَدِّمٌ لِاِسْلَامِ اُمَّتِهِ . (تفسير الزمخشري : ٢ / ٨٤) علامہ زمخشری نے کہا "کیونکہ ہر نبی کا اسلام اپنی امت کے اسلام سے پہلے ہوتا ہے۔"

165 ﴿اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ﴾

عذاب اور عقاب کے درمیان فرق :

یہ دونوں (عذاب اور عقاب) الفاظ عبرت ناک سزا اور بدلے کے معنی میں شریک ہیں اور اس میں مختلف ہیں کہ :

اَلْعِقَابُ : لَا يَقَعُ اِلَّا عَلَى مَنِ اسْتَحَقَّهُ . (عقاب صرف اس پر واقع ہوتا ہے جو اس کا مستحق ہو۔)

اَلْعَذَابُ : يَقَعُ عَلَى مَنِ اسْتَحَقَّهُ وَمَنْ لَمْ يَسْتَحِقَّهُ . (عذاب اس پر بھی واقع ہوتا ہے جو اس کا مستحق ہو اور اس پر بھی جو اس کا مستحق نہ ہو۔)

سورۂ اعراف

① اس سورت میں پانچ انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان کیے گئے ہیں۔

② فَسَادُ قَوْمِ صَالِحٍ : اَلتَّرَفُ الزَّائِدُ ، فَسَادُ قَوْمِ لُوْطٍ : فَسَادُهُمُ الْاَخْلَاقِيُّ وَشُذُوْذُهُمُ الْجِنْسِيُّ ، فَسَادُ قَوْمِ شُعَيْبٍ :

الْفَسَادُ الْاِقْتِصَادِیُّ ، فَسَادُ قَوْمِ نُوْحٍ : فَسَادٌ عَقَدِیٌّ ، فَسَادُ قَوْمِ فِرْعَوْنَ : فَسَادٌ حُکُوْمِیٌّ (مَلِکِیٌّ) . (قوم صالح کا فساد ضرورت سے زیادہ عیش وعشرت تھا۔قوم لوط کا فساد ان کا اخلاقی بگاڑ اور جنسی بے راہ روی تھی۔قوم شعیب کا فساد معاشی فساد تھا۔قوم نوح کا فساد عقائد کا فساد (شرک) تھا۔قوم فرعون کا فساد حکومتی فساد تھا۔) یہ فساد ان امتوں کی ہلاکت کا سبب بنا۔

③ لَمْ یَرِدْ ذِکْرُ اَصْحَابِ الْاَعْرَافِ فِی الْقُرْآنِ اِلَّا فِیْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ . (اصحاب الاعراف کا ذکر قرآن میں صرف اسی سورت میں آیا ہے۔)

④ پوری انسانی تاریخ میں انسانوں کی تین قسمیں ہیں :

① اَطَاعَتْ . (اس نے اطاعت کی۔)

② عَصَتْ . (اس نے نافرمانی کی۔)

③ سَکَتَتْ ، بِدَافِعِ الْخَجَلِ اَوِ اللَّامُبَالَاةِ . (وہ شرم یا بے پروائی کے باعث خاموش رہی۔)

یہ سکوت ایک سلبی صفت ہے جس سے فرد، مجتمع اور امت دو چار ہوتی ہے۔اس سورۂ کریمہ میں واقعۂ سبت، نیز قصۂ فرعون و موسیٰ علیہ السلام میں آیا ہے کہ ہمیں اس زندگی میں ایمان لانے والے جادوگروں کی طرح اپنے موقف کا تعین کرنا ہے اور اصحاب سبت کی طرح خاموش بھی نہیں رہنا ہے تاکہ ہم اصحاب الاعراف نہ بنیں۔

⑤ وَانْظُرُوْا کَیْفَ حَسَمَ السَّحَرَةُ مَوْقِفَهُمْ بَعْدَمَا رَاَوُا الْحَقَّ . (دیکھو، کس طرح جادوگروں نے حق دیکھنے کے بعد اپنا موقف طے کرلیا۔)

⑥ سلبی گروہ کا انجام کیا ہوا؟ بعض کہتے ہیں کہ ان کا انجام عصت کے ساتھ ہوا۔بعض کہتے ہیں کہ سَیُحْسَمُ وَضْعُهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِذَا لَمْ یَرِدْ ذِکْرُهُمْ فِی السُّوْرَةِ . (ان کا معاملہ قیامت کے دن طے کیا جائے گا، اسی لیے ان کا ذکر اس سورت میں نہیں آیا ہے۔)

نداءات سورۂ اعراف :

① نِدَاءُ اَصْحَابِ الْجَنَّةِ لِاَصْحَابِ النَّارِ . (جنتی ، دوزخیوں کو پکاریں گے۔)

② نِدَاءُ اَصْحَابِ الْاَعْرَافِ لِاَصْحَابِ الْجَنَّةِ . (اصحاب الاعراف ، جنتیوں کو پکاریں گے۔

③ نِدَاءُ اَصْحَابِ الْاَعْرَافِ لِاَصْحَابِ النَّارِ . (اصحاب الاعراف ، دوزخیوں کو پکاریں گے۔)

④ نِدَاءُ اَصْحَابِ النَّارِ لِاَصْحَابِ الْجَنَّةِ . (جہنمی ، جنتیوں کو پکاریں گے۔)

3 ﴿اتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ...﴾

جس نے وحی کی اتباع نہ کی ، اس نے باطل کی اتباع کی۔ جس نے باطل کی اتباع کی ، اس نے اللہ کے سوا اولیاء بنالیے۔

اللہ کے دوستوں سے دوستی کرنا ایک الگ چیز ہے اور اللہ کے سوا کسی کو ولی بنانا بالکل مختلف چیز ہے۔ جو شخص ان دونوں کے درمیان فرق کو نہیں سمجھتا ، اسے چاہیے کہ وہ توحید کو اس کی بنیاد سے سیکھے کیونکہ یہ مسئلہ توحید کی جڑ اور بنیاد ہے۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ ”اور تم اس کے سوا (اور) دوستوں کی پیروی نہ کرو۔“

4 ﴿وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ ... هُمْ قَآئِلُوْنَ ○﴾

﴿بَيَاتًا﴾ اَیْ لَيْلاً . (یعنی رات میں۔)

﴿اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ﴾ قَائِلُوْنَ : مِنَ الْقَيْلُوْلَةِ ، وَهِیَ الْاِسْتِرَاحَةُ وَسْطَ النَّهَارِ وَكِلَا الْوَقْتَيْنِ وَقْتُ غَفْلَةٍ وَلَهْوٍ . (قائلون ، قیلولہ سے ہے اور وہ دن کے درمیان میں آرام کرنا ہے۔ یہ دونوں اوقات غفلت اور لہو ولعب کے ہیں۔)

6 ﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ○﴾

رسولوں اور امتیوں دونوں سے سوال ہوگا، لیکن یہ نہیں کہا کہ رسولوں سے کیا پوچھا جائے گا اور امتیوں سے کیا پوچھا جائے گا۔

امتیوں سے یہ سوال پوچھا جائے گا: ﴿مَا ذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (القصص : ۲۸ / ٦٥) ''تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟'' رسولوں کے بارے میں ہے: ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَا ذَآ اُجِبْتُمْ﴾ (المائدة : ٥ / ١٠٩) ''اس دن (کو یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کرے گا، پھر (ان سے) کہے گا کہ تمھیں کیا جواب دیا گیا تھا؟''

5 ﴿فَمَا كَانَ دَعْوٰهُمْ ...﴾

مومنین کو بتایا گیا کہ ظالمین ومفسدین کی ہلاکت اللہ کی سنت ہے، لہٰذا اس سے مومن کو اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے اور آخرش کامیابی مومنین ہی کے لیے ہے۔

8 ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ...﴾

کیا تولا جائے گا؟ صحائف العمل۔

اَلْعَمَلُ يُوْزَنُ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاُ الْمِيْزَانَ . (انسان کے عمل کو تولا جائے گا۔ ''الحمدللہ'' میزان کو بھر دیتا ہے۔)

فَتُوْضَعُ الْبِطَاقَةُ هِيَ كِفَّةٌ ، وَالْحِسِّيَّاتُ فِيْ كِفَّةٍ . (پس عمل کی پرچی کو ایک پلڑے میں رکھی جائے گی اور حسیات (محسوس کی جانے والی چیزیں) کو دوسرے پلڑے میں۔)

آدمی تولا جائے گا۔

﴿عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِنَّهُ لَيَاْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيْمُ السَّمِيْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، لَا يَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ﴾ (صحيح مسلم : كتاب صفة القيامة والجنة والنار ،

حدیث ۲۷۸۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ''(قیامت کے دن) ایک بہت بڑا (اور) موٹا آدمی آئے گا، (لیکن) اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ (وزن میں) مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا۔''

﴿ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴾ (الكهف : ١٨ / ١٠٥) ''لہٰذا روز قیامت ہم ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔''

قَالَ حُذَيْفَةُ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَغَيْرُهُمَا مِنَ الصَّحَابَةِ : يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةَ اَصْنَافٍ : فَمَنْ رَجَحَتْ حَسَنَاتُهُ عَلَى سَيِّئَاتِهِ بِوَاحِدَةٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ ، وَمَنْ رَجَحَتْ سَيِّئَاتُهُ عَلَى حَسَنَاتِهِ بِوَاحِدَةٍ دَخَلَ النَّارَ ، وَمَنِ اسْتَوَتْ حَسَنَاتُهُ وَسَيِّئَاتُهُ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْاَعْرَافِ . (طريق الهجرتين لابن القيم : ص ٣٨٠-٣٨١)

حذیفہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فرمان ہے ''قیامت کے دن لوگ تین گروہوں میں جمع کیے جائیں گے۔ پس جس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر ایک بھی زیادہ ہو گئیں تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، جس کی برائیاں اس کی نیکیوں پر ایک بھی زیادہ ہو گئیں تو وہ دوزخ میں داخل ہو جائے گا اور جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہو گئیں تو وہ اصحاب الاعراف میں سے ہوگا۔''

11 ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ... يَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِيْنَ ۝ ﴾

﴿ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ﴾ لَمْ يَقُلْ فِي الْاَعْرَافِ هَيْئَةٌ حَسَنَةٌ اَمْ عَلَى هَيْئَةٍ غَيْرِ حَسَنَةٍ لِآدَمَ . (سورۂ اعراف میں یہ نہیں کہا گیا کہ آدم کی شکل وصورت اچھی تھی یا اچھی نہیں تھی۔)

جبکہ سورۂ تین میں فرمایا گیا: ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ﴾ (التين : ٩٥ / ٣) ''ہم نے انسان کو بہترین شکل صورت میں پیدا کیا ہے۔''

﴿ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ﴾ اکابر کو کسی کی تعظیم کا حکم دیا جائے تو اس

سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اصاغر کو بطریق اولیٰ اس کا حکم ہے۔ شیطان جن میں سے تھا۔
﴿ كَانَ مِنَ الْجِنِّ ﴾ (الکھف : ۱۸ / ۵۰) ”وہ جنوں میں سے تھا۔“

ساجدین میں سے نہ ہونا اخص (زیادہ خاص) ہے، سجدہ نہ کرنے سے۔ لِاَنَّ نَفْيَ الْكَوْنِ يَقْتَضِيْ نَفْيَ الْاَهْلِيَّةِ وَالْاِسْتِعْدَادِ فَهُوَ اَبْلَغُ فِي الذَّمِّ مِنْ اَنْ يُّقَالَ : لَمْ يَسْجُدْ . (کیونکہ وجود کی نفی، اہلیت اور استعداد کی نفی کا تقاضا کرتی ہے، لہٰذا یہ مذمت میں اس بات سے زیادہ بلیغ ہے کہ کہا جائے ”اس نے سجدہ نہیں کیا۔“)

رب نے کہا: ﴿ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ﴾ ”آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔“ یہ امر ہے جو ﴿ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ﴾ سے ظاہر ہے۔

نکتہ : شیطان نے ایک معصیت میں تین معاصی داخل کر دیے :

① مُخَالَفَةُ الْاَمْرِ (اللہ کے حکم کی مخالفت)

② مُفَارَقَةُ الْجَمَاعَةِ (جماعت سے علاحدگی)

③ اَلْاِسْتِكْبَارُ مَعَ تَحْقِيْرِ آدَمَ (آدم علیہ السلام کو حقیر جانتے ہوئے اپنے آپ کو آدم علیہ السلام سے برتر سمجھنا) اسی کا نام تکبر ہے۔

﴿ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴾ 12

قیاس : آگ گرم اور خشک ہے، جبکہ مٹی سرد و خشک ہے۔ حرارت، برودت سے افضل ہے کیونکہ گرمی جوانی کے مشابہ اور برودت بڑھاپے اور موت کے مشابہ ہے۔ نیز آگ موثر ہے اور مٹی متاثر ہے اور فعل، انفعال سے بہتر ہے۔ آگ کا خاصہ علو ہے اور مٹی کا خاصہ پستی ہے اور بلندی، پستی سے بہتر ہے۔ علاوہ ازیں مٹی اگاتی ہے اور آگ جلاتی ہے۔ ان وجوہ سے آگ، مٹی سے افضل ہے اور ابلیس، آدم علیہ السلام سے افضل ہے۔

﴿ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ﴾ یہ صغریٰ ہے۔ ”میں اس (آدم علیہ السلام) سے فاضل ہوں۔“ کبریٰ محذوف ہے۔ اِنَّ الْفَاضِلَ لَا يَخْضَعُ لِلْمَفْضُوْلِ . (افضل، کم تر کے

تابع نہیں ہوتا۔) نتیجہ، میں مفضول (آدم علیہ السلام) کے سامنے نہ جھکوں گا۔اس نے صغریٰ کو ﴿ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴾ سے ثابت کیا۔اس طرح وہ ان تمام لوگوں کا امام بن گیا جنھوں نے دلیل عقلی کو سمعیات پر مقدم کیا، پھر بھی اس لعین امام کے کتنے ہی پیروکار ہیں اس دنیا میں!

یہاں صغریٰ تسلیم نہیں۔یعنی نقض اجمالی ہے۔

قاعدہ : اِنَّ الْقِیَاسَ فِیْ مَوْرِدِ النَّصِّ فَاسِدٌ. (نص کی موجودگی میں قیاس، فاسد ہے۔)

تَعْلِیْلٌ عَلَّلَ بِهٖ اِبْلِیْسُ امْتِنَاعَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ ، وَهُوَ یَقْتَضِیْ الْاِعْتِرَاضَ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی فِیْ اَمْرِهٖ بِسُجُوْدِ الْفَاضِلِ لِلْمَفْضُوْلِ عَلٰی زَعْمِهٖ ، وَبِهٰذَا الْاِعْتِرَاضِ كَفَرَ اِبْلِیْسُ ، اِذْ لَیْسَ كُفْرُهٗ كُفْرَ جُحُوْدٍ . (تفسیر ابن جزی : ۱ / ۲۹۷) ”یہ وہ توجیہ تھی جس کے ذریعے ابلیس نے سجدہ کرنے سے اپنے انکار کی دلیل دی اور یہ توجیہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر اعتراض کا تقاضا کرتی تھی کہ افضل، مفضول کو سجدہ کرے۔اسی اعتراض کی وجہ سے ابلیس نے کفر کیا کیونکہ اس کا کفر، کفر جحود نہیں تھا۔“

13 ﴿ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا ... مِنَ الصّٰغِرِیْنَ ○ ﴾

وَدَلَّ هٰذَا اَنَّ مَنْ عَصٰی مَوْلَاهُ ، فَهُوَ ذَلِیْلٌ . (القرطبی : ۷ / ۱۷۳) ”اس بات نے یہ ثابت کیا کہ جو اپنے آقا کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔“

14 ﴿ قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ ﴾

یَا لَلْغَرَابَةِ ! طَلَبَ مِنَ اللّٰهِ اَنْ یُّبْقِیَهٗ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ لِیُضِلَّ بَنِیْ آدَمَ مُسْتَمِرًّا فِی الْكِبْرِ . (واہ، کتنی عجیب بات ہے! ابلیس نے اللہ سے دعا کی کہ اسے قیامت کے دن تک باقی رکھے تاکہ وہ بنی آدم کو گمراہ کرتا رہے اور وہ خود تکبر میں سرشار رہے۔)

16 ﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ○﴾

﴿لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ﴾ اَلْقَاعِدُ عَلَى الشَّيْءِ مُلَازِمٌ لَهُ ، اَيْ لَازَمَهُ .

(تفسیر آیات من القرآن الکریم : ص ۸۷) ''کسی چیز پر بیٹھنے والا اس کے ساتھ لازم ہوتا ہے، یعنی اس کے ساتھ چمٹا ہوا رہتا ہے۔''

شیطان، جبریہ تھا۔ اس نے اضلال کی نسبت اللہ کی طرف کی۔ ﴿اَغْوَيْتَنِيْ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جبر کا عقیدہ رکھتا تھا۔ یعنی ہر کام اللہ کرتا ہے اور مخلوق مجبور محض ہے۔

﴿لَاُغْوِيَنَّهُمْ﴾ (ص: ۳۸ / ۸۲) میں اپنی طرف نسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدر کا عقیدہ رکھتا تھا۔ یعنی انسان اپنے فعل کا خالق ہے۔ ان کے افعال میں اللہ کا کوئی دخل نہیں۔ (معلوم ہوا کہ ابلیس پہلا ہے جس نے اپنے گناہ پر تقدیر کو دلیل بنایا۔)

سو ابلیس جبر و قدر میں متردد تھا اور اس وادی میں حیران و سرگشتہ تھا۔

نکتہ : اِنَّ اِبْلِيْسَ كَانَ عَالِماً بِالدِّيْنِ الْحَقِّ وَالْمَنْهَجِ الصَّحِيْحِ ؛ لِاَنَّهُ قَالَ : لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ . (ابلیس دین حق اور صحیح منہج کو جاننے والا تھا کیونکہ اس نے کہا ''میں تو ان (لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے) تیرے صراط مستقیم پر ضرور بیٹھوں گا۔'')

17 ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ ...﴾

﴿مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ﴾ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا : اُشَكِّكُهُمْ فِيْ آخِرَتِهِمْ ، وَكَذٰلِكَ قَالَ الْحَسَنُ : مِنْ قِبَلِ الْآخِرَةِ ، تَكْذِيْباً بِالْبَعْثِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ . (تفسیر القیم : ۵ / ۳۲۸)

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''میں انھیں ان کی آخرت کے متعلق شک میں ڈالوں گا۔'' اسی طرح حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ''آخرت سے پہلے۔ یعنی قیامت، جنت اور جہنم کی تکذیب کرتے ہوئے۔''

﴿ وَمِنْ خَلْفِهِمْ ﴾ قَالَ ابْنُ عَبَّاس رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا : أُرَغِّبُهُمْ فِيْ دُنْيَاهُمْ . (تفسير الطبری : ١٠ / ٩٦) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ”میں انھیں ان کی دنیا میں رغبت دلاؤں گا۔“

﴿ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ ﴾ قَالَ قَتَادَة : مِنْ قِبَلِ حَسَنَاتِهِمْ ، بَطَّاَهُمْ عَنْهَا . (تفسير البغوی : ٢ / ١٨٣) قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ”نیکیوں کی طرف سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ (نیکیوں کے بارے میں) انھیں سست بنا دے گا۔“

﴿ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ﴾ عَنْ قَتَادَةَ ، عَنِ الْحَسَنِ : مِنْ قِبَلِ السَّيِّئَاتِ ، يَأْمُرُهُمْ بِهَا وَيَحُثُّهُمْ عَلَيْهَا وَيُزَيِّنُهَا فِيْ اَعْيُنِهِمْ . (تفسير ابن ابی حاتم : ٥ / ١٤٤٦) قتادہ رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں ”برائیوں کی طرف سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان انھیں ان برائیوں کا حکم دے گا، ان پر ابھارے گا، ان کی نظروں میں برائیوں کو خوب صورت بنا کر پیش کرے گا۔“

یہاں تَحْتَهُمْ نہیں کہا کیونکہ نیچے کی سمت فتنے کی جگہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا: ﴿ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ﴾ (النور : ٢٤ / ٣٠) ”وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔“

قَالَ ابْنُ عَبَّاس : وَلَمْ يَقُلْ : (مِنْ فَوْقِهِمْ) ، لِاَنَّ الرَّحْمَةَ تَنْزِلُ مِنْ فَوْقِهِمْ . (تفسير الطبری : ١٠ / ١٠١) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”ان کے اوپر سے نہیں کہا کیونکہ رحمت ان کے اوپر سے نازل ہوتی ہے۔“

قَالَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ : وَلَمْ يَقُلْ (اِبْلِيْسُ) : مِنْ فَوْقِهِمْ ، لِاَنَّهُ عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ مِنْ فَوْقِهِمْ . (بيان تلبيس الجهمية : ٣ / ٦١٢) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”ابلیس نے یہ نہیں کہا کہ میں ان کے اوپر سے (آؤں گا)، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر ہے۔“

وضاحت :

① انسان دعا کے وقت اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھاتا ہے اور اوپر سے اللہ کی نظر رحمت ہوتی

ہے۔یعنی اوپر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔

② يَضَعُ جَبْهَتَهُ عَلَى الْأَرْضِ سَاجِداً لِلّٰهِ . (آدمی اپنی پیشانی کو زمین پر اللہ کو سجدہ کرنے کے لیے رکھتا ہے۔) نیچے سجدہ کر کے وہ اللہ سے قریب ہو جاتا ہے۔

③ عن، مجاوزہ اور ابتعاد کے لیے ہے۔ مِنْ اَيْمَانِهِمْ وَمِنْ شَمَائِلِهِمْ نہیں کہا کیونکہ دائیں بائیں دو فرشتے ہیں اور شیطان ڈرتا ہے کہ ڈائریکٹ وہ انسان کے پاس آئے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَوْلُهُ :

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ ، يَقُوْلُ : اُشَكِّكُهُمْ فِيْ آخِرَتِهِمْ ،

وَمِنْ خَلْفِهِمْ : اُرَغِّبُهُمْ فِيْ دُنْيَاهُمْ ،

وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ : اُشَبِّهُ عَلَيْهِمْ اَمْرَ دِيْنِهِمْ ،

وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ : اُشَهِّي لَهُمُ الْمَعَاصِيَ .

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”پھر میں ضرور ان کے پاس ان کے سامنے سے آؤں گا۔شیطان کہتا ہے، میں انھیں ان کی آخرت کے بارے میں شک میں ڈالوں گا۔اور ان کے پیچھے سے آؤں گا۔(وہ کہتا ہے) میں انھیں ان کی دنیا میں رغبت دلاؤں گا۔اور ان کے دائیں جانب سے آؤں گا۔(وہ کہتا ہے) میں ان پر ان کے دین کے معاملے کو مشتبہ کر دوں گا۔اور ان کی بائیں جانب سے آؤں گا۔(وہ کہتا ہے) میں ان کے لیے گناہوں کو مرغوب بناؤں گا۔“ (تفسير الطبرى : ١٠ / ٩٦)

﴿وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ 21

وَاِبْلِيْسُ اَوَّلُ مَنْ حَلَفَ بِاللّٰهِ كَاذِباً فَلَمَّا حَلَفَ ظَنَّ آدَمُ اَنَّ اَحَداً لَا يحلف بِاللّٰهِ اِلَّا صَادِقاً فَاغتر بِهِ . (تفسير البغوى : ٢ / ١٨٤)

”ابلیس پہلا شخص تھا جس نے اللہ کے نام سے جھوٹی قسم کھائی، پس جب اس نے قسم کھائی تو آدم علیہ السلام نے گمان کیا کہ کوئی بھی اللہ کی جھوٹی قسم نہیں کھاتا، اللہ کی قسم کھانے والا سچا ہی

ہوتا ہے، چنانچہ وہ اس قسم سے دھوکا کھا گئے۔"

20 ﴿لَهُمَا مَا وُرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْآتِهِمَا﴾

سُمِّيَتِ الْعَوْرَةُ سَوْءَةً ، لِاَنَّ فِطْرَةَ الْاِنْسَانَ اَنَّهُ يَسُوْءُ اَنْ تَتَبَيَّنَ عَوْرَتُهُ . (شرم گاہ کو سوءۃ اس لیے کہا گیا ہے کہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ اسے یہ بات ناگوار گزرتی ہے کہ اس کی شرم گاہ ظاہر ہو۔)

22 ﴿فَدَلَّاهُمَا بِغُرُوْرٍ﴾

﴿فَدَلّٰهُمَا﴾ التَّدْلِيَةُ : اِرْسَالُ الدَّلْوِ فِي الْبِئْرِ . (التفسير الوسيط للواحدی : ۲ / ۳۵۷) "تدلیہ کا مطلب ہے، ڈول کو کنویں میں لٹکانا۔"

وَلَا يَكُوْنُ التَّدَلِّيْ اِلَّا مِنْ عُلُوٍّ اِلَى اَسْفَلَ . (الثعلبی : ٤/ ٢٢٤)
"تدلی (نیچے لٹکانا) ہمیشہ بلندی سے پستی کی طرف ہی ہوتا ہے۔"

اَيْ اَنْزَلَهُمَا مِنْ مَرْتَبَةِ الطَّاعَةِ اِلَى مَرْتَبَةِ الْمَعْصِيَةِ . (یعنی اس نے ان دونوں کو فرماں برداری کے مقام سے نافرمانی کے مقام پر گرا دیا۔)

23 ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ...﴾

گناہ، زہر کی طرح ہے۔ اگر فوراً علاج نہ کرے تو زہر پورے بدن میں سرایت کر کے آدمی کو ہلاک کر دے گا۔ اس کا تریاق، توبہ ہے۔

اَلْمَغْفِرَةُ تَمْنَعُ الشَّرَّ ، وَالرَّحْمَةُ تُوْجِبُ الْخَيْرَ . (مغفرت برائی کو روکتی ہے اور رحمت خیر کا سبب بنتی ہے۔)

گناہ سے جو شر پہنچا تھا، وہ مغفرت سے دور ہوا۔ اس کے بعد اللہ نے آدم علیہ السلام کو توفیق دی تو انھوں نے ارادۂ صالحہ کیا، ورنہ ارادۂ فاسدہ میں اور عمل ضار میں گرنے کا پورا امکان ہوتا ہے۔

24 ﴿قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ...﴾

(سوال) آدم علیہ السلام جنت سے کیوں نکالے گئے؟

(جواب) بعض نے کہا کہ انھوں نے اس نہی کو نہی تنزیہی پر محمول کیا۔ یہ تاویل باطل ہے۔ بعض نے کہا کہ شجرۂ معینہ کی نہی تھی۔ یہ بھی باطل ہے کیونکہ اس درخت کے علاوہ درخت سے کھانے کی وجہ سے وہ عصیان نہ تھا۔

جواب صحیح : آدم علیہ السلام نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی آدمی، اللہ کی جھوٹی قسم (یمین غموس) کھا سکتا ہے۔

﴿ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾ شیطان نے قسم کھائی کہ میں تو صرف ناصح ہوں۔ وہ کلام میں متعدد تاکیدیں لایا :

① جملۂ اسمیہ لایا، نہ کہ فعلیہ۔

② اس کی تصدیق (آغاز) اداۃ تاکید اِنَّ سے کی۔

③ خبر پر لام تاکید لایا۔

④ اسم فاعل (ناصح) لایا۔ فعل نہ لایا جو حدث پر دلالت کرتا ہے۔

⑤ معمول کو عامل پر مقدم کر دیا۔　⑥ قسم لائی۔

شیطان نے آدم علیہ السلام کو دھوکا دیا کہ اگر کھا لیے تو جنت سے نہ نکلو گے۔ شاید آدم علیہ السلام نے سوچا ہو کہ اس مفسدہ کی تلافی توبہ یا عذر سے ہو جائے گی۔

﴿ يَا بَنِيْٓ آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاساً ... ﴾ 26

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ ﴾ نداء کی دو قسمیں ہیں :

① ندائے علامت : يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ . (اے بنی آدم!) یعنی یہ آدم کی اولاد ہیں۔

② ندائے کرامت : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا . (اے ایمان والو!)

اَلْاَصْلُ فِی اللِّبَاسِ وَالزِّيْنَةِ الْاِبَاحَةُ . (لباس اور زینت میں اصل اباحت ہے۔)

اللہ نے دو لباس نازل کیے :

① لِبَاساً ظَاهِراً يُوَارِي الْعَوْرَةَ . (ایسا لباس جو شرم گاہ کو چھپائے۔) یہ ظاہر

کی تجمیل (آرائش) کرتا ہے۔

② لِبَاساً بَاطِناً ، وَهُوَ التَّقْوَى . (باطنی لباس اور وہ تقویٰ ہے۔) یہ باطن کی تجمیل کرتا ہے۔

اگر ظاہری لباس نہ ہوتو ظاہری ستر کھل جاتا ہے اور لباس باطنی نہ ہوتو باطنی ستر کھل جاتا ہے، یعنی روح برہنہ ہوجاتی ہے۔

سَتْرُ الْبَدَنِ فِي اللِّبَاسِ ، وَسَتْرُ الْقَلْبِ فِي التَّقْوَى . (جسم کی پردہ پوشی لباس میں ہے اور دل کی پردہ پوشی تقویٰ میں ہے۔)

ذَكَرَ اللّٰهُ اللِّبَاسَ الْحِسِّيَّ وَالْمَعْنَوِيَّ . (اللہ تعالیٰ نے لباس حسی اور معنوی دونوں کا ذکر فرمایا ہے۔)

فَاللِّبَاسُ الْحِسِّيُّ يَبْلَى وَيَبِيْدُ ، وَلَا يَنْفَعُكَ فِي الْآخِرَةِ ، بِهِ تَسْتُرُ عَوْرَتَكَ فِي الدُّنْيَا فَقَطْ . (پس حسی لباس بوسیدہ ہوجاتا ہے اور ختم ہوجاتا ہے اور آخرت میں تمھیں فائدہ نہیں دے گا۔ تم اس سے اپنی شرم گاہ دنیا ہی میں چھپاتے ہو۔)

اَللِّبَاسُ : يَسْتُرُ الْعَوْرَاتِ وَهُوَ مِنَ الضَّرُوْرِيَّاتِ ، وَالرِّيْشُ : لِلتَّزْيِيْنِ وَالتَّجَمُّلِ وَهُوَ مِنَ الْكَمَالِيَّاتِ . (لباس شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور وہ ضروریات زندگی میں سے ہے، جبکہ ریش زینت اور خوب صورتی کے لیے ہے اور وہ کمالیات زندگی میں سے ہے۔)

﴿ يُوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ ﴾ عورۃ یعنی شرم گاہ دو طرح کی ہے: ایک جسم کی، ایک روح کی۔

اَوَّلُ طَرِيْقٍ لِلْمَعَاصِيْ نَزْعُ الْحَيَاءِ مِنْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ . (گناہوں کی طرف پہلا راستہ مومن کے دل سے حیا کا نکل جانا ہے۔)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ : اِذَا صَلَّتِ الْمَرْاَةُ ، فَلْتُصَلِّ فِيْ ثِيَابِهَا

كُلِّهَا الدِّرْعُ وَالْخِمَارُ وَالْمِلْحَفَةُ . (مصنف ابن ابی شیبة : ٦١٧٥) ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب عورت نماز پڑھے تو مکمل لباس میں نماز پڑھے۔ یعنی قمیص، دوپٹا اور قمیص کے اوپر چادر ہو۔

عورت کا یہ لباس سلف کے یہاں معروف ہے، اس لیے بحالت نماز جہاں عورت کو ہاتھ، پیر اور مکمل جسم (سوائے چہرے کے) چھپانا ہے (لیکن اجنبی مرد ہوں تو چہرہ بھی چھپانا واجب ہے)، وہیں سر کے بالوں کو بھی دوپٹے سے اچھی طرح ڈھانکنا ہے۔

﴿ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ﴾ تقویٰ، روح کا لباس معنوی ہے۔

لباس کے دو مقاصد : آرائش اور زینت ہے۔ پھر لباس تقویٰ کا ذکر کیا کہ جب اٹھائے جاؤ گے تو وہاں باطنی لباس کام دے گا۔

﴿يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ﴾ 27

﴿ اَبَوَيْكُمْ ﴾ مکہ اور مدینہ دونوں کو ملا کر ''مکتان'' کہا جاتا ہے، بطور تثنیہ۔ اسی طرح ماں باپ کو ملا کر ابوان (ولابویہ) کہا جاتا ہے۔ مرد افضل ہے۔ مکہ افضل ہے۔

﴿ لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ﴾ جب ڈانس (رقص)، گانے اور ایکٹروں کی ایکٹنگ کو پوری فیملی بیٹھ کر دیکھنے لگے تو ان کی نگاہوں میں اللہ کا حکم ہلکا ہوجاتا ہے۔

﴿ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ ﴾ (صحیح البخاری : کتاب الادب ، حدیث ٦١١٧) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حیا صرف بھلائی ہی لاتی ہے۔''

پس جو کام شیطان نے قدیما کیا، وہ شیاطین الانس اپنے چیلوں کے ذریعے فلموں میں کر رہے ہیں۔

شیطان نے انھیں بہکایا، پھر ان سے قلبی پردہ چھین لیا، اس طرح کہ انھیں کافر بنا دیا۔ شیطان ایک بار پھر انسان کا لباس اتارنے میں کامیاب ہوگیا، ترقی اور فیشن کے بہانے سے۔

31 ﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ﴾

خلیفہ ہارون رشید کا ایک نصرانی طبیب تھا۔ اس نے حضرت زین العابدین علی بن الحسین رحمہ اللہ سے کہا ''آپ کے قرآن میں علم طب کی کوئی بات نہیں ہے، حالانکہ علم کی دو قسمیں ہیں، علم الادیان اور علم الابدان۔'' اس پر زین العابدین رحمہ اللہ نے کہا ''اللہ نے پورا طب قرآن کی آدھی آیت میں جمع کر دیا ہے۔'' اس نے پوچھا تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ (تفسیر روح البیان لاسماعیل حقی : ۳ / ۱۵۵)

33 ﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ ... ﴾

اَلْبَغْيُ هُوَ التَّعَدِّيْ عَلَى النَّاسِ . (لوگوں پر زیادتی کرنے کو بغی کہتے ہیں۔)

چار چیزیں اللہ نے کسی مخلوق کے لیے کسی بھی حالت میں جائز قرار نہیں دیں، برخلاف مردار اور لحم خنزیر کے جو اضطرار میں ایک حال میں جائز ہو جاتے ہیں، مگر یہ چار چیزیں کسی حالت میں جائز نہیں :

① ﴿ الْفَوَاحِشَ ﴾ ان کا تعلق شہوت سے ہے۔
② ﴿ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ غضب سے متعلق ہے۔
③ ﴿ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ ﴾ شرک باللہ
④ ﴿ وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ القول علیہ بلا علم جو علم میں فساد ہے۔

یعنی شہوت، غضب، فساد العدل (شرک ظلم عظیم)، فساد العلم ہیں۔

نکتہ : دین میں ہر بدعت کی بنیاد ''القول بلا علم'' ہے۔

37 ﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴾

مفتری علی اللہ کا مطلب ہے : باطل کا موجد، اس کی طرف دعوت دینے والا اور حق کو جھٹلانے والا۔

اس کا تعلق ﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ سے ہے۔

38 ﴿ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا ﴾

لطیفہ قرآنیہ : کلمہ ''ھَا'' تنبیہ کے لیے وضع کیا گیا ہے، لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ کو کلمہ ھَا کے ذریعے خطاب کیا جائے۔ قرآن میں ایسا کہیں نہیں ہے کہ کسی نے اللہ کو حرف تنبیہ کے ذریعے خطاب کیا ہو، سوائے کفار کے جنھوں نے کہا : ﴿ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ﴾ (النحل : ١٦ / ٨٦) ''اے ہمارے رب! یہی ہمارے شریک ہیں جنھیں ہم تیرے سوا پکارتے تھے۔'' قرآن میں کہیں یہ موجود نہیں کہ کسی نبی نے اپنے رب کو حرف تنبیہ سے خطاب کیا ہو۔ (تفسیر ابن رجب : ١ / ٦٨٣)

40 ﴿ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ... ﴾

اہل ایمان و عمل صالح کے لیے آسمان کے دروازے کھلے ہوں گے۔ جب ان کی روحیں وہاں پہنچیں گی تو دروازے کھول دیے جائیں گے۔ پھر رب کے سامنے کھڑی ہوں گی۔ اللہ ان پر رحم کرے گا اور حکم دے گا، اس کا نام علیین میں لکھ دو۔

42 ﴿ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ﴾

یہ مبتدا و خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ لِدَفْعِ تَوَهُّمِ مُتَوَهِّمٍ. (کسی وہم کرنے والے کے وہم کو دور کرنے کے لیے۔) کہ یہ وعدہ تمام نیکیاں کرنے والے کے لیے ہے کہ وسعت کے مطابق تکلیف ہے۔

علماء نے اس آیت سے ایک قاعدہ مستنبط کیا ہے : لَا وَاجِبَ مَعَ الْعَجْزِ ، وَلَا مُحَرَّمَ مَعَ الضَّرُوْرَةِ. (معذوری کے ساتھ کوئی واجب نہیں اور مجبوری کے ساتھ کوئی حرام نہیں۔)

جیسے وضو میں غسل الیدین (دونوں ہاتھوں کا دھونا) واجب ہے، مگر کسی کے ہاتھ ہی نہ ہوں تو معذوری کی وجہ سے اس پر دونوں ہاتھوں کا دھونا ساقط ہو جائے گا۔

فَاِذَا عَجَزَ عَنِ الْوُصُوْلِ اِلَى الْمَاءِ اَوْ اَضَرَّهُ الْمَاءُ رَغْمَ وُجُوْدِ الْمَاءِ فَيَسْقُطُ هٰذَا الْوَاجِبُ وَيَنْتَقِلُ اِلَى مَسْئَلَةٍ اُخْرَى

هِيَ التَّيَمُّمُ . (پس جب وہ پانی تک پہنچنے سے معذور ہو، یا پانی موجود ہونے کے باوجود اسے نقصان دے تو یہ واجب ساقط ہوجائے گا اور معاملہ دوسرے مسئلے کی طرف منتقل ہوجائے گا جو تیمم ہے۔)

43

﴿ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ ... أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾

﴿ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ﴾ ہدایت کی دو صورتیں ہیں :

① دنیا میں صراطِ مستقیم کی ہدایت ② آخرت میں جنت کی ہدایت

ہدایت کی دو قسمیں ہیں :

① ہدایت توفیق، جو ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴾ سے ظاہر ہے۔

② ہدایت ارشاد، جو ﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ میں ہے۔

ہدایت ارشاد، نبی کا کام ہے۔ ہدایت توفیق، اللہ کا کام ہے۔

اعمال سبب نجات یا رحمت الٰہی : جنت کے دخول کے دو اسباب ہیں، حقیقتاً اور صورتاً۔ ﴿ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ ﴾ میں سبب حقیقی کو بیان کیا گیا ہے، جبکہ ﴿ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ میں سبب صوری کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ باء کی دو قسمیں ہیں : ① باء عوض، ② باء سبب۔

یہ باء سبب ہے، ورنہ اعمال، جنت کا عوض نہیں بن سکتے کیونکہ لِاَنَّ الْجَنَّةَ اَكْبَرُ مِنْ اَعْمَالِنَا . (کیونکہ جنت ہمارے اعمال سے کہیں بڑی ہے۔)

44

﴿ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ... ﴾

اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ ان میں سے اسی صفیں امت محمدیہ کی ہوں گی اور باقی چالیس صفیں تمام امتوں کی ہوں گی۔

﴿ عَنْ ابْنِ بُرَيْدَةَ ، عَنْ اَبِيْهِ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةُ صَفٍّ ثَمَانُوْنَ مِنْهَا مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ ، وَاَرْبَعُوْنَ مِنْ سَائِرِ الْاُمَمِ ﴾ (الترمذی : صفة الجنة ، حدیث ٢٥٤٦ ، حکم الالبانی : صحیح) بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جس میں سے اسی صفیں اس امت کی اور چالیس دوسری امتوں کی ہوں گی۔''

قَالَ طَاوُوْسُ بْنُ كَيْسَانَ لِهِشَامِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ الْخَلِيْفَةِ الْاُمَوِيِّ الْمَعْرُوْفِ ، قَالَ : يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ! اذْكُرْ يَوْمَ الْآذَانِ ، قَالَ : وَمَا يَوْمُ الْآذَانِ ؟ قَالَ : اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ : **فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ** اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ، فَصَعِقَ هِشَامٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ ، فَقَالَ طَاوُوْسُ بْنُ كَيْسَانَ : سُبْحَانَ اللّٰهِ ! هٰذَا ذُلُّ الصِّفَةِ فَكَيْفَ بِذُلِّ الْمُعَايَنَةِ ! اَيْ صُعِقْتَ وَاَنَا مُجَرَّدُ وَصَفْتُ لَكَ الْيَوْمَ فَكَيْفَ لَوْ عَايَنْتَهُ وَرَاَيْتَهُ بِعَيْنِكَ . (الزواجر عن اقتراف الکبائر : ٢ / ٢٠٢) طاؤس بن کیسان رحمہ اللہ نے معروف اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک سے کہا ''اے امیر المومنین! اذان کے دن کو یاد کریں۔'' ہشام نے پوچھا ''اذان کا دن کیا ہے؟'' طاؤس رحمہ اللہ نے کہا ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: پس ان کے درمیان ایک اذان دینے والا (پکارنے والا) اذان دے گا (پکارے گا) کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔'' یہ سن کر ہشام بے ہوش ہو گئے۔ طاؤس رحمہ اللہ نے کہا ''سبحان اللہ! یہ تو محض بیان کرنے کی ذلت تھی، پھر دیکھنے کی ذلت کیسی ہو گی؟'' یعنی آپ محض میرے بیان کرنے پر بے ہوش ہو گئے، پھر اگر آپ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور مشاہدہ کرتے تو کیا حال ہوتا!

46

﴿ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ ... ﴾

﴿ وَ بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ﴾ اَيْ : هُوَ الْحِجَابُ الْحَاجِزُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ . (یعنی وہ جنت اور جہنم کے درمیان حائل ہونے والا پردہ ہے۔)

﴿ وَ عَلَى الْاَعْرَافِ ﴾ اَلْاَعْرَافُ : جَمْعُ عُرْفٍ ، وَهُوَ الْمَكَانُ الْمُرْتَفِعُ ، وَسُوْرٌ عَالٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ . (اعراف، عرف کی جمع ہے اور یہ اونچی جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک اونچی دیوار ہے۔) یہ ان لوگوں کے لیے ہے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوگئی ہوں۔

﴿ يَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ﴾ يَوْمَئِذٍ زُرْقاً فَيُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِزُرْقَةِ اَعْيُنِهِمْ . (قیامت کے دن ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی، پس مجرم اپنی نیلی آنکھوں سے پہچانے جائیں گے۔)

55-56 ﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً ... قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ ﴾

اس کے بعد ﴿ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ ہے۔

دعا میں چار چیزیں ہوئیں :

① تضرع ② خفیہ ③ خوف ④ طمع

تَضَرُّع ، الضَّرَاعَة سے ہے۔ شِدَّةُ الْفَقْرِ . (شدید محتاجی۔)

آدمی انتہائی ضرورت مند ہو۔ اللہ کی بارگاہ میں انتہائی فقیر بن کر آئے۔

وَقَالَ بَعْضُهُمْ : مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ بِالْحُبِّ (وَحْدَهُ) فَهُوَ زِنْدِيْقٌ ، وَمَنْ عَبَدَهُ بِالْخَوْفِ وَحْدَهُ فَهُوَ حَرُوْرِى ، (وروى) وَمَنْ عَبَدَهُ بِالرَّجَاءِ وَحْدَهُ فَهُوَ مُرْجِئٌ ، وَمَنْ عَبَدَهُ بِالْحُبِّ وَالْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ مُوَحِّدٌ . (شرح الطحاوية لابن ابى العز : ص ۳۳۱)

بعض نے کہا ”جس نے صرف محبت کے ساتھ اللہ کی عبادت کی، وہ زندیق ہے۔ جس نے صرف خوف کے ساتھ اللہ کی عبادت کی، وہ حروری ہے۔ جس نے صرف امید کے ساتھ اس کی عبادت کی، وہ مرجئی ہے۔ جس نے اللہ کی عبادت محبت، خوف اور امید تینوں کے ساتھ کی تو وہ مومن موحد ہے۔“

فَكَاَنَّ الْخَوْفَ سَوْطٌ يَضْرِبُ بِهِ مَطِيَّتَهُ ، لِئَلَّا تَخْرُجَ عَنِ

الدَّرْبِ ، وَالرَّجَاءُ حَادٍ يَحْدُوْهَا يَطِيْبُ لَهَا السَّيْرُ ، وَالْحُبَّ قَائِدُهَا وَزِمَامُهَا الَّذِيْ يَسُوْقُهَا . (گویا کہ خوف ایک ایسا کوڑا ہے جس سے وہ اپنی سواری کو مارتا ہے تا کہ وہ راستے سے بھٹک نہ جائے، امید ایک حدی خواں ہے جو اسے ہانکتا ہے تا کہ اس کا سفر خوش گوار ہو اور محبت اس کی رہنما اور لگام ہے جو اسے چلاتی ہے۔)

سِر یہاں بدیع ہے۔ اِنَّهُ دَالٌّ عَلَى قُرْبِ صَاحِبِهِ فَسَئَلَهُ مَسْئَلَةَ مُنَاجَاةِ الْقَرِيْبِ لِلْقَرِيْبِ ، لَا مَسْئَلَةَ نِدَاءِ الْبَعِيْدِ لِلْبَعِيْدِ . (یہ دلیل ہے کہ اس کا معبود اس کے بالکل قریب ہے، اس لیے وہ اس سے اتنی دھیمی آواز سے سوال کرتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے بالکل قریب شخص سے کرتا ہے، اس طرح نہیں جیسے ایک بعید کسی بعید سے سوال کرے۔)

كَمَا اَنَّ خَاطَبَ جَلِيْسًا لَهُ يَسْمَعُ خَفِيَّ كَلَامِهِ فَبَالَغَ فِيْ رَفْعِ الصَّوْتِ اسْتُهْجِنَ ذٰلِكَ مِنْهُ . (جیسا کہ جب کوئی شخص اپنے ہم نشین سے مخاطب ہو جو اس کی آہستہ آواز بھی سن رہا ہو، پھر بھی وہ بے وجہ آواز بلند آواز سے اسے پکارے تو اس کا یہ عمل ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔)

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی آوازیں تکبیر کے ساتھ بلند کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ﴿ اِرْبَعُوْا عَلَى اَنْفُسِكُمْ ، فَاِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِباً ﴾ (صحيح البخاری : كتاب الجهاد والسير ، حديث ٢٩٩٢) ''اپنی جانوں پر رحم کرو کیونکہ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔''

﴿ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ﴾ اَعْمَالٌ بَدَنِيَّةٌ ، وَاَوْصَافٌ ظَاهِرَةٌ ، وَاَفْعَالُ الْجَوَارِحِ . (یہ بدنی اعمال ہیں، ظاہری اوصاف ہیں اور اعضاء و جوارح کے افعال ہیں۔)

﴿ خَوْفًا وَّطَمَعًا ﴾ هٰذِهِ اَعْمَالٌ قَلْبِيَّةٌ ، وَاَوْصَافٌ بَاطِنَةٌ ، وَاَفْعَالُ

اَلْقُلُوْبِ . (یہ قلبی اعمال ہیں، باطنی اوصاف ہیں اور ان کا تعلق افعال قلوب سے ہے۔)

دعا میں تجاوز : بے پروائی سے دعا کرنا، کسی گناہ کا سوال کرنا۔ مثلاً دعا کرنا کہ عالم الغیب ہوجائے، بغیر بیوی کے بچہ ہوجائے وغیرہ۔

دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنے کا مسئلہ :

﴿عَنْ اَبِیْ نُعَیْمٍ - وَهُوَ وَهْبٌ - قَالَ : رَاَیْتُ ابْنَ عُمَرَ وَابْنَ الزُّبَیْرِ یَدْعُوَانِ ، یُدِیْرَانِ بِالرَّاحَتَیْنِ عَلَی الْوَجْهِ﴾ (الادب المفرد للبخاری : حدیث ٦٠٩ ، سنده حسن) ابونعیم کہتے ہیں "میں نے دیکھا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، دعا کے بعد ہتھیلیاں چہرے پر پھرایا کرتے تھے۔"

معلوم ہوا کہ دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا درست ہے۔

﴿قَالَ الْفِرْیَابِیُّ : حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَیْهِ ، اَخْبَرَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَیْمَانَ ، قَالَ : رَاَیْتُ اَبَا کَعْبٍ صَاحِبَ الْحَرِیْرِ یَدْعُوْ رَافِعًا یَدَیْهِ ، فَاِذَا فَرَغَ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ ، فَقُلْتُ لَهُ : مَنْ رَاَیْتَ یَفْعَلُ هٰذَا ؟ قَالَ : الْحَسَنُ بْنُ اَبِی الْحَسَنِ﴾ (فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین بالدعاء للسیوطی : ٥٩ ، وسنده صحیح) معتمر بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے ابوکعب عبدربہ ابن عبید کو دیکھا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے اور بعد میں ہاتھ چہرے پر پھیر لیتے۔ عرض کیا "کسی کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے؟" فرمایا "حسن بصری کو۔"

حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

56 ﴿اَنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾

لغت میں قریب کے دو معنی ہیں :

① قُرْبُ قَرَابَةٍ (رشتے داری کی قربت)

② قُرْبُ الْمَكَانِ وَالْمَسَافَةِ (مقام اور مسافت کی قربت)

اگر قرب قرابت ہے تو مطابقت ہوگی، جیسے زَيْدٌ قَرِيْبٌ وَهِنْدٌ قَرِيْبَةٌ. (زید قریب ہے اور ہند قریب ہے۔) لیکن اگر قرب مکان و مسافت ہے تو اس میں مذکر اور مونث برابر ہوتے ہیں، جیسے زَيْدٌ قَرِيْبٌ مِنْكَ وَهِنْدٌ قَرِيْبٌ مِنْكَ. (زید تمہارے قریب ہے اور ہند تمہارے قریب ہے۔) مطلب یہ ہے کہ هِنْدٌ مَوْضِعُهَا قَرِيْبٌ. (ہند کی جگہ قریب ہے۔)

57 ﴿وَهُوَ الَّذِیْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْراً﴾

بارش کے لیے پانچ ہوائیں ہوتی ہیں :

① مثیر : رِيْحٌ يَنْشُرُ سَحَابَهُ. (وہ ہوا جو بادلوں کو پھیلائے۔)

② مولفة : رِيْحٌ يُوَلِّفُ بَيْنَهُ. (وہ ہوا جو انھیں ملائے۔)

③ لاقحة : رِيْحٌ تُلَقِّحُهُ. (وہ ہوا جو بارآور کرے۔)

④ سائقة : رِيْحٌ تَسُوْقَهُ حَيْثُ يُرِيْدُ اللّٰه. (وہ ہوا جو بادل کو ہانک کر جہاں اللہ چاہے لے جائے۔)

⑤ ذارية : رِيْحٌ تَذْرُوْ اَمَامَهُ وَتُفَرِّقُهُ. (جو ہوا اسے آگے کی طرف اڑائے اور اسے پھیلا دے۔)

59-64 ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحاً اِلٰی قَوْمِهٖ ... قَوْماً عَمِيْنَ ○﴾

نوح علیہ السلام کا قصہ : دلائل کے آجانے کے بعد لوگوں کا اعراض اے ہمارے رسول! صرف تمہاری قوم کا خاصہ نہیں بلکہ تمام امم سابقہ کی عادت تھی۔ اللہ رب العزت اگرچہ ان باطل پرستوں کو مہلت دیتا ہے، لیکن انھیں نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان سے مکمل طور پر انتقام لے گا۔

اِنَّ هٰذِهِ الْقَصَصَ دَالَّةٌ عَلٰی نُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهُ كَانَ اُمِّيًّا ، وَمَا طَالَعَ كِتَاباً وَلَا تَتَلْمَذَ عَلٰی اُسْتَاذٍ.

(یہ قصے محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ امی تھے اور آپ ﷺ نے نہ کوئی کتاب پڑھی اور نہ کسی استاذ کے شاگرد تھے۔)

نوح علیہ السلام نے کہا: ﴿ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ "اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں۔"

يُفِيْدُ اَنَّ اَوَّلَ وَاجِبَاتِ التَّوْحِيْدِ اَوَّلاً قَوْلُهٗ : اعْبُدُوا اللّٰهَ ، وَثَانِياً : مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ، وَذٰلِكَ لِمُنَاسَبَةٍ حَسَنَةٍ فَالثَّانِيْ كَالْعِلَّةِ لِلْاَوَّلِ . (اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ توحید کے سب سے پہلے واجبات میں سے پہلا واجب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "اللہ کی عبادت کرو" اور دوسرا یہ کہ "اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں۔" یہ ایک عمدہ مناسبت کی وجہ سے ہے کیونکہ دوسرا، پہلے کی علت کے مانند ہے۔) یعنی جب اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اسی کی عبادت کرو۔

﴿ فِيْ ضَلٰلٍ ﴾ وَظَرْفِيَّةٌ فِيْ ضَلَالٍ مَجَازِيَّةٌ تَعْبِيْراً عَنْ تَمَكُّنِ وَصْفِ الضَّلَالِ حَتّٰى كَاَنَّهٗ مُحِيْطٌ بِهٖ مِنْ جَوَانِبِهٖ اِحَاطَةَ الظَّرْفِ بِالْمَظْرُوْفِ . ("فی ظلال" میں ظرفیت مجازی ہے۔ یہ اس بات کا اظہار کرنے کے لیے ہے کہ گمراہی کا وصف اس قدر غالب ہے گویا کہ موصوف گمراہی کے چاروں طرف سے ایسا گھرا ہوا ہے جیسے ظرف، مظروف کو گھیر لیتا ہے۔)

﴿ بِيْ ضَلٰلَةٌ ﴾ وَالْبَاءُ لِلْمُصَاحَبَةِ اَوِ الْمُلَابَسَةِ ، وَهِيَ تُنَاقِضُ مَعْنَى الظَّرْفِيَّةِ . (باء یہاں مصاحبت یا ملابست کے لیے ہے اور یہ ظرفیت کے معنی کے متضاد ہے۔)

اس جملے میں ایک تو مخالف کے قول کا رد ہے، دوسری طرف اس کے خلاف کا اثبات ہے۔ یعنی تم کہتے ہو کہ میں گمراہی میں چاروں طرف سے گھرا ہوا ہوں، حالانکہ گمراہی تو مجھے چھو کر بھی نہیں گئی۔

ضلالت اور ضلال میں فرق: اَلضَّلَالَةُ اَدْنٰى مِنَ الضَّلَالِ وَاَقَلُّ ، لِاَنَّهَا

لَا تُطْلَقُ اِلَّا عَلَى الْفِعْلَةِ الْوَاحِدَةِ مِنْهُ ، وَاَمَّا الضَّلَالُ فَيَنْطَلِقُ عَلَى الْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ مِنْ جِنْسِهِ ، وَنَفْىُ الْاَدْنٰى اَبْلَغُ مِنْ نَفْيِ الْاَعْلٰى . (ضلالت، ضلال سے کم تر اور چھوٹی ہے کیونکہ اس کا اطلاق صرف ایک فعل پر ہوتا ہے، جبکہ ضلال کا اطلاق اس کی جنس میں سے کم اور زیادہ دونوں پر ہوتا ہے۔ ادنیٰ کی نفی اعلیٰ کی نفی سے زیادہ بلیغ ہے۔)

﴿ وَّلٰكِنِّیْ ﴾ یہ استدراک ہے۔ یعنی اگر وہ نہیں ہوں تو کیا ہوں؟ رسول ہوں۔

73 ﴿ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾

معجزہ یوں کہ وہ پتھر کی چٹان پھٹی اور اونٹنی برآمد ہوگئی۔

75 ﴿ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا ... ﴾

اَلْمَلَاُ یہ مَلَاَ الْاِنَاءَ (برتن کو بھر دیا) سے ہے۔ قوم کے ایسے لوگوں کے گروہ کو کہا جاتا ہے جو بھرپور مال وجاہ کے مالک ہوں، یعنی معززین قوم، اشرافیہ۔

لِاَنَّ الْاِسْتِكْبَارَ اِنَّمَا يَتَوَلَّدُ مِنْ كَثْرَةِ الْمَالِ وَالْجَاهِ . (کیونکہ تکبر تو صرف مال وجاہ کی کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔)

77 ﴿ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ ﴾

ایک ثمودی (قیدار) نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر ہلاک کیا۔ (القمر : ٥٤ / ٢٩)

سورۂ اعراف اور سورۂ شمس میں ہے کہ قوم ثمود نے اس کی کونچیں کاٹی تھیں۔ توجیہ یہ ہے کہ ہر چند کہ یہ ایک شخص کا فعل تھا، مگر پوری قوم اس مجرم کی پشت پر تھی اور اس سے راضی تھی تو اس جرم میں سب کو شریک مانا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ وہ فعل جو معاشرے میں علی الاعلان ہو اور لوگ اس پر راضی ہوں تو یہ قوی گناہ ہوتا ہے۔

78 ﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ ﴾

پہلے ﴿ الرَّجْفَةُ ﴾ (زلزلہ) آیا۔ زلزلے میں ایک ہولناک آواز تھی۔ دوسرے مقام پر ﴿ الصَّيْحَةُ ﴾ کا ذکر ہے اور یہ آواز حد سے بڑھی ہوئی تھی، اس لیے ایک مقام

پر طاغیہ کہا گیا۔

قوم صالح : مَا اَجْدَرَ الْعَاتِیَ اَنْ یَرْتَجِفَ وَمَا اَجْدَرَ الْمُعْتَدِیَ اَنْ یَعْجِزَ . (سرکش کس قدر لرزنے کے لائق ہے اور زیادتی کرنے والا کس قدر بے بس ہونے کے لائق ہے!)

79 ﴿لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ ...﴾

﴿رِسَالَةَ﴾ مفرد ہے۔ اِشَارَةُ الْمَنْهَجِ الرَّبَّانِیِّ وَاحِدٌ الَّذِیْ دَعَا اِلَیْهِ الْاَنْبِیَاءُ رِسَالَاتٍ جُمَعَ وَرَدَتْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، اَلْاِلْتِفَاتُ اِلَی الْاَوَامِرِ وَالنَّوَاهِی الْمُتَعَدِّدَةِ الْمُتَكَرِّرَةِ . (رسالة کو واحد لانے میں اشارہ یہ ہے کہ ربانی منہج ایک ہی ہے جس کی طرف تمام انبیاء علیہم السلام نے دعوت دی۔ اس کی جمع رسالات آتی ہے جس میں اشارہ مختلف اور متعدد اوامر ونواہی کی طرف ہے۔)

80 ﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ...﴾

لوط علیہ السلام نے اِنَّ رَبِّیْ نَهَاكُمْ عَنْ هٰذِهِ الْعَمَلِیَّةِ الْقَذِرَةِ (میرے رب نے تمھیں اس گندے کام سے منع کیا ہے) نہیں کہا بلکہ آپ نے ﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ''کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے بھی نہیں کی؟'' کہا۔ هٰذَا عَمَلٌ مُضَادٌّ لِلْفِطْرَةِ وَاسْتِنْكَارٌ فِطْرِیٌّ . (یہ فطرت کے خلاف ایک عمل ہے اور فطرت کے نزدیک یہ انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے۔)

عورت اسی عمل کے لیے بنائی گئی ہے، مگر نکاح کے بغیر حرام ہے تو مرد اس کے لیے بنایا ہی نہیں گیا تو هٰذِهِ فَاحِشَةٌ مُرَكَّبَةٌ . (یہ ایک مرکب بے حیائی ہے۔)

نکتہ : قرآن میں اس عمل (لواطت) کے لیے ﴿الْفَاحِشَةَ﴾ (معرفہ) لایا گیا، جبکہ زنا کے لیے ﴿فَاحِشَةً﴾ (نکرہ) لایا گیا۔ اَیْ اَتَاْتُوْنَ الْخَصْلَةَ الَّتِی اسْتَقَرَّ فُحْشُهَا عِنْدَ كُلِّ اَحَدٍ . (یعنی کیا تم ایسی خصلت پر آتے ہو جس کی بے

حیائی ہر کسی کے نزدیک مسلمہ ہے؟)

گویا ان کا عمل (لواطت) تمام فحشاء کا مرکب ہے۔ یہ ﴿مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے بھی ظاہر ہے۔

قَالَ اَبُوْ حَيَّانَ الْاَنْدَلُسِيُّ : وَمَرْكُوْزاً فِی الْعُقُوْلِ فُحْشُهُ اَتٰی مُعَرَّفاً بِالْاَلِفِ وَاللَّامِ ، اَوْ تَكُوْنُ (الْ) فِيْهِ لِلْجِنْسِ عَلٰی سَبِيْلِ الْمُبَالَغَةِ كَاَنَّهُ لِشِدَّةِ قُبْحِهِ جَعَلَ جَمِيْعَ الْفَوَاحِشِ . (البحر المحيط : ٤ / ٣٣٢) ابوحیان اندلسی رحمہ اللہ نے کہا "اس (لواطت) کی بے حیائی عقلوں میں راسخ ہے۔ یہ الف لام (معرفہ) کے ساتھ آیا ہے، یا اس میں الف لام جنس کے لیے مبالغے کے طور پر ہے۔ گویا اس کی شدت قباحت کی وجہ سے اسے تمام فواحش کا مجموعہ بنا دیا گیا ہے۔"

عجیب نکتہ : لوط علیہ السلام کا قصہ اس سورت میں واحد قصہ ہے جو لَمْ يُبْتَدَاْ بِالدَّعْوَةِ اِلَی التَّوْحِيْدِ ، لَمْ يَقُلْ : اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ، لِمَاذَا؟ (توحید کی طرف دعوت سے شروع نہیں ہوا۔ لوط علیہ السلام نے یہ نہیں کہا "تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں۔" بلکہ ان کے انحراف جنسی اور شذوذ جنسی کو ذکر فرمایا۔ کیوں؟)

توجیہ : کسی آدمی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ اسے ہسپتال لے جایا گیا۔ اس کا مسلسل خون بہہ رہا ہے۔ اس شخص کو کینسر جیسا موذی مرض بھی لاحق ہے، مگر ڈاکٹر پہلے ایقاف النزیف (بہتے ہوئے خون کو روکنا) کرے گا، پھر دوسرے امراض کی طرف نظر کرے گا۔

فطرت انسانیہ کو ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ اس سے تیزی سے خون بہہ رہا ہے۔

﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾

81

كُلُّ اِسْرَافٍ جَهْلٌ ، وَكُلُّ جَهْلٍ اِسْرَافٌ . (ہر اسراف جہالت ہے اور ہر جہالت اسراف ہے۔)

82 ﴿اِنَّھُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ﴾

ھٰذَا التَّعْلِیْلُ قَبِیْحٌ . (یہ توجیہ انتہائی قبیح ہے۔)

انھوں نے یہ بات کہ یہ پاک لوگ ہیں، مذاق اور ٹھٹھے کے طور پر کہی یا حقیقت کے طور پر۔ یعنی یہ لوگ اتنے گندے ہو گئے تھے کہ طہارت ہی کو گندگی سمجھنے لگے تھے۔

83 ﴿فَاَنْجَیْنَاهُ وَاَهْلَهٗ اِلَّا امْرَاَتَهٗ﴾

زَوْجَةُ لُوْطٍ کَانَتْ خَائِنَةً ، لَا خَائِنَةَ الْفِرَاشِ . (لوط علیہ السلام کی بیوی خائنہ تھی، مگر بدکارہ نہ تھی۔) جب اجنبی مہمان باہر سے آتے تو یہ قوم کو بتا دیتی۔

قصہ لوط سے مستنبط فوائد :

① یہ عمل (لواطت) خلاف فطرت ہے۔

② فاعل و مفعول دونوں کے لیے ضرر ہے۔

③ قطع نسل کا موجب ہے۔

85-93 ﴿وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْباً ... قَوْمٍ کَافِرِیْنَ ○﴾

قوم شعیب سے مستنبط مسائل :

① حِفْظُ حُقُوْقِ الْمُعَامَلَةِ الْمَالِیَّةِ (مالی حقوق کا تحفظ)

② حِفْظُ نِظَامِ الْاُمَّةِ وَمَصَالِحِهَا (مفادات کا تحفظ)

③ حِفْظُ حُقُوْقِ حُرِّیَّةِ الْاِسْتِهْدَاءِ (مذہبی آزادی کا تحفظ)

86 ﴿وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلاً فَكَثَّرَكُمْ﴾

﴿فَكَثَّرَكُمْ﴾ کے تین محامل (مفاہیم) ہیں :

① تعداد میں کم تھے، زیادہ کر دیا۔

② مال کم تھا، زیادہ کر دیا۔

③ جسمانی کمزور تھے، طاقتور بنا دیا۔

پارہ نمبر ۹

88 ﴿لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَكَ ...﴾
لُغَةُ الْعَاجِزِ عَنِ الْمُقَارَعَةِ بِالْحُجَّةِ . (دلیل سے مقابلہ کرنے میں عاجز کی زبان۔) یعنی جو دلیل سے مقابلہ نہیں کرسکتے، وہ دھمکیوں پر آجاتے ہیں۔

89 ﴿قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللهِ كَذِباً ... وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ ○﴾
یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف لوٹیں۔ هٰذا لَا يُمْكِنُ اَنْ يَكُوْنَ . (یہ نہیں ہوسکتا۔)

﴿عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ : اَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا ، وَاَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ ، وَاَنْ يَكْرَهَ اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ﴾ (صحيح البخاری : كتاب الاكراه ، حديث ٦٩٤١) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”تین خصلتیں ایسی ہیں جس میں وہ پائی جائیں، وہ ایمان کی مٹھاس (اور لذت) چکھ لیتا ہے: اللہ اور اس کے رسول اسے سب سے زیادہ پیارے اور محبوب ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی سے محبت صرف اللہ کے لیے کرے۔ تیسرے یہ کہ اسے کفر میں لوٹ جانا اتنا برا لگے جیسے وہ آگ میں ڈالے جانے کو برا خیال کرتا ہے۔“

توکل کی مثال : آدمی بیمار ہوتا ہے تو ڈاکٹر کے پاس جاکر دوا لیتا ہے۔ پھر دوا کھاتا ہے اور اپنے معاملے کو اللہ عزوجل کے سپرد کردیتا ہے کہ فَهُوَ الْوَحِيْدُ الْقَادِرُ عَلٰى شِفَائِهِ . (پس وہی ہے جو اسے شفا دینے پر قادر ہے۔)

توکل، شرط ایمان ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (المائدة : ٥ / ٢٣) ''اور اگر تم مومن ہو تو تمھیں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''

﴿ حَدَّثَنَا الْمُغِيْرَةُ بْنُ اَبِىْ قُرَّةَ السَّدُوْسِىُّ ، قَالَ : سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ ، يَقُوْلُ : قَالَ رَجُلٌ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَعْقِلُهَا وَاَتَوَكَّلُ ، اَوْ اُطْلِقُهَا وَاَتَوَكَّلُ ؟ قَالَ : اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ ﴾ (ترمذى : ابواب صفة القيامة والرقائق والورع ، حديث ٢٥١٧ ، حكم الالبانى : حسن) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول! کیا میں اونٹ کو پہلے باندھ دوں، پھر اللہ پر توکل کروں، یا چھوڑ دوں، پھر توکل کروں؟'' آپ نے فرمایا ''اسے باندھ دو، پھر توکل کرو۔''

﴿ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ ﴾ فَتْحُهُ عَزَّ وَجَلَّ لِعِبَادِهِ نَوْعَانِ : فَتْحُ الْعِلْمِ : بِتَبْيِيْنِ الْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ ، وَالْهُدَى مِنَ الضَّلَالِ ، وَالنَّوْعُ الثَّانِىْ : فَتْحُهُ بِالْجَزَاءِ وَاِيْقَاعِ الْعُقُوْبَةِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ وَالنَّجَاةِ وَالْاِكْرَامِ لِلصَّالِحِيْنَ . (تفسير السعدى : ص ١٦٢) ''اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے لیے فتح دو قسم کی ہے: ① علم کی فتح جس سے حق کو باطل سے اور ہدایت کو گمراہی سے واضح کرنا ہے۔ ② دوسری قسم جزا کے ساتھ فتح ہے اور وہ ظالموں پر سزا نافذ کرنا اور نیک لوگوں کے لیے نجات و اکرام ہے۔''

94 ﴿ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ ﴾

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اَلْبَاسَاءُ هِىَ الشِّدَّةُ عُمُوْماً وَلٰكِنْ اَكْثَرَ مَا تُسْتَعْمَلُ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ ، وَاَمَّا الضَّرَّاءُ فَتَكُوْنُ فِى الْاَبْدَانِ . (''باساء'' اکثر مالوں اور نفسوں کے بارے میں، جبکہ ''ضراء'' جسموں کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے۔)

95

﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى ...﴾

﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا﴾ مصائب یا تو آزمائش ہیں یا گناہوں کا سبب۔ مصائب پر صبر کریں۔ اس سے یا تو بلندی درجات ہوگی یا گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

نیک اعمال، نزول رحمت کا سبب اور بد اعمال، عذاب کا باعث ہیں۔ ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾ ''اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انھوں نے (دین حق کو) جھٹلایا تو ہم نے انھیں (ان کے برے اعمال کی وجہ سے) پکڑ لیا جو وہ کرتے رہتے تھے۔''

وہ کہتے تھے کہ برے دن کے بعد جو اچھے دن آتے ہیں، یہ انقلابات ہیں زمانے کے۔ ہمارے آباؤ اجداد پر بھی ایسے دن آتے تھے۔

اچانک موت :

﴿عَنْ عُبَيْدِ بْنِ خَالِدٍ السُّلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ مَرَّةً : عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، ثُمَّ قَالَ مَرَّةً : عَنْ عُبَيْدٍ ، قَالَ : مَوْتُ الْفَجْاَةِ اَخْذَةُ اَسَفٍ﴾ (سنن ابی داود : کتاب الجنائز ، حدیث ۳۱۱۰ ، حکم الالبانی : صحیح) عبید بن خالد سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے...... جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے...... انھوں (مسدد) نے ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور ایک بار عبید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ''اچانک موت، ناراضی کی پکڑ ہے۔''

اچانک موت، بری نہیں۔

﴿عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِنَّ اُمِّیْ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا ، وَاَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ ، فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا ؟ قَالَ : نَعَمْ ﴾ (صحیح البخاری : کتاب الجنائز ، حدیث ۱۳۸۸) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر وہ بول سکتیں تو ضرور صدقہ وخیرات کرتیں۔ کیا میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو انھیں کچھ ثواب ملے گا؟" آپ نے فرمایا "ہاں۔"

کیونکہ اس آدمی نے جب اپنی ماں کی ناگہانی موت کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو آپ نے کراہت کا اظہار نہیں فرمایا۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ناگہانی موت کے بارے میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ناگہانی موت اچھی نہیں اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ناگہانی موت اچھی ہے۔ علماء نے ان حدیثوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جو شخص موت سے غافل نہ ہو، اس کی یہ ناگہانی موت اچھی ہے اور جو شخص ایسا نہ ہو، اس کے لیے اچھی نہیں۔

96 ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا ...﴾

نیک اعمال نزول برکت کا سبب ہیں اور بداعمال عذاب کا باعث۔

98 ﴿اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝﴾

قَرَنَ النَّوْمَ بِاللَّعِبِ ...... النَّوْمُ : غِيَابُ الْعُقُوْلِ الْحِسِّيِّ ، وَاللَّعِبُ : غِيَابُ الْعُقُوْلِ الْمَعْنَوِيِّ . (نیند کو کھیل کود کے ساتھ ملایا ہے۔ نیند حسی عقلوں کا غیاب (غائب ہونا) ہے، جبکہ کھیل معنوی عقلوں کا غیاب ہے۔)

100 ﴿وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾

وہ سنتے تو تھے، مگر اللہ کے نزدیک سنا وہ ہے کہ سننے کے بعد قبول کرے۔

اِذَا نَبَّهَهُمُ اللّٰهُ فَلَمْ يَنْتَبِهُوْا ، وَذَكَّرَهُمْ فَلَمْ يَتَذَكَّرُوْا ، وَهَدَاهُمْ بِالْآيَاتِ وَالْعِبَرِ فَلَمْ يَهْتَدُوْا ، فَاِنَّ اللّٰهَ يُعَاقِبُهُمْ وَيَطْبَعُ

عَلَى قُلُوْبِهِمْ ، فَيَعْلُوْهَا الرَّانُ وَالدَّنَسُ ، حَتَّى يَخْتِمَ عَلَيْهَا ، فَلَا يَدْخُلُهَا حَقٌّ ، وَلَا يَصِلُ اِلَيْهَا خَيْرٌ ، وَلَا يَسْمَعُوْنَ مَا يَنْفَعُهُمْ وَمَا بِهِ تَقُوْمُ الْحُجَّةُ عَلَيْهِمْ . (تفسیر السعدی : ص ۱۶۳)

''جب اللہ انھیں تنبیہ کرے مگر وہ متنبہ نہ ہوں، انھیں یاد دلائے مگر وہ یاد نہ کریں اور آیتوں وعبرتوں کی طرف انھیں ہدایت کرے مگر وہ ہدایت نہ پائیں تو یقیناً اللہ انھیں سزا دیتا ہے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ پھر ان دلوں پر زنگ اور گندگی چھا جاتی ہے، یہاں تک کہ ان پر مکمل طور پر مہر لگ جاتی ہے۔ اس کے بعد نہ تو کوئی حق ان میں داخل ہو پاتا ہے، نہ کوئی بھلائی ان تک پہنچ پاتی ہے اور نہ وہ ایسی کوئی بات سنتے ہیں جو انھیں نفع دے یا جس کے ذریعے ان پر حجت قائم ہو۔''

﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ ...﴾ 101

طبع اور ختم میں فرق : اِنَّ الْخَتْمَ قَدْ يَكُوْنُ بِخَيْرٍ اَوْ بِشَرٍّ ، بَيْنَمَا لَا يَكُوْنُ الطَّبْعُ اِلَّا بِشَرٍّ ، فَالطَّبْعُ اَقْوَى مِنَ الْخَتْمِ . (ختم کا تعلق خیر اور شر دونوں سے ہوسکتا ہے، جبکہ طبع کا تعلق صرف شر سے ہے، اس لیے طبع ختم سے زیادہ قوی ہے۔)

طَبْعٌ كُلِّيٌّ عَلَى قَلْبِ الْكَافِرِ . (کافر کے دل پر کلی طور پر مہر لگ جانا۔)

طَبْعٌ جُزْئِيٌّ عَلَى قَلْبِ الْمُسْلِمِ بِحَسَبِ مَعْصِيَتِهِ . (مسلمان کے دل پر اس کی نافرمانی کے حساب سے جزوی طور پر مہر لگ جانا۔)

وضاحت : ختم کا لفظی معنی ہے، کسی چیز کو بند کر دینا یا اس پر مہر لگا دینا۔ یہ طبع کے مقابلے میں کم مضبوطی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں یہ امکان باقی رہتا ہے کہ کچھ لوگ غور وفکر کریں اور اپنے رب کی طرف پلٹ آئیں۔ گویا توبہ کا دروازہ مکمل طور پر بند نہیں ہوتا بلکہ ایک محدود امکان موجود رہتا ہے کہ انسان اپنے حالات پر نظر ثانی کرے اور اللہ کی طرف رجوع کر لے۔

طبع کا معنی ہے، کسی چیز پر نقش ثبت کرنا یا اسے اس طرح بند کرنا کہ اس میں کوئی چیز نہ اندر داخل ہو سکے اور نہ اس سے کوئی چیز باہر نکل سکے۔ یہ ختم کے مقابلے میں زیادہ مضبوطی اور مکمل بندش کو ظاہر کرتا ہے۔ جب دل پر طبع لگ جاتا ہے تو اسے کھولنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص گمراہی میں اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ حق کو قبول کرنے کی اس کی صلاحیت تقریباً ختم ہو جاتی ہے۔

107 ﴿فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ﴾

جان وثعبان : فَكَانَتْ فِی الْحَرَكَةِ جَانٌّ وَفِی الْعِظَمِ ثُعْبَانٌ ، جَانٌّ صِغَارُ الْحَيَّاتِ وَالثُّعْبَانُ اَكْبَرُ الْحَيَّاتِ . (پس عصائے موسیٰ حرکت میں ''جان'' تھا اور جسامت میں ''ثعبان'' (اژدہا)۔ جان چھوٹے سانپوں کو کہتے ہیں اور ثعبان بڑے سانپوں کو۔)

وَكَلِمَةُ ثُعْبَانٍ لَمْ يَسْتَعْمِلْهَا اِلَّا اَمَامَ فِرْعَوْنَ فِیْ مَكَانَيْنِ لِاِخَافَةِ فِرْعَوْنَ وَاِدْخَالِ الرَّهْبَةِ فِیْ قَلْبِهٖ . (ثعبان کا لفظ صرف فرعون کے سامنے دو جگہوں پر استعمال ہوا تا کہ فرعون کو خوف زدہ کیا جا سکے اور اس کے دل میں دہشت ڈال دی جائے۔)

موسیٰ علیہ السلام کے سب سے بڑے معجزات دو تھے : عصا اور ید بیضاء۔

110 ﴿فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ﴾

اس میں اَهَمِّيَّةُ الْمَشْوَرَةِ وَالتَّاَنِّیْ فِی الْاُمُوْرِ (معاملات میں مشورے اور غور و فکر کی اہمیت) کا ذکر ہے۔

112 ﴿يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيْمٍ ۝﴾

سورۂ شعراء میں ﴿سَحَّارٍ﴾ (مبالغہ) ہے اور سورۂ اعراف میں ﴿سٰحِرٍ﴾ ہے۔ سورۂ شعراء میں پہلے سحر کا ذکر ہے۔ ﴿يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ﴾ (الشراء : ٢٦ / ٣٥) ''وہ (موسیٰ علیہ السلام) چاہتا ہے کہ اپنے جادو سے تمھیں تمہاری زمین

سے نکال دے۔'' جب موسیٰ علیہ السلام کو سحر کے ساتھ موصوف کیا تو جواب یہ ہوا : اَنْ یَاتُوْہ بِمَنْ ھُوَ اَعْلَی مِنْہُ کعْباً فِی السِّحْرِ . (کہ وہ ان کے پاس کسی ایسے شخص کو لائیں جو جادو میں ان سے زیادہ ماہر ہو۔) جبکہ سورۂ اعراف میں پہلے سحر کا ذکر نہیں ہے، اس لیے صرف ﴿ سٰحِرٍ ﴾ لایا گیا۔ ﴿ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ۷ / ۱۱۰) ''یہ چاہتا ہے کہ تمھیں تمھاری سرزمین سے نکال دے، پس تم کیا مشورہ دیتے ہو؟''

سورۂ اعراف میں ''سحر'' کا لفظ سات بار آیا ہے اور سورۂ شعراء میں ''سحر'' کا لفظ دس بار آیا ہے، جبکہ سورۂ اعراف، سورۂ شعراء سے طویل ہے۔

116 ﴿ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا ... ﴾

جادو میں شیطان سے مدد لی جاتی ہے اور وہی انسان اس مقصد کو حاصل کر سکتا ہے جو شر اور نفس کے خبث میں شیطان کے مناسب ہو کیونکہ کسی سے تعاون حاصل کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ دونوں میں مناسبت ہو۔

''سحر'' اس وقت کو کہتے ہیں جب رات کی ظلمت، دن کی روشنی سے مختلط ہوتی ہے۔ اسی طرح سحر کی حقیقت بھی مبہم اور مشتبہ ہوتی ہے۔

فرعون نے جادوگروں سے کہا کہ تمھاری آپس میں سازش اور ملی بھگت تھی کہ معمولی مقابلہ کر کے ہار جاؤ۔ اس طرح فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی کے تاثر کو زائل کرنے کی کوشش کی۔

120 ﴿ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ ﴾

ایمان کا اظہار پہلے کرنا چاہیے تھا، پھر سجدے میں جانا تھا۔ جواب یہ ہے کہ جب جادوگروں کے دل میں اللہ کی معرفت آ گئی تو اس نعمت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے بے اختیار سجدے میں گر گئے۔ معلوم ہوا کہ کوئی نعمت ملے تو بے اختیار سجدے میں گر جانا چاہیے۔

طَوَوْا تَارِيْخَهُمُ الْمُظْلِمَ كُلَّهُ بِسَجْدَةٍ. (انھوں نے اپنا پورا تاریک ماضی ایک سجدے میں لپیٹ دیا۔)

121-122 ﴿قَالُوٓا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ رَبِّ مُوْسىٰ وَهَارُوْنَ ○﴾

سوال ﴿ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ کے بعد ﴿ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ○ ﴾ کیوں کہا؟

جواب ① کیونکہ فرعون کہتا تھا کہ جادوگر مجھ پر ایمان لائے ہیں کیونکہ وہ خود کو رب کہتا تھا۔ ② یا اظہار فضیلت کے لیے ان کا ذکر علاحدہ کیا۔

123 ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ آمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ ...﴾

فرعون کے دو شبہے تھے :

① جادوگر اور موسیٰ علیہ السلام ملے ہوئے ہیں۔

② یہ تمھیں شہر سے نکالنے والے ہیں۔

125 ﴿قَالُوٓا اِنَّـآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ○﴾

اس میں اِثْبَاتُ الْبَعْثِ وَرُجُوْعِ الْخَلَائِقِ اِلَى اللّٰهِ (دوبارہ زندہ کیے جانے اور تمام مخلوقات کے اللہ کی طرف لوٹنے کا اثبات) ہے۔

وَعَذَابُهٗ اَشَدُّ مِنْ عَذَابِكَ (فِرْعَوْنُ)، فَلْنَصْبِرِ الْيَوْمَ عَلٰى عَذَابِكَ لِنَخْلُصَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ. (اللہ کا عذاب فرعون کے عذاب سے زیادہ سخت ہے، لہٰذا ہم آج تیرے عذاب سے پر صبر کریں گے تا کہ اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔)

126 ﴿وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا ...﴾

ایمان اور آزمائش ساتھ ساتھ ہیں۔ آزمائش پر صبر کرنا چاہیے اور صبر کی دعا کرنا چاہیے۔ حق کی خاطر ہر قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

﴿ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ﴾ فرعون کا انتقام صرف ساحروں کے ایمان کی وجہ سے تھا۔

اِنَّ الْاِیْمَانَ وَالْاِسْلَامَ اِذَا اُطْلِقَ اَحَدُهُمَا دَخَلَ مَعَهُ الْآخَرُ.
(ایمان اور اسلام ایسے ہیں کہ جب ان میں سے ایک کا بھی ذکر کیا جائے تو دوسرا خود اس میں شامل ہوجاتا ہے۔) جیسے ﴿ وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴾ ''اور ہمیں اس حال میں فوت کر کہ ہم مسلمان ہوں۔''

ہویٰ اور تعصب آدمی کو اس طرح اندھا کر دیتا ہے کہ اسے حق، باطل اور باطل، حق نظر آتا ہے۔ جادوگروں نے فرعون سے کہا: ﴿ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَ قَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ﴾ (الاعراف : ۷ / ۱۲۷) ''کیا تو موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا تاکہ وہ زمین میں فساد کریں؟''

﴿ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا ﴾ اَلْاِفْرَاغُ : صَبُّ جَمِیْعِ مَا فِی الْاِنَاءِ ... وَدَعَوْا لِاَنْفُسِهِمْ بِالْوَفَاةِ عَلَى الْاِسْلَامِ اِیْذَانًا بِاَنَّهُمْ غَیْرُ رَاغِبِیْنَ فِی الْحَیَاةِ ، وَلَا مُبَالِیْنَ بِوَعِیْدِ فِرْعَوْنَ ، وَاَنَّ هِمَّتَهُمْ لَا تَرْجُوْ اِلَّا النَّجَاةَ فِی الْآخِرَةِ . (تفسیر ابن عاشور : ۹ / ۵۶) ''برتن میں جو کچھ ہے، اسے پورا انڈیل دینا افراغ کہلاتا ہے...... انھوں نے اپنے لیے اسلام پر مرنے کی دعا کی، یہ اعلان کرتے ہوئے کہ نہ انھیں زندگی کی کوئی خواہش ہے اور نہ فرعون کی دھمکیوں کی کوئی پروا ہے۔ ان کا مقصد صرف آخرت میں نجات پانا ہے۔''

جادوگروں کی دعا : انسان قرب الٰہی کے کتنے ہی بلند مرتبے پر پہنچ جائے، وہ اللہ سے مغفرت کی دعا کرنے سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ قرب الٰہی میں ابراہیم علیہ السلام سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے! مگر انھوں نے یہ دعا مانگی: ﴿ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴾ (الشعراء : ۸۲) ''کہ وہ روز قیامت میری خطائیں بخش دے گا۔''

﴿ وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴾ یہی وصیت تو یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو کی تھی۔ ﴿ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ (البقرۃ : ۲ / ۱۳۲) ''پس تمھیں ہرگز موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔'' یوسف علیہ السلام نے کہا: ﴿ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا

﴿ وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴾ (یوسف : ۱۲ / ۱۰۱) ''(اے اللہ!) تو مجھے اسلام پر موت دے اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔''

اسلام پر مرنا ہی مقصود و مطلوب مومن ہوتا ہے۔

127 ﴿ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ﴾

سوال فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو سزا کیوں نہیں دی؟

جواب فرعون خوف زدہ ہوگیا تھا کہ کہیں موسیٰ علیہ السلام اس کے اوپر اژدہا نہ چھوڑ دیں، مگر اس نے قوم کی تسلی کے لیے کہا کہ صرف عورتیں رہ جائیں گی جو تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں بنیں گی۔

128-129 ﴿ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا ... كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

قوم نے کہا ''تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم تکلیف میں تھے اور تمہارے آنے کے بعد بھی تکلیف میں ہیں۔'' موسیٰ علیہ السلام نے کہا ''یہ مطلب نہیں کہ مصائب فوراً ختم ہوجائیں گے۔ نجات کا وقت متعین ہے۔''

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دو چیزیں کرنے کے لیے کہا :

① ﴿ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو۔''

② ﴿ وَاصْبِرُوْا ﴾ ''اور صبر کرو۔''

اور تین بشارتیں دیں :

① ﴿ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ ﴾ ''اللہ بہت جلد تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا۔''

② ﴿ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ ﴾ ''تمھیں اس سرزمین کا خلیفہ بنادے گا۔''

③ ﴿ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴾ آخرت میں انجام اچھا ہوگا۔

131 ﴿ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ ... اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

اَلْاِبْتِلَاءُ قَدْ یَكُوْنُ بِالْحَسَنَاتِ ، وَقَدْ یَكُوْنُ بِالسَّیِّئَاتِ .

(آزمائش نیک اعمال کے ذریعے بھی ہوسکتی ہے اور برے اعمال کے ذریعے بھی۔)

یہاں ﴿ اَلْحَسَنَةُ ﴾ کو معرفہ اور ﴿ سَيِّئَةٌ ﴾ کو نکرہ لایا گیا۔ ﴿ اَلْحَسَنَةُ ﴾ میں اشارہ تکاثر حسنات کی طرف ہے، جبکہ ﴿ سَيِّئَةٌ ﴾ سے اشارہ قلت سیئات کی طرف ہے۔ یعنی حسنات کے مقابلے میں سیئات کم ہیں۔ فَفَضْلُ اللّٰهِ اَعَمُّ وَاَوْسَعُ . (پس اللہ کا فضل زیادہ عام اور وسیع ہے۔)

﴿ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ﴾ تمام مفسرین کے نزدیک تَطَيَّرَ کا معنی فال بد اور نحوست ہے۔

تَطَيُّرٌ : اَى التَّشَاؤُمُ . (کسی کو منحوس سمجھنا تطیر کہلاتا ہے۔)

اَى : اِعْتِقَادٌ اَنَّ وُجُوْدَهٗ يَكُوْنُ سَبَبًا فِىْ حُصُوْلِ مَا يُحْزِنُ وَيَضُرُّ . (یعنی یہ اعتقاد کہ اس کا وجود کسی ایسے چیز کے حاصل ہونے کا سبب بنے گا جو غمگین کرے اور نقصان پہنچائے۔)

فال کی دو قسمیں ہیں: ① فال نیک، ② فال بد۔ نبی، فال نیک لیتے تھے، فال بد نہیں لیتے تھے۔

﴿ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا طِيَرَةَ ، وَخَيْرُهَا الْفَالُ ، قَالَ : وَمَا الْفَالُ ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : الْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا اَحَدُكُمْ ﴾ (صحيح البخارى : كتاب الطب ، حديث ٥٧٥٥) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بدشگونی کی کوئی اصل نہیں اور اس میں بہتر، فال نیک ہے۔" لوگوں نے پوچھا "نیک فال کیا ہے اے اللہ کے رسول؟" فرمایا "کلمۂ صالحہ (نیک بات) جو تم میں سے کوئی سنے۔"

سوال بدفالی کو شرک کیوں کہا گیا؟

جواب کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ شگون کی وجہ سے کوئی نفع حاصل ہوتا ہے یا کوئی ضرر دور ہوتا ہے۔ گویا انھوں نے اللہ کے ساتھ شگون کو شریک کرلیا۔ بدشگونی میں یہ خوف ہوتا ہے

کہ جس چیز کو حاصل کرنے کا قصد کیا ہے، وہ حاصل نہ ہو سکے گی۔ فال نیک اس کی ضد ہے کہ کوئی بات سنے یا دیکھے، پھر یہ امید رکھے کہ جس چیز کو حاصل کرنے کا قصد کیا ہے، وہ حاصل ہو جائے گی۔

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ : اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : قَالَ اللّٰهُ : اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ﴾ (صحیح البخاری : کتاب التوحید ، حدیث ٧٥٠٥) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے۔" یہاں فال نیک، اللہ سے حسن ظن ہے۔ فال بد میں اللہ سے بدگمانی ہوتی ہے۔

﴿اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ یعنی یہ مصیبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نہیں بلکہ تمہارے گناہوں کے سبب ہے جس کا فیصلہ اللہ نے تمہارے گناہوں کے سبب کیا ہے۔

142 ﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ﴾

تیس راتوں کے بعد الگ سے دس دنوں کا تذکرہ ہے۔

نکتہ : حاکم کسی مقدمے کے فیصلے کے لیے ایک مدت کے بعد دوسری مدت مقرر کر سکتا ہے۔

143 ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا ...﴾

لَا تَرَانِیْ کے بجائے ﴿لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ کہا۔

وَهٰذَا یَدُلُّ عَلَی اَنَّهُ تَعَالَی مَرْئِیٌّ ، وَلٰکِنَّ مُوْسَی لَا تَحْتَمِلُ قُوَاهُ رُؤْیَتَهُ فِیْ هٰذِهِ الدَّارِ لِضَعْفِ قُوَی الْبَشَرِ فِیْهَا عَنْ رُؤْیَتِهِ تَعَالَی . (یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ دیکھا جا سکتا ہے، لیکن موسیٰ علیہ السلام کی قوتیں اس دنیا میں اس کے دیدار کو برداشت نہیں کر سکتیں کیونکہ اس دنیا میں انسانوں کی

قوتیں اللہ کے دیدار کے لیے کمزور ہیں۔)

جب پہاڑ باوجود اپنی صلابت کے اللہ کی تجلی کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تو ضعیف بشر جو کمزوری ہی سے پیدا ہوا ہے، اسے کیسے دیکھ سکتا ہے؟

نکتہ : ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى ﴾ جب اپنی تجلی سے جماد کو نواز سکتا ہے تو اپنے بندوں کو اپنا دیدار کیوں نہیں کرا سکتا!

بغیر واسطہ اپنی بات سنا سکتا ہے۔ فَرُؤْيَتُهُ اَوْلَى بِالْجَوَازِ . (پس اللہ تعالیٰ کا دیدار زیادہ لائق جواز ہے۔)

انسان کا خواب میں اپنے رب کو دیکھنا : امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ انسان اپنے رب کو خواب میں دیکھ سکتا ہے، لیکن جسے دیکھے گا، وہ حقیقت میں اللہ نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مشابہ کوئی چیز نہیں۔ اللہ نے فرمایا: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ (الشورى : ٤٢ / ١١) ''اس جیسی کوئی چیز نہیں۔''

خواب کے صحیح ہونے کی نشانیاں : اس میں جو حکم ہو، وہ موافق شرع ہو، مخالف شرع نہ ہو۔ اگر مخالف شرع ہے تو اس نے رب کو نہیں بلکہ شیطان کو دیکھا ہے۔

موت سے پہلے سر کی آنکھوں سے اللہ کی رؤیت محال ہے۔

﴿ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ، قَالَتْ : مَنْ حَدَّثَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَبَّهُ ، فَقَدْ كَذَبَ ، وَهُوَ يَقُوْلُ : لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ، وَمَنْ حَدَّثَكَ اَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ ، فَقَدْ كَذَبَ ، وَهُوَ يَقُوْلُ : لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ (البخاري : كتاب التوحيد ، حديث ٧٣٨٠) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا ''اگر تم سے یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ (اسے نگاہیں نہیں پا سکتیں اور وہ سب نگاہوں کو پا لیتا ہے۔) نیز جو تم سے یہ کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے تو اس نے بھی غلط کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔"

خواب میں اللہ کو دیکھنا ممکن ہے۔ یہ اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے، بخلاف جہمیہ کے۔ مومن اپنے ایمان کے اعتبار سے اللہ کو مختلف صورتوں میں دیکھے گا۔ اگر اس کا ایمان صحیح ہے تو رب کو اچھی صورت میں دیکھے گا۔

خلاصہ : خواب میں اللہ کی رؤیت ممکن ہے، لیکن ایسے طریقے پر کہ اس میں مخلوقات کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ **کا مطلب :** اِمْتِنَاعُ الرُّؤْيَةِ الْبَصَرِيَّةِ لَا يَعْنِيْ اِمْتِنَاعَ الرُّؤْيَةِ الْمَنَامِيَّةِ . (موت سے پہلے اللہ کو سر کی آنکھوں سے نہ دیکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے خواب میں بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔)

وَفِي الْمَنَامِ يُمْكِنُ رُؤْيَةُ اللّٰهِ تَعَالَى عَلَى كُلِّ حَالٍ وَفِيْ كُلِّ صُوْرَةٍ . (نقض الامام ابی سعید عثمان بن سعید علی المریسی الجهمی العنید فیما افتری علی اللہ عز وجل من التوحید : ۲ / ۷۳۸) "خواب میں اللہ کو ہر حال میں اور ہر صورت میں دیکھنا ممکن ہے۔"

وَعَلَى هٰذَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ اِشْكَالٌ اِذِ الرَّائِيْ قَدْ يَرَى غَيْرَ الْمُتَشَكِّلِ مُتَشَكِّلًا ، وَالْمُتَشَكِّلَ بِغَيْرِ شَكْلِهِ . (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح : ۲ / ۶۰۸) "اس بنا پر اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ دیکھنے والا کبھی غیر متشکل چیز کو متشکل دیکھتا ہے اور متشکل چیز کو بغیر شکل کے دیکھتا ہے۔"

جنت میں اللہ کا دیدار : ﴿عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ ، قَالَ : يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى : تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا اَزِيْدُكُمْ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ : اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا ؟ اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ ، وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ ؟ قَالَ : فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ ، فَمَا اُعْطُوْا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ

النَّظَرِ اِلَى رَبِّهِمْ عَزَّ وَجَلَّ ﴾ (صحيح مسلم : كتاب الايمان ، حديث ١٨١)
صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا ''جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے، (اس وقت) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تمھیں کوئی چیز چاہیے جو تمھیں مزید عطا کروں؟ وہ جواب دیں گے: کیا تو نے ہمارے چہرے روشن نہیں کیے؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور دوزخ سے نجات نہیں دی؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ پردہ اٹھا دے گا تو انھیں کوئی چیز ایسی عطا نہیں ہوئی جو انھیں اپنے رب عزوجل کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو۔''

145 ﴿ وَتَفْصِيْلاً لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾

دنیا میں صلاح اور آخرت میں فلاح کے لیے جس قدر احکام کی احتیاج تھی، اللہ نے وہ تمام احکام دے دیے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عرف اور محاورے میں ﴿ لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ سے مراد حقیقتاً عموم نہیں ہوتا۔ جیسے کہتے ہیں ''فلاں آدمی کے پاس ہر چیز ہے۔'' ''میں فلاں شہر گیا اور ساری چیزیں خرید لیں۔''

148 ﴿ جَسَداً لَّهُ خُوَارٌ ﴾

یہ لفظ (جسد) پورے قرآن میں چار مرتبہ آیا ہے۔

150 ﴿ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ ... فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ ﴾

﴿ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ ﴾ ''موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں پھینک دیں۔'' اس سے توحید کی عظمت معلوم ہوئی کہ جب اپنی قوم کو بچھڑا پرستی میں مبتلا دیکھا تو انھیں یہ بھی احساس نہ رہا کہ ان کے ہاتھ میں تورات کی تختیاں ہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک، اعظم المناکیر (سب سے بڑی برائی) ہے اور دلوں میں سب سے زیادہ شرک ہی سے نفرت ہونا چاہیے۔

﴿ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ ﴾ (مِنَ الْكَبَائِر) : - وَالْفَرَحِ وَالسُّرُوْرِ

بِاَذَی الْمُسْلِمِیْنَ ، وَالشَّمَاتَةِ بِمُصِیْبَتِهِمْ . (مدارج السالکین ابن القیم : ۱ / ۱۳۳) ''یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے...... مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے پر خوش ہونا اور مسرور ہونا، نیز ان پر آئی ہوئی مصیبت پر طنز کرنا۔''

160 ﴿فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْناً﴾

انفجار اور انبجاس میں فرق : اَلْاِنْبِجَاسُ : اَوَّلُ ظُهُوْرِ الْمَاءِ وَبِدَایَتُهُ ، وَفِیْهِ دَلَالَةٌ عَلَی ضِیْقِ الْمَخْرَجِ وَقِلَّةِ مَا یَنْبَعُ مِنَ الْمَاءِ ، وَالْاِنْفِجَارُ : الْمَرْحَلَةُ الثَّانِیَةُ بَعْدَ ظُهُوْرِ الْمَاءِ ، وَفِیْهِ دَلَالَةٌ عَلَی الْقُوَّةِ وَالسَّعَةِ وَالْکَثْرَةِ . (انبجاس پانی کے پہلے ظاہر ہونے اور اس کی ابتدا کو کہتے ہیں اور اس میں نکلنے کی جگہ کا تنگ ہونا اور پانی کے کم نکلنے کی دلالت ہے۔ انفجار پانی کے ظاہر ہونے کے بعد دوسرا مرحلہ ہے اور اس میں قوت، کشادگی اور کثرت ہوتی ہے۔)

یَقُوْلُهُ الْمُفَسِّرُوْنَ : اِنَّ الْمَاءَ انْفَجَرَ اَوَّلًا بِالْمَاءِ الْکَثِیْرِ ، ثُمَّ قَلَّ الْمَاءُ بِمَعَاصِیْهِمْ . (مفسرین کہتے ہیں کہ پانی پہلے کثرت سے پھوٹا، پھر قوم کی نافرمانیوں کی وجہ سے پانی کم ہوگیا۔)

163 ﴿وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْیَةِ ... بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ○﴾

﴿عَنِ الْقَرْیَةِ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس بستی سے مراد ایلہ ہے جو مدین اور طور کے درمیان تھی۔ (تفسیر الطبری : ۹ / ۱۲۲)

﴿کَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ بحیرۂ احمر کے قریب، اس کے ساحل پر جو اس سے متصل ہے۔

حیلہ : نَصَبُوا الشِّبَاکَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلَمَّا وَقَعَ فِیْهِ الصَّیْدُ اَخَذُوْهُ یَوْمَ الْاَحَدِ . (انھوں نے جمعہ کے دن جال لگائے۔ پھر جب اس میں شکار پھنسا تو انھوں نے اسے اتوار کے دن پکڑ لیا۔)

پیغام : اِنْجَاءُ الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْءِ وَالْمُنْكَرِ . (برائی اور منکر سے روکنے والوں کو نجات دینا۔)

اس میں حصول دنیا کی غرض سے حرام کو حلال کرنے والے مفتیوں کے لیے وعید شدید ہے۔

قاعدہ : سمندر سے نالیاں کھود کر حوضوں کی طرف لانا مچھلیوں کے شکار کا ذریعہ تھا۔

معلوم ہوا کہ جو کام کسی حرام کا ذریعہ ہو، وہ بھی ممنوع و حرام ہے۔

165 ﴿اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾

نَجَّاهُمْ مَعَ اَنَّهُمْ لَمْ یَتَمَكَّنُوْا مِنْ اِیْقَافِ الْمُنْكَرِ ، لٰكِنَّهُمْ لَمْ یَسْكُتُوْا . (انھیں اللہ نے نجات دی، حالانکہ وہ منکر کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے، لیکن وہ خاموش نہیں بیٹھے۔)

166 ﴿قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِیْنَ﴾

(سوال) لِمَاذَا مُسِخُوا قِرَدَةً ؟ (وہ بندر کیوں بنا دیے گئے؟)

(جواب) لِاَنَّ صُوْرَةَ الْقِرَدَةِ فِیهَا شِبْهٌ مِنْ صُوْرَةِ الْاِنْسَانِ . (کیونکہ بندروں کی صورت اور انسان کی صورت میں قدرے مشابہت ہے۔)

اصحاب السبت میں فِرْقَةٌ سَكَتَتْ (وہ گروہ جو خاموش رہا) کے بارے میں قرآن نے سکوت اختیار فرمایا ہے۔

160 ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ...﴾

خلف اور خلف میں فرق :

خَلْفٌ کا معنی بعد میں آنے والے برے لوگ ہیں۔ اس کی جمع خُلُوْفٌ ہے۔

خَلَفٌ کا معنی بعد میں آنے والے اچھے لوگ ہیں۔ اس کی جمع اَخْلَافٌ ہے۔

اسی طرح سَلَفٌ کا معنی گزر ہوئے اچھے لوگ ہیں۔ اس کی جمع اَسْلَافٌ ہے۔

سَلْفٌ سے مراد گزرے ہوئے برے لوگ ہیں۔ اس کی جمع سُلُوْفٌ ہے۔

172

﴿ وَإِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ ... عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ ○ ﴾

﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ ﴾ اِذَا اسْتَخْرَجَ رَبُّكَ اَوْلَادَ آدَمَ مِنْ اَصْلَابِ آبَائِهِمْ . (جب آپ کے رب نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کے باپوں کی پیٹھوں سے نکالا۔) یعنی اللہ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام انسانوں کو نکالا۔

﴿ مِنْ بَنِيْ آدَمَ ﴾ یہ ﴿ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ﴾ سے بدل اشتمال ہے۔

﴿ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ﴾ ایک ایم ایل (ملی لیٹر) منی میں سوملین (دس کروڑ) جراثیم نکلتے ہیں اور ایک مرتبہ جماع میں تقریباً تین ایم ایل منی کا اخراج ہوتا ہے۔

كُلُّ اِنْسَانٍ مِنْ ظَهْرِ اَبِيْهِ اِلَى اَنْ وَصَلَ اِلَى آدَمَ . (ہر انسان اپنے باپ کی پشت سے ہے...... میں اپنے باپ کی پیٹھ سے، میرا باپ اپنے باپ کی پیٹھ سے ...... یہاں تک کہ یہ سلسلہ آدم علیہ السلام تک پہنچا۔)

﴿ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهُ ، فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهِ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهِ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ اِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبِيْصاً مِنْ نُوْرٍ ، ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى آدَمَ فَقَالَ : اَیْ رَبِّ ، مَنْ هٰؤُلَاءِ ؟ قَالَ : هٰؤُلَاءِ ذُرِّيَّتُكَ ، فَرَاٰى رَجُلًا مِنْهُمْ فَاَعْجَبَهُ وَبِيْصُ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ ، فَقَالَ : اَیْ رَبِّ مَنْ هٰذَا ؟ فَقَالَ : هٰذَا رَجُلٌ مِنْ آخِرِ الْاُمَمِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ يُقَالُ لَهُ دَاوُدُ ، فَقَالَ : رَبِّ كَمْ جَعَلْتَ عُمْرَهُ ؟ قَالَ : سِتِّيْنَ سَنَةً ، قَالَ : اَیْ رَبِّ ، زِدْهُ مِنْ عُمْرِیْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ، فَلَمَّا قُضِیَ عُمْرُ آدَمَ جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ ، فَقَالَ : اَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمْرِیْ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً ؟ قَالَ : اَوَلَمْ تُعْطِهَا ابْنَكَ دَاوُدَ قَالَ : فَجَحَدَ آدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ ، وَنُسِّيَ آدَمُ فَنُسِّيَتْ ذُرِّيَّتُهُ ، وَخَطِئَ آدَمُ فَخَطِئَتْ ذُرِّيَّتُهُ ﴾ (الترمذی : ابواب تفسير

القرآن ، حدیث ۳۰۷۶ ، قال الترمذی : ھذا حدیث حسن صحیح) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اوران کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو اس سے ان کی اولاد کی وہ ساری روحیں باہر آگئیں جنھیں وہ قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔ پھران میں سے ہرانسان کی آنکھوں کے بیچ میں نور کی ایک ایک چمک رکھ دی۔ پھر انھیں آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا تو آدم علیہ السلام نے کہا، میرے رب! یہ لوگ کون ہیں؟ اللہ نے کہا، یہ تمہاری ذریت (اولاد) ہیں۔ پھر انھوں نے ان میں ایک ایسا شخص دیکھا جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی چمک انھیں بہت اچھی لگی۔ انھوں نے کہا، اے میرے رب! یہ کون ہے؟ اللہ نے فرمایا، تمہاری اولاد کی آخری امتوں میں سے ایک فرد ہے۔ اسے داؤد (علیہ السلام) کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا، میرے رب! اس کی عمر کتنی رکھی ہے؟ اللہ نے کہا، ساٹھ سال۔ انھوں نے کہا، میرے رب! میری عمر میں سے چالیس سال لے کر اس کی عمر میں اضافہ کر دے۔ پھر جب آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی، ملک الموت ان کے پاس آئے تو انھوں نے کہا، کیا میری عمر کے چالیس سال ابھی باقی نہیں ہیں؟ تو انھوں نے کہا، کیا تم نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو دے نہیں دیے تھے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''پس آدم علیہ السلام نے انکار کیا، چنانچہ ان کی اولاد بھی انکاری بن گئی۔ آدم علیہ السلام بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔ آدم علیہ السلام نے غلطی کی تو ان کی اولاد بھی خطا کار بن گئی۔''

﴿ عَنْ اَنَسٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يُؤْتَى بِالرَّجُلِ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ ، فَيَقُوْلُ لَهُ : يَا ابْنَ آدَمَ ! كَيْفَ وَجَدْتَ مَنْزِلَكَ ؟ فَيَقُوْلُ : اَیْ رَبِّ خَيْرُ مَنْزِلٍ ، فَيَقُوْلُ : سَلْ وَتَمَنَّ ، فَيَقُوْلُ : مَا اَسْئَلُ وَاَتَمَنَّى اِلَّا اَنْ تَرُدَّنِىْ اِلَى الدُّنْيَا ، فَاُقْتَلَ فِىْ سَبِيْلِكَ عَشْرَ مَرَّاتٍ ، لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ ، وَيُؤْتَى بِالرَّجُلِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ ، فَيَقُوْلُ لَهُ : يَا ابْنَ آدَمَ ! كَيْفَ

وَجَدْتَ مَنْزِلَكَ ؟ فَيَقُوْلُ : اَىْ رَبِّ ، شَرُّ مَنْزِلٍ ، فَيَقُوْلُ لَهُ : اَتَفْتَدِىْ مِنْهُ بِطِلَاعِ الْاَرْضِ ذَهَباً ؟ فَيَقُوْلُ : اَىْ رَبِّ ، نَعَمْ ، فَيَقُوْلُ : كَذَبْتَ ، قَدْ سَئَلْتُكَ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ وَاَيْسَرَ ، فَلَمْ تَفْعَلْ فَيُرَدُّ اِلَى النَّارِ ﴾ (مسند احمد : حديث ١٣١٦٢) انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''قیامت کے دن اہل جنت میں سے ایک آدمی کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا، اے ابن آدم! تونے اپنا ٹھکانا کیا پایا؟ وہ جواب دے گا، پروردگار! بہترین ٹھکانا پایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، مانگ اور تمنا ظاہر کر۔ وہ عرض کرے گا، میری درخواست اور تمنا تو صرف اتنی ہے کہ تو مجھے دنیا میں واپس بھیج دے اور میں دسیوں مرتبہ تیری راہ میں شہید ہو جاؤں۔ کیونکہ وہ شہادت کی فضیلت دیکھ چکا ہوگا۔ پھر ایک جہنمی کو لایا جائے گا اور اللہ اس سے پوچھے گا، اے ابن آدم! تونے اپنا ٹھکانا کیسا پایا؟ وہ کہے گا، پروردگار! بدترین ٹھکانا۔ اللہ فرمائے گا، اگر تیرے پاس روئے زمین کی ہر چیز موجود ہو تو کیا وہ سب کچھ اپنے فدیے میں دے دے گا؟ وہ کہے گا، جی ہاں۔ اللہ فرمائے گا، تو جھوٹ بولتا ہے۔ میں نے تو تجھ سے دنیا میں اس سے بھی ہلکی چیز کا مطالبہ کیا تھا لیکن تو نے اسے پورا نہ کیا۔ پس اسے جہنم میں لوٹا دیا جائے گا۔''

﴿ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : يُقَالُ لِلرَّجُلِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : اَرَاَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ مَا عَلَى الْاَرْضِ مِنْ شَىْءٍ اَكُنْتَ مُفْتَدِياً بِهِ ؟ قَالَ : فَيَقُوْلُ : نَعَمْ ، قَالَ : فَيَقُوْلُ : قَدْ اَرَدْتُ مِنْكَ اَهْوَنَ مِنْ ذٰلِكَ ، قَدْ اَخَذْتُ عَلَيْكَ فِىْ ظَهْرِ آدَمَ اَنْ لَا تُشْرِكَ بِىْ شَيْئاً ، فَاَبَيْتَ اِلَّا اَنْ تُشْرِكَ ﴾ (مسند احمد : حديث ١٢٢٨٩) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''قیامت کے دن ایک جہنمی سے کہا جائے گا کہ یہ بتا، اگر تیرے پاس روئے زمین کی ہر چیز موجود ہو تو کیا تو وہ سب کچھ اپنے فدیے میں دے دے گا؟ وہ

کہے گا، جی ہاں۔ اللہ فرمائے گا، میں نے تو تجھ سے دنیا میں اس سے بھی ہلکی چیز کا مطالبہ کیا تھا۔ میں نے آدم علیہ السلام کی پشت سے تجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گا، لیکن تو شرک کیے بغیر نہ مانا۔"

﴿عَنْ اَنَسٍ ، يَرْفَعُهُ : اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ لِاَهْوَنِ اَهْلِ النَّارِ عَذَاباً : لَوْ اَنَّ لَكَ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَیْءٍ كُنْتَ تَفْتَدِیْ بِهٖ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ : فَقَدْ سَئَلْتُكَ مَا هُوَ اَهْوَنُ مِنْ هٰذَا وَاَنْتَ فِیْ صُلْبِ آدَمَ ، اَنْ لَا تُشْرِكَ بِیْ ، فَاَبَيْتَ اِلَّا الشِّرْكَ﴾ (البخاری : کتاب احادیث الانبیاء ، حدیث ٣٣٣٤) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ اسے مرفوع بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس شخص سے پوچھے گا جسے دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب دیا جا رہا ہوگا، اگر تیرے لیے روئے زمین کی سب چیزیں ہوں تو کیا وہ سب چیزیں اس عذاب سے چھٹکارے کے لیے قربان کر دے گا؟ وہ کہے گا، جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، جب تو آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا تو میں نے اس سے بھی آسان چیز کا مطالبہ کیا تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، لیکن تو نے شرک کے سوا ہر چیز کا انکار کر دیا۔"

بعض روایات موقوف ہیں۔

﴿ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ﴾ بنی آدم کو گواہ بنانے کا مطلب ہے کہ انھیں فطرت پر پیدا کیا ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : اَشْهَدَ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ . (تفسیر القرطبی : ٧ / ٣١٨) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "ان میں سے بعض کو بعض پر گواہ بنایا۔"

مسلمین کے بچے جو بلوغت سے قبل وفات پا گئے ہوں، جنت میں جائیں گے۔ اس پر اجماع ہے۔ کافرین کے بچے بھی جنت میں جائیں گے کیونکہ یہ فطرت پر مرے ہیں۔ جمہور اسی طرف گئے ہیں۔ اس پر اجماع نہیں ہے۔

فطرت میں حب التوحید و بغض الشرک (توحید سے محبت اور شرک سے نفرت) ہے۔

﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى ۚ ﴾ پھر اپنی ربوبیت کا اقرار کروا کے اسے واپس آدم علیہ السلام کے صلب میں ڈال دیا۔

اِنَّ تَوْحِيْدَ الرُّبُوْبِيَّةِ تَسْتَلْزِمُ تَوْحِيْدَ الْاُلُوْهِيَّةِ. (توحید ربوبیت، توحید الوہیت کو مستلزم ہے۔)

اگر انسان موثرات خارجیہ سے الگ رہے تو اس کی فطرت میں جو اقرار ہے، وہ اس سے برگشتہ نہیں ہوگا۔

اولاد اپنے آباء سے متاثر ہوتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اَخْرَجَ ذُرِّيَّةَ آدَمَ مِنْ صُلْبِهِ وَصُلْبِ اَوْلَادِهِ وَهُمْ فِيْ صُوَرِ الَّذِيْنَ فَاَخَذَ عَلَيْهِمُ الْمِيْثَاقَ اَنَّهُ خَالِقُهُمْ وَاَنَّهُمْ مَصْنُوْعُوْنَ. (اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پشت سے اور ان کی اولاد کی پشتوں سے نکالا، اس حال میں کہ وہ انھیں کی اصل صورتوں میں تھے۔ پھر ان سے میثاق لیا کہ وہی ان کا خالق ہے اور وہ سب اس کے بنائے ہوئے ہیں۔)

وَفِيْ كَلَامِ الْاَنْبَارِيِّ اِشَارَةٌ لَطِيْفَةٌ اِلٰى طَرِيْقَةِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْآيَةِ وَالْحَدِيْثِ، وَهُوَ قَوْلُهُ: اِنَّ اللّٰهَ اَخْرَجَ ذُرِّيَّةَ آدَمَ مِنْ صُلْبِهِ وَاَصْلَابِ اَوْلَادِهِ. (انباری کے کلام میں آیت اور حدیث کے درمیان تطبیق کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔ وہ ان کا یہ قول ہے "اللہ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو آدم علیہ السلام کی پشت سے اور ان کی اولاد کی پشتوں سے نکالا۔")

تو وہ اس حدیث کے مطابق ہو جاتی ہے:

﴿ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ

وَيُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ ، هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ؟ ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ : وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ : ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ﴾ (مسند احمد : حديث ۷۷۱۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، بعد میں اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک جانور کے یہاں جانور پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم اس میں کوئی نکٹا محسوس کرتے ہو؟'' یہ حدیث بیان کر کے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''اگر تم چاہو تو اس کی تصدیق میں یہ آیت پڑھ لو : ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ﴾ ترجمہ (اللہ کی فطرت (اختیار کرو) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔)''

لِذَا لَوْ خُلِّيَ الْاِنْسَانُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ نَفْسِهِ وَسَلِمَ مِنَ الْمُؤَثِّرَاتِ الْخَارِجِيَّةِ مَا حَادَ عَنِ الْاِيْمَانِ الْمُسْتَقِرِّ فِيْ فِطْرَتِهِ . (اسی وجہ سے اگر انسان کو تنہا چھوڑ دیا جائے اور وہ خارجی اثرات سے محفوظ رہے تو وہ اس ایمان سے کبھی نہیں ہٹے گا جو اس کی فطرت میں قرار پذیر ہے۔)

﴿اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا ... فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝﴾ 173

ضلالت کے دو اسباب ہیں :

① حق سے غفلت ② گمراہ لوگوں کی تقلید

یہاں دلائل کی موجودگی میں باطل کی تقلید کی مذمت کی گئی ہے۔

عقیدے (شرک) کے بارے میں مقلد کا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔ (عقیدے میں تقلید نہیں چلتی۔) یہ کہ ہم اپنے آبا و اجداد کے نقش قدم پر چلتے رہے، پھر ہمارا مواخذہ کیوں ہو رہا ہے؟

﴿وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ﴾ يَعْنِيْ كُنَّا صِغَاراً فَنَشَانَا عَلَى

طَرِيْقِهِم وَعَلَى دِيْنِهِم تبعاً لَهُمْ . (یعنی ہم چھوٹے تھے تو ان کے طریقے اور ان کے دین پر ان کی پیروی کرتے ہوئے ہم پروان چڑھے۔)

﴿ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ شرک، ابطل الباطل ہے اور مشرک، حق کے خلاف باطل پر رہتا ہے۔

175 ﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْ ... مِنَ الْغَاوِيْنَ ○ ﴾

اَلْغَیُّ : جَهْلٌ مِنْ اعْتِقَادٍ فَاسِدٍ . (فاسد عقیدے سے پیدا ہونے والی جہالت کو "غی" کہتے ہیں۔)

176 ﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ ... لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ ﴾

﴿ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ ﴾ اللہ نے اس کے علم کی وجہ سے اسے بلند نہیں کیا۔ معلوم یہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک رفعت، محض علم کی وجہ سے نہیں بلکہ اتباع حق کی وجہ سے ہے۔

﴿ وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ ﴾ يَعْنِیْ رَكَنَ اِلَيْهَا ظَانًّا اَنَّهُ يُخَلَّدُ فِيْهَا . (یعنی وہ دنیا کی طرف مائل ہوا، یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہے گا۔

وَلَا يَزَالُ يَشُمُّ دُبُرَهُ دُوْنَ سَائِرِ اَجْزَاءِ جِسْمِهِ . (تفسیر ابن القیم : ص ۲۹۰) "وہ اپنے جسم کے دیگر تمام حصوں کے بجائے مسلسل اپنی دبر ہی کو سونگھتا رہتا ہے۔"

﴿ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ ﴾ اَیْ تَزْجُرُهُ وَتَطْرُدُهُ . (تفسیر النسفی : ۱ / ۶۱۸) "یعنی اسے جھڑکو یا بھگاؤ (وہ اپنی ہانپتا رہے گا)۔"

وَلَيْسَ مَعْنَاهَا اَنْ تَحْمِلَ عَلَيْهِ شَيْئاً ، لِاَنَّ الْكَلْبَ لَا يُحْمَلُ عَلَيْهِ . (اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس پر کوئی چیز لادی جائے کیونکہ کتے پر بوجھ نہیں لادا جاتا۔)

﴿ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ﴾ کتے کی ہمت پیٹ سے آگے نہیں جاتی۔حرص کا عالم یہ ہے کہ ہر چیز کو سونگھتا پھرتا ہے۔اس کا ایک عجیب معاملہ یہ ہے کہ کسی پھٹے حال کو دیکھتا ہے تو بھونکنے لگتا ہے اور کسی حسین حالت والے کو دیکھتا ہے تو اپنی تھوتھنی زمین پر رکھ دیتا ہے۔یعنی اس کی فطرت ہے کہ وہ اجنبی شخص پر بھونکنے لگتا ہے اور وہی شخص اس کے سامنے روٹی کا ٹکڑا اور ہڈی ڈال دے تو اس کے آگے دم ہلانے لگتا ہے اور اس کی طرف اپنا سر نہیں اٹھاتا۔

نکتہ : جب کتے اور تصویر کی وجہ سے فرشتے گھر میں داخل نہیں ہوتے تو رب کی معرفت ایسے دل میں کیسے داخل ہو سکتی ہے جس میں کلاب الشہوات اور ان کی صورتیں بھری ہوں!

سانپ جان بوجھ کر، ارادتاً اپنی کینچلی نکالتا ہے۔کینچلی نکلنے کے بعد وہ کینچلی واپس نہیں آتی۔اسی طرح یہ حق کو چھوڑ کر اس کی طرف لوٹتا نہیں۔

اس کی خواہش اس کا امام بن گئی۔

﴿ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ اگر نصیحت کرو تو بھی گمراہی پر اور چھوڑ دو تب بھی گمراہی پر۔

183 ﴿ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ○ ﴾

ارجاء، امہال اور املاء کے درمیان فرق :

- اَلْاِرْجَاءُ : تَاْخِيْرٌ مَعَ اعْطَاءِ فُرْصَةٍ . (موقع دینے کے ساتھ مہلت دینا ارجاء کہلاتا ہے۔)

جیسے ارشاد ہے : ﴿ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ اَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۙ ﴾ (الاعراف : ۷ / ۱۱۱) ”انھوں نے کہا، اسے اور اس کے بھائی (ہارون علیہ السلام) کو مہلت دو اور شہروں میں ہرکارے بھیج دو۔“

- اَلْاِمْهَالُ : تَاْخِيْرٌ مَعَ التَّهْدِيْدِ . (دھمکی آمیز ڈھیل امہال کہلاتی ہے۔)

جیسے ارشاد ہے: ﴿ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴾ (الطارق : ۸۶ / ۱۷)
”پس (اے نبی ﷺ!) آپ ان کافروں کو (ان کے حال پر) چھوڑ دیجیے، انھیں تھوڑی سی مہلت دیجیے۔“

- اَلْاِمْلَاءُ: تَاْخِيْرٌ مَعَ التَّمَادِي فِي الذَّنْبِ. (ایسی تاخیر جس میں کسی کو اس حال پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنے گناہوں میں مزید بڑھتا چلا جائے، املاء کہلاتی ہے۔)

جیسے فرمایا: ﴿ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴾ (الاعراف : ۷ / ۱۸۳)
”اور میں انھیں مہلت دیتا ہوں، بے شک میری تدبیر انتہائی مضبوط ہے۔“

187 ﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسَاهَا ﴾

﴿ اَيَّانَ ﴾ یہ ظرف ہے اور مَتٰی کے معنی میں ہے۔ یہ مَتٰی کے خلاف مستقبل کے لیے خاص ہے۔ یہ ماضی اور مستقبل میں استعمال کیا جاتا ہے اور امور عظام (بڑے بڑے کاموں) کے ساتھ خاص ہے۔ لفظ ﴿ اَيَّانَ ﴾ چھ آیتوں میں آیا ہے۔

196 ﴿ اِنَّ وَلِیِّ ۦ الَّذِیْ ... يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ ﴾

نَصِيْبُكَ مِنَ الْوِلَايَةِ بِقَدْرِ حَظِّكَ مِنَ الْقُرْآنِ. (تمہارا ولایت میں حصہ تمہارے قرآن سے لگاؤ کے بقدر ہے۔)

198 ﴿ وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴾

مشرکین بظاہر آنکھیں تو رکھتے ہیں، مگر بصیرت کے اندھے ہیں۔

نظر اور بصر میں فرق :

اَلنَّظَرُ : رُؤْيَةُ الْاَشْيَاءِ مِنْ دُوْنِ اِسْتِخْدَامِ الْعَقْلِ. (چیزوں کو بغیر عقل استعمال کیے دیکھنا نظر کہلاتا ہے۔)

اَلْبَصَرُ : رُؤْيَةُ الْاَشْيَاءِ مَعَ اِسْتِخْدَامِ الْعَقْلِ وَالتَّرْكِيْزِ. (اشیاء کو عقل کے استعمال اور توجہ کے ساتھ دیکھنا بصر کہلاتا ہے۔)

199 ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ○﴾

یہ بات تین مقامات پر (المومنون، حم سجدہ اور الاعراف) کہی گئی ہے۔

وَرُوِیَ اَنَّهُ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجِبْرِيْلَ : مَا هٰذَا ؟ قَالَ : لَا اَدْرِیْ حَتّٰى اَسْئَلَهُ ، ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ : اِنَّ رَبَّكَ يَاْمُرُكَ اَنْ تَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ وَتُعْطِیَ مَنْ حَرَمَكَ وَتَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ . (تفسیر الطبری : ۱۳ / ۳۰۳) روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا "یہ کیا ہے؟" انھوں نے کہا "میں نہیں جانتا جب تک کہ میں (اللہ سے) نہ پوچھ لوں۔" پھر وہ واپس آئے اور کہا "بے شک آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اس سے تعلق جوڑیں جو آپ سے تعلق توڑے، اسے عطا کریں جو آپ کو محروم کرے اور اسے معاف کر دیں جس نے آپ پر ظلم کیا۔"

لَوْ وَصَلْتَ مَنْ قَطَعَكَ ، فَقَدْ عَفَوْتَ عَنْهُ ، وَاِذَا آتَيْتَ مَنْ حَرَمَكَ فَقَدْ آتَيْتَ بِالْمَعْرُوْفِ ، وَاِذَا عَفَوْتَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ فَقَدْ اَعْرَضْتَ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ . (تفسیر الرازی : ۱۵ / ۴۳۵) "اگر آپ نے اس سے تعلق جوڑا جس نے آپ سے تعلق توڑا تو آپ نے اسے معاف کر دیا، جب آپ نے اسے عطا کیا جس نے آپ کو محروم رکھا تو آپ نے بھلائی کی اور جب آپ نے اسے معاف کیا جس نے آپ پر ظلم کیا تو آپ نے جاہلوں سے اعراض کیا۔"

قَالَ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ : وَلَيْسَ فِی الْقُرْآنِ آيَةٌ اَجْمَعُ لِمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ مِنْ هٰذِهِ الْآيَةِ . (مدارج السالکین : ۲ / ۲۹۰) امام محمد بن جعفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں "قرآن میں اخلاق کریمانہ پر اس سے زیادہ جامع آیت کوئی نہیں۔"

﴿عَنِ الزُّهْرِیِّ ، قَالَ : اَخْبَرَنِیْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ ، اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، قَالَ : قَدِمَ عُيَيْنَةُ بْنُ

حِصْنِ بْنِ حُذَيْفَةَ فَنَزَلَ عَلَى ابْنِ اَخِيْهِ الْحُرِّ بْنِ قَيْسٍ ، وَكَانَ مِنَ النَّفَرِ الَّذِيْنَ يُدْنِيْهِمْ عُمَرُ ، وَكَانَ الْقُرَّاءُ اَصْحَابَ مَجَالِسِ عُمَرَ وَمُشَاوَرَتِهِ ، كُهُوْلًا كَانُوْا اَوْ شُبَّاناً ، فَقَالَ عُيَيْنَةُ لِابْنِ اَخِيْهِ : يَا ابْنَ اَخِيْ ! هَلْ لَكَ وَجْهٌ عِنْدَ هٰذَا الْاَمِيْرِ ، فَاسْتَاْذِنْ لِيْ عَلَيْهِ ، قَالَ : سَاَسْتَاْذِنُ لَكَ عَلَيْهِ ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : فَاسْتَاْذَنَ الْحُرُّ لِعُيَيْنَةَ فَاَذِنَ لَهُ عُمَرُ ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ : هِيْ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ ! فَوَاللّٰهِ مَا تُعْطِيْنَا الْجَزْلَ وَلَا تَحْكُمُ بَيْنَنَا بِالْعَدْلِ ، فَغَضِبَ عُمَرُ حَتّٰى هَمَّ اَنْ يُوْقِعَ بِهِ ، فَقَالَ لَهُ الْحُرُّ : يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ، اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ ، وَاِنَّ هٰذَا مِنَ الْجَاهِلِيْنَ ، وَاللّٰهِ مَا جَاوَزَهَا عُمَرُ حِيْنَ تَلَاهَا عَلَيْهِ ، وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللّٰهِ﴾ (بخاری : کتاب تفسیر القرآن ، حدیث ٤٦٤٢) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ عیینہ بن حصین بن حذیفہ نے اپنے بھتیجے حر بن قیس کے یہاں قیام کیا۔ حر بن قیس ان خاص لوگوں میں سے تھے جنھیں عمر رضی اللہ عنہ اپنے بہت قریب رکھتے تھے کیونکہ جو لوگ قرآن کریم کے زیادہ عالم اور قاری ہوتے، انھیں عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بڑی پذیرائی حاصل ہوتی تھی۔ ایسے لوگ ہی آپ کے مشیر ہوتے تھے، قطع نظر اس سے کہ وہ عمر رسیدہ ہوں یا نوجوان۔ بہر حال عیینہ بن حصن نے اپنے بھتیجے سے کہا ”تمھیں اس امیر کی مجلس میں بڑا قرب حاصل ہے، لہٰذا مجھے بھی مجلس میں حاضری کی اجازت لے دو۔“ حر بن قیس نے کہا ”میں آپ کے لیے مجلس میں حاضری کی اجازت مانگوں گا۔“ چنانچہ انھوں نے عیینہ کے لیے اجازت مانگی تو عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں مجلس میں آنے کی اجازت دے دی۔ جب وہ مجلس میں پہنچا تو کہنے لگا ”اے خطاب کے بیٹے! اللہ کی قسم! تم نہ ہمیں مال دیتے ہو اور نہ عدل کے مطابق فیصلے ہی کرتے

ہو۔'' عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی بات پر بہت غصہ آیا۔ عمر رضی اللہ عنہ اسے مزہ چکھانے کے لیے آگے ہی بڑھ رہے تھے کہ حر بن قیس نے عرض کیا ''امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ ﴾ (درگزر اختیار کیجیے اور نیکی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے۔) بلا شبہ یہ بھی جاہلوں میں سے ہے۔'' اللہ کی قسم! جب حر نے واقعی قرآن مجید کی تلاوت کی تو عمر رضی اللہ عنہ وہیں رک گئے۔ واقعی عمر رضی اللہ عنہ کتاب اللہ کا حکم سن کر فوراً گردن جھکا دینے والے تھے۔

اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کا وظیفہ بند کر دیا تھا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ آیت سن کر دوبارہ جاری کر دیا۔

﴿ خُذِ الْعَفْوَ ﴾ لے لے۔ کون دے رہا ہے؟ اللہ عزوجل۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تینوں باتیں بہت اہم ہیں۔

قَالَ الْاِمَامُ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى : يَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنَ الظَّالِمِ بِظَالِمٍ ، ثُمَّ يَنْتَقِمُ مِنْ كِلَيْهِمَا . (الجامع المسائل المدونة : ٦ / ٢٢٨) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ''اللہ ظالم سے ایک دوسرے ظالم کے ذریعے بدلہ لیتا ہے، پھر وہ ان دونوں سے بدلہ لیتا ہے۔''

عفو کا سب سے اعلیٰ درجہ تَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَكَ (تم اسے معاف کر دو جس نے تم پر ظلم کیا) ہے۔

﴿ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ ﴾ اَلْعُرْفُ : هُوَ الْعَادَةُ الْعَامَّةُ مَعَ عَدَمِ رَدِّ الشَّارِعِ عَنْهُ . (عرف وہ عادت ہے جس سے شارع نے منع نہ کیا ہو۔)

وَقَدْ قَالَ اَهْلُ الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ : اِنَّ الْعَقْلَ يَاْمُرُ بِالْاَنْفَعِ وَالْمُرُوْءَةَ تَاْمُرُ بِالْاَرْفَعِ . (ادب الدين والدنيا : ص ٣٠٦) اہل علم و حکمت نے فرمایا ہے ''عقل زیادہ نفع بخش چیز کا حکم دیتی ہے اور مروءت اعلیٰ چیز کا حکم دیتی ہے۔''

مروءت، المرء سے ہے جس کے معنی انسان کے ہیں، یعنی انسانیت۔
یہ آیت مروءت کی اصل ہے۔

امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے قرآن سے ہر چیز مستنبط کی ہے، پھر اس میں مروءت کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے قول ﴿ خُذِ الْعَفْوَ ... ﴾ میں ہے۔

﴿ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ يَعْنِىْ اِذَا سَفِهَ عَلَيْكَ الْجَاهِلُ فَلَا تُقَابِلْهُ بِالسَّفَهِ. (مدارج السالكين لابن القيم : ٢ / ٢٩١) ''یعنی جب کوئی جاہل تم سے جہالت کرے تو تم اس کا جواب جہالت سے نہ دو۔''

وَالْاِعْرَاضُ : اِدَارَةُ الْوَجْهِ عَنِ النَّظَرِ لِلشَّىْءِ ، مُشْتَقٌّ مِنَ الْعَارِضِ وَهُوَ الْخَدُّ . (التحرير والتنوير : ٩ / ٢٢٨) ''اعراض کا مطلب ہے، کسی چیز کی طرف دیکھنے سے چہرہ پھیر لینا۔ یہ لفظ ''عارض'' سے مشتق ہے جس کا معنی گال ہے۔''

يَعْنِىْ لَا تُقَابِلْهُمْ بِجَهْلِهِمْ . (یعنی ان کی جہالت کا جواب نہ دو۔)

لِاَنَّ مَنْ يَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ لَا يَسْلَمُ مِنْ اَذِيَّةِ الْجَاهِلِيْنَ .
(کیونکہ جو شخص نیکی کا حکم دیتا ہے، وہ جاہلوں کی ایذا رسانی سے محفوظ نہیں رہتا۔)

جب طائف کی وادی میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر مارے گئے اور آپ کے قدم مبارک سے خون جاری ہو گیا تو جبریل امین علیہ السلام نے آسمان سے نازل ہو کر کہا ''اگر آپ اجازت دیں تو میں ان پر طائف کے پہاڑوں کو الٹا دوں۔'' جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاریخ ساز جملہ بول کر اپنی رحمۃ للعالمینی کو ثابت کر دیا: ﴿ جَعَلُوْا يَرْجُمُوْنَهُ بِالْحِجَارَةِ ، وَهُوَ يَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِىْ ، فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (تفسير ابن كثير : ٦ / ٥٧١) (طائف کے بدبختوں نے) آپ پر پتھراؤ شروع کر دیا اور آپ جواب میں فرماتے جاتے ''الٰہی! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ جانتے نہیں

ہیں۔"

جاہلوں کے شر سے دفع کے لیے اعراض کا حکم دیا اور شیطان کے شر کو دفع کرنے کے لیے اس سے استعاذہ کا حکم دیا۔

﴿ خُذِ ﴾ اپنائیں آپ۔

﴿ الْعَفْوَ ﴾ درگزر کو۔

یعنی کسی سے مثلاً نوکر، بہو وغیرہ سے غلطی ہو جائے تو درگزر سے کام لیں۔

﴿ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ ﴾ اچھے کام، مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے۔

﴿ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ کوئی آپ سے بدتمیزی کرے تو اعراض کریں۔

نابغہ نے کہا: فَلَا النُّكْرُ مَعْرُوْفٌ وَلَا الْعُرْفُ ضَائِعُ ، فَقَابَلَ النُّكْرَ الْمَعْرُوْف . (نہ تو منکر معروف ہے اور نہ عرف ضائع ہونے والی ہے، لہٰذا منکر کا مقابلہ معروف سے کرو۔)

200 ﴿ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ ... ﴾

شیطان کا وسوسہ ڈالنا عصمت کے منافی نہیں۔ عصمت کے منافی یہ ہے کہ آپ شیطان کا وسوسہ قبول کریں۔

201 ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا ﴾

ہدایت کا دارومدار دو اصولوں پر ہے: تذکر اور ابصار۔

تذکر باب تفعل سے ہے۔ وَهُوَ حُصُوْلُ صُوْرَةٍ مِنَ الْمَذْكُوْرِ فِى الْقَلْبِ. (تذکر یہ ہے کہ مذکور کی صورت دل میں حاضر ہو جائے۔)

تذکر سے مراد حافظے سے معلومات یا واقعات کو دوبارہ ذہن میں لانا ہے۔ یہ دراصل دماغ میں ذخیرہ شدہ علم سے متعلق ہے۔

اس کے برعکس ابصار آنکھوں کے ذریعے چیزوں کو دیکھنے کا عمل ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ حواس کے ذریعے باہری دنیا کے ادراک سے متعلق ہے۔

204 ﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ ﴾

مسئلہ : قراءت کے درمیان اگر جماہی آئے تو کیا کرے؟

(جواب) قَالَ مُجَاهِدٌ : إِذَا تَثَاءَبْتَ وَأَنْتَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَأَمْسِكْ عَنِ الْقُرْآنِ تَعْظِيمًا حَتَّى يَذْهَبَ تَثَاؤُبُكَ . (تفسير القرطبی : ١ / ٢٧) امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''تلاوت کے دوران میں جماہی آئے تو تعظیماً تلاوت موقوف کر دے۔ جب جماہی بند ہو جائے تو تلاوت دوبارہ شروع کرے۔''

عَنْ عِكْرِمَةَ ، قَالَ : إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يَقْرَءُ فَلْيُمْسِكْ عَنِ الْقِرَاءَةِ . (مصنف ابن ابی شيبة : ٧٩٩٤) امام عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''جب تم میں سے کوئی جماہی لے، اس حال میں کہ وہ قرآن پڑھ رہا ہو تو اسے چاہیے کہ پڑھنا بند کر دے۔''

205 ﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيْفَةً ... ﴾

پوشیدہ وخفیہ دعا کرنے کی توجیہ :

① بڑے سے آہستہ بات کی جاتی ہے۔

② آہستہ میں اخلاص ہے اور بلند آواز سے دعا کرنے میں ریا کا خدشہ ہے۔

③ جو دور ہو تو اس سے بلند آواز سے اور جو قریب ہو تو اس سے آہستہ دعا کی جاتی ہے۔

④ دل کا حال بتانا ہے اور دل کی بات چپکے سے کہی جاتی ہے۔

⑤ اس میں اس عقیدے کا اظہار ہے کہ اللہ پوشیدہ دعائیں بھی سنتا ہے۔

یہ آہستہ دعا کرنے کے فوائد ونکات ہیں۔

﴿ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴾ انسان نوم (نیند) جو موت کی طرح ہے، اس سے یقظہ (بیداری) کی طرف پلٹتا ہے جو حیات کی طرح ہے اور عالم ظلمت سے نور کی طرف۔

﴿ وَالْآصَالِ ﴾ انسان پھر حیات سے موت کی طرف اور عالم نور سے ظلمت کی طرف پلٹ جاتا ہے۔

فَيَصْعَدُ عَمَلُ اللَّيْلِ عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ ، وَيَصْعَدُ عَمَلُ النَّهَارِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلَى الغُرُوْبِ ، فَاسْتُحِبَّ لَهُ الذِّكْرُ فِيْهِمَا . (پس رات کا عمل فجر کی نماز کے وقت اوپر چڑھتا ہے اور دن کا عمل عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک اوپر چڑھتا ہے، اسی لیے ان دونوں اوقات میں ذکر کرنا مستحب قرار دیا گیا ہے۔)

﴿وَيُسَبِّحُوْنَهُ وَلَهُ يَسْجُدُوْنَ﴾ 206

سجدۂ تلاوت کی دعا :

﴿عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! رَاَيْتُنِي اللَّيْلَةَ وَاَنَا نَائِمٌ كَاَنِّيْ كُنْتُ اُصَلِّيْ خَلْفَ شَجَرَةٍ ، فَسَجَدْتُ فَسَجَدَتِ الشَّجَرَةُ لِسُجُوْدِيْ ، فَسَمِعْتُهَا وَهِيَ تَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْراً ، وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وِزْراً ، وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْراً ، وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ﴾ (سنن الترمذی : ابواب الدعوات ، حديث ٣٤٢٤ ، حكم الالبانی : حسن) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا ”اے اللہ کے رسول! میں سویا ہوا تھا۔ رات کو میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا گویا میں ایک درخت کے نیچے نماز پڑھ رہا ہوں۔ میں نے سجدہ کیا تو درخت نے بھی میرے سجدے کی متابعت کرتے ہوئے سجدہ کیا۔ میں نے سنا، وہ پڑھ رہا تھا : اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْراً ، وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وِزْراً ، وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْراً ، وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ . (اے اللہ! تو اس کے بدلے میرے لیے اپنے پاس اجر و ثواب لکھ دے اور اس کے عوض مجھ پر سے (گناہوں کا) بوجھ اتار دے اور اسے اپنے پاس (میرے لیے آخرت کا) ذخیرہ بنا دے اور اسے میرے لیے ایسے ہی

قبول کرلے جس طرح تونے اپنے بندے داؤد علیہ السلام کے لیے قبول کیا تھا۔)''
یہی دعا ثابت ہے۔اس کے سوا کوئی دعا ثابت نہیں۔

سورۂ انفال

① قَالَ ابْنُ اِسْحَاقَ : اُنْزِلَتْ فِیْ اَمْرِ بَدْرٍ سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ بِاَسْرِهَا وَكَانَتْ غَزْوَةُ بَدْرٍ فِیْ رَمَضَانَ مِنَ الْعَامِ الثَّانِیْ لِلْهِجْرَةِ بَعْدَ عَامٍ وَنِصْفٍ مِنْ يَوْمِ الْهِجْرَةِ ، وَذٰلِكَ بَعْدَ تَحْوِيْلِ الْقِبْلَةِ بِشَهْرَيْنِ . (التحرير والتنوير : ۹ / ۲٤٥) ابن اسحاق رحمہ اللہ نے کہا ''غزوۂ بدر کے معاملے میں پوری سورۂ انفال نازل ہوئی۔غزوۂ بدر ہجرت کے دوسرے سال رمضان میں ہوا جو ہجرت کے دن سے ڈیڑھ سال بعد کا وقفہ ہے۔یہ (بدر) قبلے کی تبدیلی کے دو ماہ بعد ہوا تھا۔''

② لِلنَّصْرِ قَوَانِيْنُ مَادِّيَّةٌ وَقَوَانِيْنُ رَبَّانِيَّةٌ ، قَوَانِيْنُ مَادِّيَّةٌ : وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ، وَقَوَانِيْنُ رَبَّانِيَّةٌ : وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ . (نصرت کے لیے مادی قوانین اور ربانی قوانین ہوتے ہیں۔ مادی قوانین یہ ہیں ''اور ان (کافروں کے مقابلے) کے لیے تم مقدور بھر قوت تیار رکھو۔'' جبکہ ربانی قوانین یہ ہیں ''اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔'')

③ سورۂ انفال دو نصفوں میں منقسم ہے۔نصف اول میں اس بات پر ترکیز (فوکس) کیا گیا ہے کہ مُنَزِّلُ النَّصْرِ هُوَ اللّٰهُ . (نصرت کو نازل کرنے والا صرف اللہ ہے۔) دوسرے نصف میں اس بات پر گفتگو کی گئی ہے کہ اسباب مادیہ اختیار کیے جائیں، یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے ہم پر مدد نازل ہو۔

بدر میں مدد کی تین شکلیں تھیں :

① فرشتوں کی کمک ② نیند ③ بارش رحمت

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ...﴾ 1

قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ : اِنَّ : يَسْئَلُوْنَكَ ، اِذَا لَمْ تَكُنْ مُقْتَرِنَةً بِوَاوٍ

يَكُوْنُ السُّؤَالُ قَدْ وَقَعَ مِنَ الصَّحَابَةِ ، وَاَمَّا اِذَا كَانَتْ مُقْتَرِنَةً بِالْوَاوِ فَاِنَّ اللّٰهَ يُخْبِرُ بِهِ لِعِلْمِهِ جَلَّ وَعَلَا اَنَّهُ سَيَقَعُ . کچھ علماء نے کہا ”اگر ﴿ یَسْـَٔلُوْنَکَ ﴾ واو کے ساتھ نہ ہوتو سوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے ہوتا ہے، جبکہ اگر یہ واو کے ساتھ ہوتو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں خبر دیتا ہے کیونکہ اسے اپنے علم کامل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال وقوع پذیر ہوگا۔“

مال فے : وہ ہے جس پر گھوڑے نہ دوڑائے گئے ہوں۔ اس میں خمس نہیں ہوتا کیونکہ مال فے غنیمت نہیں ہے۔ اس مال کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مرضی سے خرچ کرتے تھے۔ اپنے اہل وعیال پر، یا جس پر آپ چاہیں۔

غنیمت : وہ ہے جو غلبۂ فوج کے ذریعے حاصل ہو۔ امیر لشکر اس کے پانچ حصے کرے گا۔ سوار کے دو حصے ہوں گے، پیادہ کا ایک حصہ ہوگا اور پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہوگا۔ پھر اس خمس کے پانچ حصص ہوں گے۔

جنگ بدر میں دشمن کو شکست ہوئی تو فوج تین گروہوں میں تقسیم ہوگئی :

...... پہلا گروہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے آپ کے ساتھ رہا۔

...... دوسرا گروہ دشمن کے تعاقب میں گیا۔

...... تیسرا گروہ مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گیا۔

تیسرے گروہ نے کہا کہ مال ہم نے جمع کیا، لہٰذا وہ ہمارا ہے۔

دوسرے دو گروہوں نے کہا کہ ہم بھی خدمت انجام دے رہے تھے، لہٰذا ہمارا بھی حصہ ہونا چاہیے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مال غنیمت کے بارے میں فیصلے کا پورا اختیار اللہ اور اس کے رسول کا ہے، لہٰذا آپ نے آیت ۴۱ کے تحت پانچواں حصہ نکال کر باقی تمام فوجوں میں تقسیم کر دیا۔ اس سلسلے میں جو تعلقات کشیدہ ہوئے، تنبیہ کی گئی کہ باہمی تعلقات کو درست کر لیں۔

نکتہ : تعلقات جب خراب ہوتے ہیں تو غیبت، الزام تراشیاں اور گالی گلوچ شروع

ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو معاملہ قتل تک پہنچ جاتا ہے۔

تعلقات کی اصلاح کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں :

① تقویٰ، یعنی احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ ہو۔ یہ منفی پہلو ہے۔

② اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننا۔ یہ مثبت پہلو ہے۔

ان دونوں باتوں کا لحاظ مومن ہی کرے گا۔

4 ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ...﴾

﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یعنی ان پانچ صفات سے متصف لوگ ہی سچے مومن ہیں۔

پکے مومن کی پہچان : پانچ اوصاف جس میں ہوں۔ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝﴾ (الانفال : ۸ / ۲-۴) ''(سچے) مومن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے، اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے اپنے رب کے یہاں درجے ہیں اور بخشش ہے اور باعزت رزق ہے۔''

9 ﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ ...﴾

لَمَّا رَاَوْا اَنْفُسَهُمْ فِیْ قِلَّةِ عَدَدٍ اسْتَغَاثُوْا فَاَمَدَّهُمُ اللّٰهُ بِالْمَلَائِكَةِ. (معانی القرآن واعرابه للزجاج : ۲ / ۴۰۲) ''جب انھوں نے خود کو کم تعداد میں پایا تو انھوں نے مدد مانگی، پس اللہ عزوجل نے فرشتوں کے ذریعے ان کی مدد فرمائی۔''

11 ﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ ... وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ○﴾

﴿ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ ﴾ جنگ سے پہلے اللہ نے انھیں سلا دیا، پھر وہ بیدار ہوئے تو ہلکی بارش ہوئی تا کہ غسل کر لیں اور جنگ کے لیے نشیط (چاک وچوبند) ہو جائیں۔ فَحَتَّى الْاِعْدَادُ النَّفْسِيُّ كَانَ بِتَقْدِيْرٍ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ . (یہ اعداد نفسی (روحانی تیاری) بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے تھا۔)

﴿ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ عدوۃ الدنیا جہاں مسلمان تھے، بارش کے نزول سے وہاں ریت قدموں کے نیچے جم گئی۔ اس کے بالمقابل عدوۃ قصویٰ جہاں کافر تھے، نزول کے وقت کفار کے لشکر کے لیے حرکت میں رکاوٹ بن گئی۔

﴿ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴾ لِاَنَّ ثَبَاتَ الْقَلْبِ اَصْلُ صِفَاتِ الْبَدَنِ . (کیونکہ دل کے ثبات ہی سے بدن کا ثبات ہوتا ہے۔)

11-12 ﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ ... مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ○﴾

نکتہ : جنگ بدر میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر اللہ کی سات نعمتیں نازل ہوئیں :

① اَلنَّصْرُ عِنْدَ الْاِسْتِغَاثَةِ (مدد مانگنے پر نصرت کا ملنا)

② اِلْقَاءُ النُّعَاسِ (اونگھ کا طاری ہونا)

③ اِنْزَالُ الْمَطَرِ (بارش کا نازل ہونا)

④ اَلرَّبْطُ بَيْنَ الْقُلُوْبِ (دلوں کو جوڑنا)

⑤ تَثْبِيْتُ الْاَقْدَامِ عَلَى الرِّمَالِ الَّتِيْ تَلَبَّدَتْ بِالْمَطَرِ (ان ریتوں پر قدم جمانا جو بارش سے جم گئی تھیں۔)

⑥ اَلْاِيْحَاءُ اِلَى الْمَلَائِكَةِ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ (فرشتوں کو یہ وحی کرنا کہ اللہ، مومنوں کے ساتھ ہے۔)

⑦ اِلْقَاءُ الرُّعْبِ فِيْ قُلُوْبِ الْكَافِرِيْنَ (کافروں کے دلوں میں رعب ڈالنا۔)

15 ﴿إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفاً فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ﴾

جنگ کی تمنا نہیں کرنا چاہیے، مگر جنگ مسلط کر دی جائے تو ثابت قدم رہنا چاہیے۔ پیٹھ موڑنا جائز نہیں۔

17 ﴿وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَناً﴾

اَیْ وَلِيُنْعِمَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ نِعَمَهُ عَظِيْمَةً بِالنَّصْرِ وَالْغَنِيْمَةِ وَالْأَجْرِ وَالثَّوَابِ. (تفسير الثعلبى : ٤ / ٣٣٩) ''تاکہ مومنوں پر اللہ اپنی عظیم نعمتوں کا انعام کرے...... فتح، مالِ غنیمت، اجر اور ثواب کے ذریعے۔''

22 ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ ... الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝﴾

وَالدَّابَّةُ : كُلُّ مَا دَبَّ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مِنَ الْحَيَوَانِ . (تفسير القرطبى : ١٢ / ٢٩١) ''دابہ ہر وہ جان دار ہے جو روئے زمین پر رینگتا ہے۔''

کان دیا تھا، حق سنتے نہیں۔ زبان دی تھی، حق بولتے نہیں۔ دل دیا تھا، حق سمجھتے نہیں۔ فَهٰؤُلَاءِ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ، لِاَنَّ كُلَّ دَابَّةٍ مِمَّا سِوَاهُمْ مُطِيْعَةٌ لِلّٰهِ . (تفسير ابن كثير : ٤ / ٣٤) ''یہ ساری مخلوق میں بدترین ہیں کیونکہ ان کے سوا ہر مخلوق اللہ کی اطاعت گزار ہے۔''

24 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ ...﴾

① اِسْتِجَابَةً لِلرَّسُوْلِ اسْتِجَابَةُ اللّٰهِ . (جس نے اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا، اس نے اللہ کی دعوت پر لبیک کہا۔)

② اِنَّ مَنْ لَمْ يَسْتَجِبِ اللّٰهَ وَلِرَسُوْلِهِ فَهُوَ كَالْمَيِّتِ . (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی دعوت قبول نہیں کی، وہ مردے کی طرح ہے۔''

فَالْإِجَابَةُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَى : الْعَطَاءُ ، وَمِنَ الْعَبْدِ : الطَّاعَةُ . (تفسير البغوى : ١ / ٢٢٦) ''پس اللہ کی طرف سے اجابت کا مطلب عطا کرنا ہے، جبکہ

بندے کی طرف سے اجابت کا مطلب اطاعت کرنا ہے۔"

(فی حق اللہ) اجاب اور استجاب میں فرق :

• اَلْاِسْتِجَابَةُ اَنْ يُحَقِّقَ لَكَ مَا طَلَبْتَ عَيْنَهُ . (استجابت یہ ہے کہ اللہ تمھیں وہی عطا کرے جو تم نے طلب کیا ہے۔) یعنی جو مانگا، بعینہٖ وہی دے دیا گیا۔

• وَالْاِجَابَةُ قَدْ تَكُوْنُ بِغَيْرِ مَا طَلَبَ . (اجابت کبھی بغیر طلب کے بھی ہوتی ہے۔) اور اللہ وہی کرتا ہے جو دعا کرنے والے کے حق میں بہتر ہوتا ہے کیونکہ جب بھی کوئی مومن دعا کرتا ہے تو اسے تین چیزوں میں سے ایک چیز دی جاتی ہے۔

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ 25

هٰذَا الْكَلَامُ خَرَجَ مَخْرَجَ الْاَمْرِ وَتَاْوِيْلُهُ الْخَبَرُ . (یہ کلام بظاہر تو حکم کے انداز میں نکلا ہے، لیکن اس کی تاویل خبر ہے۔)

خَاصَّةً - خُصُوْصاً : تُعْرَبُ مَفْعُوْلًا مُطْلَقاً ، وَالَّذِيْ بَعْدَهَا مَفْعُوْلٌ بِهِ . (خاصۃ اور خصوصاً کو مفعول مطلق کا اعراب دیا جاتا ہے اور جو اسم ان کے بعد آتا ہے، وہ مفعول بہ ہوتا ہے۔)

﴿اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوْا الظَّالِمَ فَلَمْ يَاْخُذُوْا عَلَى يَدَيْهِ اَوْشَكَ اَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ﴾ (ترمذی : ابواب الفتن ، حدیث ۲۱۶۸ ، حکم الالبانی : صحیح) "جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں (اسے ظلم سے نہ روک دیں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا عذاب لوگوں پر عام کر دے۔"

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ ... مِنْهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○﴾ 33

قَالَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ : لِاَنَّ الْاِسْتِغْفَارَ يَمْحُو الذَّنْبَ الَّذِيْ هُوَ سَبَبُ الْعَذَابِ فَيَنْدَفِعُ الْعَذَابُ . (مجموع الفتاوی : ۸ / ۱۶۳) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "کیونکہ استغفار اس گناہ کو مٹا دیتا ہے جو عذاب کا سبب ہوتا ہے، چنانچہ عذاب ٹل جاتا ہے۔"

اس آیت میں دو امان ہیں۔

قَالَ بَعْضُ السَّلَفِ : كَانَ لَنَا اَمَانَانِ مِنَ الْعَذَابِ ، وَهُمَا : وُجُوْدُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَالْاِسْتِغْفَارُ ، فَلَمَّا مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ الْاَمَانُ الْوَاحِدُ ، وَبَقِيَ الْآخَرُ . (تفسير ابن جزى : ١ / ٣٢٥) بعض سلف کہتے ہیں ''ہمارے لیے عذاب سے دو امانیں تھیں : ① نبی ﷺ کا وجود اور ② استغفار۔ جب نبی ﷺ وفات پا گئے تو ایک امان چلی گئی اور دوسری باقی رہ گئی۔''

قَالَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ : اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَتُغْلَقُ عَلَيَّ فَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَلْفَ مَرَّةٍ اَوْ اَكْثَرَ اَوْ اَقَلَّ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ عَلَيَّ فَمَا اَسْهَلَهُ مِنْ عَمَلٍ وَمَا اَعْظَمَهُ مِنْ اَجْرٍ . (العقود الدرية : ٢٢٢١) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ''جب کوئی پیچیدہ مسئلہ آن پڑتا ہے تو میں لگ بھگ ہزار مرتبہ استغفار کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ اس کا حل مجھ پر آشکار کر دیتا ہے۔''

نکتہ : اللہ کی رحمت دیکھو کہ مستغفرون نہیں کہا بلکہ ﴿ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴾ کہا۔ یعنی استغفار اِنْ لَمْ يَكُنْ دَائِماً (اگرچہ ہمیشہ نہ ہو) یا صفت ثابتہ نہ بھی ہو، تب بھی اللہ انھیں عذاب نہیں دے گا۔ اللہ نے مزید فرمایا : ﴿ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴾ (القصص : ٢٨ / ٥٩) ''اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں، جبکہ ان کے باشندے ظالم ہوں۔'' یہاں يَظْلِمُوْنَ کے بجائے ﴿ ظٰلِمُوْنَ ﴾ کہا۔ یعنی ظلم اگر صفت ثابتہ ہو جائے تو اللہ ہلاک کر دیتا ہے۔

35 ﴿ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ﴾

''بیت اللہ کے پاس ان (مشرکین) کی عبادت صرف سیٹیاں اور تالیاں ہیں۔''

اَلصَّفِيْرُ لَا يَجُوْزُ ، وَيُسَمّٰى فِي اللُّغَةِ : الْمُكَاءَ ، وَهُوَ مِنْ خِصَالِ الْجَاهِلِيَّةِ ، وَمِنْ مَسَاوِي الْاَخْلَاقِ . (فتاوى اللجنة الدائمة :

۲۶ / ۳۹۰) ”سیٹی بجانا جائز نہیں ہے۔ لغت میں اسے ”المکاء“ کہا جاتا ہے اور یہ جاہلیت کی خصلتوں اور اخلاقی برائیوں میں سے ہے۔“

مسئلہ : حوصلہ افزائی کے لیے تالی بجانا یا سیٹی مارنا جائز نہیں۔

وَاَمَّا الرَّقْصُ ، وَالتَّصْفِيْقُ ، وَالصَّرِيْخُ ، وَضَرْبُ الْاَوْتَارِ ، وَالصَّنْجِ ، وَالْبُوْقِ الَّذِىْ يَفْعَلُهُ بَعْضُ مَنْ يَدَّعِى التَّصَوُّفَ فَاِنَّهُ حَرَامٌ بِالْاِجْمَاعِ . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح : ص ۲۱۵) ”رقص کرنا، تالیاں بجانا، چیخیں مارنا، کمان کی تاند بجانا، باجا بجانا اور بگل بجانا جو بعض صوفیہ کرتے ہیں، بالاجماع حرام ہے۔“

38 ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ﴾

جہاد کا مقصود : فساد کو روکنا ہے۔ جہاد، دنگا اور کشت و خوں کا نام نہیں۔

جہاد کی تین شکلیں ہیں :

① دفاعی : جب آپ پر حملہ ہو۔

② اقدامی : جب درندہ صفت لوگ زمین میں فساد مچائیں اور لوگوں کی زندگی اجیرن کر دیں۔

③ اتفاقی : جیسے بدر میں۔

ملک گیری، بہادری کا جوہر دکھانے، یا قومی عصبیت کے لیے جو لڑائی ہو، وہ جہاد نہیں۔

پارہ نمبر ۱۰

43-44 ﴿اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ ... وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○﴾

رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ کفار کی تعداد کم ہے تا کہ ان کے قلوب ثابت رہیں۔

پھر مشرکوں کو مسلمانوں کی تعداد کم دکھائی تا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف محتاط نہ رہیں اور ان کے خلاف جنگ میں زیادہ تیاری نہ کریں، جبکہ مسلمانوں کو مشرکوں کی تعداد کم دکھائی تا کہ مسلمان ان کی اصل تعداد دیکھ کر گھبرا نہ جائیں۔

45 ﴿اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْراً﴾

جب دل گھبرائے تو اللہ کا ذکر کرو اور قرآن، اللہ کا ذکر ہے۔

دلائل کے ساتھ اختلاف ممنوع نہیں ہے۔ ممنوع یہ ہے کہ حق واضح ہونے کے بعد بھی اپنے موقف پر ڈٹا رہے اور اپنی رائے سے رجوع نہ کرے۔

توکل کا معنی یہ ہے کہ اسباب کے حصول کے بعد نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔

53 ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّراً ...﴾

قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : مَا نَزَلَ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ ، وَلَا رُفِعَ اِلَّا بِتَوْبَةٍ . (الداء والدواء لابن القيم : ١ / ٧٤) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "مصیبت صرف گناہ ہی کی وجہ سے آتی ہے اور مصیبت صرف توبہ ہی کے ذریعے دور کی جاتی ہے۔"

﴿حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ مِنَ الطَّاعَةِ اِلَى الْمَعْصِيَةِ . (تفسير السعدي : ص ١٨٤) "فرماں برداری سے نافرمانی کی طرف۔" معصیت سے ناشکری ہوتی ہے۔

63 ﴿ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ﴾

عرب، دنیاوی کمال یا مادی چیزوں سے محبت کرتے تھے۔ ان کے دل میں آخرت کی محبت پیدا کردی۔ اس طرح عارضی محبت کو دائمی محبت میں بدل دیا۔ جب آخرت سے محبت ہوگئی تو ان کے دلوں کی سختی جاتی رہی۔

64 ﴿ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

"اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ آپ کو کافی ہے اور ان مومنوں کو بھی جو آپ کی اتباع کررہے ہیں۔"

یہاں ﴿ وَمَنِ اتَّبَعَكَ ﴾ کا عطف ﴿ النَّبِيُّ ﴾ پر ہے۔ اس کا معنی ایسا ہوگا: حَسْبُكَ اللّٰهُ وَحَسْبُ اللّٰهِ اَيْضاً لِلْمُؤْمِنِيْنَ ، فَاللّٰهُ حَسْبٌ لَكَ وَحَسْبٌ لِاَتْبَاعِكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ . (آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور اللہ ہی مومنین کے لیے بھی کافی ہے۔ پس اللہ آپ کے لیے کافی ہے اور آپ کے پیروکاروں میں سے جو مومن ہیں، ان کے لیے بھی کافی ہے۔) یہ لفظ الجلالہ (اللہ) پر معطوف نہیں ہے۔ یعنی معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ آپ کو کافی ہے اور مومنین آپ کو کافی ہیں کیونکہ حسب (کافی ہے) اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ (شرح رسالة العبودية لابن تيمية : ۲ / ۱۵)

65 ﴿ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ﴾

جہاد کی مشروعیت کی حکمت :

(سوال) جہاد سے انسان مارے جاتے ہیں، عورتیں بیوہ ہوتی ہیں، بچے یتیم ہوتے ہیں، شہر تباہ ہوتے ہیں اور علمی و تحقیقی متاع ضائع ہوجاتی ہے۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ جہاد کی مشروعیت کے ساتھ مبعوث کرنے کی کیا حکمت ہے؟

(جواب) لوگ اپنے عیش و آرام کی خاطر جو زیر دست ہوتے ہیں، انھیں مغلوب کرتے ہیں۔ خیر کثیر کے حصول کے لیے شر قلیل کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

مومن و کافر میں فرق : ① مومن موت سے نہیں ڈرتا کیونکہ وہ حیات بعد الممات پر

یقین رکھتا ہے۔ کافر موت سے ڈرتے ہیں کیونکہ انھیں آخرت پر یقین نہیں ہوتا۔ ② مومن جنگ میں اللہ پر اعتماد کرتا ہے۔ کافر مادی چیزوں پر اعتماد کرتا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا ... بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○﴾ 72-75

اللہ بدریین کو گناہ کبیرہ سے دور رکھے گا، یا مرنے سے پہلے توبہ کی توفیق دے دے گا۔ ان پر دنیا میں عتاب ہونا آخرت میں مغفرت کے منافی نہیں۔

عہد رسالت میں مومنوں کی چار قسمیں ہیں :

① مہاجرین اولین صحابہ رضی اللہ عنہم جن کا ذکر ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ میں ہے۔

② انصار جن کا ذکر ﴿وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا﴾ میں ہے۔

③ صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کرنے والے جن کا ذکر ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ﴾ میں ہے۔

④ فتح مکہ تک ہجرت نہ کرنے والے جن کا ذکر ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا﴾ میں ہے۔

بدریین کی فضیلت کی وجہ : عددی قوت اور تیاری کے بغیر جنگ کرنا۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی خوشنودی کے آگے انھیں نہ دنیاوی مال محبوب تھا اور نہ جان۔

وِلایت اور وَلایت : ولایت (زیر کے ساتھ) سے مراد نصرت اور ولایت (زبر کے ساتھ) سے مراد کسی امر کا والی ہونا اور اس میں تصرف کرنا ہے۔

اس میں تکرار نہیں کیونکہ آیت نمبر ۷۲ سے مقصود تھا کہ مہاجرین و انصار کے درمیان ولایت کو بیان کیا جائے، جبکہ اس آیت سے مقصود ہے کہ مہاجرین و انصار کی تعریف و توصیف بیان کی جائے کیونکہ ان کا ایمان کامل ہے اور مومن برحق ہیں۔

سورۂ توبہ

قرآن میں توبہ کے تین اطلاقات ہیں :

① بِمَعْنَى التَّجَاوُزِ وَالْعَفْوِ ، وَهٰذَا مُقَيَّدٌ بِ عَلَى . (تجاوز اور معاف کرنے کے معنی میں۔ یہ "علیٰ" کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔)

جیسے ﴿ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ ﴾ (البقرة : ٢ / ٥٤) "تم اپنے پیدا کرنے والے کے حضور توبہ کرو۔"

② بِمَعْنَى الرُّجُوْعِ وَالْاِنَابَةِ ، وَهٰذَا مُقَيَّدٌ بِ اِلَى . (لوٹنے اور رجوع کرنے کے معنی میں۔ یہ "الیٰ" کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔)

جیسے ﴿ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ﴾ (التحريم : ٦٦ / ٨) "تم اللہ کے حضور خالص توبہ کرو۔"

③ بِمَعْنَى النَّدَمِ عَلَى الزَّلَّةِ ، وَهٰذَا غَيْرُ مُقَيَّدٍ لَا بِ اِلَى وَلَا بِ عَلَى . (لغزش پر ندامت کے معنی میں۔ یہ نہ "الیٰ" کے ساتھ مقید ہوتا ہے اور نہ "علیٰ" کے ساتھ۔)

جیسے ﴿ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ (التوبة : ٩ / ٣) "پھر اگر تم توبہ کرلو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔"

قبولیت توبہ کی شرائط :

① اَنْ يُّقْلِعَ عَنِ الْمَعْصِيَةِ . (یہ کہ وہ گناہ سے باز آجائے۔)

② اَنْ يَّنْدَمَ عَلٰى فِعْلِهَا . (یہ کہ وہ اس گناہ پر نادم ہو۔)

③ اَنْ يَّعْزِمَ عَلٰى اَنْ لَّا يَعُوْدَ اِلَيْهَا . (یہ کہ وہ اس گناہ کی طرف دوبارہ نہ لوٹنے کا پختہ ارادہ کرے۔)

نکتۂ عجیبہ : سورۂ توبہ، غزوۂ تبوک کے بعد اتری ہے۔ اس جنگ میں كَانَ عَدَدُ الْمُسْلِمِيْنَ ثَلَاثِيْنَ اَلْفاً . (مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار تھی۔)

سورۂ توبہ سے پہلے سورۂ انفال ہے جس میں جنگ بدر کا تفصیلی بیان ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی۔

غزوۂ تبوک میں لشکر کی تعداد سب سے زیادہ تھی اور جنگ بدر میں سب سے کم تھی۔
غزوۂ تبوک میں کثیر منافقین بہانے کر کے شامل نہیں ہوئے اور کچھ خالص مومنین سستی کے باعث شامل نہ ہو سکے، مگر جس طرح غزوۂ بدر میں کامیابی ملی، اسی طرح غزوۂ تبوک میں بھی زبردست کامیابی ملی۔

نکتۂ عظیمہ : جَاءَ فِي اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ الْإِقْتِرَانُ بَيْنَ الْغَفُوْرِ الرَّحِيْمِ فَالْمَغْفِرَةُ اَمْرٌ لَازِمٌ لِرَحْمَتِهِ لِاَنَّ الْمَغْفِرَةَ اِنَّمَا تَكُوْنُ بِسَبَبِ رَحْمَةِ اللّٰهِ . (۷۲ مقامات پر غفور اور رحیم کا اقتران آیا ہے کیونکہ مغفرت اللہ کی رحمت کے لیے ایک لازم امر ہے، اس لیے کہ مغفرت تو اللہ کی رحمت ہی کے سبب ہوتی ہے۔)

نکتہ : قَالَ الْإِمَامُ ابْنِ تَيْمِية : وَاَيْضاً قَدْ دَلَّتْ نُصُوْصُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ : عَلَى اَنَّ عُقُوْبَةَ الذُّنُوْبِ تَزُوْلُ عَنْ الْعَبْدِ بِنَحْوِ عَشَرَةِ اَسْبَابٍ ، اَحَدُهَا : التَّوْبَةُ . (مجموع الفتاوى : ۷ / ٤٨٧) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”یہ بھی کہ قرآن اور سنت کی نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ گناہوں کی سزا بندے سے تقریباً دس اسباب کے ذریعے دور ہو جاتی ہے جن میں سے ایک توبہ ہے۔“

نکتۂ عظیمہ : توبہ کا حسن ...... اور مراد یہ ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ ضروری نہیں کہ توبہ محض گنہگاروں ہی کی ہو بلکہ یہ کوتاہی کرنے والوں کی توبہ بھی ہو سکتی ہے، نیز یہ کہ کوئی بھی مومن ایسا نہیں ہے جسے توبہ کی ضرورت نہ ہو، یہاں تک کہ نبی، مہاجرین اور انصار کو بھی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

نکات :

① سورۂ توبہ میں پچپن صفات المنافقین بیان کی گئی ہیں۔

② اس سورت میں توبہ اور اس کے مشتقات سترہ مرتبہ آئے ہیں۔ اس طرح پورے

قرآن میں اس سورت میں توبہ کے الفاظ سب سے زیادہ لائے گئے ہیں۔ پس کافروں اور منافقوں کے بارے میں معاملہ یہ ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں تو اللہ معاف کردے گا، پھر جن ایمان والوں نے اللہ کی نافرمانیاں کی ہیں، اللہ ان کی توبہ بدرجۂ اولیٰ قبول کرے گا۔ جب سترہ بار کفار و منافقین کو توبہ پر ابھارا گیا ہے تو گنہگار مومنین کی مغفرت کیوں نہیں کرے گا؟

سورۂ توبہ کی وجہ تسمیہ :

① اس میں سب سے زیادہ توبہ کا لفظ ہے، اس لیے اس سورت کا نام ''توبہ'' ہے۔

② وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ : اَلْبَسْمَلَةُ اَمَانٌ ، وَبَرَاءَةٌ نَزَلَتْ بِالسَّيْفِ ، فَلِذٰلِكَ لَمْ تُبْدَاْ بِالْاَمَانِ . (تفسیر ابن جزی : ص ۳۳۱) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''بسم اللہ امان ہے اور سورۂ براءت تلوار کے ساتھ نازل ہوئی ہے، اسی لیے اس کی ابتدا امان (بسم اللہ) سے نہیں کی گئی۔''

③ ان میں سے بعض نے کہا ''سورۂ توبہ اور سورۂ انفال ایک ہی سورت ہے، اسی لیے سورۂ توبہ کے ساتھ بسم اللہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ یعنی یہ سورۂ انفال ہی کی تکمیل ہے۔''

1 ﴿عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

عہد سے مراد وہ پختہ وعدہ ہے جس کی رعایت کرنا لازم ہو۔ عہد کا معنی یہ بھی ہے کہ کسی چیز کی بتدریج رعایت وحفاظت کرنا۔

3 ﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ... الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾

اَلْاَذَانُ : اَلْاِعْلَامُ ، وَهُوَ اسْمٌ مِنَ : الْاِيْذَانِ . (الوسیط للواحدی : ۲ / ٤٧٦) ''اذان کا لغوی معنی اعلام (اطلاع دینا) ہے اور یہ ''ایذان'' سے ماخوذ ایک اسم ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ذمے داری علی رضی اللہ عنہ کو سونپی، جبکہ امیر الحج ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر جب ابوبکر رضی اللہ عنہ ذوالحلیفہ پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ پس علی رضی اللہ عنہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ سے

ذوالحلیفہ میں ملے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک دوسرے کے تئیں ادب دیکھو :

قَالَ لَهُ اَبُوْ بَكْرٍ لَمَّا رَآهُ : اَمِيرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ ؟ فَقَالَ : بَلْ مَاْمُوْرٌ .
(تفسیر القرطبی : ۸ / ٦٧) پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب انھیں دیکھا تو پوچھا ''امیر ہو یا مامور؟'' علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''بلکہ مامور ہوں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ چار باتوں کا اعلان کریں :

① ﴿لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا نَفْسٌ مُؤْمِنَةٌ﴾ ''جنت میں مومنوں کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا۔''

② ﴿وَلَا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ﴾ ''بیت اللہ کا طواف برہنہ ہوکر کوئی نہ کرے گا۔''

③ ﴿وَمَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهْدٌ فَعَهْدُهُ اِلَى مُدَّتِهِ﴾ ''جس شخص کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ ہو، وہ مدت ختم ہونے تک برقرار رہے گا۔''

④ ﴿وَلَا يَحُجَّ الْمُشْرِكُوْنَ وَالْمُسْلِمُوْنَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ (مسند احمد : حدیث ٥٩٤) ''اس سال کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مشرک حج نہ کرسکیں گے۔''

﴿يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ﴾ حج اکبر، قربانی کا دن ہے۔

﴿عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَقَفَ يَوْمَ النَّحْرِ بَيْنَ الْجَمَرَاتِ فِى الْحَجَّةِ الَّتِىْ حَجَّ ، فَقَالَ : اَىُّ يَوْمٍ هٰذَا ؟ قَالُوْا : يَوْمُ النَّحْرِ ، قَالَ : هٰذَا يَوْمُ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ﴾ (سنن ابی داود : کتاب المناسك ، حدیث ١٩٤٥ ، حكم الالبانی : صحیح) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحر کے روز (دسویں ذی الحجہ کو) حجۃ

الوداع میں جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے اور لوگوں سے کہا ”یہ کون سا دن ہے؟“ لوگوں نے جواب دیا ”یوم النحر۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہی حج اکبر کا دن ہے۔“

6 ﴿وَإِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ ...﴾

حالت جنگ ہو اور اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو۔ پھر وہ جہاں سے آیا ہے، اسے امن کے ساتھ وہاں واپس پہنچا دو۔ اللہ نے تمھیں یہ حفاظت کا حکم اس لیے دیا ہے کہ کفار ایسی قوم ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ قرآن میں کیا رہنمائی اور ہدایت موجود ہے۔

13 ﴿اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْماً نَّكَثُوْٓا ...﴾

معاہدہ : یہ تھا کہ دس سال نہیں لڑیں گے۔ مکہ میں دو قبیلے تھے : بنو بکر جو کفار کے حلیف ہوئے اور بنو خزاعہ جو نبی ﷺ کے حلیف ہوئے۔ حلیف بھی اس شرط کے پابند تھے۔ ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ گویا یہ مسلمانوں پر حملہ تھا، اس لیے یہ معاہدہ ٹوٹ گیا۔

18 ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ ...﴾

عَمَرَ سے مراد زیارت کرنا، تعمیر کرنا ہے۔ عَمَّار سے مراد وہ ہے جو مسجد میں بکثرت آتا جاتا ہو، یا مسجد ہی میں رہتا ہو۔

مسئلہ : جمہور علماء بشمول امام ابن تیمیہ، علامہ ابن باز اور علامہ ابن عثیمین رحمہم اللہ کا فتویٰ یہ ہے کہ کافر کا مسجد کے لیے زمین وقف کرنا صحیح نہیں ہے۔

نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : قِيْلَ لَوْ اَوْصَى كَافِرٌ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ لَمْ تُقْبَلْ وَصِيَّتُهُ. (فتح البیان : ۵ / ۲۵۲) ”کہا گیا ہے کہ اگر کسی کافر نے مسجد بنانے کی وصیت کی تو اس کی وصیت قبول نہیں کی جائے گی۔“

20 ﴿الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا ...﴾

ہجرت کی تعریف : دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف نکلنا، یا دار الخوف سے دار الامن

کی طرف نکلنا ہجرت کہلاتا ہے۔

24 ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ... الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾

ذَكَرَتِ الْآيَةُ ثَمَانِيَةً وَكُلُّهَا مُبَاحَةٌ ، لٰكِنَّهَا حَذَّرَتْ مِنْ اَنْ تَكُوْنَ سَبَباً فِي الْبُعْدِ عَنِ اللّٰهِ. (اس آیت میں آٹھ چیزوں کا ذکر کیا ہے اور وہ سب کی سب مباح ہیں، لیکن اس نے اس بات سے خبردار کیا ہے کہ وہ اللہ سے دوری کا سبب بن جائیں۔)

وَهٰذَا يَعْنِيْ اَنْ يَكُوْنَ اَمْرُ اللّٰهِ اَوْلَوِيَّةً فِيْ حَيَاتِكَ وَفَوْقَ كُلِّ رَغَبَاتِكَ . (اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا حکم تمہاری زندگی میں اولین ترجیح ہو اور تمہاری تمام خواہشات پر مقدم ہو۔)

25 ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ ... وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝﴾

جنگ حنین میں مومنوں کو اپنی کثرت پر عجب (خود پسندی) ہوگیا تو عدو پر بھروسا کر کے غلطی کر بیٹھے اور یہ بھول گئے کہ اِنَّ النَّصْرَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ. (مدد اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔) اس خطا کے لیے بھی توبہ ضروری تھی۔ ﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ ''پھر اس کے بعد بھی اللہ جس پر چاہے، اپنی رحمت کی توجہ فرمائے گا۔''

28 ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾

حرم مکی اور حرم مدنی کے احکام میں علماء نے فرق کیا ہے۔ بغرض مصلحت غیر مسلموں کا مدینہ میں داخل ہونا جائز ہے۔ اس پر فقہائے کرام کا اتفاق ہے۔ (الموسوعة الفقهية الكويتية : ١٧ / ٢٠٥) البتہ حرم مکی کی حدود میں غیر مسلموں کو کسی بھی صورت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ (المنهاج : ١١ / ٩٤)

غیر مسلموں کو مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا۔

① ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کے کھمبے

سے باندھ دیا تھا۔ (صحیح البخاری : حدیث ٤٣٧٢)

② جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ جب حالت شرک میں تھے تو مغرب کی نماز کے وقت مسجد نبوی میں داخل ہوئے تھے۔ (مسند احمد : ١٦٩٦٦)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (الثمر المستطاب : ٢ / ٧٧٢)

مذکورہ بالا آیت میں خصوصیت کے ساتھ مسجد حرام کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد حرام کے سوا دیگر مساجد میں کفار و مشرکین داخل ہو سکتے ہیں۔

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ولید بن عبد الملک کے دور حکومت میں مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے عیسائی مزدوروں کو رکھا تھا۔'' (فتح الباری لابن رجب : ٣ / ٢٩٧)

34 ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ...﴾

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اوپر تلے مال رکھنا کنز ہے۔ مراد ہے، مال جمع کر کے اس کی حفاظت کرنا۔

35 ﴿يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ﴾

یعنی بدن انسانی کے چار اطراف میں...... آگے، پیچھے، دائیں، بائیں۔

(سوال) برقی آلات سے مکھیوں اور مچھروں کو مارنا کیسا ہے؟

(جواب) کسی ذی روح کو جلا کر مارنا جائز نہیں۔

38 ﴿اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ...﴾

قرآن میں نفیر کی دو قسمیں ہیں :

① جہاد کے لیے : ﴿انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (التوبة : ٩ / ٣٨) ''تم اللہ کی راہ میں نکلو۔''

② علم کے لیے : ﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا﴾ (التوبة : ٩ / ١٢٢) ''تو ہر فرقے میں سے ایک گروہ دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لیے

کیوں نہ نکلا تا کہ وہ انھیں خبر دار کریں۔“

فَلَا سِيَادَةَ بِلَا جِهَادٍ وَلَا جِهَادَ بِلَا عِلْمٍ . (پس نہ کوئی سیادت ہے جہاد کے بغیر اور نہ کوئی جہاد ہے علم کے بغیر۔)

﴿ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ... ﴾ یہ ان مومنوں کے لیے ایک توبیخی (سرزنش والا) سوال ہے جنھوں نے غزوۂ تبوک میں اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد سے سستی کی۔ گویا انھوں نے دین اور آخرت کی مدد کرنے کے بجائے دنیا کی زندگی اور اس کی راحت کو ترجیح دی۔

یہ آیت مومنوں کو دنیا کی قلیل چیز پر آخرت کی کثیر نعمتوں کے مقابلے میں راضی نہ ہونے کی دعوت دیتی ہے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ زائل ہونے والی نعمت اور ہمیشہ باقی رہنے والی نعمت کے درمیان انتخاب ایک خسارے کا سودا ہے اور یہ کہ ایک عقل مند شخص دنیا کے فانی فائدے کی خاطر آخرت کی باقی رہنے والی نعمتوں کو نہیں چھوڑتا۔

40 ﴿ الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾

﴿ لِصَاحِبِهٖ ﴾ قرآن مجید میں صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت منصوص ہے۔ آپ کے صحابی ہونے کا انکار کفر ہے۔

﴿ مَعَنَا ﴾ معیت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کیا۔ اس سے آپ رضی اللہ عنہ کا متقی اور محسن ہونا ثابت ہوا۔

اَلْمَعِيَّةُ بِالْحِفْظِ وَالنُّصْرَةِ . (حفاظت اور مدد کے ساتھ معیت۔)

دَلَّتِ الْاٰيَةُ عَلَى اَنَّ اَبَا بَكْرٍ كَانَ اللّٰهُ مَعَهٗ . (آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔)

وَكُلُّ مَنْ كَانَ اللّٰهُ مَعَهٗ فَاِنَّهٗ يَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الْمُتَّقِيْنَ . (ہر وہ شخص جس کے ساتھ اللہ ہو تو وہ مومنین متقین میں سے ہوتا ہے۔)

اِنَّ مَنْ صَحِبَ الرَّسُوْلَ وَمَا جَاءَ بِهِ بِقَلْبِهِ وَعَمَلِهِ وَاِنْ لَمْ يَصْحَبْهُ بِبَدَنِهِ فَاِنَّ اللّٰهَ مَعَهُ. (جس نے رسول ﷺ کا اور جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں، اس کا اپنے دل اور عمل سے ساتھ دیا، اگرچہ اس نے جسمانی طور پر ان کا ساتھ نہ دیا تو یقیناً اللہ اس کے ساتھ ہے۔)

خلیفہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ لِاَنَّ الْخَلِيْفَةَ لَا يَكُوْنُ اَبَداً اِلَّا ثَانِياً. (کیونکہ خلیفہ ہمیشہ دوسرا ہی ہوتا ہے۔)

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت :

① آپ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والا (ثانی اثنین فی الایمان) کون؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

② ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ کون؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

③ کس کے بارے میں نبی ﷺ نے کہا: ﴿مَا ظَنُّكَ يَا اَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا﴾ ''اے ابوبکر! ان دو کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہے؟'' ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

④ نبی اکرم ﷺ کے مرض الموت میں نماز کے لیے کون نبی اکرم ﷺ کی جگہ کھڑا ہوا؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

⑤ کس کی چار نسلیں (والدین، خود، بیٹے، پوتے) صحابی ہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

شیعہ عالم، محدث اور فقیہ، ملا باقر مجلسی لکھتا ہے :

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ ، وَهُوَ اَبُوْ بَكْر. ''جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے اور وہ (ساتھی) ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔''

ملا باقر مجلسی ایک جگہ لکھتا ہے :

''امر کردہ است کہ ابوبکر را ہمراہ خود ببری۔ (اللہ نے آپ کو بھیجا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے جایئے۔)'' (حیاۃ القلوب : ج ۲ ص ۳۱۰)

﴿عَنْ اَبِیْ عُثْمَانَ قَالَ : حَدَّثَنِیْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ، اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، بَعَثَهُ عَلٰى جَیْشِ ذَاتِ السُّلَاسِلِ ، فَاَتَیْتُهُ فَقُلْتُ : اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْكَ ؟ قَالَ : عَائِشَةُ ، فَقُلْتُ : مِنَ الرِّجَالِ ؟ فَقَالَ : اَبُوْهَا ، قُلْتُ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ، فَعَدَّ رِجَالًا﴾ (صحیح البخاری : کتاب المناقب ، حدیث ٣٦٦٢ واللفظ له ، صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة ، حدیث ٢٣٨٤) عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں غزوۂ ذات السلاسل میں امیر بنا کر بھیجا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں (واپس) آپ کے پاس آیا تو میں نے عرض کیا ''سب لوگوں میں کون شخص آپ کو زیادہ محبوب ہے؟'' آپ نے فرمایا ''عائشہ رضی اللہ عنہا۔'' میں نے عرض کیا ''مردوں میں سے کون؟'' آپ نے فرمایا ''ان کے والد گرامی (امیر المومنین ابو بکر رضی اللہ عنہ)۔'' میں نے پوچھا ''پھر کون؟'' آپ نے فرمایا ''عمر رضی اللہ عنہ۔'' اسی طرح درجہ بدرجہ آپ نے کئی آدمیوں کے نام لیے۔

قَالَ الْحُسَیْنُ بْنُ فُضَیْلِ الْبَجَلِیُّ : مَنْ اَنْكَرَ اَنْ یَكُوْنَ اَبُوْ بَكْرٍ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ كَافِرًا ، لِاَنَّ الْاُمَّةَ مُجْمِعَةٌ عَلَى اَنَّ الْمُرَادَ مِنْ : اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ ، هُوَ اَبُوْ بَكْرٍ ، وَذٰلِكَ یَدُلُّ عَلَى اَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى وَصَفَهُ بِكَوْنِهٖ صَاحِبًا لَهُ . (تفسیر الرازی : ١٦ / ٥١) حسین بن فضیل بجلی رحمہ اللہ نے فرمایا ''جو شخص اس بات کا انکار کرے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی تھے، وہ کافر ہے کیونکہ پوری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ آیت کریمہ ''جب وہ (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ساتھی (ابو بکر رضی اللہ عنہ) سے کہہ رہے تھے'' میں مراد ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی ہیں اور یہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی کا ساتھی ہونے کی صفت سے متصف فرمایا ہے۔''

تنبیہ : شیعہ حضرات ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہما

سے سب سے زیادہ محبت تھی۔ اس روایت میں شیعہ راوی جعفر بن ابی زیاد الاحمر ہے جو ضعیف ہے۔

﴿ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ﴾ اجْعَلْ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلَى وَكَلِمَةَ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا . (ان لوگوں کی بات کو جنھوں نے کفر کیا، پست کر دے اور اللہ کا کلمہ ہی بلند و بالا رہے۔)

......کافروں کا کلمہ كَلِمَةُ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ ہے۔

......اللہ کا کلمہ كَلِمَةُ التَّوْحِيْدِ ہے۔

كَلِمَةُ اللّٰهِ : دَعْوَةُ اللّٰهِ اِلَى الْاِسْلَامِ . (اللہ کے کلمے سے مراد اسلام کی طرف دعوت ہے۔)

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ ... ﴾ میں اسی (کلمہ التوحید کی) طرف اشارہ ہے۔

41 ﴿ انْفِرُوْا خِفَافاً وَّثِقَالاً ﴾

اَلْخِفَّةُ : اِسْتِعَارَةٌ لِمَنْ يُمْكِنُهُ السَّفَرُ بِسُهُوْلَةٍ ، وَالثِّقْلُ : لِمَنْ يُمْكِنُهُ السَّفَرُ بِصُعُوْبَةٍ . (خفت اس شخص کے لیے استعارہ ہے جو آسانی سے سفر کر سکتا ہو اور ثقل اس شخص کے لیے ہے جو مشکل سے سفر کر سکتا ہو۔)

قرآن حکیم کا لفظی اعجاز :

عَنِ الْحَسَنِ ، فِيْ قَوْلِهٖ : اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا ، قَالَ : شِيْباً وَشُبَّانًا . (تفسیر الطبری : ١١ / ٤٦٨) حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں فرمایا "(اس سے مراد) بوڑھے اور جوان ہیں۔"

عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ : اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ، قَالَ : اَغْنِيَاءَ وَفُقَرَاءَ . (تفسیر الطبری : ١١ / ٤٧١) ابو صالح رحمہ اللہ نے فرمایا "(اس سے مراد) مال دار اور

غریب ہیں۔"

خِفَافًا وَّثِقَالًا ، اَیْ اَصِحَّاءَ وَالْمَرْضٰی . (یعنی تندرست اور بیمار۔)

عَنْ قَتَادَةَ : خِفَافًا وَّثِقَالًا ، قَالَ : نِشَاطاً وَغَيْرَ نِشَاطٍ ، وَقَالَ آخَرُوْنَ : مَعْنَاهُ : رُكْبَاناً وَمُشَاةً . (تفسیر الطبری : ۱۱ / ۴۷۱) قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا "(اس سے مراد) چستی اور سستی ہے۔" دوسروں نے کہا "اس کا معنی ہے، سوار اور پیدل۔"

خِفَافًا وَّثِقَالًا ، اَیْ رُكْبَاناً وَرِجَالًا . (یعنی سوار اور پیدل۔)

60 ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ ...﴾

(سوال) پہلے چار مصارف کا ذکر لام تملیک کے ساتھ کیا گیا اور آخری چار مصارف میں فی کا ذکر کیا۔ کیوں؟

(جواب) بعد کے چار زیادہ مستحق ہیں کیونکہ "فی" ظرفیت کے لیے ہے کہ وہ صدقات کا ظرف و محل ہیں۔ پہلے چار کو ان کا حصہ دے کر انھیں مالک بنا دیا جائے گا۔ وہ جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ آخری چار مصارف میں تملیک کے بجائے ان کی ضروریات اور مصالح میں خرچ کیا جائے۔ جیسے مقروض کا قرض ادا کر دیا جائے، غلام کو آزاد کرایا جائے، مسافر کے زادراہ کا انتظام کر دیا جائے۔

مسئلہ : ایک فرد کو بھی پوری زکوۃ دی جا سکتی ہے کیونکہ اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ کن لوگوں کو زکوۃ ادا کی جا سکتی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ان سب کو زکوۃ دینا ضروری ہے۔

61 ﴿وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ ...﴾

آپ کی شان میں گستاخانہ اور نازیبا کلمات کہنا مراد ہے۔

62 ﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ ...﴾

(سوال) یہاں اللہ اور اس کے رسول دونوں کا ذکر ہے، مگر ان دونوں کی طرف ضمیر واحد کی لوٹائی گئی ہے۔ کیوں؟

(جواب) مِنْ اَسَالِيْبِ الْعَرَبِ فِى الْكَلَامِ الْجَمْعُ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ ، ثُمَّ ذِكْرُ اَحَدِهِمَا بِالضَّمِيْرِ الْمُفْرَدِ ، وَالْمُرَادُ بِهِ كِلَاهُمَا . (کلام میں عربوں کا ایک اسلوب ہے کہ دو چیزوں کو جمع کر کے ان دونوں کی طرف ضمیر واحد لوٹائی جاتی ہے اور اس سے مراد دونوں ہوتے ہیں۔)

جیسے لَقِيْتُ بَكْراً وَزَيْداً وَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ (اَىْ عَلَيْهِمَا) . (میں بکر اور زید سے ملا اور ان دونوں کو سلام کیا۔) نیز جیسے ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اَىْ لَا يُنْفِقُوْنَهُمَا . ''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔'' یعنی وہ دونوں (سونا اور چاندی) خرچ نہیں کرتے۔

لَمْ يَقُلْ : يُرْضُوْهُمَا ، اِرْضَاءُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاِرْضَاءُ رَسُوْلِهِ اَمْرٌ وَاحِدٌ ، مَنْ اَرْضَى اللّٰهَ فَقَدْ اَرْضَى رَسُوْلَهُ . (یہاں یرضوھما نہیں کہا۔ اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا ایک ہی کام ہے۔ جس نے اللہ کو راضی کیا تو اس نے اس کے رسول کو راضی کیا۔)

69 ﴿ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ ... ﴾

اِشَارَةٌ اِلَى اتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ ، وَهُوَ دَاءُ الْعُصَاةِ ، وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا : اِشَارَةٌ اِلَى الشُّبُهَاتِ وَهُوَ دَاءُ الْمُبْتَدِعَةِ . (یہ شہوتوں کی پیروی کی طرف اشارہ ہے اور یہ گنہگاروں کی بیماری ہے۔ ''اور تم (بھی) فضول باتوں میں الجھے رہے جس طرح وہ فضول باتوں میں الجھے رہے۔'' یہ شبہات کی طرف اشارہ ہے اور یہ بدعتیوں کی بیماری ہے۔)

بتایا گیا کہ اس امت میں یہ دونوں رہیں گے، جیسا کہ یہ دونوں تم سے پہلے رہے ہیں۔

جنتیں ملنے کے بعد، مساکن طیبہ ملنے کے بعد، اللہ فرمائے گا : ﴿ اُحِلُّ عَلَيْكُمْ

رِضْوَانِیْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَیْكُمْ اَبَدًا ﴾ (سنن ترمذی : ابواب صفة الجنة ، حدیث ۲۵۵۵ ، حکم الالبانی : صحیح) ''تمہارے اوپر اپنا رضوان (رضا مندی) نازل کروں گا اور تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔'' یہ رضوان سب سے بڑی چیز ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ جَمَعَ بَیْنَ الْاِسْتِمْتَاعِ بِالْخَلَاقِ وَبَیْنَ الْخَوْضِ بِالْبَاطِلِ ، لِاَنَّ فَسَادَ الدِّیْنِ : اِمَّا اَنْ یَقَعَ بِالْاِعْتِقَادِ الْبَاطِلِ وَالتَّكَلُّمِ بِهِ وَهُوَ الْخَوْضُ ، اَوْ یَقَعَ فِی الْعَمَلِ بِخِلَافِ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ ، وَهُوَ الْاِسْتِمْتَاعُ بِالْخَلَاقِ . (اللہ نے اس میں استمتاع بالخلاق اور خوض بالباطل کو جمع کیا ہے کیونکہ دین کا فساد اعتقاد بالباطل یا اس میں تکلم اور حوض (نکتہ چینی) کے ذریعے ہوتا ہے، یا خلاف حق عمل کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہی استمتاع بالخلاق ہے۔)

پس پہلا بدعت ہے اور دوسرا خواہشات کی پیروی ہے۔

یہ دونوں (بدعت اور خواہشات کی پیروی) ہر چیز، ہر شر، ہر فتنے اور ہر مصیبت کی جڑ ہیں۔ انھیں کی وجہ سے رسولوں کو جھٹلایا گیا، رب کی نافرمانی کی گئی، سزائیں نازل ہوئیں اور جہنم میں داخل ہوں گے۔)

پس پہلا (بدعت) شبہات کی جانب سے ہوتا ہے اور دوسرا (خواہشات کی پیروی) شہوات کی جانب سے ہوتا ہے۔

فَبِالصَّبْرِ تُتْرَكُ الشَّهَوَاتُ ، وَبِالْیَقِیْنِ تُدْفَعُ الشُّبُهَاتُ . (صبر کے ذریعے شہوات کو چھوڑا جاتا ہے اور یقین کے ذریعے شبہات کو دفع کیا جاتا ہے۔)

70 ﴿ وَاَصْحَابِ مَدْیَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ﴾

﴿ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ﴾ سے مراد اَلْمُنْقَلِبَاتُ (الٹی ہوئی بستیاں) ہے۔

72 ﴿ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ﴾

سوال قرآن کریم میں صرف اسی جگہ ﴿ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ بحذف مِنْ کی تعبیر آئی

ہے۔ بقیہ مقامات پر مِنْ کے ساتھ آیا ہے۔ کیوں؟

(جواب) اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکریم ہے۔

﴿ جَنّٰتٍ ﴾ کی صفت ﴿ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ہے۔ یعنی دیگر اہل جنت کے مقابلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ خصوصیت ہے۔

(سوال) مَا فَائِدَةُ مِنْ ؟ (مِن کا کیا فائدہ ہے؟)

(جواب) مِنْ تُفِيْدُ اِبْتِدَاءَ الْغَايَةِ . (مِن، غایت کی ابتدا کا فائدہ دیتا ہے۔)

غایت کی دو قسمیں ہیں :

① غایت زمانی، جیسے سَافَرْتُ مِنَ الصَّبَاحِ اِلَى الْمَسَاءِ . (میں نے صبح سے شام تک سفر کیا۔)

② غایت مکانی، جیسے سَافَرْتُ مِنَ الْقَاهِرَةِ اِلَى الْاِسْكَنْدَرِيَّةِ . (میں نے قاہرہ سے اسکندریہ تک سفر کیا۔)

﴿ مِنْ تَحْتِهَا ﴾ کا مطلب : ذِكْرُ مِنْ يُفِيْدُ بُعْداً . (مِن کا ذکر دوری کا فائدہ دیتا ہے۔) یعنی یہ نہریں کہیں سے شروع ہو کر آ رہی ہیں۔ مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں مِن کے حذف کے ساتھ ﴿ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ذکر کیا گیا۔ یعنی یہ نہریں براہ راست ان باغات کے نیچے ابل رہی ہیں۔ یعنی تَنْبُعُ تَحْتَهَا مُبَاشِرَةً . (وہ اس کے بالکل نیچے سے نکلتی ہے۔) یہ اصحاب النبی کی خصوصیت ہے۔

ملحوظہ : جنت کی نہروں کی دو قسمیں ہیں :

① انہار عامہ، جو ﴿ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ سے ظاہر ہے۔

② انہار خاصہ، جو ﴿ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ سے ظاہر ہے۔

مثال : نہر نیل ہے۔ اس میں کئی ممالک شریک ہیں۔ یعنی یہ کئی ملکوں سے ہو کر گزرتی ہے۔ گویا یہ نہر مشترک (عام) ہے۔ ﴿ تَحْتَهَا ﴾ کا مطلب ہے کہ اس نہر میں کوئی شریک نہیں۔

نکتہ : قرآن میں جنات عدن کا ذکر ہمیشہ مساکن (مکانات، رہائش گاہیں) کے سیاق میں آیا ہے۔ عَدَنَ الْبَلَدَ کا معنی ہوتا ہے : کسی شہر یا ملک کو وطن بنانا، وہاں بود و باش اختیار کرنا۔ ﴿جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ کا مطلب یہ ہوا کہ رہائش یا قیام کا باغ جہاں یہ رہائش اور قیام دائمی ہوگا۔

72 ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾

رضوان اور مرضات میں فرق : ''رضوان'' صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے، جبکہ ''مرضات'' اللہ اور اس کے غیر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

80 ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ...﴾

﴿عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، قَالَ : لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ ، جَاءَ ابْنُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَسَئَلَهُ اَنْ يُعْطِيَهُ قَمِيْصَهُ يُكَفِّنُ فِيْهِ اَبَاهُ ، فَاَعْطَاهُ ، ثُمَّ سَئَلَهُ اَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ ، فَقَامَ عُمَرُ فَاَخَذَ بِثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! تُصَلِّيْ عَلَيْهِ ، وَقَدْ نَهَاكَ رَبُّكَ اَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِنَّمَا خَيَّرَنِيْ اللّٰهُ فَقَالَ : اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (التوبة : ٨٠) ، وَسَاَزِيْدُهُ عَلَى السَّبْعِيْنَ ، قَالَ : اِنَّهُ مُنَافِقٌ ، قَالَ : فَصَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ : وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ (التوبة : ٨٤)﴾ (بخاری : کتاب تفسیر القرآن ، حدیث ٤٦٧٠) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب عبداللہ بن ابی (منافق) مر گیا تو اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، رسول

اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنا کرتا عنایت فرمائیں تا کہ وہ اپنے باپ کو اس میں کفن دیں۔ آپ نے اسے اپنا کرتا دے دیا۔ پھر اس نے درخواست کی کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس کا جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا دامن تھام لیا اور عرض کیا ''اللہ کے رسول! آپ اس پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں، حالانکہ اللہ نے آپ کو ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے: ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً ﴾ ترجمہ (آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (برابر ہے)۔ اگر آپ ان کے لیے ستر بار (بھی) بخشش مانگیں گے تو بھی اللہ انھیں نہیں بخشے گا۔) میں ایسا کروں گا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ اس کے لیے دعائے مغفرت کروں گا۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یہ تو منافق ہے۔'' لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ان میں سے جو مر جائے، آپ اس کی نماز (جنازہ) ہرگز نہ پڑھیں اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔''

جیسے ہی آپ ﷺ جنازہ پڑھا کر ہٹے، یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلاً وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْراً ﴾ 82

﴿ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنِّيْ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ، وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ، وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ مَا فِيْهَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ سَاجِداً لِلّٰهِ، وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلاً وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْراً، وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ، لَوَدِدْتُ

اَنِّیْ کُنْتُ شَجَرَۃً تُعْضَدُ ﴾ (سنن الترمذی : ابواب الزھد ، حدیث ۲۳۱۲ ، حکم الالبانی : حسن دون قولہ لوددت) ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بے شک میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سن رہا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ بے شک آسمان چر چرا رہا ہے اور اسے چر چرانے کا حق بھی ہے، اس لیے کہ اس میں چار انگل کی بھی جگہ خالی نہیں ہے، مگر کوئی نہ کوئی فرشتہ اپنی پیشانی اللہ کے حضور رکھے ہوئے ہے۔ اللہ کی قسم! جو میں جانتا ہوں، اگر وہ تم لوگ بھی جان لو تو ہنسو گے کم اور روؤ گے زیادہ، نیز بستروں پر اپنی عورتوں سے لطف اندوز نہ ہو گے اور یقیناً تم لوگ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے میدانوں میں نکل جاتے۔'' (ابوذر رضی اللہ عنہ) فرمایا کرتے تھے ''کاش! میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔''

84 ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ ﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی منافق کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس وقت تک منافقین کی نماز جنازہ پڑھانے کی صراحتاً ممانعت نہیں آئی تھی۔

امام طبری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ میری نماز اللہ کے عذاب کو اس سے دور نہیں کر سکتی، لیکن مجھے امید ہے کہ اس وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔

مومن اور منافق : منافقین ہوائے نفس کی بنا پر ایک دوسرے کی تقلید کرتے ہیں۔ مومنین اندھی تقلید کی بنا پر نہیں بلکہ حق پر ایک دوسرے کی موافقت کرتے ہیں۔

سوال قبروں کو برابر کرنے کا حکم ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب علامہ ابن ترکمانی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اِلَّا سَوَّیْتَہٗ ، اَیْ سَوَّیْتَہٗ بِالْقُبُوْرِ الْمُعْتَادَۃِ . (تذکرۃ الموضوعات : ص ۱۱۶) ''قبروں کو برابر کرنے سے مراد انھیں شرعی حد کے برابر کرنا ہے۔''

سوال ناتمام بچہ ساقط ہو جائے تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟

جواب علماء نے سقط کا مطلب لکھا ہے : اَلْوَلَدُ الَّذِیْ یَسْقُطُ مِنْ بَطْنِ اُمِّهٖ قَبْلَ تَمَامِهٖ . (النهاية لابن اثير : ۲ / ۳۷۸ ، لسان العرب لابن منظور : ۷ / ۳۱۶)
''وہ بچہ جو اپنی ماں کے پیٹ سے اس کی مدت پوری ہونے سے پہلے گر جائے۔''

﴿وَالسِّقْطُ يُصَلَّىٰ عَلَيْهِ ، وَيُدْعَىٰ لِوَالِدَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ﴾ (مسند احمد : حديث ۱۸۱۷٤ ، وسنده صحيح) ''ساقط بچے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کے والدین کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا جائے گی۔''

اس روایت کے برخلاف مرفوعاً وموقوفاً کچھ ثابت نہیں۔

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنْ غَسَّلَ الْمَيِّتَ فَلْيَغْتَسِلْ ، وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ﴾ (سنن ابی داود : الجنائز ، حديث ۳۱٦۱ ، حكم الالبانی : صحيح)
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص کسی میت کو نہلائے، وہ غسل کرے اور جو اسے اٹھائے، وہ وضو کرے۔''

لِيَغْتَسِلْ امر ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے، الا یہ کہ کوئی صارف موجود ہو۔
اور اس کا صارف موجود ہے۔

﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَيْسَ عَلَيْكُمْ فِیْ مَيِّتِكُمْ غُسْلٌ اِذَا غَسَّلْتُمُوْهُ ، وَاِنَّ مَيِّتَكُمْ لَيْسَ بِنَجِسٍ حَسْبُكُمْ اَنْ تَغْسِلُوْا اَيْدِيَكُمْ﴾ (سنن الدار قطنی : حديث ۱۸۳۹) ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب تم اپنی میت کو غسل دو تو تم پر غسل لازم نہیں ہوتا کیونکہ یقیناً تمہاری میت ناپاک نہیں ہے۔ تمہارے لیے بس یہی کافی ہے کہ تم اپنے ہاتھوں کو دھو لیا کرو۔''

یہ بھی واضح رہے کہ میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا جمہور کے نزدیک مستحب

ہے، واجب نہیں ہے۔ اسی طرح میت کو اٹھانے کے بعد وضو کرنا بھی واجب نہیں۔ اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ﴿كُنَّا نَغْسِلُ الْمَيِّتَ فَمِنَّا مَنْ يَغْتَسِلُ وَمِنَّا مَنْ لَا يَغْتَسِلُ﴾ (تاريخ بغداد للخطيب : ٣ / ٤٢٧) "ہم میت کو غسل دیتے تھے تو ہم میں سے کوئی غسل کر لیتا تھا اور کوئی نہیں کرتا تھا۔"

اسے خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لِاَنَّ مَسَّ الْعَوْرَةِ يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ ، وَلَا يُمَسُّ الْعَوْرَةُ . (اس لیے کہ شرم گاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور شرم گاہ کو چھوا نہیں جاتا۔)

﴿عَنْ بُسْرَةَ بِنْتِ صَفْوَانَ ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلَا يُصَلِّ حَتَّى يَتَوَضَّأَ﴾ (سنن الترمذي : ابواب الطهارة ، حديث ٨٢ ، حكم الالباني : صحيح) بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو اپنی شرم گاہ (عضو تناسل) کو چھوئے تو جب تک وضو نہ کر لے، نماز نہ پڑھے۔"

اگر میت کو غسل دیتے وقت اس کا ہاتھ میت کی شرم گاہ کو چھو جائے تو ہر حال میں اس پر وضو واجب ہو جائے گا کیونکہ شرم گاہ کو چھونا وضو توڑ دیتا ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ شرم گاہ کو نہ چھوئے بلکہ اپنے اور شرم گاہ کے درمیان کوئی چیز مثلاً کپڑا رکھے جس سے وہ میت کو غسل دے اور صاف کرے۔

لیکن اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس کا ہاتھ غلطی سے لگ گیا اور شرم گاہ کو چھو گیا تو اس پر وضو واجب ہوگا۔

البتہ اگر شرم گاہ کو نہ چھوا ہو (بلکہ عام جسم کو چھوا ہو) تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ وضو کر لے تاکہ اختلاف سے بچا جا سکے۔ یہ (وضو کرنا) ایک طہارت ہے اور بہت خیر کا باعث ہے۔ غسل کرنا بھی سنت ہے۔

نماز جنازہ کی تکبیرات پر رفع یدین :

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جنازے کی ہر تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شيبة : ۳ / ۲۹٦ ح ۱۱۳۸۰ ، وسنده صحيح)

قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع اليدين للبخاری : ۱۱۲ ، وسنده صحيح ، مصنف ابن ابی شيبة مكتبة الرشد : ٤ / ٤٨٧ ح ۱۱٤٩٣ ، وسنده صحيح ، نسخه عوامه : ۷ / ۲٥٤-۲٥٥ ح ۱۱٥٠٣)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ جنازے کی ہر تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شيبة : ۳ / ۲۹۷ ح ۱۱۳۸۹ ، وسنده صحيح)

نافع بن جبیر بن مطعم رحمہ اللہ جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع اليدين : ۱۱٤ ، وسنده حسن)

امام مکحول (تابعی) رحمہ اللہ جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع اليدين : ۱۱٦ ، وسنده حسن لذاته)

امام زہری رحمہ اللہ جنازے کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع اليدين : ۱۱۸ ، وسنده صحيح)

حسن بصری رحمہ اللہ جنازے کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع اليدين : ۱۲۲ ، وسنده صحيح)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اکثر صحابہ وغیرہم سے جنازے کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین نقل کیا ہے اور فرمایا: وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ ، وَالشَّافِعِيِّ ، وَاَحْمَدَ ، وَاِسْحَاقَ . ''ابن المبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔'' (سنن الترمذی : ۱۰۷۷)

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا :

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی۔ (صحيح البخاری :

۱۳۳۵ ، سنن النسائی : ۱۹۸۹ ، وسنده صحیح)

﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلَى جَنَازَتِهِ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا ، لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئاً ، اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ﴾ (سنن ابی داود : كتاب الجنائز ، حديث ۳۱۷۰ ، حكم الالبانی : صحيح) ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا "جو کوئی مسلمان فوت ہو جائے اور پھر اس پر چالیس آدمی کھڑے ہو کر جنازہ پڑھیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں تو اس میت کے بارے میں اس کی سفارش قبول کرلی جاتی ہے۔"

90 ﴿وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ ...﴾

﴿اَلْمُعَذِّرُوْنَ﴾ عذر کرنے والے دو قسم کے تھے : ایک وہ لوگ تھے جو جھوٹے عذر پیش کرتے تھے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جنھیں حقیقی اعذار لاحق تھے۔

عذرت اور اعذرت : جب کوئی شخص کسی کام میں تقصیر کرے تو عَذَرْتُ اور جب کسی کام میں احتیاط کرے تو اَعْذَرْتُ کہا جاتا ہے۔

91 ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا ...﴾

حقیقی اعذار والوں کی تین قسمیں ہیں :

① وہ جو بدن کے اعتبار سے تندرست لیکن بوڑھے ہونے کی وجہ سے کمزور تھے۔
② وہ جو بیمار (اندھے، لنگڑے، لولے، اپاہج) تھے۔
③ وہ جو طاقتور و تندرست تھے مگر ان کے پاس سواری اور زادِ راہ نہیں تھا۔

غزوۂ تبوک میں نہ جانے والوں کی چار قسمیں ہیں :

① جو منافقین تھے۔ (اس کا ذکر آیت نمبر ۴۵ تا ۴۷ میں ہے۔)
② جو سستی سے نہیں گئے۔ بعد میں حاضر ہو کر توبہ کرلی۔ (اس کا ذکر آیت نمبر ۱۰۲ میں ہے۔)

③ جو سستی سے نہیں گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے میں تاخیر کی، جیسے کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ (اس کا ذکر آیت نمبر ۱۰۶ میں ہے۔)

④ جو بہت بوڑھے، کمزور، نابینا تھے۔ انھیں عذر شرعی کی بنا پر رخصت دی گئی۔ (اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔)

پارہ نمبر ۱۱

97 ﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْراً وَّنِفَاقاً ﴾

جن عربوں نے شہروں کو وطن بنایا، وہ ''عرب'' کہلاتے ہیں۔ جن عربوں نے صحراؤں اور دیہاتوں کو وطن بنایا، وہ ''اعراب'' کہلاتے ہیں۔

اعراب کی دو قسمیں ہیں : اعراب مومنین اور اعراب منافقین۔ منافقین کی بھی دو قسمیں ہیں : مدینہ کے منافقین، اطراف مدینہ کے منافقین۔

98 ﴿ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ﴾

سوء اور سوء میں فرق :

...... سَوْءٌ اسم ہے جس کے معنی مذمت ہے۔

...... سُوْءٌ مصدر ہے جس کے معنی ضرر، عذاب ہے۔

100 ﴿ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ... وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ﴾ سے مراد وہ ہیں جنھوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے سنہ ۱۱ ہجری میں منیٰ میں عقبہ کے پاس بیعت کی۔ یہ سات آدمی تھے۔ دوسرے سال ستر تھے جن میں دو عورتیں تھیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ﴾ سے مراد وہ ہے جنھوں نے ہجرت اور نصرت دین میں ان (سابقون الاولون) کے عقائد و اعمال میں ان کی اتباع کی۔

كُلُّ مَنْ سَلَكَ سَبِيْلَهُمْ فَهُوَ مِنَ التَّابِعِيْنَ بِاِحْسَانٍ ، وَهُوَ مِمَّنْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ . (بدائع التفسير القيم) ''ہر وہ شخص جو ان (السابقون الاولون من المہاجرین والانصار) کے راستے پر چلا تو اس نے احسان کے ان کی اتباع کی اور وہ ان لوگوں میں سے ہوا جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی

ہوئے۔''

تبعیت مطلق نہیں ہے۔ ﴿ بِاِحْسَانٍ ﴾ میں باء (ب) مصاحبت کے لیے ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک چیز میں تو اتباع ہو اور دوسری میں نہ ہو۔ یہ تبعیت، احسان کے ساتھ مقید ہے۔ گویا احسان اور متابعت، حصول رضائے الٰہی میں شرط ہیں۔

101 ﴿ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ ... اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ○ ﴾

مدینہ کے اور اطراف مدینہ کے منافقین مراد ہیں جن کے نفاق کو کوئی محسوس نہیں کرسکتا۔ ﴿ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ ﴾ ''آپ انھیں نہیں جانتے، ہم انھیں جانتے ہیں۔''

102 ﴿ وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ... ﴾

﴿ خَلَطُوْا ﴾ اَلْخَلْطُ الْجَمْعُ بَيْنَ اَجْزَاءِ الشَّيْئَيْنِ . (دو چیزوں کے اجزاء کو جمع کرنا ہے۔)

﴿ وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ﴾ اَیْ : بِعَمَلٍ آخَرَ سَيِّءٍ ، وَضْعُ الْوَاوِ مَوْضِعَ الْبَاءِ ، كَمَا يُقَالُ : خَلَطْتُ الْمَاءَ وَاللَّبَنَ ، اَیْ : بِاللَّبَنِ . (تفسیر البغوی : ٤ / ٩٠) ''یعنی کسی دوسرے برے عمل کے ذریعے۔ یہاں واؤ کو باء کی جگہ پر رکھا گیا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: میں نے پانی اور دودھ کو ملایا۔ یعنی (پانی کو) دودھ کے ساتھ ملایا۔''

103 ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ... ﴾

اَلصَّدَقَةُ : مَا يُنْفِقُهُ الْمُؤْمِنُ قُرْبَةً لِلّٰهِ . (صدقہ وہ ہے جسے مومن، اللہ کے تقرب کے لیے خرچ کرتا ہے۔)

اَلتَّطْهِيْرُ : اِزَالَةُ الْمَضَرَّاتِ . (ضرررساں چیزوں کو ہٹانا تطہیر ہے۔)

اَلتَّزْكِيَةُ : اَلنَّمَاءُ . (بڑھنا تزکیہ ہے۔)

تزکیہ کے دو بُعد (Dimensions) ہیں :

① اَلنَّمَاءُ (بڑھنا) ② اَلنَّمَاءُ نَحْوَ الصَّلَاحِ (بہتری کی بڑھنا)
ایسا نہیں کہ جب وہ بڑا ہو جائے اور بڑھ جائے تو خراب ہو جائے۔ یعنی تطہیر، تزکیہ کا تقاضا کرتا ہے۔

﴿ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۖ ﴾ صلاۃ کی چار توجیہات ہیں :

① الاستغفار (بخشش کی دعا)، جیسے وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اَیْ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ ، اِنَّ صَلَاتَكَ اَیْ اسْتِغْفَارَكَ . (ان پر درود بھیج، یعنی ان کے لیے بخشش طلب کر۔ بے شک تیرا درود، یعنی تیرا استغفار۔)

② مغفرت، جیسے ﴿ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ (البقرة : ۲ / ۱۵۷) ''ان پر ان کے رب کی نوازشیں ہیں۔''

③ بعینہٖ نماز، جیسے ﴿ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ (البقرة : ۲ / ۳) ''اور وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔''

④ بیوت الصلوٰۃ (نماز کے گھر)، جیسے ﴿ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ ﴾ (سورة الحج : ۲۲ / ۴۰) ''عبادت خانے و گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد۔''

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا ... ﴾ 107

ابو عامر راہب، قبیلہ خزرج سے تھا۔ ظہور اسلام سے پہلے یہ عیسائی ہو کر ہرقل کے پاس چلا گیا تھا۔ اسی کی تجویز پر منافقین نے مسلمانوں سے جنگ کے لیے آنے والوں کے لیے بطور گھات اور کمین گاہ یہ مسجد ضرار بنائی تھی۔ منافقین نے مسلمانوں کے دلوں سے شک دور کرنے کے لیے مسجد بنانے کا یہ بہانہ بنایا کہ ہم نے بیماروں اور کمزوروں کی سہولت کے لیے یہ مسجد بنائی ہے تاکہ وہ سردی اور بارش میں سہولت سے یہاں نماز پڑھ سکیں۔ ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے درخواست کی کہ آپ وہاں چل کر نماز پڑھیں تاکہ ہمیں برکت حاصل ہو۔ خواہش ان کی یہ تھی کہ آپ کے نماز پڑھنے سے ہماری مسجد تسلیم ہو جائے اور ہم اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں۔ آپ اس

وقت تبوک کے لیے روانہ ہو رہے تھے، اس لیے آپ نے فرمایا کہ واپسی پر میں تمہاری مسجد میں آ کر نماز پڑھوں گا۔ جب آپ ﷺ تبوک سے واپسی پر مدینہ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو جبریل علیہ السلام یہ آیات لے کر نازل ہوئے جن میں اس مسجد ضرار کا پول کھول دیا گیا اور یہ بھی بتایا گیا کہ یہ لوگ یقیناً قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ اس مسجد کے بنانے سے بھلائی کے سوا کچھ نہ تھا، جبکہ اللہ تعالیٰ کی شہادت یہ ہے کہ بلا شک وشبہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔ (تفسير القرآن الكريم : ١ / ٨٤٧-٨٤٨)

108 ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى ...﴾

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مسجد تقویٰ (قباء) ہے۔'' (تفسير ابن كثير : ٢ / ١٧٠)

﴿عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ ، قَالَ : حَدَّثَنَا اَبُو الْاَبْرَدِ ، مَوْلَى بَنِيْ خَطْمَةَ ، اَنَّهُ سَمِعَ اُسَيْدَ بْنَ ظُهَيْرٍ الْاَنْصَارِيَّ ، وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : الصَّلَاةُ فِيْ مَسْجِدِ قُبَاءٍ كَعُمْرَةٍ﴾

(جامع الترمذی : ابواب الصلاة ، حديث ٣٢٤ ، حكم الالبانی : صحيح) اسید بن ظہیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''مسجد قباء میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہے۔''

109 ﴿اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى ...﴾

علو بنیان (عمارت کا بلند ہونا) کے لیے توثیق اساس (بنیاد کا مضبوط کرنا) ضروری ہے۔ جتنی بنیاد مضبوط ہوگی، عمارت اتنی ہی بلند ہوگی۔ عمارت میں سے کوئی شے گر جائے تو اس کا تدارک ممکن ہے، مگر بنیاد ہی ڈھے جائے تو عمارت گر جائے گی۔ عارف، اساس مضبوط کرتا ہے اور جاہل عمارت مضبوط کرتا ہے۔

ایمان، اساس ہے اور اعمال، عمارت ہیں۔

112 ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ ...﴾

سِيَاحَةُ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِ فِيْ مَحَبَّةِ اللّٰهِ. (مومن کے دلوں کا اللہ کی محبت میں سفر کرنا۔)

نکتۂ عجیبہ : یہاں توبہ اور عبادت کو قرین بنایا گیا ہے۔

حمد اور سیاحہ ایک ساتھ لائے گئے۔

حمد، بدن (زبان) کی عبادت ہے، جبکہ سیاحہ، قلب (دل) کی عبادت ہے۔

اس آیت میں مومنین کے نو اوصاف بیان کیے گئے۔ پہلے چھ اوصاف خالق کے ساتھ معاملات سے متعلق ہیں اور ساتویں و آٹھویں اوصاف مخلوق کے ساتھ معاملات سے متعلق ہیں، جبکہ نواں وصف دونوں (خالق و مخلوق) کو شامل ہے۔

یہ ان مومنین کی صفتیں ہیں جن کے بارے میں ہے : ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (التوبة : ۹ / ۱۱۱) ''بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔''

عربوں کے یہاں سات کے بعد آٹھویں پر واؤ داخل کرتے ہیں۔

115 ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا ...﴾

اضلال، اللہ کی طرف سے سزا ہے۔ اس نے تبیین کی، مگر انھوں نے قبول نہیں کیا تو انھیں سزا یہ دی کہ انھیں گمراہ کر دیا۔ اللہ کسی کو اس وقت تک گمراہ نہیں کرتا جب تک اس کے سامنے حق واضح نہ کر دے۔ ہاں، حق واضح ہو جانے کے بعد اگر کوئی اسے قبول نہ کرے تو اسے گمراہ کرتا ہے۔

117 ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ...﴾

① نبی ﷺ کی توبہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں تھی۔ عبادت کرتے ہیں، مگر اس میں کمی خیال کرتے ہیں۔ اس وجہ سے استغفار کرتے ہیں...... یا غین طاری ہوتا ہے۔ یعنی اشتغال

دنیویہ کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے رب کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔

﴿عَنِ الْاَغَرِّ الْمُزَنِيِّ ، وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : اِنَّهُ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ ، وَاِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ، فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ﴾ (صحيح مسلم : الذكر والدعا ، حديث ٢٧٠٢) اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے جنھیں شرف صحابیت حاصل تھا، روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے دل پر غبار چھا جاتا ہے تو میں (اس کیفیت کے ازالے کے لیے) ایک دن میں سو بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔"

② مہاجرین و انصار کی توبہ، غزوۂ تبوک کے راستے کی صعوبتوں کی وجہ سے تھی۔ صعوبتوں کو دیکھ کر بعض مسلمان گھبرا گئے تھے اور ان کے دلوں میں وسوسے آنے لگے تھے۔ یہ وسوسہ، گناہ کے قائم مقام تھا۔ (قریب تھا کہ ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں۔)

③ تین کی توبہ جو بغیر عذر تبوک میں نہ جا سکے۔

اللہ نے ان تینوں کی توبہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توبہ کے ساتھ ذکر کیا تاکہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت ظاہر کرے۔

نکتہ : توبہ کو دو مرتبہ ذکر کیا گیا: ① شروع آیت میں، ② آخر آیت میں۔ پہلے توبہ کی توفیق دی، پھر توبہ قبول کی۔ کعب رضی اللہ عنہ کی توبہ کی قبولیت کے دن کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿اَبْشِرْ بِخَيْرِ يَوْمٍ مَرَّ عَلَيْكَ مُنْذُ وَلَدَتْكَ اُمُّكَ﴾ (بخاري : ٤٤١٨ ، مسلم : ٢٧٦٩ ، احمد : ١٥٧٨٩) "تمھیں آج کا دن مبارک ہو! یہ دن ان تمام دنوں میں سے سب سے بہتر ہے جو تمہاری پیدائش کے بعد سے آج تک تم پر گزرے ہیں۔"

﴿قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : واللّٰهِ اِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً﴾ (صحيح البخاري : كتاب الدعوات ، حديث ٦٣٠٧)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا "اللہ کی قسم! میں ایک دن میں اللہ کے حضور ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔

نکتہ : فَالتَّقَاعُسُ عَنْ نُصْرَةِ الْاِسْلَامِ بِحَاجَةٍ اِلَی التَّوْبَةِ . (پس اسلام کی نصرت سے پیچھے ہٹنا توبہ کا محتاج ہے۔)

﴿ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ﴾ مَا اَجْمَلَ التَّعْبِيْرَ الْقُرْآنِيَّ ! جَعَلَ الْعُسْرَ سَاعَةً وَاحِدَةً عَابِرَةً سَرِيْعَةَ الْاِنْقِضَاءِ ، لَيْسَتْ مَحْصُوْرَةً عَلَى الْحَيَاةِ كُلِّهَا . (قرآنی تعبیر کتنی خوب صورت ہے! اللہ نے فرمایا کہ تنگی ایک گھڑی ہے جو دائمی نہیں بلکہ عارضی اور جلد ختم ہو جانے والی ہے۔)

118 ﴿ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ... هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ ﴾

تَخَلَّفُوْا کے بجائے ﴿ خُلِّفُوْا ﴾ کہا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ هُوَ الَّذِيْ خَلَّفَهُمْ عَنْهُمْ . (کیونکہ اللہ ہی ہے جس نے انھیں دوسروں سے پیچھے چھوڑ دیا۔) ہاں، ان کے علاوہ جتنے بھی تھے، متخلف تھے۔ ﴿ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﴾ "یہ کہ وہ (جہاد میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے رہ جائیں۔"

اللہ نے تینوں تائبین کا حال بیان کیا ہے کہ ﴿ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ ... ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ﴾ پھر تَتَّسِعُ الْاَرْضُ عَلَى الْمُؤْمِنِ كُلَّمَا تَابَ . (مومن کے لیے زمین ہر بار کشادہ ہو جاتی ہے جب وہ توبہ کرتا ہے۔)

﴿ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ﴾ تَاْخِيْرُ ذِكْرِ النَّفْسِ وَتَقْدِيْمُ الْاَرْضِ يُشْعِرُ بِاَنَّ : نَفْسَ الْمُؤْمِنِ اَوْسَعُ مِنَ الْاَرْضِ . (نفس کے ذکر کو موخر کرنا اور زمین کو مقدم رکھنا اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ مومن کی جان، زمین سے زیادہ وسیع ہے۔)

قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ : تَخَلَّفَ الثَّلَاثَةُ عَنِ الرَّسُوْلِ فِيْ غَزْوَةٍ وَاحِدَةٍ فَجَرَى لَهُمْ مَا سَمِعْتَ ، فَكَيْفَ بِمَنْ عُمْرُهُ فِي التَّخَلُّفِ عَنْهُ . (بدائع الفوائد : ٣ / ٢٤٧) امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں "تین (صحابہ رضی اللہ عنہم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک غزوے میں پیچھے رہ گئے تو ان کے ساتھ وہ پیش آیا جو آپ نے سنا۔ پس اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کی پوری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہنے (نافرمانی) میں گزری ہو۔"

﴿ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ﴾ حِيْنَ نَشْعُرُ بِعَجْزِنَا وَعَجْزِ الْآخَرِيْنَ حَوْلَنَا نُصْبِحُ اَقْرَبَ مَا يَكُوْنُ لِلْفَرَجِ . (جب ہم اپنی بے بسی اور اپنے آس پاس دوسروں کی بے بسی محسوس کرتے ہیں تو ہم کشادگی کے انتہائی قریب ہوجاتے ہیں۔)

121 ﴿ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً ... اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾

قَالَ قَتَادَةَ : مَا ازْدَادَ قَوْمٌ مِنْ اَهْلِيْهِمْ بُعْداً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، اِلَّا ازْدَادُوْا مِنَ اللّٰهِ قُرْباً . (تفسير الطبری : ١٤ / ٥٦٥) امام قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں "اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا اپنے اہل وعیال سے جتنا دور ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی اللہ سے قریب ہوتا جاتا ہے۔"

﴿ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ ، قَالَ : جَاءَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَلْفِ دِيْنَارٍ فِيْ ثَوْبِهِ ، حِيْنَ جَهَّزَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ ، قَالَ : فَصَبَّهَا فِيْ حِجْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يُقَلِّبُهَا بِيَدِهِ ، وَيَقُوْلُ : مَا ضَرَّ ابْنُ عَفَّانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ ، يُرَدِّدُهَا مِرَاراً ﴾ (مسند احمد : حديث ٢٠٦٣٠ ، اسناده حسن) عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت

''جیش عشرہ'' (غزوۂ تبوک) کی تیاری کر رہے تھے تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک کپڑے میں ایک ہزار دینار لے کر آئے اور لا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اپنے ہاتھ سے پلٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے ''آج کے دن ابن عفان رضی اللہ عنہ کوئی بھی عمل کریں، وہ انھیں نقصان نہ پہنچا سکے گا۔'' یہ جملہ آپ نے کئی مرتبہ دہرایا۔

﴿ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً ﴾ لَا تَحْقِرَنَّ الصَّغَائِرَ . (چھوٹی نیکیوں کو کبھی حقیر مت سمجھو۔)

﴿ وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ ﴾ پہاڑوں کے درمیان کے میدان اور پانی کی گزر گاہ کو وادی کہتے ہیں۔ یعنی ہر وادی طے کرنے پر وہ ان کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہے۔

لَيْسَ شَرْطاً بُلُوْغُ النِّهَايَاتِ ، كُلُّ خُطْوَةٍ فِي الطَّرِيْقِ مَحْسُوْبَةٌ لَكَ وَلَوْ كُنْتَ بَعِيْداً . (منزل تک پہنچنا شرط نہیں۔ راستے پر آپ کا ہر قدم شمار کیا جا رہا ہے، خواہ آپ دور منزل سے دور ہی کیوں نہ ہوں۔)

122

﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ ... ﴾

اَلْفِرْقَةُ : اَقَلُّهَا ثَلَاثَةٌ . (فرقہ کم سے کم تین پر بولا جاتا ہے۔)

اَلطَّائِفَة : اَقَلُّهَا اَرْبَعَة . (طائفہ کم سے کم چار پر بولا جاتا ہے۔)

اَلرَّهْطُ : مِنَ الْخَمْسَة اِلَى الْعشرة . (پانچ اور دس کے درمیان کو رہط کہا جاتا ہے۔)

اَلْعِصَابَةُ : مِنَ الْعَشَرَةِ اِلَى الْاَرْبَعِيْنَ . (دس سے چالیس افراد تک کا گروہ عصابہ کہلاتا ہے۔)

اَلْعُصْبَةُ : مِنَ الْعَشَرَة اِلَى التِّسْعِيْنَ . (دس سے نو افراد تک کا گروہ عصبہ کہلاتا ہے۔)

اَلْبِضْعُ : مِنَ الثَّلَاثَة اِلَى التِّسْعِ . (تین سے لے کر نو تک کو بضع کہا جاتا

ہے۔

اَلْفَوْجُ : اَلْجَمَاعَةُ الْمَارَّةِ . (فقه اللغة للثعالبی) ”گزرنے والا گروہ فوج کہلاتا ہے۔“

128 ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ... بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ﴾ يُشَاكِلُكُمْ فِي الْبَشَرِيَّةِ . (تفسير القشيری : ٢ / ٧٦) ”وہ بشریت میں آپ کے مشابہ ہے۔“

﴿ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ﴾ اَیْ : هُوَ بَشَرٌ مِثْلُكُمْ . (معانی القرآن : ٢ / ٤٧٧) ”یعنی وہ تمہاری طرح ایک انسان ہیں۔“

امام دیلمی رحمہ اللہ نے ”مسند الفردوس“ میں اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے ”صحیح الجامع“ میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”آدم علیہ السلام سے لے کر میرے باپ تک میری پیدائش میں زنا داخل نہیں ہوا۔“

﴿ خَرَجْتُ مِنْ نِكَاحٍ وَلَمْ اَخْرُجْ مِنْ سِفَاحٍ مِنْ لَدُنْ آدَمَ اِلَى اَنْ وَلَدَنِیْ اَبِیْ وَاُمِّیْ لَمْ يُصِبْنِیْ مِنْ سِفَاحِ الْجَاهِلِيَّةِ شَیْءٌ ﴾ (صحيح الجامع : حديث ٣٢٢٥) ”میں (صرف) نکاح کے ذریعے پیدا ہوا ہوں اور میں آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر اپنے والد اور والدہ کے پیدا کرنے تک کبھی سفاح (بدکاری) سے پیدا نہیں ہوا۔ مجھے جاہلیت کے سفاح میں سے کوئی چیز چھو کر بھی نہیں گزری۔“

﴿ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ ہر وہ بات اس پر شاق گزرتی ہے جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے۔

عَزِيْزٌ : شَاقٌّ ، صِفَةٌ مُشَبَّهَةٌ تَدُلُّ عَلَى الثُّبُوْتِ ، وَالْمَلِكُ لِغَلَبَتِهِ عَلَى اَهْلِ مَمْلَكَتِهِ . (”عزیز“ صفت مشبہ ہے جو ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا ایک معنی ہے، گراں گزرنے والا، دشوار۔ دوسرا معنی بادشاہ ہے جو اپنی مملکت

کے لوگوں پر غالب ہوتا ہے۔)

﴿ حَرِيْصٌ ﴾ شَدِيْدُ الرَّغْبَةِ . (شدید خواہش رکھنے والا۔) یعنی کسی کام میں پوری قوت نچوڑ دینے والا۔

﴿ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ ﴾ اَنْ تَدْخُلُوا النَّارَ . (القرطبی : ۸ / ۳۰۲) "(اس بات پر) کہ تم آگ میں داخل ہو جاؤ۔" یعنی اس کی سب سے بڑی فکر، تمہارا ایمان ہے تا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔

﴿ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا ﴾ (عن ابی ھریرۃ - مسلم : کتاب الایمان ، حدیث ۵٤) "تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ ہو جاؤ۔"

﴿ رَءُوْفٌ ﴾ رَءُوْفٌ بِضُعَفَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ . (مومنوں کے کمزوروں پر بہت مہربان۔)

﴿ رَّحِيْمٌ ﴾ رَحِيْمٌ بِهِمْ كُلِّهِمْ . (ان سب پر بہت رحم کرنے والا۔)

﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ... وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○ ﴾ 129

﴿ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ﴾ حصر پیدا ہو گیا۔ ﴿ فَقُلْ ﴾ سے یہ معلوم ہوا کہ صرف عقیدہ نہ رکھیں بلکہ اس کا برملا اعلان کر دیں۔

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہو مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

﴿ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ﴾ اَیْ : اِعْتَمَدْتُ وَوَثِقْتُ بِهِ ، فِیْ جَلْبِ مَا يَنْفَعُ ، وَدَفْعِ مَا يَضُرُّ . (تفسیر السعدی : ص ۲۰۷) "یعنی میں نے اس پر بھروسا کیا اور اس پر اعتماد کیا، نفع حاصل کرنے میں اور نقصان کو دور کرنے میں۔"

توکل : حِيْنَ يَقُوْلُ الْاِبْنُ لِاُمِّهِ : اُدْعِیْ لِیْ حَتّٰى اَنْجَحَ ، وَتُجِيْبُ الْاُمُّ الْاُمِّيَّةُ قَائِلَةً كَلِمَةً بَسِيْطَةً هِيَ : سَاعِدِ الدُّعَاءَ بِقَلِيْلٍ مِنَ الْمُذَاكَرَةِ . (جب بیٹا اپنی ماں سے کہتا ہے "میرے لیے دعا کریں تا کہ میں کامیاب

ہو جاؤں۔" اور ان پڑھ ماں ایک سادہ سی بات کہتی ہے جو یہ ہے" دعا کو تھوڑی سی پڑھائی کے ساتھ مدد دو۔")

ایک سبب نہ مہیا ہو سکے، تب بھی اللہ پر بھروسا ہو۔ سارے اسباب مہیا ہو جائیں، تب بھی اللہ ہی پر توکل ہو۔

﴿ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴾ اللہ کوئی عام بادشاہ نہیں ہے۔ کوئی چیز اس کی سلطنت سے باہر نہیں۔

عَظْمَةُ الْمَخْلُوْقِ دَلَّتْ عَلَى عَظْمَةِ الْخَالِقِ . (مخلوق کی عظمت، خالق کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔)

سورۂ یونس

سورۂ یونس کی عظیم آیت ﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾ ہے۔

وَالْمَقْصُوْدُ مِنْ هٰذَا الْفَرْضِ تَنْبِيْهُ النَّاسِ عَلَى فَظَاعَةِ عِظَمِ هٰذَا الْفِعْلِ ، حَتَّى لَوْ فَعَلَهُ اَشْرَفُ الْمَخْلُوْقِيْنَ لَكَانَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ . (التحرير والتنوير : ۱۱ / ۳۰۵) "اس فرض سے مقصود لوگوں کو اس فعل کی شدت اور قباحت پر متنبہ کرنا ہے، یہاں تک کہ اگر اسے تمام مخلوقات میں سب سے معزز ہستی بھی انجام دے تو وہ ظالموں میں سے ہوگی۔"

عجیبہ : سورۂ توبہ توکل پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے بعد سورۂ یونس ہے۔ اس میں تین انبیاء کا ذکر ہے۔ ان تینوں نے اللہ پر بھروسا کیا تو اللہ نے انھیں نجات دی۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ ﴾ "پس میرا تو اللہ ہی پر بھروسا ہے۔" موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے فرمایا: ﴿ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا ﴾ "پس اسی (اللہ) پر توکل کرو۔" یونس علیہ السلام اور ان کی قوم نے جب اللہ پر توکل کیا تو اللہ نے ان سے عذاب ہٹا لیا۔ ان تمام واقعات میں توکل کی اہمیت نمایاں ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے کہا کہ فرعون نے دو ایمان اور ایک اسلام کا ذکر کیا:

① ﴿ اٰمَنْتُ ﴾ "میں ایمان لایا۔"

② ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ ﴾ "جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

③ ﴿ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ "اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔"

سوال لیکن اس کا ایمان قبول کیوں نہیں ہوا؟

جواب لِاَنَّهٗ آمَنَ عِنْدَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ، وَاللّٰهُ يُرِيْدُ مِنْ عِبَادِهٖ اِيْمَانَ الْاِخْتِيَارِ، لَا اِيْمَانَ الْاِكْرَاهِ وَالْاِضْطِرَارِ. (کیونکہ وہ تب ایمان لایا جب عذاب نازل ہونے لگا تھا، حالانکہ اللہ اپنے بندوں سے اختیاری ایمان چاہتا ہے، جبری اور اضطراری ایمان نہیں۔)

سوال اس سورت کا نام یونس کیوں ہے، جبکہ اس میں دیگر انبیاء علیہم السلام کا بھی ذکر ہے؟

جواب شعراوی نے کہا "نوح، موسیٰ مع فرعون اور یونس علیہم السلام اس سورت میں جمع ہیں اور تینوں میں ایک چیز مشترک ہے، الماء (پانی)۔ قوم نوح اور قوم فرعون کو پانی میں غرق کیا گیا اور یونس علیہ السلام پانی میں ڈالے گئے مگر بچ گئے۔ پانی کبھی مصدر ہلاک ہوتا ہے تو کبھی مصدر نجات۔"

نکتہ (سنن الٰہیہ) : جب جب تکذیب پر اصرار پایا گیا، تب تب عذاب پایا گیا۔ اس کے برعکس جب بھی ایسے وقت میں تکذیب ختم ہوئی جب توبہ قبول کی جا سکتی تھی تو عذاب بھی ختم ہو گیا۔

سورۂ یونس کی غرض : هُوَ الْاِيْمَانُ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَقَدَرِهٖ، اَوْ بِمَعْنًى اَعْمَقَ اَنَّ قَضَاءَ اللّٰهِ وَقَدَرَهٗ يَسْتَنِدُ اِلٰى حِكْمَةِ اللّٰهِ. (یہ اللہ کے قضاء اور قدر پر ایمان ہے، یا زیادہ گہرے معنی میں یہ کہ اللہ کا قضا اور قدر اللہ کی حکمت پر مبنی ہے۔)

موسیٰ علیہ السلام پر تین حالات خود گزرے :

① بچپن میں انھیں تابوت میں ڈال کر حوالۂ دریا کیا گیا، بغیر کسی کی دیکھ بھال کے۔ یہ غرق ہونے اور موت کا علاقہ تھا، لیکن یہ اللہ ہی کی عنایت تھی جس نے انھیں بچالیا۔

② حضرت خضر نے ایک لڑکے کو بغیر ذنب قتل کر دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سے بھی بغیر ذنب ایک قبطی قتل ہو گیا تھا۔

③ حضرت خضر نے بلا اجر دیوار سیدھی کر دی۔ موسیٰ علیہ السلام بھی مدین پہنچے تو دو لڑکیوں کے مویشیوں کو بلا اجرت پانی پلایا۔

فرعون کے واقعے کے بعد قوم یونس کا تذکرہ ہے۔

فَلَمْ يَنْفَعْ فِرْعَوْنَ اِيْمَانُهٗ عِنْدَ مَا جَاءَ الْعَذَابُ ، فَاتَّعِظْ قَبْلَ فَوَاتِ الْاَوَانِ. (چنانچہ فرعون کو اس کا ایمان تب کوئی فائدہ نہ دے سکا جب عذاب آ گیا۔ پس تم وقت گزرنے سے پہلے نصیحت پکڑ لو۔)

نکتہ : سورۂ یونس کی ابتدا میں ﴿قَدَمَ صِدۡقٍ﴾ کہا اور آخر میں ﴿مُبَوَّاَ صِدۡقٍ﴾ کہا گیا۔

﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَباً ... لَسَاحِرٌ مُّبِيْنٌ ○﴾ 2

﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا ﴾ مِنْ عَجَبِ اَمْرِ الْمُشْرِكِيْنَ اَنَّهُمْ رَضُوْا بِالْاِلٰهِ اَنْ يَكُوْنَ حَجَراً وَاَنْكَرُوْا عَلَى الرَّسُوْلِ اَنْ يَكُوْنَ بَشَراً. (مشرکین کا یہ معاملہ بڑا عجیب ہے کہ وہ اس پر تو راضی ہو گئے کہ معبود پتھر کا ہو، لیکن اس بات کا انکار کیا کہ رسول ایک انسان ہو۔)

﴿ قَدَمَ صِدۡقٍ ﴾ یہ اِضَافَةُ الصِّفَةِ اِلَى الْمَوْصُوْفِ (صفت کی موصوف کی طرف اضافت) ہے۔ قدم کے معنی ''پاؤں'' کے ہیں، لیکن سعی و عمل اور ترقی کا ذریعہ پاؤں ہی ہوتا ہے، اس لیے مجازاً بلند مرتبہ کو ''قدم'' کہا جاتا ہے۔ پھر اس کی اضافت ''صدق'' کی طرف کی گئی کہ یہ قدم (بلند مرتبہ) جو انھیں ملا ہے، وہ سچا ہے۔

صِدْقٌ اَیْ مُحَقَّقٌ وَمُقَرَّرٌ. (صدق یعنی یقینی اور لازوال، دنیا کے عہدوں کی طرح عارضی نہیں۔)

﴿قَدَمَ صِدْقٍ﴾ اَلْقَدَمُ تُفِيْدُ السَّبْقَ، وَالْمُسَارَعَةَ، وَالْعَمَلَ، وَالسَّعْيَ، وَالثَّبَاتَ. (قدم...... سبقت، تیزی، عمل، کوشش اور ثابت قدمی کے معانی پر دلالت کرتا ہے۔)

سُمِّيَتْ قَدَماً لِاَنَّ السَّعْيَ اِلَى هٰذِهِ الْفَضَائِلِ بِالْقَدَمِ. (اسے قدم اس لیے کہا گیا ہے کہ ان فضائل کی طرف سعی قدموں کے ذریعے ہی کی جاتی ہے۔)

كُلُّ مَا نُسِبَ اِلَى الصَّلَاحِ وَالْخَيْرِ اُضِيْفَ اِلَى الصِّدْقِ. (ہر وہ چیز جو بھلائی اور خیر کی طرف منسوب کی جاتی ہے، اسے صدق کی طرف مضاف کر دیا جاتا ہے۔)

کہا جاتا ہے: رَجُلُ صِدْقٍ. اس کا معنی ہے: نِعْمَ الرَّجُلُ هُوَ. (کتنا اچھا آدمی ہے وہ!)

اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ﴾ اَيْ اَنْزَلْنَاهُمْ مَنْزِلًا صَالِحاً. (یعنی ہم نے انھیں ایک بہترین ٹھکانے پر اتارا۔)

﴿مُبَوَّاَ صِدْقٍ﴾ سے مراد سچا ٹھکانا ہے۔

3 ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ...﴾

چھ ہی دن میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے کی وجہ: انسان کو یہ تعلیم ہے کہ اہم کاموں کے لیے ایک وقت مقرر کیا جائے اور اس کام کو بتدریج اور سہولت سے کیا جائے۔ اللہ کو عجلت پسند نہیں۔

نکتہ: یہ بحث کہ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق چھ دن میں کی، قرآن میں سات جگہوں پر آئی ہے۔

اعتراض: جب تخلیق کے پہلے دن کا وجود ہی نہ تھا تو چھ دن چہ معنی دارد؟ یعنی اگر یہ کہا

جائے کہ یوم، دن اور رات کا مجموعہ ہے اور دن اور رات تو سورج کے طلوع وغروب ہونے کی وجہ سے ہی وجود میں آتے ہیں تو پوچھا جاسکتا ہے کہ آسمانوں، سورج اور چاند کے وجود میں آنے سے پہلے ''یوم'' (دن) کا پایا جانا کیسے سمجھا جاسکتا ہے؟

(جواب) قُلْنَا : مَعْنَاهُ اِنَّهُ مَضَى مِنَ الْمُدَّةِ مَا لَوْ حَصَلَ هُنَاكَ فَلَكٌ وَشَمْسٌ لَكَانَ الْمِقْدَارُ مُقَدَّراً بِيَوْمٍ . (تفسير الرازى : ۲۷ / ۵۴۸) ''اس کا معنی ہے، کائنات کی تخلیق میں اتنا وقت لگا کہ اگر اس وقت کوئی فلک اور سورج ہوتا تو اس کی مقدار کا تعین دن کے ذریعے کیا جاتا۔''

لَا يَحْتَاجُ فِعْلُهُ اِلَى مُدَّةٍ . (اللہ کے فعل کو کسی مدت کی ضرورت نہیں۔)

تعلیم : ① قدرت کے باوجود کام میں عجلت نہیں کرنا چاہیے۔ ② دفعۃً تخلیق میں اظہار قدرت تھا اور تدریجی تخلیق میں اظہار حکمت ہے۔

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ عَرْشٌ : اِنَّهَا سَرِيْرٌ ذُوْ قَوَائِمَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ، وَالدَّلِيْلُ عَلَى اَنَّهُ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ : وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ ، ذُوْ قَوَائِمَ : فَاِذَا مُوْسَى آخِذاً بِقَوَائِمِ الْعَرْشِ . (عرش پایوں والا ایک تخت ہے جسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس بات کی دلیل کہ فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہے، یہ ہے ''فرشتے آپ کے رب کا عرش اٹھائے ہوں گے۔'' عرش کے پایوں والا ہونے کی دلیل یہ ہے ''تو اچانک موسیٰ علیہ السلام عرش کے پایوں کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔'')

﴿اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعاً ... بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝﴾ 4

﴿ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ﴾ فَالْقَادِرُ عَلَى ابْتِدَاءِ الْخَلْقِ قَادِرٌ عَلَى اِعَادَتِهِ ، وَالَّذِىْ يَرَى ابْتِدَاءَهُ بِالْخَلْقِ ثُمَّ يُنْكِرُ اِعَادَتَهُ لِلْخَلْقِ فَهُوَ فَاقِدُ الْعَقْلِ ، مُنْكِرٌ لِاَحَدِ الْمِثْلَيْنِ مَعَ اِثْبَاتِ مَا هُوَ اَوْلَى مِنْهُ . (جو اللہ مخلوق کو ابتدا سے پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی

قادر ہے۔ جو شخص مخلوق کی ابتدا کو دیکھتا ہے، پھر اس کی دوبارہ تخلیق کا انکار کرتا ہے تو وہ عقل سے محروم ہے اور دو میں سے ایک مثال کا انکار کرنے والا ہے، جبکہ وہ اس چیز کا اقرار کر چکا ہے جو زیادہ اولیٰ ہے۔)

﴿ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴾ حمیم سے مراد وہ پانی ہے جو گرمی کی انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔

حَمِیْم اور یَحْمُوْم میں فرق :

- اَلْحَمِيْمُ هُوَ الْمَاءُ الْحَارُّ . (حمیم سے مراد گرم پانی ہے۔)

جیسے ﴿ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴾ (محمد : ٤٧ / ١٥) ”اور انھیں گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو وہ ان کی آنتیں ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔“

- يَحْمُوْم هُوَ الدُّخَانُ الْاَسْوَدُ الشَّدِيْدُ السَّوَادِ . (انتہائی کالا دھواں یحموم کہلاتا ہے۔)

جیسے ﴿ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴾ (الواقعة : ٥٦ / ٤٣) ”اور سیاہ ترین دھویں کے سائے میں۔“

7

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ... ﴾

① ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ﴾ (یونس : ١٠ / ٧) ”بے شک وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے۔“

اس کا ایک مطلب ہے : لِاَنَّهُمْ مُكَذِّبُوْنَ بِالْحَشْرِ وَالنَّشْرِ . (کیونکہ وہ حشر و نشر کو جھٹلانے والے ہیں۔)

دوسرا مطلب یہ ہے : اَیْ لَا يَخَافُوْنَ عِقَاباً ، وَلَا يَرْجُوْنَ حِسَاباً . (یعنی وہ نہ کسی سزا کا خوف رکھتے ہیں اور نہ کسی حساب کی امید رکھتے ہیں۔)

② ﴿ وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (یونس : ١٠ / ٧) ”اور وہ دنیا کی زندگی پر راضی ہیں۔“

اَیْ رَضُوْا بِھَا عِوَضاً مِنَ الْآخِرَةِ فَعَمِلُوْا لَھَا . (یعنی انھوں نے دنیا کو آخرت کے بدلے میں قبول کرلیا اور اسی کے لیے عمل کیا۔)

③ ﴿ وَاطْمَاَنُّوْا بِھَا ﴾ (یونس : ۱۰ / ۷) "اور اسی پر مطمئن ہیں۔"

اَیْ فَرِحُوْا بِھَا وَسَکَنُوْا اِلَیْھَا ، وَجَعَلُوْھَا غَایَةَ اَمْرِھِمْ . (یعنی وہ دنیا پر خوش ہوئے اور اس کی طرف مائل ہوگئے، نیز انھوں نے اسے ہی اپنے مقصد کی انتہا بنالیا۔)

④ ﴿ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ ﴾ (یونس : ۱۰ / ۷) (اور وہ لوگ جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔)

اَیْ لَا یَعْتَبِرُوْنَ وَلَا یَتَفَکَّرُوْنَ بِاَدِلَّتِنَا . (یعنی وہ ہماری دلیلوں سے نہ عبرت حاصل کرتے ہیں اور نہ ان پر غور وفکر ہی کرتے ہیں۔)

﴿ دَعْوَاھُمْ فِیْھَا سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ ... ﴾ 10

چونکہ دار الجزاء میں جنتیوں سے تکالیف ساقط ہوگئی ہیں، لہٰذا ان کی سب سے بڑی لذت اللہ کی حمد ہوگی اور یہ اس طرح ہوگی جیسے بدن کے لیے سانس...... جو بلا کلفت و مشقت ان سے صادر ہوگی۔

﴿ سُبْحٰنَكَ اللّٰھُمَّ ﴾ نُسَبِّحُكَ اَیْ نُنَزِّھُكَ یَا اَللّٰہُ عَنِ النَّقَائِصِ . (ہم تیری تسبیح کرتے ہیں، یعنی اے اللہ! ہم تجھے تمام خامیوں اور نقائص سے پاک قرار دیتے ہیں۔)

﴿ وَتَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ ﴾ جنت میں تین سلام ہوں گے :

① سَلَامٌ مِنْ رَبِّھِمْ . (ان کے رب کی طرف سے سلام۔)

② سَلَامٌ عَلَیْھِمْ مِنَ الْمَلَائِکَةِ . (ان پر فرشتوں کی طرف سے سلام۔)

③ سَلَامٌ مِنْ بَعْضِھِمْ عَلٰی بَعْضٍ . (ان کے بعض کا بعض پر سلام۔)

وَخِتَامُ دَعْوَاھُمُ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ . (جنتیوں کی آخری دعا

الحمد للہ رب العالمین ہوگی۔)

11 ﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ ...﴾

انسان خود پر اور اپنی اولاد و اہل پر فی حال الغضب ہلاکت کی بددعا کرتا ہے، لیکن اللہ قبول نہیں کرتا، ورنہ مدعو علیہ ہلاک ہوجاتا کیونکہ اللہ جانتا ہے کہ بددعا کرنے والے نے اس کا قصد نہیں کیا ہے۔

12 ﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا ...﴾

انسان کی فطرت کا بیان ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے اور اللہ سے تمام احوال میں قَائِماً (کھڑا)، قَاعِداً (بیٹھا)، مُضْطَجِعاً (لیٹا) سوال کرتا ہے تاکہ اللہ اس تکلیف کو اس سے دور کردے۔ پھر جب اللہ اس کی اس تکلیف کو دور کردیتا ہے تو اِسْتَمَرَّ فِيْ غَفْلَةٍ۔ (غفلت ہی میں رہتا ہے۔)

فَاَيُّ ظُلْمٍ اَعْظَمُ مِنْ هٰذَا الظُّلْمِ ؟ يَطْلُبُ مِنَ اللّٰهِ قَضَاءَ غَرَضِهِ ، فَاِذَا اَنَالَهُ اِيَّاهُ لَمْ يَنْظُرْ اِلَى حَقِّ رَبِّهِ ، وَكَاَنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ لِلّٰهِ حَقٌّ ۔ (پس اس ظلم سے بڑھ کر کون سا ظلم ہوگا کہ انسان اللہ سے اپنی حاجت پوری کرنے کا مطالبہ کرے اور جب اللہ اس کی حاجت پوری کردے تو وہ اپنے رب کے حق کی طرف دیکھے بھی نہیں؟ گویا اس پر اللہ کا کوئی حق ہی نہیں۔)

18 ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ...﴾

اَلْمُتَّخِذِيْنَ شُفَعَاءَ مُشْرِكُوْنَ ۔ (شفاعت کرنے والوں کو اللہ کا شریک ٹھہرانے والے مشرک ہیں۔)

23 ﴿يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ...﴾

اَلْبَغْيُ ضَرْبَانِ : مَحْمُوْدٌ هُوَ تَجَاوُزُ شَيْءٍ اِلَى شَيْءٍ اَفْضَلَ مِنْهُ كَتَجَاوُزِ الْعَدْلِ اِلَى الْاِحْسَانِ ، وَمَذْمُوْمٌ كَتَجَاوُزِ الْحَقِّ اِلَى الْبَاطِلِ وَالْخَيْرِ اِلَى الشَّرِّ ۔ (بغی دو قسم کی ہوتی ہے: ① محمود، یہ ایک چیز سے

بہتر چیز کی طرف تجاوز کرنا ہے، جیسے عدل سے احسان کی طرف بڑھنا۔ ② مذموم، یہ حق سے باطل کی طرف اور خیر سے شر کی طرف تجاوز کرنا ہے۔)

24 ﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ ...﴾

﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ﴾ دنیا کی زندگی کو پانی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بقدر ضرورت ہو تو نفع بخش ہے، ورنہ نقصان دہ۔

12 ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ ...﴾

نکتہ : اِنَّ النَّفْسَ الْوَاحِدَةَ تَتَبَدَّلُ مِنْ حَالٍ اِلَى حَالٍ وَقْتَ الشِّدَّةِ وَفِيْ وَقْتِ الرَّخَاءِ . (یقیناً انسان تکلیف کے وقت اور خوش حالی کے وقت مختلف حالتوں میں بدلتا رہتا ہے۔)

25 ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ ...﴾

اس کا مطلب ہے کہ دنیا آفات سے سلامت نہیں ہے۔ یہ سلامتی کا گھر نہیں ہے۔ سلامتی کا گھر صرف جنت ہے۔

26 ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾

الْحُسْنَى هِيَ الْجَنَّةُ ، وَالزِّيَادَةُ النَّظَرُ اِلَى وَجْهِهِ الْكَرِيْمِ .
(اضواء البیان للشنقیطی : ۸ / ۵۴۷) ''حسنیٰ سے مراد جنت ہے اور زیادۃ سے مراد اللہ کے کرم والے چہرے کا دیدار ہے۔''

﴿عَنْ صُهَيْبٍ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ ، قَالَ : يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى : تُرِيْدُوْنَ شَيْئاً اَزِيْدُكُمْ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ : اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا ؟ اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ ، وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ ؟ قَالَ : فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ ، فَمَا اُعْطُوْا شَيْئاً اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ اِلَى رَبِّهِمْ عَزَّ وَجَلَّ﴾
(صحیح مسلم : کتاب الایمان ، حدیث ۱۸۱) صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں

نے نبی اکرم ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا ''جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے، (اس وقت) اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا، کیا تمھیں کوئی چیز چاہیے جو تمھیں مزید عطا کروں؟ وہ جواب دیں گے، کیا تو نے ہمارے چہرے روشن نہیں کیے؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور دوزخ سے نجات نہیں دی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ پردہ اٹھا دے گا تو انھیں کوئی چیز ایسی عطا نہیں ہوئی ہوگی جو انھیں اپنے رب عزوجل کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو۔''

فوائد :

① جنتیوں سے اللہ کا، نعمتوں کی زیادت کا سوال، جنتیوں کی تکریم ہے۔

② اللہ اور جنتیوں کے درمیان گفتگو، جنتیوں سے اللہ کی محبت اور ان پر اس کی رحمت بے پایاں کی طرف مشیر ہے۔

③ چہرے کا روشن ہونا، جنت میں دخول اور جہنم سے نجات، جنتیوں کی آرزو کی انتہا ہوگی۔ اس سے بڑی چیز کا تصور بھی ان کے ذہنوں میں نہ ہوگا۔ تب اللہ انھیں اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔

④ جنت میں مومنوں کو اللہ کا دیدار ہوگا اور کفار جہنم میں جائیں گے، وہ اس سے محروم ہوں گے۔

⑤ اس میں معتزلہ، خوارج اور بعض مرجئہ کا رد ہے۔

⑥ شکر المومنین (مومنین، اللہ کا شکر کریں گے) کہ تو نے ہمارے چہرے روشن کیے۔

⑦ نکتۂ نحویہ : حدیث میں فما اعطوا جو ماضی ہے، وہ مضارع یکشف پر مرتب ہے، لہٰذا اسے مضارع ہونا چاہیے تھا۔ پس اس کی تقدیر یہ ہے : فَيُحِسُّوْنَ اَنَّهُمْ مَا اُعْطُوْا فِيْ جَنَّتِهِمْ شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ اِلٰى رَبِّهِمْ. (تو وہ محسوس کریں گے کہ انھیں ان کی جنت میں کوئی ایسی چیز نہیں دی گئی جو انھیں اپنے رب کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو۔)

⑧ ابیضاض وجوہ (چہروں کا روشن ہونا) اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہونے کی دلیل ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ﴾ (آل عمران: ۳ / ۱۰۷) ''اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔''

⑨ حقیقی کامیابی جہنم سے نجات ہے۔ فرمایا: ﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ﴾ (آل عمران: ۳ / ۱۸۵) ''پھر جسے آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ یقیناً کامیاب ہو گیا۔''

⑩ سب سے بڑی نعمت، دیدار الٰہی ہے۔

⑪ مقام تکمیل تمنا اور مکان تسکین آرزو صرف اور صرف جنت ہے۔

32 ﴿ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ﴾

قاعدۂ جلیلہ: اِنَّ مَا قَامَتِ الْاَدِلَّةُ عَلٰى اَنَّهُ حَقٌّ، فَكُلُّ مَا عَارَضَهُ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَكُلُّ شُبْهَةٍ تُوْرَدُ عَلَيْهِ فَهِيَ فَاسِدَةٌ، لِاَنَّ مَا خَالَفَ الْحَقَّ فَهُوَ بَاطِلٌ. (جس چیز پر دلائل قائم ہو جائیں کہ وہ حق ہے تو جو بھی چیز اس کی مخالفت کرے، وہ باطل ہے۔ جو بھی شبہ اس پر وارد کیا جائے، وہ فاسد ہے کیونکہ جو چیز حق کے خلاف ہو، وہ باطل ہے۔)

42 ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ﴾

استمع الیٰ، استمع له اور استمع به میں فرق:

- استمع الی: سنتے ہیں، مگر سمجھتے ہی نہیں۔ نہ فہم، نہ طاعت اور نہ تدبر۔ ﴿ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ﴾ (محمد: ۴۷ / ۱۶) ''اس (نبی) نے ابھی کیا کہا تھا؟''
- استمع بالقلب: ﴿ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ ﴾ (الاسراء: ۱۷ / ۴۷) ''ہم خوب جانتے ہیں جس (غرض) سے وہ اس (قرآن) کو سنتے ہیں۔''

اَیْ بِالْمَكْرِ وَالْخِدَاعِ وَالسُّخْرِيَّةِ وَالْاِسْتِهْزَاءِ. (یعنی مکر، فریب،

طنز اور تمسخر کے ساتھ۔)

• استمع له : اَیْ اَصْغَی اِلَیْهِ بِاهْتِمَامٍ . (یعنی اس نے پوری توجہ کے ساتھ اس کی طرف کان لگائے۔)

58 ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾

وَقَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيُّ : فَضْلُ اللّٰه الْقُرْآنُ ، وَرَحْمَتُهُ اَنْ جَعَلَكُمْ مِنْ اَهْلِهٖ . (تفسير الرازى : ١٧ / ٢٧٠) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اللہ کا فضل، قرآن ہے۔اس کی رحمت یہ ہے کہ اس نے تمھیں قرآن والوں میں سے بنا دیا۔''

اَلْفَرَحُ : لَذَّةٌ تَقَعُ فِى الْقَلْبِ بِاِدْرَاكِ الْمَحْبُوْبِ وَنَيْلِ الْمُشْتَهٰى فَيَتَوَلَّدُ مِنْ اِدْرَاكِهٖ حَالَةٌ تُسَمَّى الْفَرَحَ وَالسُّرُوْرَ ، كَمَا اَنَّ الْحُزْنَ وَالْغَمَّ مِنْ فَقْدِ الْمَحْبُوْبِ . (فرح وہ لذت ہے جو محبوب چیز کے حاصل ہونے یا پسندیدہ شے کے مل جانے پر دل میں پیدا ہوتی ہے تو اس کے ادراک سے ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے فرح اور سرور کہتے ہیں۔ جس طرح غم اور دکھ، محبوب چیز کے کھو جانے سے پیدا ہوتے ہیں۔)

فرح اور استبشار میں فرق : اِنَّ الْفَرَحَ بِالْمَحْبُوْبِ بَعْدَ حُصُوْلِهٖ ، وَالْاِسْتِبْشَارَ يَكُوْنُ بِهٖ قَبْلَ حُصُوْلِهٖ عَلٰى ثِقَةٍ مِنْ حُصُوْلِهٖ . (محبوب چیز کے حاصل ہو جانے کے بعد جو کیفیت ہوتی ہے، وہ ''فرح'' ہے، جبکہ ''استبشار'' وہ کیفیت ہے جو محبوب چیز کے حاصل ہونے سے پہلے ہوتی ہے کیونکہ اس میں یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ چیز ضرور حاصل ہوگی۔)

جیسے ﴿ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ ﴾ (آل عمران : ٣ / ١٧٠) ''جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا، اس پر وہ خوش ہیں اور ان (مومنوں) کے بارے میں بھی خوشی محسوس

کرتے ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں۔"

فرح اور سرور کے درمیان فرق :

• اَلْفَرْحُ هُوَ الْغِبْطَةُ النَّاجِمَةُ عَنْ شَيْءٍ حَدَثَ لَكَ مِنْ دُوْنِ جُهْدٍ مِنْكَ. (فرح وہ خوش گوار کیفیت ہے جو کسی ایسی چیز کے حاصل ہونے سے پیدا ہوتی ہے جو آپ کو بغیر کسی کوشش کے ملی ہو۔)

جیسے ﴿ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ (آل عمران : ۳ / ۱۷۰) "جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا، اس پر وہ خوش ہیں۔"

• وَالسُّرُوْرُ هُوَ الْغِبْطَةُ : (۱) مِنْ شَيْءٍ فَعَلْتَهُ ، (۲) بَذَلْتَ جُهْدًا فِيْهِ. (سرور وہ خوش گوار کیفیت ہے جو ① کسی ایسے کام سے حاصل ہو جو آپ نے خود کیا ہو، ② جس میں آپ نے خود کوشش کی ہو۔)

جیسے ﴿ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴾ (الانشقاق : ۸۴ / ۹) "اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹے گا۔"

62 ﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾

خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم کا تعلق ماضی سے ہے۔ یعنی انھیں نہ ماضی میں کسی نعمت کے زوال کا ملال ہوگا اور نہ مستقبل میں کسی نعمت کے زوال کا خطرہ و اندیشہ ہوگا۔

سوال اولیاء تو کیا، انبیاء علیہم السلام کو، یہاں تک کہ آخری نبی محمد ﷺ کو بھی خوف و غم دنیا میں لاحق ہوا؟

جواب اولیاء وغیرہ کو ایسا خوف و غم نہ ہوگا جو باعث ضرر ہو۔ ﴿ عَلَيْهِمْ ﴾ میں "علیٰ" ہے جو ضرر کے لیے آتا ہے۔ جو خوف کا ذکر ہے، وہ خوف الٰہی ہے جو باعث ضرر نہیں بلکہ باعث نفع ہے۔

وَاِنَّمَا تَحْصُلُ الْهُمُوْمُ وَالْغُمُوْمُ وَالْاَحْزَانُ مِنْ جِهَتَيْنِ :

اِحْدَاهُمَا الرَّغْبَةُ فِى الدُّنْيَا وَالْحِرْصُ عَلَيْهَا ، وَالثَّانِى التَّقْصِيْرُ فِىْ اَعْمَالِ الْبِرِّ وَالطَّاعَةِ . (عدة الصابرين لابن القيم : ص ٢٥٦) "غم، پریشانیاں اور دکھ صرف دو وجوہات سے پیدا ہوتے ہیں : پہلی وجہ دنیا کی رغبت اور اس کی حرص ہے۔ دوسری وجہ نیکی کے کاموں اور اطاعت میں کوتاہی ہے۔"

89 ﴿قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا ...﴾

(سوال) كَيْفَ نُسِبَتِ الْاِجَابَةُ اِلَى اثْنَيْنِ وَالدُّعَاءُ اِنَّمَا كَانَ مِنْ وَاحِدٍ ؟ (جواب کو دو کی طرف کیسے منسوب کیا گیا ہے، جبکہ دعا تو صرف ایک کی طرف سے تھی؟)

(جواب) قِيْلَ : اِنَّ الدَّاعِىَ وَاِنْ كَانَ وَاحِداً فَاِنَّ الثَّانِىَ كَالْمُؤَمِّنِ وَهُوَ هَارُوْنُ ، فَلِذٰلِكَ الْاِجَابَةُ اِلَيْهِمَا لِاَنَّ الْمُؤَمِّنَ دَاعٍ . (کہا گیا ہے کہ اگرچہ دعا کرنے والا ایک ہی تھا، لیکن دوسرا شخص یعنی ہارون علیہ السلام آمین کہنے والے کی طرح تھے، اسی لیے جواب دونوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ آمین کہنے والا بھی دعا ہی کرنے والا ہوتا ہے۔)

91 ﴿آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ ...﴾

(سوال) فرعون کی توبہ قبول نہیں ہوئی، لیکن قوم یونس کی قبول ہوگئی۔ کیوں؟

(جواب) قوم یونس نے صرف عذاب کی علامات دیکھی تھیں، جبکہ فرعون نے بعینہٖ عذاب کو دیکھا تھا۔ اس کی دلیل وہ حدیث غرغرہ ہے جو موت سے پہلے ہوتا ہے۔

﴿عَنْ ابْنِ عُمَرَ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ﴾ (سنن الترمذی : ابواب الدعوات ، حديث ٣٥٣٧ ، حكم الالبانی : حسن) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ اپنے بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک (موت کے وقت) اس کے گلے سے خرخر کی آواز نہ آنے لگے۔"

فرعون کے ایمان نے اسے نفع کیوں نہیں دیا؟ :

① اِنَّ الْعَبْدَ لَا تَنْفَعُهُ التَّوْبَةُ حَالَ الْاِحْتِضَارِ وَالْمُعَايَنَةِ . (بلاشبہ بندے کو حالت نزع اور موت کے آثار کو دیکھنے کے وقت توبہ نفع نہیں دیتی۔)

② "لا الٰہ الا اللہ" نہیں کہا۔ وَهُوَ لَفْظٌ مَخْصُوْصٌ بِالْاِيْمَانِ لَا يَجُوْزُ غَيْرُهُ . (اور یہ ایک ایسا لفظ ہے جو خاص ایمان کے لیے ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا لفظ جائز نہیں۔)

③ لَمْ يَقُلْ : مُوْسَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ، لَا يَنْفَعُ الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يَقْتَرِنْ بِهِ تَصْدِيْقُ رَسُوْلِ اللّٰهِ . (یہ نہیں کہا کہ موسیٰ علیہ السلام، اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ پر ایمان لانا اس وقت تک نفع نہیں دیتا جب تک اس کے ساتھ اللہ کے رسول کی تصدیق نہ مل جائے۔)

④ ﴿اِنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ يَدُسُّ فِىْ فَمِ فِرْعَوْنَ الطِّيْنَ ، مَخَافَةَ اَنْ يَقُوْلَ : لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (مسند احمد : حديث ٢١٤٤ ، صحيح) "حضرت جبریل علیہ السلام نے اس اندیشے سے اس کے منہ میں مٹی ٹھونسنا شروع کر دی کہ وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہہ لے۔"

ایک سوال کا جواب : وَاَمَّا دَسُّ جِبْرِيْلَ الطِّيْنَ فِىْ فَمِ فِرْعَوْنَ فَاِنَّهُ كَانَ بِاَمْرِ اللّٰهِ فَلَا اعْتِرَاضَ عَلَيْهِ . (رہا جبریل علیہ السلام کا فرعون کے منہ میں مٹی ڈالنا، تو وہ اللہ کے حکم سے تھا، لہٰذا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔)

﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ ...﴾ 89

نُنَجِّىْ ، نَجَا يَنْجُوْ سے باب تفعیل ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَغَيْرُهُ مِنَ السَّلَفِ : اِنَّ بَعْضَ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ شَكُّوْا فِىْ مَوْتِ فِرْعَوْنَ ، فَاَمَرَ اللّٰهُ تَعَالَى الْبَحْرَ اَنْ يُلْقِيَهُ بِجَسَدِهِ سَوِيًا بِلَا رُوْحٍ ، وَعَلَيْهِ دِرْعُهُ الْمَعْرُوْفَةُ (بِهِ) عَلَى نَجْوَة

مِنَ الْأَرْضِ وَهُوَ الْمَكَانُ الْمُرْتَفِعُ ، لِيَتَحَقَّقُوْا مَوْتَهُ وَهَلَاكَهُ ، وَلِهٰذَا قَالَ تَعَالَى : فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ . (تفسير ابن كثير : ٤ / ٢٩٤) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی سلف نے فرمایا ہے ''بنی اسرائیل کو فرعون کی موت کے بارے میں شک تھا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ اس کے جسم کو صحیح سالم لیکن روح کے بغیر نکال دے۔ اس نے اپنی مشہور زرہ پہن رکھی تھی۔ سمندر نے باہر نکال کر اسے ایک اونچی جگہ پھینک دیا تا کہ لوگوں کو اس کی موت اور ہلاکت کے بارے میں یقین ہو جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ﴿ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ ﴾ یعنی آج ہم تجھے اونچی زمین پر ڈال دیں گے۔''

بدن، جسم اور جسد کے درمیان فرق :

- اَلْجِسْمُ : يُطْلَقُ عَلَى الْعُقَلَاءِ حَالَ الْحَيَاةِ . (جسم کا اطلاق عقلاء پر زندگی کی حالت میں ہوتا ہے۔)

جیسے ﴿ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ﴾ (البقرة : ٢ / ٢٤٧) ''بلاشبہ اللہ نے اسے تم پر چن لیا ہے اور اسے علم اور جسم (دونوں) میں زیادہ کشادگی دی ہے۔''

- اَلْجَسَدُ : يُطْلَقُ عَلَى مَا لَا رُوْحَ فِيْهِ . (جسد کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس میں روح نہ ہو۔)

جیسے ﴿ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ﴾ (طه : ٢٠ / ٨٨) ''پھر اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا (بنایا) جو محض جسم تھا جس کی آواز گائے کی سی تھی۔''

- وَالْبَدَنُ : يُطْلَقُ عَلَى الْعُقَلَاءِ بَعْدَ الْمَوْتِ . (بدن کا اطلاق عقلاء پر موت کے بعد ہوتا ہے۔)

جیسے ﴿ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ ﴾ (يونس : ١٠ / ٩٢) ''چنانچہ ہم آج تجھے تیرے بدن سمیت نجات دیں گے۔''

93 ﴿ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ ... ﴾

﴿ مُبَوَّأَ صِدْقٍ ﴾ عُنِيَ بِذٰلِكَ الشَّامُ وَبَيْتُ الْمَقْدِسِ . (اس سے مراد شام اور بیت المقدس ہیں۔)

94 ﴿ فَإِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ ... ﴾

یعنی اگر آپ کو شک ہے کہ آپ کا ذکر ان کی کتابوں میں نہیں ہے تو ان سے پوچھئے جو کتاب پڑھتے ہیں، جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

قَالَ ابْنُ عُثَيْمِيْنَ : فِي الْآيَةِ تَنْبِيْهٌ أَنَّ مَنْ خَالَجَتْهُ شُبْهَةٌ فِي الدِّيْنِ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى أَهْلِ الْعِلْمِ . شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا ”آیت میں یہ تنبیہ ہے کہ جس شخص کے دل میں دین کے معاملے میں شبہ پیدا ہو تو اسے اہل علم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔“

98 ﴿ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَآ ... ﴾

یونس علیہ السلام عراق کے شہر نینویٰ میں بھیجے گئے۔ یونس علیہ السلام نے قوم کو دعوت دی، مگر قوم نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی تو آپ غصے میں آ کر قوم سے یہ کہہ کر نکل گئے کہ تم پر اللہ کا عذاب آنے والا ہے۔ ان کے جانے کے بعد اللہ نے اپنا خوف ان کے دلوں میں ڈال دیا۔ قوم نے عذاب کے مقدمات دیکھ لیے تھے۔ پھر ایک لاکھ سے زیادہ تعداد ایمان لے آئی۔

نکتہ : بے صبری (جیسے یونس علیہ السلام نے کی) کے نتائج اچھے نہیں ہوتے۔

سورۂ ہود

إِذَا كَثُرَتِ السُّدُوْدُ فَعَلَيْكُمْ بِآخِرِ سُوْرَةِ هُوْدٍ . (بعض علماء کہتے ہیں کہ جب رکاوٹیں بڑھ جائیں تو تمھیں چاہیے کہ سورۂ ہود کی آخری آیات کی تلاوت کرو۔)

قرآن سر وجود بتاتا ہے :

① لِمَاذَا جِیْءَ بِهِ اِلَی الدُّنْیَا . (انسان کو دنیا میں کیوں لایا گیا؟)

② مَاذَا بَعْدَ الدُّنْیَا . (اس دنیا کے بعد کیا ہے؟)

③ مَا حِکْمَةُ وُجُوْدِکَ . (تمہارے وجود کی حکمت کیا ہے؟)

اس سورت میں کئی مقاصد شامل ہیں جن میں سے درج ذیل ہیں :

① قرآن نے احکام کو بیان کیا، ہر چیز کو اس کے مناسب ترین مقام پر رکھا اور انھیں بہترین طریقے سے نافذ کیا۔

② ہر جان دار کی دیکھ بھال کرنا اور بعث وغیرہ سمیت ہر چیز پر قدرت رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہر معلوم چیز کے بارے میں علم کامل رکھتا ہے اور وہ اپنی بادشاہت میں متفرد ہے۔

③ دعوت کا انداز تخویف کے ساتھ ہے۔

④ اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد شامل ہیں۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے قوانین نے واضح کیا ہے کہ ظلم، قوموں کی ہلاکت کا باعث بنتا ہے۔

نکتہ : قَد بَدَاَت هٰذِهِ السُّوْرَةُ بِالدَّعْوَةِ اِلَی التَّوْحِیْدِ وَانْتَهَت بِهِ .
(یہ سورت توحید کی دعوت سے شروع ہوئی اور اسی پر ختم ہوئی۔)

مزید نکات :

① باپ (نوح علیہ السلام) کی پیغمبری بھی بدعمل بیٹے کو عذاب سے نہ بچا سکی۔ پس جو لوگ نسب پر یا بزرگوں پر تکیہ کیے بیٹھے ہیں، غور سے دیکھ لیں۔

② توبہ اور استغفار سے رزق اور اولاد و مال میں برکت ہوتی ہے۔

③ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے کتنی معقول بات رکھی کہ اللہ کی بندگی کے سوا جو بھی طریقہ ہے، غلط ہے!

اس معقول بات کے جواب میں انتہائی نامعقول بات کہی گئی ”کیا ہم باپ دادا کی پیروی چھوڑ دیں؟“

1 ﴿الٓرٰ كِتَابٌ اُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ...﴾

اَحْكَمَهَا حَكِيْمٌ ، وَفَصَّلَهَا خَبِيْرٌ . (اس کتاب کی آیات کو ایک حکمت والے نے محکم کیا ہے اور ایک خبیر نے اس کی تفصیل کی ہے۔)

2 ﴿اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ﴾

اِنْ كَفَرْتُمْ نَذِيْرٌ بِالْعَذَابِ ، وَاِنْ آمَنْتُمْ بَشِيْرٌ بِالثَّوَابِ . (اگر تم نے کفر کیا تو عذاب سے خبردار کرنے والا ہے اور اگر تم ایمان لے آئے تو ثواب کی خوش خبری دینے والا ہے۔)

3 ﴿وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ... عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ﴾

﴿وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾ یہاں طلب مغفرت کو توبہ سے مقدم کیا۔

اِنَّ التَّوْبَةَ سَبَب لِلْوُصُوْلِ اِلَى الْمَغْفِرَةِ ، وَلٰكِن قَدَّمَ ذِكْرَ الْاِسْتِغْفَارِ لِاَنَّ الْمَغْفِرَةَ هِىَ الْغَرَضُ الْمَطْلُوْبُ ، وَالتَّوْبَةَ هِىَ السَّبَبُ اِلَيْهَا . (تفسير القرطبى : ۹ / ۳) ’’توبہ، مغفرت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، لیکن اللہ نے استغفار کا ذکر پہلے کیا کیونکہ مغفرت ہی مقصود ہے اور توبہ اس تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔‘‘

پہلے شرک سے استغفار کرو، پھر گناہوں پر توبہ کرو۔

﴿عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ ، عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِنَّ صَاحِبَ الشِّمَالِ لَيَرْفَعُ الْقَلَمَ سِتَّ سَاعَاتٍ عَنِ الْعَبْدِ الْمُسْلِمِ الْمُخْطِىءِ ، فَاِنْ نَدِمَ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ مِنْهَا اَلْقَاهَا عَنْهُ وَاِلَّا كَتَبَهَا وَاحِدَةً﴾ (حلية الاولياء : ۶ / ۱۲۴ ، صححه الالبانى فى صحيح الجامع : ۲۰۹۷) ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ’’بائیں طرف والا فرشتہ (جو برائیاں لکھتا ہے) چھ گھڑیوں تک غلطی

کرنے والے مسلمان بندے کی غلطی لکھنے سے اپنا قلم روکے رکھتا ہے۔ اگر (اس وقت کے اندر اندر ایسا مسلمان) پچھتا کر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرنا شروع کردے تو وہ قلم رکھ دیتا ہے۔ (وہ گناہ سرے سے نہیں لکھا جاتا اور اگر اتنے وقت میں بھی اسے ندامت کا موقع نہ ملے تو) وہ ایک برائی لکھ لیتا ہے۔''

وہ چھ گھنٹے تک گناہ لکھنے سے رکا رہتا ہے۔ وَهٰذَا مِنْ كَرَمِ الرَّبِّ وَلُطْفِهٖ وَرَحْمَتِهٖ. (یہ رب کے کرم، اس کی مہربانی اور اس کی رحمت میں سے ہے۔)

﴿ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا ﴾ یہاں بتایا گیا کہ توبہ کا نتیجہ مغفرت اور مغفرت کا ثمرہ (ثمرۃ الاستغفار) متاع حسن ہے۔

اَلْمَتَاعُ : هُوَ مَا يُتَمَتَّعُ بِهٖ مُؤَقَّتًا ، ثُمَّ يَضْمَحِلُّ وَيَزُوْلُ وَلَا يَبْقٰى . (متاع وہ چیز ہے جس سے عارضی طور پر فائدہ اٹھایا جائے، پھر وہ گھٹ جائے، ختم ہو جائے اور باقی نہ رہے۔)

هُوَ الْقَنَاعَةُ بِالْمَوْجُوْدِ وَتَرْكُ الْحُزْنِ عَلَى الْمَفْقُوْدِ . (یہ موجود پر قناعت کرنا اور گم شدہ پر غم کو چھوڑ دینا ہے۔)

ایک اہم سوال کا جواب : یہ ملحوظ رہے کہ وعدہ ایک عمومی وعدہ ہے۔ یہ وعدہ کسی خصوصی حال سے ٹکرائے تو خصوصی حال عمل میں آئے گا اور عمومی وعدہ ضمنی ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے دیکھا جاتا ہے کہ اکثر مقبول بندے بھی پریشانیوں کا شکار رہتے ہیں۔

مثال : کسی آدمی کو اپنے بچے سے بڑی محبت ہے۔ وہ اس سے بڑے بڑے وعدے کرتا ہے، لیکن وہی بچہ کسی ایسے مرض کا شکار ہو جائے جس کی وجہ سے اس کے جسم کا کوئی عضو کاٹنا پڑے اور اتفاق سے باپ سرجن ہو تو اس خصوصی حال کا اثر ہوگا اور محبت کے وعدے ضمنی ہو جائیں گے۔

﴿ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ اس سے مراد موت ہے۔

﴿ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴾ اس دن اللہ تمھیں ضرور سزا دے گا۔

سزا کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں :

① مجرم سامنے حاضر ہوں۔

② حاکم سزا دینے کی پوری قوت اور اختیار رکھتا ہو۔

③ مجرم کی ساری کارروائیاں اس کے علم میں ہوں۔

4 ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○﴾

﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ج﴾ مجرم حاضر ہوں۔

﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اس کی قدرت، کامل ہے۔

5 ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ ...﴾

اب ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ﴾ میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ اللہ کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ وہ کھلی و چھپی ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ وہ دلوں کی تہہ میں جو خیالات، ارادے اور نیات پوشیدہ ہیں، ان پر بھی مطلع ہے۔ پھر کوئی مجرم اپنے کسی جرم کو پوشیدہ رکھ کر کیسے نجات پا سکتا ہے!

﴿يَثْنُوْنَ﴾ جیسے کاغذ پر کچھ لکھا ہو، پھر اسے موڑ لیا جائے۔

وہ نبی ﷺ کو دیکھ کر اپنے سینوں کو موڑ لیتے ہیں تا کہ آپ سے چھپ جائیں۔ سنو! وہ اپنے آپ کو کپڑوں سے ڈھانپتے ہیں، اپنے سروں کو ڈھانکتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اللہ انھیں نہیں دیکھتا، حالانکہ اللہ ان کے سر اور علانیہ دونوں سے واقف ہے۔

قِيْلَ : اِنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ طَائِفَةٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ، قَالُوْا : اِذَا اَرْخَيْنَا سُتُوْرَنَا وَاسْتَغْشَيْنَا ثِيَابَنَا وَطَوَيْنَا صُدُوْرَنَا عَلَى عَدَاوَةِ مُحَمَّدٍ كَيْفَ يَعْلَمُ ؟ (کہا گیا ہے کہ یہ آیت مشرکین کے ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے کہا ''جب ہم اپنے پردے گرا لیں گے، اپنے کپڑوں سے ڈھانپ لیں گے اور اپنے سینوں میں محمد ﷺ کی دشمنی چھپا لیں گے تو اسے کیسے پتہ چلے گا؟'')

پارہ نمبر ۱۲

6 ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا﴾

روزی اللہ ہی دیتا ہے، اگر چہ لگے کہ رزق مصادر دنیویہ سے آرہا ہے کیونکہ یہ اسباب بھی اللہ ہی مہیا کررہا ہے۔ فَهِيَ أَسْبَابٌ يُهَيِّئُهَا اللّٰهُ لِتَوْزِيْعِ الرِّزْقِ عَلَى الْعِبَادِ. (پس یہ وہ اسباب ہیں جنھیں اللہ، بندوں پر رزق تقسیم کرنے کے لیے تیار کرتا ہے۔)

7 ﴿وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ...﴾

﴿وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا۔ اگر ایک لمحے میں ہوجاتی تو کسی کو شبہ ہوسکتا تھا کہ ایک اتفاقی حادثہ (Coincidence) ہے، لیکن جب اس کی تخلیق ایک مخصوص مدت اور مخصوص طریقۂ کار سے ہوئی تو معلوم ہوا کہ اسے کسی حکیم نے وجود بخشا ہے۔

چھ دن میں اس لیے بنایا کہ زمینوں اور آسمانوں کی تخلیق چھ ہی دن کی متقاضی تھی، جیسے ماں کے پیٹ میں بچے کا مکمل ہونا ایک مخصوص وقت (نو مہینے) کا متقاضی تھا۔

﴿وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ پہلا دن یوم الاحد (اتوار) تھا۔ آخری دن جمعہ تھا۔ جب تخلیق کررہا تھا تو اس کا عرش پانی پر تھا۔

اللہ نے پہلے قلم بنایا، پھر پانی کو پیدا کیا، پھر عرش کی تخلیق کی، پھر آسمان اور زمین بنائے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ رب العزت نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر لکھی اور اس کا عرش پانی پر تھا۔" (صحيح مسلم : كتاب القدر ، حديث ٢٦٥٣)

یہ اللہ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہے کیونکہ عمارت بنانے والا اپنی عمارت کو سخت زمین

پر پانی سے دور رکھ کر بناتا ہے تاکہ اس کی عمارت منہدم نہ ہوجائے۔ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پانی پر بنایا تاکہ عقل والے اس کی قدرت کاملہ کو جان لیں۔

سوال زمین اور آسمان کی تخلیق سے پہلے اللہ کہاں تھا؟

جواب ﴿عَنْ اَبِیْ رَزِیْنٍ الْعُقَیْلِیِّ ، قَالَ : قُلْتُ : یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! (ﷺ) اَیْنَ کَانَ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالٰی قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ ؟ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : کَانَ فِیْ عَمَاءٍ مَا فَوْقَہٗ ھَوَاءٌ وَمَا تَحْتَہٗ ھَوَاءٌ ، ثُمَّ خَلَقَ الْعَرْشَ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَیْہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی﴾ (الاسماء والصفات للبیھقی : حدیث ٨٦٤) ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ! آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ فضا میں تھا جس کے نہ اوپر ہوا تھی اور نہ نیچے ہوا تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا، پھر اس پر بلند ہوا۔''

امام ترمذی اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

﴿وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ ... لَیَئُوْسٌ کَفُوْرٌ ○﴾ 9

اللہ نعمت دے کر چھین لیتا ہے تاکہ انسان یہ نہ سمجھے کہ یہ اس کے اجتہاد، تدبیر اور علم کا نتیجہ تھا اور تاکہ جان لے کہ اگر یہ اس کی طرف سے ہوتا تو اس سے زائل نہ ہوتا۔

﴿مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیَاۃَ الدُّنْیَا ... لَا یُؤْمِنُوْنَ ○﴾ 15-17

قیامت میں لوگوں کی تین قسمیں ہوں گی :

① فِرْقَۃٌ یَعْبُدُوْنَ اللّٰہَ لِلدُّنْیَا . (ایسا گروہ جو دنیا کے لیے اللہ کی عبادت کرتا ہے۔)

② فِرْقَۃٌ یَعْبُدُوْنَہٗ رِیَاءً وَسَمْعَۃً . (ایسا گروہ جو ریاکاری اور دکھاوے کے لیے اللہ کی عبادت کرتا ہے۔)

③ فِرْقَةٌ يَعْبُدُوْنَهُ لِوَجْهِهِ . (ایسا گروہ جو اللہ کی رضا کے لیے اس کی عبادت کرتا ہے۔)

اس تیسرے فرقے کے بارے میں کہا جائے گا: اذْهَبُوْا بِهِمْ اِلَى الْجَنَّةِ . (انھیں جنت میں لے جاؤ۔) بقیہ دو کے بارے میں کہا جائے گا: اذْهَبُوْا بِهِمْ اِلَى النَّارِ . (انھیں جہنم میں لے جاؤ۔)

ایمان کی دو قسمیں ہیں:

① اِيْمَانٌ يَمْنَعُ مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ . (وہ ایمان جو جہنم میں داخل ہونے سے روکتا ہے۔)

② اِيْمَانٌ يَمْنَعُ الْخُلُوْدَ فِى النَّارِ . (وہ ایمان جو جہنم میں ہمیشہ رہنے سے روکتا ہے۔)

16 ﴿وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

صُنْعٌ وَعَمَلٌ مُتَرَادِفَانِ وَلٰكِنَّ بَيْنَهُمَا فَرْقاً دَقِيْقاً . (صنع اور عمل دونوں مترادف ہیں، لیکن ان کے درمیان ایک باریک فرق ہے۔)

صَنَعَ : فِعْلُ الْعَاقِلِ وَقَدْ يَنْصَرِفُ اِلَى الْفِعْلِ الْمُتْقَنِ ، وَعَمِلَ : فِعْلٌ يَشْتَرِكُ فِيْهِ الْعَاقِلُ وَغَيْرُ الْعَاقِلِ كَمَا اَنَّ صَنَعَ اَوْسَعُ دَلَالَةً فَقَدْ يَكُوْنُ دَالًّا عَلَى اِنْجَازِ شَيْءٍ مَادِّيٍّ ، كَقَوْلِنَا : صَنَعَ كُرْسِيًّا ، وَعَلَى اِنْجَازِ مَا هُوَ مَعْنَوِيٌّ كَقَوْلِنَا : صَنَعَ مَعْرُوْفاً ، اَىْ كُلُّ مَا فَعَلُوْهُ فِىْ هٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنْ اُمُوْرٍ مَعْنَوِيَّةٍ اَوْ مَادِّيَّةٍ اَوْ تَرْبَوِيَّةٍ وَبَالَغُوْا فِىْ اِجَادَتِهَا . (''صنع''، عاقل کا فعل ہے اور یہ متقن (عمدہ اور مہارت سے کیا گیا) کام پر دلالت کرتا ہے، جبکہ ''عمل'' ایسا فعل ہے جس میں عاقل اور غیر عاقل دونوں میں مشترک ہے، مگر صنع کی دلالت زیادہ وسیع ہے اور یہ کسی مادی چیز کی تکمیل پر دلالت کرتا ہے، جیسے ہم کہتے ہیں: صَنَعَ كُرْسِيًّا .

"اس نے کرسی بنائی۔" یہ کسی معنوی چیز کی تکمیل پر بھی دلالت کرسکتا ہے، جیسے ہم کہتے ہیں: صَنَعَ مَعْرُوْفاً. "اس نے بھلائی کی۔" یعنی صنع میں وہ سب شامل ہے جو کچھ بھی انھوں نے اس دنیاوی زندگی میں معنوی، مادی یا تعلیمی امور میں کیا اور ان میں مہارت حاصل کی۔)

﴿ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَيْنِيْ ﴾ (طٰه : ۲۰ / ۳۹) یہاں مراد تربیت ہے۔

صَنَعَ کا مفہوم ہے :

......عقل لڑائی۔ (عاقل)

......کوئی مادی اور معنوی کارنامہ انجام دیا۔ (انجاز)

......اس میں انتہائی مہارت دکھائی۔ (بالغوا فی اجادتها)

19 ﴿ اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجاً ﴾

بَغَى الْجُرْحُ (اَىْ فَسَدَ وَنَتُنَ) اِذَا تَرَامَى اِلَى الْفَسَادِ ، اَوْ تَجَاوَزَ الْحَدَّ فِىْ فَسَادِهِ. "زخم بگڑ گیا (یعنی خراب ہو گیا اور بدبودار ہو گیا) جب وہ فساد کی انتہا کو پہنچ گیا، یا اپنی خرابی میں حد سے بڑھ گیا۔"

وَاِذَا عُدِّىَ الْبَغْىُ بِـ "عَلَى" كَانَ بِمَعْنَى التَّجَاوُزِ وَالتَّعَدِّىْ عَلَى النَّاسِ فِىْ اَنْفُسِهِمْ اَوْ اَمْوَالِهِمْ اَوْ اَعْرَاضِهِمْ. (جب بغی کا لفظ "علیٰ" کے ساتھ متعدی ہو تو اس کا مطلب لوگوں کی جانوں، ان کے مالوں یا ان کی عزتوں پر زیادتی کرنا ہوتا ہے۔)

جیسے یہ آیت ہے : ﴿ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ﴾ (القصص : ۲۸ / ۷۶) "بے شک قارون، موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا، پھر اس نے ان پر ظلم کیا۔"

نیز ارشاد ہے : ﴿ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ ﴾ (ص : ۳۸ / ۲۲) "(ہم) دو جھگڑنے والے ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔"

نیز ارشاد ہے : ﴿ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴾ (الرحمٰن : ۵۵ / ۲۰) ”ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے، وہ دونوں (اس سے) تجاوز نہیں کرتے۔“

اَلْبَغْيُ الْمُحَرَّمُ هُوَ الْاِثْمُ الَّذِيْ فِيْهِ تَجَاوُزٌ لِحُدُوْدِ الْحَقِّ اَوْ اعْتِدَاءُ الْحَقِّ عَلَى حُقُوْقِ اَفْرَادِ النَّاسِ اَوْ جَمَاعَاتِهِمْ وَشُعُوْبِهِمْ وَلِذٰلِكَ اقْتِرَانُ الْاِثْمِ بِالْعُدْوَانِ . (البغی المحرم (حرام بغی) وہ ہے جس میں حق کی حدود سے تجاوز ہو یا افرادِ انسانی، ان کے گروہوں اور ان کے عوام کے حقوق پر زیادتی ہو، اسی لیے اثم کو عدوان کے ساتھ مقترن کیا گیا ہے۔)

37 ﴿ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴾

سوال طوفان میں بچے کیوں غرق ہوئے؟ ان کا قصور کیا تھا؟

جواب بچوں کا ہلاک ہونا اسی طرح ہے، جیسے طوفان میں پرندوں، چرندوں، درندوں کا ہلاک ہونا۔ ان کی ہلاکت ان کے حق میں عذاب نہ تھی بلکہ ان کی مدتِ حیات پوری ہوگئی تھی۔ جس طرح حلال جانوروں کو اللہ کے حکم سے ذبح کرنا ان کے حق میں عذاب نہیں، اسی طرح بچوں کا طوفان میں غرق ہونا ان کے حق میں عذاب نہ تھا۔

38 ﴿ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴾

بِالْاَمْسِ كُنْتَ نَبِيًّا وَالْيَوْمَ اَصْبَحْتَ نَجَّاراً . (کل تو نبی تھا اور آج بڑھئی بن گیا ہے۔)

41 ﴿ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسَاهَا ﴾

بحری جہاز ٹائی ٹینک (Titanic) کو سیکڑوں لوگوں نے بنایا۔ اس کے بنانے میں بڑے بڑے سائنس دانوں کا دماغ کارفرما تھا اور اس جہاز کو بنانے والی کمپنی کا دعویٰ یہ تھا کہ ”تقدیر بھی اسے ڈبو نہیں سکتی۔“ مگر پہلے ہی سفر میں وہ ڈوب گیا۔ سفینۂ نوح کو بنانے والا اکیلا شخص (نوح علیہ السلام) تھا جو بولا : ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ﴾ ”اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔“ پھر زمین پر سارے لوگ ڈوب گئے، مگر یہ سفینہ نہ

ڈوبا۔ امید، استعانت اور توکل کا اصل محل پہچانو۔

44 ﴿ وَقِيْلَ يَآ اَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ ... بُعْداً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ۝ ﴾

یہاں یَا اَیُّھَا الْاَرْض نہیں کہا کیونکہ ''ھَا'' تنبیہ ہے۔ زمین اللہ کے حکم کو ماننے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی ہے۔ اسے تنبیہ کی ضرورت نہیں۔

﴿ يٰٓاَرْضُ ﴾ یہاں خطاب اس طرح کیا گیا جیسے عاقل کو خطاب کیا جاتا ہے۔

﴿ ابْلَعِيْ مَآءَكِ ﴾ ''اپنا پانی نگل جا'' کہا، ورنہ ساری چیزوں کو نگل لیتی۔

﴿ اَقْلِعِيْ ﴾ اَمْسِكِيْ. (تفسير البغوى : ٤ / ١٨٠) ''رک جا۔''

﴿ وَغِيْضَ الْمَآءُ ﴾ نَقَصَ وَنَضَبَ . (تفسير البغوى : ٤ / ١٨٠) ''کم ہوا اور نیچے اتر گیا۔''

یہ استواء کی علت ہے۔ پانی نیچے بیٹھے گا نہیں تو کشتی پہاڑ پر ٹھہرے گی کیسے؟

﴿ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ﴾ عَبَّرَ بِذٰلِكَ عَنْ هَلَاكِ الْهَالِكِيْنَ وَنَجَاةِ النَّاجِيْنَ . (ہلاک ہونے والے ہلاک ہو گئے اور بچنے والے بچ گئے۔)

﴿ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ آیت کا اول، آخر کا مقتضی ہے تا کہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ عذاب ان پر آیا جو عذاب کے مستحق نہیں تھے۔

48 ﴿ قِيْلَ يَا نُوْحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا ... ﴾

یعنی ہماری طرف سے خود پر اور ساتھ والوں پر بے شمار سلامتی لے کر اترو۔

نکتہ : اس آیت میں حرف میم (م) کا آٹھ بار مسلسل استعمال ہوا ہے اور اس باریکی سے کہ معنی میں کسی بھی قسم کی کوئی کمی نہیں آئی۔ دنیا کے بڑے بڑے ادیب اور فلاسفرز حیران ہیں کہ اتنے تکرار کے باوجود یہ آیت کیسے اپنی فصاحت و بلاغت کو برقرار رکھتی ہے؟ عربی زبان کے ماہرین بھی ایسا جملہ بنانے میں ناکام رہے جس میں ایک حرف اتنی بار مسلسل آئے اور مطلب بھی برقرار رہے۔ یہ قرآن حکیم کا ایک لسانی اعجاز ہے جو اس کے کلام اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

59 ﴿ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ ... ﴾

عاد نے صرف ایک رسول "ہود علیہ السلام" کا انکار کیا تھا، مگر ان کے بارے میں کہا گیا:
﴿ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ ﴾ "اور انھوں نے اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔" کیونکہ ایک رسول کا انکار تمام رسولوں کا انکار ہے۔

69 ﴿ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴾

اس ایک جملے میں ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے تین اوصاف بیان کیے:
① ﴿ فَمَا لَبِثَ ﴾ مہمان نوازی میں سبقت (جلدی) کی جائے۔
② ﴿ بِعِجْلٍ ﴾ موٹے جانور کو ذبح کیا جائے۔ (بہترین چیز ہو۔)
③ ﴿ حَنِيْذٍ ﴾ پکانے میں تصنع سے کام لیا جائے۔ (فرائی کیا ہوا ہو، ورائٹی عمدہ ہو۔)

تنبیہ: سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی شخص اپنے مہمان کے لیے ایسا تکلف نہ کرے جس کی وہ استطاعت نہیں رکھتا۔" (السلسلة الصحيحة : حديث ٢٤٤٠ ، وشعب الايمان للبيهقي : ١٢ / ١٢٨)

71 ﴿ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِاِسْحَاقَ ... ﴾

﴿ فَبَشَّرْنٰهَا ﴾ بشارت کی توجہ سارہ کی طرف ہوئی، ابراہیم علیہ السلام کی طرف نہیں، اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ بچہ سارہ ہی سے ہوگا، ورنہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف توجہ ہوتی تو ابراہیم علیہ السلام اور سارہ سمجھتے کہ شاید بچہ دوسری بیوی (ہاجرہ) سے ہوگا۔

وَضَحْكَةُ بَعْضِهِنَّ تَسْتَحِقُّ الْبِشَارَةَ . (کبھی کبھی عورت کی ہنسی خوش خبری لے کر آجاتی ہے۔)

72 ﴿ قَالَتْ يَا وَيْلَتٰى ... ﴾

الویل اور الویلة میں فرق :

• اَلْوَيْلُ فِي اللُّغَةِ : الْعَذَابُ وَالْهَلَاكُ ، الْوَيْلُ يُدْعَى بِهِ لِمَنْ وَقَعَ فِيْ هَلَكَةٍ يَسْتَحِقُّهَا . (ویل کا لغوی معنی عذاب اور ہلاکت ہے۔ ویل

ایسے شخص کے لیے پکارا جاتا ہے جو ایسی تباہی میں پڑ جائے جس کا وہ مستحق ہو۔)

جیسے ﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ ﴾ (المطففين : ٨٣ / ١) ''کم تولنے والوں کے لیے تباہی ہے۔'' نیز ﴿ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (الانبياء : ٢١ / ١٤) ''وہ کہنے لگے، ہائے ہماری کم بختی! بے شک ہم ہی ظالم تھے۔''

• اَمَّا الْوَيْلَةُ : فَهِيَ الْفَضِيْحَةُ وَالْبَلِيَّةُ ، اِذَا قَالَ الْقَائِلُ : يَا وَيْلَتَاهْ وَفَضِيْحَتَاهْ . (جبکہ ویلۃ فضیحت اور مصیبت کو کہتے ہیں۔ یہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی شخص کہے : ہائے میری فضیحت!)

جیسے ﴿ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ ﴾ (هود : ١١ / ٧٢) ''وہ بولی، ہائے ہائے! کیا (اب) میں بچہ جنوں گی، حالانکہ میں بڑھیا ہوں۔''

74 ﴿ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى ﴾

کھال کے ظاہر کو بَشَرَةٌ اور کھال کے باطن کو اَدَمَةٌ کہتے ہیں۔

84 ﴿ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْباً ... ﴾

انبیاء علیہم السلام کو پہلے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ توحید کی طرف بلائیں، پھر اس کے بعد جو سب سے زیادہ اہم کام ہو، اس کی دعوت دیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت دو اہم چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے :

① حقوق اللہ کی ادائیگی : اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔

② حقوق العباد کی ادائیگی : ناپ تول میں کمی نہ کرو۔

86 ﴿ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ ... ﴾

اَيْ مَا اَبْقَاهُ اللّٰهُ لَكُمْ مِنَ الْحَلَالِ . (یعنی جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے حلال میں سے باقی رکھا ہے۔)

87 ﴿ قَالُوْا يَا شُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ ... ﴾

دو باتیں معلوم ہوئیں :

① کافروں کی نظر میں سب سے اہم نماز ہے۔

② دین کو معاملات سے الگ رکھنا قدیم جاہلی سنت ہے۔

﴿اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا﴾ دین کو معاملات سے دور رکھو۔

88 ﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهَاكُمْ عَنْهُ﴾

فَهُوَ يَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَبْدَاُ بِنَفْسِهٖ. (وہ نیکی کا حکم دیتا ہے اور خود سے شروع کرتا ہے۔) نہیں تو یہ ایسا ہو جائے گا کہ خود را فضیحت دیگراں را نصیحت۔

لَا تَنْهَ عَنِ الْحَقِّ وَتَاْتِيْ مِثْلَهٗ
عَارٌ عَلَيْكَ اِذَا فَعَلْتَ عَظِيْمٌ

"حق بات سے نہ روکو اور خود اس جیسا (کام) کرو۔ اگر تم ایسا کرو تو یہ تمہارے لیے بہت بڑی شرمندگی (کا باعث) ہے۔"

91 ﴿قَالُوْا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾

قوم شعیب ان سے متنفر تھی، لہٰذا وہ غور سے شعیب علیہ السلام کی باتوں کو نہیں سنتے تھے، اسی لیے وہ نہیں سمجھتے تھے۔

96 ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ۝﴾

آیات : یہ غلبۂ ظن اور یقین دونوں کا فائدہ دیتے ہیں، یعنی دونوں میں مشترک ہیں، جیسے انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء سے کرامات کا صدور۔ کرامات، ولی ہونے پر دلالت غلبۂ ظن کی مفید ہے اور معجزات نبی ہونے پر دلالت قطعی و یقینی۔

سلطان : جو قطعی اور یقینی ہو۔ وہ ان دلائل میں مشترک ہے جو حواس سے موکد ہو، یا محض عقل سے موکد ہو، جیسے معجزۂ شق القمر (حس)، معجزۂ قرآن (عقل)۔

سلطان مبین : جو صرف حواس سے موکد ہو، جیسے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات۔

107 ﴿خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْاَرْضُ﴾

(سوال) کافر نے زمانہ متناہی میں جرم کیا ہے، پھر اس کی سزا غیر متناہی ہونا ظلم ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہ عذاب دائمی، کافر کی نیت کے اعتبار سے ہے۔ اس کی نیت دائمی کفر کرنے کی ہوتی ہے۔ بالفرض اگر وہ غیر متناہی زمانے میں زندہ رہتا تو غیر متناہی زمانے تک کفر کرتا۔

ملحوظہ : ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جہنم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ کتاب وسنت کے متواتر دلائل اس پر شاہد ہیں۔ امام اسماعیل بن عبدالرحمٰن صابونی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''اہل سنت یہ گواہی دیتے ہیں کہ جنت اور جہنم پیدا ہو چکی ہیں اور یہ باقی رہنے والی ہیں، کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ جنتی لوگ جنت سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔ اسی طرح جہنمی لوگ کبھی جہنم سے نہیں نکالے جائیں گے۔'' (عقيدة السلف واصحاب الحديث : ص ٣٦٤)

بعض سلف سے فنائے نار کے آثار مروی ہیں، لیکن وہ باعتبار سند ثابت نہیں ہیں۔

﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ﴾ 112

جب انسان صعوبات سے گزرتا ہے تو امور ثلاثہ میں سے کسی ایک سے دوچار ہوتا ہے : ① ناامیدی و ہمت ہار جانا، ② طاقت سے بدلنے کے لیے تشدد کا سہارا لینا، ③ دشمنوں کے سائے میں جینے کے لیے ان کے سامنے جھک جانا۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : مَا نَزَلَ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آيَةٌ هِيَ اَشَدُّ وَلَا اَشَقُّ مِنْ هٰذِهِ الْآيَةِ عَلَيْهِ. (تفسير القرطبی : ٩ / ١٠٧) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ سخت اور دشوار کوئی اور آیت نازل نہیں ہوئی۔''

﴿ فَاسْتَقِمْ ﴾ اِسْتَقَامَ الشَّيْءُ : خَلَا مِنَ الْعِوَجِ ، وَالْاِسْتِقَامَةُ مَعْنَاهَا : عَدَمُ الْمَيْلِ اَوِ الْاِنْحِرَافِ ، وَلَوْ قِيْدَ شَعْرَةٍ. (استقام الشیء کا مطلب ہے، کوئی چیز ٹیڑھ پن سے پاک ہوگئی، جبکہ استقامت کا معنی ہے، ذرہ برابر بھی جھکاؤ یا انحراف نہ ہونا، خواہ ایک بال کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔)

قَالَ ابْنُ رَجَبٍ : فَاَصْلُ الْاِسْتِقَامَةِ : اسْتِقَامَةُ الْقَلْبِ عَلَى

التَّوْحِيْدِ . (جامع العلوم والحكم : ١ / ٥١١) امام ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں ''پس استقامت کی بنیاد توحید پر قائم رہنا ہے۔''

قَالَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ : اَعْظَمُ الْكَرَامَةِ : لُزُوْمُ الْاِسْتِقَامَةِ . (مدارج السالكين لابن القيم : ٢ / ١٠٦) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''سب سے بڑی کرامت، استقامت کو لازم پکڑنا ہے۔''

وَالْاِسْتِقَامَةُ دَلِيْلُ الْيَقِيْنِ ، فَلَا تَغْلُ فَتَتَجَاوَزَ ، وَالْزَمْ مَا اُمِرْتَ بِهِ . (استقامت، یقین کی دلیل ہے۔ پس تم غلو نہ کرو کہ حد سے بڑھ جاؤ، نیز جس چیز کا تمھیں حکم دیا گیا ہے، اس پر قائم رہو۔)

﴿ كَمَآ اُمِرْتَ ﴾ فَيُشِيْرُ اِلَى اَنَّهُ الْمُتَلَقِّىْ لِلْاَوَامِرِ الشَّرْعِيَّةِ اِبْتِدَاءً . (یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہی شرعی احکام کو ابتداءً وصول کرنے والا ہے۔)

﴿ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ ﴾ لِاَنَّ الْاِيْمَانَ تَوْبَةٌ مِنَ الشِّرْكِ . (کیونکہ ایمان، شرک سے توبہ ہے۔)

113 ﴿ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ... لَا تُنْصَرُوْنَ ○ ﴾

① ﴿ فَاسْتَقِمْ ﴾ اِصْبِرْ ، وَاسْتَمِرَّ بِالدَّعْوَةِ . (صبر کرو اور دعوت کو جاری رکھو۔)

② ﴿ وَلَا تَطْغَوْا ﴾ لَا تَلْجَأْ اِلَى الْعُنْفِ . (تشدد کا سہارا نہ لو۔)

③ ﴿ وَلَا تَرْكَنُوْٓا ﴾ لَا تَرْكَنْ اِلَى الْقَوِيِّ وَتَعِشْ فِىْ ظِلِّهِ . (طاقتور کی طرف مائل نہ ہو اور اس کے سائے میں زندگی نہ گزارو۔)

ورنہ دو سزائیں ہیں :

① ﴿ فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ﴾ ''پھر تمھیں بھی (جہنم کی) آگ لگ جائے گی۔''

② ﴿ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴾ ''اور تمھارے

لیے اللہ کے سوا کوئی دوست نہ ہوگا، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔"

اس پر کچھ رسولوں کے نمونے پیش کیے گئے :

......نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سال صبر کیا اور دعوت پر مستمر رہے۔ تشدد پر نہیں اترے اور اپنے بیٹے کے سامنے نہیں جھکے۔

......ہود علیہ السلام اپنی قوم کی سرکشی کے باوجود بالکل نہیں جھکے۔ ﴿ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴾ (الاعراف : ۷ / ۱۹۵) "پھر تم میرے خلاف (جو چاہو) تدبیر کرو، پھر مجھے مہلت نہ دو۔"

......لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کی فحاشی اور سرکشی کے باوجود انھیں حق کی دعوت دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آپ نے ان کے خلاف کھڑے ہونے میں استقامت دکھائی۔

......شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کے درمیان رہ کر انھیں ناپ تول میں انصاف کرنے اور ہدایت کی دعوت دی۔ ان کی استقامت نے ثابت کیا کہ حق کی بات کو معاشرتی خرابیوں کے باوجود مسلسل پہنچانا چاہیے۔

......ابراہیم علیہ السلام تو خلیل اللہ اور صبر و استقامت کے پیکر تھے۔ بت پرستی کے ماحول میں تنہا رہتے ہوئے بھی آپ نے توحید کا پرچار کیا اور اپنی جان کی پروا کیے بغیر نمرود کے سامنے حق کا کلمہ بلند کیا۔

نکتہ : وَمِنْ لَطَائِفِ سُوْرَةِ هُوْدٍ الْبَلَاغِيَّةِ : اَنَّ الْاَوَامِرَ بِاَفْعَالِ الْخَيْرِ اُفْرِدَتْ لِلنَّبِيِّ وَاِنْ كَانَتْ عَامَّةً فِي الْمَعْنَى ، وَفِي الْمَنْهِيَّاتِ جُمِعَتِ الْاُمَّةُ . (سورۂ ہود کے بلاغی لطائف میں سے یہ ہے کہ نیکی کے کاموں کے جو اوامر ہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص کیے گئے ہیں، اگرچہ معنی کے اعتبار سے وہ عام ہیں۔ ممنوعات میں پوری امت کو شامل کیا گیا ہے۔)

﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ﴾ 114

﴿ طَرَفَيِ النَّهَارِ ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق "طرفین" سے مراد فجر اور مغرب

ہیں۔ (تفسیر الطبری : ۱۲ / ۶۰۳) اس میں تین نمازیں (فجر، ظہر اور عصر) آجاتی ہیں۔

﴿ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ﴾ زُلَفٌ جمع ہے اور جمع کم سے کم تین پر بولا جاتا ہے۔ اس میں دو نمازیں (مغرب اور عشاء بشمول وتر اور تہجد) آجاتی ہیں۔

اس طرح اس آیت میں پانچوں نمازیں آجاتی ہیں۔

﴿ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ○﴾ 119

نکتہ : يَا عِبَادِيْ خَلَقْتُكُمْ لِاَرْحَمَكُمْ . (اے میرے بندو! میں نے تمھیں اس لیے پیدا کیا ہے کہ تم پر رحم کروں۔)

سورۂ یوسف

① سُوْرَةُ يُوْسُفَ اشْتَمَلَتْ عَلَى حَاسِدٍ وَمَحْسُوْدٍ ، مَالِكٍ وَمَمْلُوْكٍ ، شَاهِدٍ وَمَشْهُوْدٍ ، عَاشِقٍ وَمَعْشُوْقٍ ، حَبْسٍ وَاِطْلَاقٍ ، خَصْبٍ وَجَدْبٍ ، ذَنْبٍ وَعَفْوٍ ، فِرَاقٍ وَوِصَالٍ ، سَفَرٍ وَرُجُوْعٍ ، ذُلٍّ وَعِزٍّ . (سورۂ یوسف میں حاسد اور محسود، مالک اور مملوک، شاہد اور مشہود، عاشق اور معشوق، قید اور رہائی، خوش حالی اور قحط، خطا اور معافی، فراق (جدائی) اور وصال (ملن)، سفر اور واپسی، ذلت اور عزت جیسے تضادات شامل ہیں۔)

② كُلُّ مَا ذُكِرَ فِيْهَا (السُّوْرَةُ) كَانَ مَآلُهُ السَّعَادَةَ . (اس سورت میں جو کچھ بھی ذکر کیا گیا ہے، اس کا انجام سعادت ہے۔)

③ اِنَّ الْاِبْتِلَاءَ وَالشَّقَاءَ قَدْ يَاْتِيْ مِنْ جِهَةِ اَقْرَبِ النَّاسِ . (سختی اور آزمائش قریب ترین لوگوں کی طرف سے بھی آسکتی ہے۔)

④ یہ سورت ایک ہی نبی کے قصے کو بیان کرتی ہے۔

⑤ اَلْحَسَدُ صِفَةٌ مُخِيْفَةٌ قَدْ تُوْصِلُ صَاحِبَهَا اِلَى جَرِيْمَةِ الْقَتْلِ . (حسد ایک خوف ناک صفت ہے جو اپنے حامل کو قتل کے جرم تک پہنچا سکتی

ہے۔)

⑥ محسن کے ساتھ بے وفائی نہیں کرنا چاہیے۔

⑦ ہم طاقتور رہیں تو باپ کو ہم سے زیادہ محبت کرنا چاہیے۔ اَلْمُقَدِّمَاتُ الْفَاسِدَةُ تُؤَدِّیْ اِلَی نَتَائِجَ فَاسِدَةٍ. (فاسد مقدمات، فاسد نتائج کی طرف لے جاتے ہیں۔)

⑧ جھوٹ کی انتہا یہ ہے کہ اِفْتِرَاءٌ حَتّٰی عَلَی الْحَیَوَانِ : فَاَکَلَهُ الذِّئْبُ. (جانور تک پر بھی بہتان باندھا گیا۔ "اسے بھیڑیا کھا گیا۔")

موسیٰ علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام میں ایک مماثلت :

یوسف علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے: ﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ﴾ (یوسف : ۱۲ / ۱۰) "ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا، تم یوسف کو قتل نہ کرو۔"

آسیہ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا: ﴿لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰٓی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ (القصص : ۲۸ / ۹) "اسے قتل نہ کرو۔ شاید یہ ہمیں نفع دے، یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔ اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے۔"

اس سورۂ کریمہ کے کچھ اہم نکات :

① آپ کے قریب ترین لوگ آپ کو دھوکا دے سکتے ہیں۔

② بعض بیمار، صحت یاب ہوجاتے ہیں۔

③ بچھڑے ہوئے مل جاتے ہیں۔

④ جہاں رہیں، وہاں کے قوانین سے واقفیت ضروری ہے۔

⑤ غیر مسلم حکومت میں عہدہ قبول کیا جاسکتا ہے۔

⑥ حسن پھنساتا ہے اور علم بچاتا ہے۔

⑦ یہ واقعہ، علم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔

⑧ انبیاء تمام لوگوں خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، سب کے لیے رحمت ہوتے ہیں۔

3

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ﴾

﴿ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ﴾ اس واقعے میں جس قدر اسباق، حکمتیں اور حیرت انگیز واقعات ہیں، کسی اور سورت میں نہیں۔ اسی وجہ سے اسے ''احسن القصص'' کہا گیا۔

قرآن، اللہ کی طرف سے ہے۔ ﴿ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴾ (یوسف : ۱۲ / ۳) ''جبکہ یقیناً اس سے پہلے آپ بے خبروں میں سے تھے۔'' اگر قرآن آپ کی طرف سے ہوتا تو آپ اپنی غفلت کی نسبت نہ کرتے۔

انبیائے سابقین علیہم السلام کے قصص بیان کرنے کی حکمت : انسان جب کسی مشکل میں گرفتار ہوتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس جیسے اور لوگ بھی اس مشکل اور مصیبت میں مبتلا ہیں تو وہ مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

یوسف علیہ السلام جَمِيْلُ الْخَلْقِ (حسین صورت) تھے۔ یہ چیز انھیں کنویں میں پہنچانے، پھر جیل میں داخل کرنے کا سبب بنی۔ وہ جَمِيْلُ الْخُلُقِ (حسین سیرت) تھے۔ یہ چیز انھیں جیل سے نکلنے کا سبب بنی۔

حسن صورت چند روز حسن سیرت مستقبل

کبھی اچھی چیز کا نتیجہ برا ہوتا ہے۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کی محبت اچھی تھی، مگر اس کا نتیجہ برا تھا۔ اِلْقَاءُهٗ فِي الْبِئْرِ (یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنا) بری چیز تھی، مگر اس کا نتیجہ عزیز مصر کے گھر میں اکرام کی شکل میں ظاہر ہوا۔ پھر یہ اکرام تو اچھی چیز تھی، مگر اس کا نتیجہ دُخُوْلُ السِّجْنِ (جیل میں داخلہ) ہوا۔ پھر دُخُوْلُ السِّجْنِ بری چیز تھی، مگر اس کا نتیجہ عزیز مصر بننا ہوا۔

یوسف اور موسیٰ علیہما السلام کی زندگیوں میں مماثلت :

① قصۂ یوسف میں یوسف علیہ السلام کا باپ ہے، ماں Missing ہے۔ قصۂ موسیٰ میں موسیٰ علیہ السلام کی ماں ہے، باپ Missing ہے۔

② قصۂ یوسف میں یوسف علیہ السلام میں بھائیوں کا کردار ہے اور قصۂ موسیٰ میں موسیٰ علیہ السلام

میں بہن کا کردار ہے۔

③ یوسف علیہ السلام کے والد نہیں چاہتے تھے کہ یوسف علیہ السلام چلے جائیں، مگر موسیٰ علیہ السلام کی ماں چاہتی تھیں کہ چلا جائے۔

④ قصہ یوسف میں یوسف علیہ السلام نے انٹری (دخول) کی، جبکہ قصہ موسیٰ میں موسیٰ علیہ السلام ایگزٹ (خروج) کرتے ہیں۔

⑤ قصہ یوسف میں یوسف علیہ السلام کا سفر چرواہے سے محل تک اور قصہ موسیٰ میں موسیٰ علیہ السلام کا محل سے چرواہے تک ہے۔ واضح رہے کہ موسیٰ علیہ السلام مدین میں بکریاں چراتے تھے۔

4 ﴿اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ ...﴾

سوال سچا خواب، نبوت کا جزو ہے، لہٰذا سچا خواب دیکھنے والا نبی ہوا۔

جواب کسی چیز کا جزو اس چیز کے وصف کو مستلزم نہیں ہوتا۔ مثلاً بلند آواز سے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اذان کا جزو ہے، مگر کوئی آدمی صرف یہ جزو کہے تو وہ موذن نہیں کہا جائے گا۔ نماز میں قرآن پڑھنا نماز کا جزو ہے، لیکن صرف کھڑے ہو کر پڑھے تو نمازی نہیں کہا جائے گا۔

5 ﴿قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤی اِخْوَتِكَ ...﴾

جس سے خطرہ محسوس کرے، اس سے دوسروں کو آگاہ کرنا غیبت نہیں ہے کیونکہ غیبت پس پشت وہ عیب بیان کرے جسے وہ مخفی رکھتا ہے اور ذلیل و رسوا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

حسد، رشک اور منافست میں فرق :

- کسی دوسرے کی خوش حالی پر جلنا اور تمنا کرنا کہ اس کی نعمت اور خوش حالی دور ہو کر اسے مل جائے تو یہ ''حسد'' ہے۔
- دوسرے کا فضل و کرم دیکھ کر اللہ سے اپنے لیے بھی وہی کچھ یا اس سے بڑھ کر طلب

کرے تو یہ ''رشک'' ہے۔

- ایک چیز میں دو آدمی رغبت کریں اور اس میں ایک دوسرے پر سبقت کریں تو اسے ''منافست'' کہتے ہیں۔ یہ اچھی چیز میں جائز ہے۔

﴿ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ﴾ بعض لوگ اتنے بڑے حاسد ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں کے خوابوں سے بھی حسد رکھتے ہیں۔

كَيْدُ الْاِنْسَانِ يَبْدَاُ بِالتَّفْكِيْرِ ثُمَّ التَّخْطِيْطِ ثُمَّ التَّنْفِيْذِ. (انسان کی چال کا آغاز سوچنے سے ہوتا ہے، پھر منصوبہ بندی اور اس کے بعد عمل درآمد۔)

﴿ لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا ﴾ یہ تفکیر ہے۔

﴿ اِقْتُلُوْا يُوْسُفَ ﴾ یہ تخطیط ہے۔

﴿ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ﴾ یہ تنفیذ ہے۔

﴿ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا ﴾ یہ تفکیر ہے۔

﴿ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ ﴾ یہ تخطیط ہے۔

﴿ هَيْتَ لَكَ ﴾ یہ تنفیذ ہے۔

﴿ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ ... ﴾ 6

﴿ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ ﴾ اِنَّ اللّٰهَ حِيْنَ يُنْزِلُ آيَةً فِيْ مَعْنَى الْعَقِيْدَةِ وَالتَّوْحِيْدِ يُنْزِلُهَا بِصِيْغَةِ الْمُفْرَدِ، نَحْوُ: اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ، اَمَّا حِيْنَ تَاْتِي الْآيَةُ فِيْ غَيْرِ مَعْنَى التَّوْحِيْدِ فَنَرَاهَا بِصِيْغَةِ الْجَمْعِ، نَحْوُ: نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ. (اللہ جب عقیدۂ توحید کے معنی میں کوئی آیت نازل فرماتا ہے تو اسے واحد کے صیغے میں نازل کرتا ہے، جیسے ''بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، چنانچہ تم میری ہی عبادت کرو۔'' لیکن آیت جب توحید کے معنی کے بجائے کسی اور معنی میں آتی ہے تو ہم اسے جمع کے صیغے میں دیکھتے ہیں، جیسے ''ہم تمھیں بھی اور انھیں بھی رزق دیتے ہیں۔'')

﴿ وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ ﴾ یہاں نعمت سے مراد نبوت ہے۔

8 ﴿اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ ...﴾

﴿ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا ﴾ یعقوب علیہ السلام تمام بیٹوں سے محبت کرتے تھے، مگر بنیامین اور یوسف علیہ السلام زیادہ محبوب تھے کیونکہ ان دونوں کی ماں بچپن ہی میں انتقال کر چکی تھی۔ ان میں شرافت وسعادت کے وہ آثار نظر آتے تھے جو اور اولاد میں نہ تھی۔ وہ کم سن ہونے کے باوجود یعقوب علیہ السلام کی بہت زیادہ خدمت کرتے تھے۔ محبت غیر اختیاری چیز ہے، اس لیے یعقوب علیہ السلام معذور ہیں۔

﴿ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ﴾ عصبہ سے مراد ہے، ایک دوسرے کی حمایت کرنے والی جماعت۔ اکثر اس کا اطلاق دس سے لے کر چالیس لوگوں کی جماعت پر ہوتا ہے۔

9 ﴿وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْماً صَالِحِيْنَ ﴾

گناہ کی تین بنیادی وجوہات :

① حرص کی وجہ سے، جیسا کہ آدم علیہ السلام سے ہوا۔

② تکبر کی وجہ سے، جیسا کہ شیطان سے ہوا۔

③ حسد کی وجہ سے، جیسا کہ قابیل اور برادران یوسف علیہ السلام سے ہوا۔

اِنَّ الْحَسَدَ سَبَبُ الْخِذْلَانِ . (حسد، رسوائی کا باعث ہے۔)

10 ﴿وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ﴾

کنواں : یہ یعقوب علیہ السلام کے گھر سے تین فرسخ دور تھا۔

12 ﴿وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾

گیارہ بھائیوں نے کہا ''اور ہم یقیناً اس کے محافظ ہیں۔'' پھر انھوں نے اس وعدے کو ضائع کر دیا۔

باپ نے کہا: ﴿ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ﴾ ''چنانچہ اللہ ہی بہتر محافظ ہے۔''

فَحَفِظَهُ وَاَخْرَجَهُ مِنَ الْبِئْرِ، وَنَجَّاهُ مِنَ الْمَوْتِ ، وَوَلَّاهُ

خَزَائِنَ الْاَرْضِ . (تو اللہ نے اس کی حفاظت کی، اسے کنویں سے نکالا، اسے موت سے بچایا اور اسے زمین کے خزانوں کا نگران بنا دیا۔)

17

﴿اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ﴾

﴿نَسْتَبِقُ﴾ ایک جانب سے شرط لگانا جائز اور دونوں طرف سے شرط لگانا حرام ہے۔ اس بنا پر لاٹری، معما، جوا، مروجہ ریس حرام ہیں۔ ہاں، انعامی بانڈز جائز ہیں۔

﴿وَتَرَكْنَا﴾ ترک کا یہ معنی ہے کہ کسی چیز سے انسان تعرض نہ کرے۔ اس کی یہ شرط نہیں کہ پہلے انسان نے اسے اختیار کیا ہو۔

﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا﴾

(سوال) مُؤْمِنٌ لَنَا کا مطلب مُصَدِّقٌ لَنَا ہے۔ پس یہاں جناس (رعایت تجنیس لفظی) سے عدول کر کے مُصَدِّقٌ لَنَا کے بجائے مُؤْمِنٌ لَنَا کیوں کہا؟

(جواب) یہ ہے کہ مُؤْمِنٌ لَنَا میں جو معنی ہے، وہ مُصَدِّقٌ لَنَا میں نہیں ہے کیونکہ جب تم مُصَدِّقٌ لِیْ (میری تصدیق کرنے والا) کہتے ہو تو اس کا مطلب ہے: قَالَ لِیْ صَدَقْتَ . (اس نے مجھ سے کہا، تم نے سچ کہا۔) جبکہ مُؤْمِنٌ لِیْ کا مطلب ہے: مَعَ التَّصْدِيْقِ اِعْطَاءُ الْاَمْنِ ، وَمَقْصُوْدُهُمُ التَّصْدِيْقُ وَزِيَادَةٌ وَهُوَ طَلَبُ الْاَمْنِ ، فَلِهٰذَا عَدَلَ اِلَيْهِ . (تصدیق کے ساتھ امن کا عطا ہونا ہے۔ ان کا مقصد تصدیق اور اس سے بڑھ کر امن کا طلب کرنا تھا، اس لیے وہ اس کی طرف مائل ہوئے۔)

18

﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾

صبر اختیاری و غیر اختیاری: بھائیوں کی طرف سے جو مصائب آئے، وہ غیر اختیاری تھے، جبکہ قید کی مصیبت آپ کی خود کی اختیار کردہ تھی۔

قَالَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ : الصَّبْرُ الْجَمِيْلُ : الَّذِیْ لَا شَكْوٰى مَعَهُ ، وَالْهَجْرُ الْجَمِيْلُ : الَّذِیْ لَا اَذًى مَعَهُ ، وَالصَّفْحُ الْجَمِيْلُ :

الَّذِیْ لَا عِتَابَ مَعَهُ . (بدائع الفوائد لابن القیم : ۳ / ۱۱۲-۱۱۳) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''صبر جمیل وہ ہے جس میں کوئی شکوہ نہ ہو، ہجر جمیل وہ ہے جس میں کوئی اذیت نہ ہو اور صفح جمیل وہ ہے جس میں کوئی ملامت وسرزنش نہ ہو۔''

اِنَّ الشِّدَّةَ اِذَا تَنَاهَتْ قَوِیَ رَجَاؤُهُ بِالْفَرَجِ . (درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا۔) یعنی جب سختی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو اس کے دل میں کشائش کی امید مضبوط ہو جاتی ہے۔

20 ﴿وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ﴾

وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ اَبِی الْحَوَارِیِّ : قُلْتُ لِسُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ : مَا الزُّهْدُ فِی الدُّنْيَا ؟ قَالَ : اِذَا اُنْعِمَ عَلَيْهِ ، فَشَكَرَ ، وَاِذَا ابْتُلِیَ ، بِبَلِيَّةٍ فَصَبَرَ ، فَذٰلِكَ الزُّهْد . (سیر اعلام النبلاء : ۷ / ۴۲۲) احمد بن الحواری بیان کرتے ہیں کہ میں نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے کہا ''دنیا میں زہد کیا ہے؟'' فرمایا ''جب انسان پر نعمتیں ہوں تو وہ شکر کرے اور جب اسے کسی مصیبت سے آزمایا جائے تو وہ صبر کرے۔ یہی زہد ہے۔''

زہد اور ورع میں فرق : بہت سے لوگ زہد اور ورع میں فرق نہیں کرتے، لیکن شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے زہد اور ورع کی تفریق ان الفاظ میں کی ہے :

اَلزُّهْدُ تَرْكُ مَا لَا يَنْفَعُ فِی الْآخِرَةِ ، وَالْوَرَعُ تَرْكُ مَا يَضُرُّ . (زہد اس چیز کو ترک کرنے کا نام ہے جو آخرت میں نفع نہ دے، جبکہ ورع اس چیز کو ترک کرنے کا نام ہے جو نقصان پہنچائے۔)

24 ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ...﴾

......دل میں کسی چیز کا خیال آئے تو وہ ''ہاجس'' ہے۔

......بار بار آئے تو وہ ''خاطر'' ہے۔

......حصول کا منصوبہ بنانے لگے تو ''حدیث نفس'' ہے۔

......راجح، غالب قصد کرنے کا ہو اور مرجوح و مغلوب، قصد نہ کرنے کا ہو تو ''ھم'' ہے۔

......پکا ارادہ کرلے تو ''عزم و نیت'' ہے۔

نکتہ : اصل قربت اللہ کی قربت ہے، نسب کی نہیں۔

برہان کیا تھی؟ : امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے کہا ''برہان سے مراد نبوت ہے جو اللہ نے ان (یوسف علیہ السلام) کے سینے میں ودیعت فرمائی جس نے ان کے اور ہر اس کام کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جو اللہ کو ناراض کرے۔'' (تفسیر البغوی : ۲ / ٤٨٦)

نکتہ عظیمہ : مَا مِنْ نَبِيٍّ ذُكِرَ لَهُ ذَنْبٌ اِلَّا وَذُكِرَ اسْتِغْفَارُهُ ، وَيُوْسُفُ لَمْ يُذْكَرْ فِي الْقُرْآنِ اَنَّهُ اسْتَغْفَرَ مِنْ ذَنْبٍ . (کوئی ایسا نبی نہیں جس کے لیے کسی گناہ کا ذکر کیا گیا ہو، مگر اس کے ساتھ اس کے استغفار کا بھی ذکر کیا گیا ہو، لیکن یوسف علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں یہ ذکر نہیں آیا کہ انھوں نے کسی گناہ پر استغفار کیا ہو۔)

یہ دلیل ہے کہ انھوں نے گناہ کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اگر ارادہ کر بھی لیا تھا تو ارادے پر عمل نہیں کیا کیونکہ اِذْ عِنَايَةُ رَبِّهِ سَبَقَتْ فَرَاَى بُرْهَانَ رَبِّهِ . (جب اس کے رب کی عنایت سبقت لے گئی تو اس نے اپنے رب کی نشانی دیکھ لی۔)

نکتہ : اختلاط مرد و زن مصر میں اس وقت کوئی معیوب بات نہ تھی۔ اِنَّ الْخَلْوَةَ خَطَرٌ يَجِبُ اتِّقَاءُهُ . (خلوت ایک خطرہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔)

نکتہ : اَلْاِخْلَاصُ مِنْ اَعْظَمِ اَسْبَابِ الْعِصْمَةِ مِنَ الْفِتَنِ . (اخلاص، فتنوں سے بچاؤ کا سب سے بڑا سبب ہے۔)

26

﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ... ﴾

عینی شہادت اور واقعاتی شہادت : گواہی میں اگر آنکھوں دیکھا واقعہ بیان کیا جائے تو اسے ''عینی شہادت'' کہا جاتا ہے۔ موقع دیکھ کر قرائن سے فیصلہ کیا جائے تو اسے

''واقعاتی شہادت'' کہتے ہیں۔

یہ فیصلہ عینی نہیں، واقعاتی شہادت ہے۔ اسی طرح بھائیوں نے بنیامین کو چوری کرتے نہیں دیکھا تھا، پھر انھوں نے کیسے شہادت دی کہ بنیامین نے چوری کی ہے؟ جواب یہ ہے کہ پیالہ اس جگہ بوری میں رکھا تھا جس جگہ ان کے سوا کوئی داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ عینی نہیں، واقعاتی شہادت ہے۔ سلیمان علیہ السلام کا دو عورتوں کے بارے میں بچے کے سلسلے میں فیصلہ واقعاتی شہادت کی بنا پر ہے۔ ان میں سے بڑی عورت، بچے کے دو ٹکڑے کرنے پر راضی تھی، جبکہ چھوٹی عورت دو ٹکڑے کرنے پر راضی نہ ہوئی (کیونکہ بچہ اسی کا تھا)۔

واقعاتی شہادت کی مثالیں :

① ایک شخص کا تازہ گلا کٹا ہوا ہے اور اس کے پاس ایک شخص خون آلود چھرا لیے کھڑا ہے۔ بعد میں فورینسک سے ثابت ہوجائے کہ چھرے پر خون مقتول کا ہے تو وہی قاتل ہے۔ یہ واقعاتی شہادت ہے۔

② ایک شخص گولی لگنے سے مرگیا۔ ایک شخص اس کے پاس پستول لیے کھڑا تھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے ثابت ہوجائے کہ مقتول کے بدن کی وہ گولی اسی پستول سے چلی ہے تو یہ واقعاتی شہادت ہے۔

③ دو آدمی ایک بیل، بکری، اونٹ کے دعوے دار ہیں۔ دونوں کے گھر ایک گاؤں میں ہیں۔ بیل وغیرہ کو چھوڑ دیا جائے۔ جس کے باڑے میں چلا جائے، یہ بیل اسی کا ہے۔ یہ واقعاتی شہادت ہے۔

30 ﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾

نسوہ اور نساء میں فرق :

• اَلنِّسَاءُ جَمْعُ اِمْرَاۃٍ وَیَدُلُّ عَلَی الْکَثْرَۃِ، (وَجَمْعُ الْکَثْرَۃِ مَا زَادَ عَلَی الْعَشْرَۃِ). (نساء، امراۃ کی جمع ہے اور یہ کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ جمع

کثرت وہ ہے جو دس سے زیادہ پر دلالت کرے۔)

جیسے فرمایا : ﴿ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (آل عمران : ۳ / ۴۲) ''اے مریم! بے شک اللہ نے تمھیں چن لیا ہے اور تمھیں پاکیزگی عطا کی ہے اور دنیا بھر کی عورتوں میں سے تمھیں منتخب کیا ہے۔''

- وَالنِّسْوَةُ جَمْعُ اِمْرَاَةٍ وَيَدُلُّ عَلَى الْقِلَّةِ (وَجَمْعُ الْقِلَّةِ مَا بَيْنَ ثَلَاثَةٍ اِلَى عَشَرَةٍ. (نسوۃ بھی امراۃ کی جمع ہے اور یہ قلت پر دلالت کرتا ہے۔ جمع قلت وہ ہے جو تین سے دس کے درمیان کی تعداد پر دلالت کرے۔)

جیسے فرمایا : ﴿ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ ﴾ (یوسف : ۱۲ / ۳۰) ''اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں۔''

30 ﴿ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ﴾

شَغَاف اس کھال کو کہتے ہیں جو دل پر محیط ہوتی ہے۔ اسے قلب کا غلاف کہتے ہیں۔ یعنی یوسف علیہ السلام کی محبت اس کے دل کا احاطہ کر چکی تھی جس طرح غلاف کسی چیز کا احاطہ کر لیتا ہے۔ (لسان العرب لابن المنظور الافریقی : ۹ / ۱۷۹)

31 ﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ ... اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ○ ﴾

﴿ مَا هٰذَا بَشَرًا ﴾ یوسف علیہ السلام غیر معمولی حسن کے مالک تھے۔ عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات مرکوز ہے کہ فرشتوں سے زیادہ کوئی حسین نہیں ہوتا اور شیطان سے زیادہ کوئی بدشکل نہیں ہوتا۔ جب عورتوں نے دیکھا کہ وہ کسی عورت کے چہرے پر نہیں دیکھ رہے ہیں، حالانکہ عام آدمی عورتوں کے پاس سے گزرے تو ان کی طرف نظر ڈالتا ہے، لہٰذا انھوں نے کہا ''یہ بشر نہیں ہے۔'' ان میں شہوت کا کوئی اثر نہیں دیکھا، جیسا کہ فرشتے میں شہوت نہیں ہوتی۔ پس عزیز مصر کی بیوی نے جو تہمت لگائی ہے، یہ اس تہمت سے بہت دور ہیں۔

﴿ وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ﴾ ''اور (یوسف علیہ السلام سے) کہا کہ ان (عورتوں) کے

سامنے نکل آؤ۔"

(سوال) خَرَجَ کا صلہ اِلَی آتا ہے، جیسے خَرَجْتُ اِلَی السُّوْقِ. (میں بازار کی طرف نکلا۔) لیکن یہاں "علیٰ" کے ساتھ کیوں ہے؟

(جواب) اِذَا کَانَ الْخُرُوْجُ بِقَهْرٍ وَغَلَبَةٍ اَوْ بِجَمَالٍ وَزِيْنَةٍ اَوْ بِآيَةٍ اَوْ اَمْرٍ عَظِيْمٍ فَاِنَّمَا يُعَدَّى بِعَلٰى ، وَمِنْهُ قَوْلُهُمْ : خَرَجَ عَلَيْنَا فِى السَّفَرِ قُطَّاعُ الطَّرِيْقِ ، وَقَوْلُهُ تَعَالٰى : فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ .

(خروج جب قہر اور غلبہ سے ہو، یا جمال وزینت کے ساتھ ہو، یا کسی نشانی اور عظیم امر کے ساتھ ہو تو وہ "علیٰ" کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ اسی سے ان کا یہ قول ہے "سفر میں ڈاکوؤں نے ہم پر حملہ کیا۔" اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے "پھر وہ اپنے پورے کروفر کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا۔")

33 ﴿قَالَ رَبِّ ٱلسِّجْنُ أَحَبُّ إِلَىَّ مِمَّا يَدْعُونَنِىٓ إِلَيْهِ﴾

قید میں گرفتار ہونا مشقت اور مصیبت ہے اور عورتوں کا مطلوب سراسر لذت وعیش تھا، لیکن یوسف علیہ السلام اس عارضی لذت کے انجام (دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب) سے واقف تھے، لہٰذا انھوں نے قید وبند کی صعوبتوں کو اختیار کیا۔

قاعدہ : جب انسان دو مصیبتیں دیکھے تو اَهْوَنُ الْبَلِيَّتَيْنِ (دو مصیبتوں میں سے آسان وکم تر) کو اختیار کرلے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی عنایت شامل حال نہ ہو تو انسان نہ گناہ سے بچ سکتا ہے، نہ کسی نیکی کو اختیار کرسکتا ہے۔

35 ﴿ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا ...﴾

عزیز مصر نے اس فحش بات کا چرچا روکنے کے لیے اور بدنامی کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کو قید کروایا کیونکہ جب تہمت سے براءت ہوگئی تھی تو عزیز مصر نے کوئی تعرض نہیں کرنا تھا۔

چونکہ وہ یوسف علیہ السلام کو ہمیشہ قید میں نہیں رکھنا چاہتے تھے، اس لیے ﴿لَيَسْجُنُنَّهٗ﴾

(جملہ فعلیہ) کہا، یعنی قید کرنے کو جملہ فعلیہ سے تعبیر کیا۔ اس کے برخلاف فرعون کا ارادہ موسیٰ علیہ السلام کو ہمیشہ قید میں رکھنا تھا، لہٰذا ﴿مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ﴾ (جملہ اسمیہ) سے تعبیر کیا۔

37 ﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾

﴿هُمْ﴾ ضمیر کی تکرار لانا تاکید اور حصر پر دلالت کرتا ہے۔ مبدا کے انکار کرنے کی بہ نسبت معاد کا انکار کرنا زیادہ شدید ہے۔

39 ﴿ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾

یہ بت مصنوع ہیں، صانع نہیں۔ مغلوب ہیں، غالب نہیں۔ انھیں کوئی توڑنا چاہے تو یہ اسے روک نہیں سکتے۔ جب یہ اپنے آپ کو ضرر سے نہیں بچا سکتے تو دوسروں کو کیسے بچا سکتے ہیں!

کوئی نفع حاصل ہوا تو ہم شک میں رہیں گے کہ یہ کس بت کا کارنامہ ہے۔ جب ایک خدا ہوگا تو ہمیں یقین ہوگا۔

40 ﴿اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ﴾

یہ صرف اسماء ہیں۔ ان کے مسمیات اور مصادیق موجود نہیں۔ یہ ان کے خود ساختہ رب ہیں، نہ کہ فی الوقت رب ہیں، جیسے غوث، دست گیر، غریب نواز، بندہ نواز۔

42 ﴿مِنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ﴾

﴿اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ اَلسَّعْيُ اِلَى اتِّخَاذِ الْاَسْبَابِ الْجَائِزَةِ لِلنَّجَاةِ مِنَ الْمَصَائِبِ. (مصائب سے نجات پانے کے لیے جائز اسباب اختیار کرنے کی کوشش کرنا۔)

(سوال) غیر اللہ سے مدد، حتیٰ کہ کافر سے استمداد جائز ہے، پھر یوسف علیہ السلام پر عتاب کیوں کیا گیا؟

(جواب) مصائب سے نجات حاصل کرنے کے لیے اگرچہ مخلوق سے استمداد ہر چند جائز ہے، مگر انبیاء علیہم السلام کا مقام تمام مخلوق سے بلند ہے۔ ان کے لیے اولیٰ ہے کہ مصیبت میں

اپنا معاملہ غیر اللہ کے، خاص طور سے کافر کے سپرد نہ کرے۔

﴿ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ ﴾ شیطان نے اس ساقی کو اپنے مالک یعنی بادشاہ کے پاس یہ ذکر کرنا بھلا دیا، لہٰذا یوسف علیہ السلام کئی سال قید میں رہے۔

بھلا دینے کا مفہوم : سہو اختیاری، سہو غیر اختیاری۔

غفلت کا سبب اختیاری ہو، مثلاً کوئی نماز سے تھوڑی دیر پہلے سوجائے، پھر نماز کا وقت گزر جائے اور اس کی آنکھ نہ کھلے۔

شیطان، انسان کے دل میں مختلف چیزوں کے وسوسے ڈالتا ہے اور کسی چیز سے اس کا دھیان ہٹا دیتا ہے۔شیطان نے کئی چیزوں کی طرف یوسف علیہ السلام کو متوجہ کیا، یہاں تک کہ ان میں الجھ کر یوسف علیہ السلام ، اللہ سے التجا کرنا بھول گئے اور ساقی سے کہا۔

...... چیز قوت حافظہ میں ہو، اس سے معمولی غفلت ہو اور ادنیٰ تنبیہ سے اس کا ذہن اس چیز کی طرف متوجہ ہوجائے تو یہ ''سہو'' ہے۔

......اور چیز حافظہ سے بالکلیہ زائل ہوجائے تو یہ ''نسیان'' ہے۔

سہو کی پہلی قسم وہ ہے جو نبی سے اکثر نمازوں میں واقع ہوئی۔

حیرت انگیز بات : امام رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میری عمر اب ستاون برس ہوگئی ہے اور میری پوری زندگی کا تجربہ ہے کہ انسان جب بھی کسی معاملے کو غیر اللہ کے سپرد کرتا ہے اور اپنے کسی کام میں غیر اللہ پر اعتماد کرتا ہے تو وہ کسی آزمائش اور امتحان میں مبتلا ہوجاتا ہے اور کسی بلا میں گرفتار ہوجاتا ہے۔اس کے برعکس انسان جب اللہ پر اعتماد کرتا ہے تو اس کا مطلوب انتہائی عمدہ طریقے سے پورا ہوجاتا ہے۔یہ بات میرے دل میں جاگزیں ہوچکی ہے کہ اللہ کے فضل واحسان کے سوا کسی اور پر اعتماد کرنا اور اپنی حاجات اور مہمات میں اللہ کے غیر کی طرف رجوع کرنا کوئی اچھا کام نہیں۔ (تفسیر الرازی : ۱۸ / ٤٦٢)

﴿ اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ 42

زندہ، غیر اللہ سے مدد لے سکتا ہے۔غیر مسلم سے بھی مدد لے سکتا ہے۔

44 ﴿ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ﴾

ضِغْثٌ کا معنی ہے، گھاس کا مٹھی بھر مجموعہ، بے ربط خلط ملط باتیں۔ تم نے خواب میں ملی جلی چیزیں دیکھی ہیں۔ یہ کوئی واضح خواب نہیں ہے۔

46 ﴿ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ ... ﴾

جس سے علم حاصل کیا جائے، اس کی تکریم لازم ہے۔ اسے ایسے الفاظ سے مخاطب کرے جو احترام وتکریم پر دلالت کرتے ہیں۔

خواب : ساقی نے یوسف علیہ السلام کے سامنے خواب کے وہی الفاظ استعمال کیے جو بادشاہ نے ذکر کیے تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ اگر خواب کے الفاظ اور احوال میں تبدیلی کردی جائے تو اس کی تعبیر بھی بدل جائے۔

47 ﴿ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَباً ﴾

سنہ اور عام میں فرق : (جبکہ سنۃ اور عام دونوں کا اردو معنی ''سال'' ہوتا ہے۔)

- لَفْظُ سَنَةٍ : تُطْلَقُ عَلَى الْاَيَّامِ الشَّدِيْدَةِ الصَّعْبَةِ. (لفظ سنۃ، شدید اور مشکل ایام پر بولا جاتا ہے۔)

جیسے ﴿ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ ﴾ ''تم سات سال کاشت کرو گے۔''

- لَفْظُ عَامٍ : يُطْلَقُ عَلَى الْاَيَّامِ السَّهْلَةِ اَيَّامِ الرَّخَاءِ وَالنَّعِيْمِ. (لفظ عام آسان دنوں یعنی خوش حالی اور نعمتوں کے دنوں پر بولا جاتا ہے۔)

جیسے ﴿ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ ﴾ ''پھر اس (قحط سالی) کے بعد ایک سال آئے گا، اس میں لوگ بارش پائیں گے۔''

50 ﴿ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ﴾

یوسف علیہ السلام قید خانے سے فوراً نکل جاتے تو بادشاہ کے دل میں ان پر لگائی تہمت کا اثر باقی رہتا۔ اس وجہ سے توقف کیا۔

یوسف علیہ السلام نے مطالبہ کیا کہ ان کے بے قصور ہونے کو ان عورتوں سے معلوم کیا

جائے۔ یہ یوسف علیہ السلام کے پارسا ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر وہ ذرا بھی برائی میں ملوث ہوتے تو انھیں خطرہ ہوتا کہ وہ عورتیں پہلے کی طرح پھر ان پر الزام لگادیں گی۔

احترام نسواں : اس معاملے میں امراۃ عزیز پیش پیش تھی، مگر یوسف علیہ السلام نے اس کا نام نہیں لیا اور خصوصیت کے ساتھ کسی عورت کی شکایت نہیں کی۔

51 ﴿حَصْحَصَ الْحَقُّ﴾

جب اونٹ جم کر بیٹھ جائے اور قرار پکڑ لے تو کہا جاتا ہے : حَصْحَصُ الْبَعِيْرُ فِىْ بُرُوْكِهٖ. (اونٹ اپنے بیٹھنے کی جگہ جم کر بیٹھ گیا۔)

امام زجاج نے کہا کہ یہ حِصَّةٌ سے ماخوذ ہے۔ عرب کہتے ہیں : بَانَتْ حِصَّةُ الْحَقِّ مِنْ حِصَّةِ الْبَاطِلِ . (حق کا حصہ باطل کے حصے سے واضح ہوگیا۔)

52 ﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ﴾

تاکہ عزیز مصر جان لے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی۔

نکتہ : کسی عہدے پر جانے کے لیے ضروری ہے کہ عہدے دار بے داغ ہو۔ آج کل تو ایک حمام میں سب ننگے ہیں۔

پارہ نمبر ۱۳

53

﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیۡ ﴾

عصمت کا مفہوم : گناہوں پر قدرت رکھتے ہوئے گناہوں سے بچنے کے ملکہ (مہارت) کو "عصمت" کہتے ہیں۔

امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء ورسل علیہم السلام رسالت کی ادائیگی میں معصوم ہیں، چنانچہ جو کچھ اللہ تعالیٰ ان پر وحی کرتا ہے، وہ اسے بھولتے نہیں، سوائے اس کے جو منسوخ کر دیا جائے۔ وہ رب العزت کی طرف سے احکامات پہنچانے میں معصوم ہیں اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ کسی چیز کو نہیں چھپاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِیۡنَ ۝ ﴾ (المائدۃ : ٥ / ٦٧) "اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو نازل کیا گیا ہے، وہ لوگوں تک پہنچا دیجیے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اس پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔ اور بلاشبہ اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔"

وہ کبیرہ گناہوں میں پڑنے سے بھی معصوم ہیں۔ جہاں تک صغیرہ گناہوں کا تعلق ہے، تو اکثر علمائے اسلام کا موقف یہ ہے کہ وہ ان سے معصوم نہیں ہیں اور اگر ان سے صغیرہ گناہ سرزد ہو جائیں تو انھیں ان پر برقرار نہیں رکھا جاتا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا "یہ قول کہ انبیائے کرام علیہم السلام کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں، نہ کہ صغیرہ گناہوں سے، اکثر علمائے اسلام اور تمام گروہوں کا قول ہے، حتیٰ کہ یہ اکثر اہل کلام (متکلمین) کا بھی قول ہے، جیسا کہ ابوالحسن آمدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ اشعریہ کا

قول ہے۔ یہ اکثر اہل تفسیر، حدیث اور فقہاء کا بھی قول ہے بلکہ سلف، ائمہ، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے بھی اس قول کے موافق ہی منقول ہے۔'' (الفتاوی : ٤ / ٣١٩)

54 ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ﴾

بادشاہ کا یوسف علیہ السلام سے متاثر ہونے کی وجوہات :

① علم سے متاثر ہوا کہ جس خواب کی تعبیر سے تمام ارکان دولت عاجز رہ گئے، آپ علیہ السلام نے اسے حل کر دیا۔

② صبر وضبط سے متاثر ہوا کیونکہ آپ علیہ السلام نے قید خانے سے نکلنے سے انکار کر دیا۔

③ احترام نسواں سے متاثر ہوا۔ آپ علیہ السلام کو امراۃ عزیز کا حال معلوم کرنا تھا، مگر آپ نے فرمایا: ﴿مَا بَالُ النِّسْوَةِ﴾ ''ان عورتوں کا کیا حال ہے؟'' اس پردہ پوشی کی صفت سے متاثر ہوا۔

④ جنھوں نے تہمت لگائی تھی، انھوں نے خود اقرار کیا کہ یوسف علیہ السلام اس تہمت سے بری ہیں۔

55 ﴿قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ...﴾

کوئی عہدہ اپنے مفاد کے لیے نہیں بلکہ عوام کے مفاد کے لیے طلب کرنا چاہیے۔

لَوْ فَرَّجَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْ یُوْسُفَ فِیْ اَوَّلِ اِبْتِلَائِهٖ لَمَا اٰلَتْ اِلَیْهِ خَزَائِنُ مِصْرَ ، قَدْ یَطُوْلُ الْبَلَاءُ لِیَعْظُمَ الْعَطَاءُ . (اللہ اگر یوسف علیہ السلام کو شروع ہی میں آزمائش سے نجات دے دیتا تو مصر کے خزانے ان کے قدموں میں نہ آتے۔ معلوم ہوا کہ بسا اوقات کسی بڑے انعام واکرام کی خاطر آزمائش کی گھڑی طویل ہو جاتی ہے۔)

﴿اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾ خود کی تعریف کرنا، اگر اس کا مقصد حق بات بتانا ہو یا کسی ضرورت کے تحت ہو جس کے ذریعے کسی جائز مقصد تک پہنچا جا سکے تو یہ جائز ہے۔ بے وجہ تعریف مراد نہیں ہے، لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔

......فخر وتکبر سے اپنی تعریف کرنا منع ہے۔

......ناجائز مقصد کو حاصل کرنے کے لیے منع ہے۔

......جو وصف آدمی میں نہ ہو، ان اوصاف کے ساتھ تعریف منع ہے۔

بعض دفعہ یہ جائز تعریف جائز ہوتی ہے، کبھی ضروری ہوتی ہے۔

قاعدہ : وَقَدْ يَجُوْزُ تبعاً مَا لَا يَسُوْغُ اسْتِقْلَالاً . (کبھی کبھی جو چیز اکیلے جائز نہیں ہوتی، وہ کسی اور چیز کے تابع ہونے کی وجہ سے جائز ہو جاتی ہے۔)

59 ﴿قَالَ ائْتُوْنِىْ بِاَخٍ لَّكُمْ﴾

غلہ فروخت میں ہر شخص کو ایک بار شتر دیتے تھے۔ یوسف علیہ السلام کے دس بھائی آئے تھے، لہٰذا انھیں دس بار شتر دیا۔ قحط کا زمانہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ باپ کا ہاتھ تنگ ہو۔ اسی طرح باپ کی خدمت کر دیں۔

(سوال) اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿قَالَ ائْتُوْنِىْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ﴾ ''کہا، تم میرے پاس اپنا پدری بھائی (بنیامین) لانا۔'' یہاں بِاَخِيْكُمْ (تمہارے بھائی کو) کے بجائے ﴿بِاَخٍ لَّكُمْ﴾ کیوں فرمایا گیا؟

(جواب) امام ابوحیان اندلسی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ''انھوں نے بِاَخِيْكُمْ نہیں کہا، حالانکہ وہ اسے اور انھیں جانتے تھے۔ یہ اس بات میں مبالغہ تھا کہ وہ خود کو ان سے پہنچوانا نہیں چاہتے تھے اور نہ یہ چاہتے تھے کہ انھیں یہ معلوم ہو کہ وہ کون ہیں۔ کیا تم مَرَرْتُ بِغُلَامِكَ (میں تمہارے غلام کے پاس سے گزرا) اور مَرَرْتُ بِغُلَامٍ لَكَ (میں تمہارے ایک غلام کے پاس سے گزرا) کے درمیان فرق نہیں دیکھتے؟ تم تعریف میں غلام کو جاننے والے ہوتے ہو اور تنکیر میں اس سے ناواقف ہوتے ہو۔'' (البحر المحيط فی التفسير : ٦ / ٢٩٣)

62 ﴿وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِىْ رِحَالِهِمْ ...﴾

دس اونٹوں پر غلہ بار کرا دیا اور قیمت بھی لوٹا دی تاکہ احسان ظاہر نہ ہو اور انھیں عار

بھی محسوس نہ ہو۔ چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ تھا، اس لیے اس رقم کو بوریوں میں چھپا کر رکھ دیا۔ بھائیوں نے بے رحمانہ سلوک کیا تھا۔ آپ نے جواب میں کریمانہ سلوک کیا۔

66 ﴿قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى ...﴾

سوال یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو ان کے ساتھ کیوں بھیجا؟

جواب قحط کی وجہ سے یعقوب علیہ السلام یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔

70 ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ﴾

حیلہ : جس حیلے سے انسان کسی حلال چیز کو حاصل کر لے تو وہ جائز ہے۔ ایک بھائی کا دوسرے بھائی کے پاس رہنا حرام یا ممنوع نہیں، مگر یہ خفیہ تدبیر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ دوسرے، یعقوب علیہ السلام کو دو بیٹوں کی جدائی کا غم برداشت کرنا پڑا۔ وہ زیادہ اجر کے مستحق ہوئے۔

کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ یعنی کبھی اپنا مطلوب حاصل کرنے کے لیے کچھ قربانی دینا پڑتی ہے۔ بنیامین بھائی کے پاس رہنا چاہتے تھے، لہٰذا عارضی طور پر انھیں اپنی طرف چور کی نسبت کی بدنامی برداشت کرنا پڑی۔

84 ﴿وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ﴾

سوال ”ہائے میرا افسوس یوسف کی جدائی پر!“ یہ شکایت کے الفاظ ہیں تو یعقوب علیہ السلام کا صبر، صبر جمیل کیسے ہوا؟

جواب یہ اللہ کی شکایت نہیں بلکہ اللہ کی طرف شکایت کی ہے۔ ﴿اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ (یوسف : ۱۲ / ۸۶) ”میں تو اپنی پریشانیوں اور اپنے غم کا شکوہ اللہ ہی سے کرتا ہوں۔“

انسان کسی مصیبت یا مرض پر ناراض ہوتا ہے اور کسی کے سامنے اظہار کرتا ہے۔ یہ اللہ کے فعل کی شکایت ہے جو حرام ہے۔

اس کے برعکس وہ نہ اللہ کے فعل کو ناپسند کر رہا ہے اور نہ ناراض ہے بلکہ اپنے دردو

مصیبت کا اظہار کر رہا ہے۔ یہ اظہار حرام نہیں، مگر خلاف اولیٰ ہے۔

صبر جمیل یہ ہے کہ اس میں بالکل شکایت نہ ہو۔ اسی طرح اپنی بدحالی اور تنگ دستی بیان کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اللہ کی شکایت کرنا مقصود نہ ہو۔ اسی شرط کے ساتھ بیمار کے لیے ڈاکٹر کے سامنے اپنی بیماری کی کیفیت بیان کرنا جائز ہے۔ یہ صبر جمیل کے خلاف نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت سوال کرنا جائز ہے۔

﴿عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ﴾ 84

حزن، ھم اور غم میں فرق : قَالَ الشَّيْخُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ الْبَدْرِ : يَقُوْلُ الْعُلَمَاءُ : إِذَا كَانَ الْأَلَمُ الَّذِيْ يُصِيْبُ الْقَلْبَ مُتَعَلِّقًا بِشَيْءٍ مَاضٍ فَهُوَ حُزْنٌ ، وَإِنْ كَانَ مُتَعَلِّقاً بِشَيْءٍ مُسْتَقْبِلٍ فَهُوَ هَمٌّ ، وَإِنْ كَانَ يَتَعَلَّقُ بِوَاقِعِ الْإِنْسَانِ وَحَاضِرِهِ فَهُوَ غَمٌّ ، وَهٰذِهِ الثَّلَاثُ الْحُزْنُ ، وَالْهَمُّ ، وَالْغَمُّ كُلُّهَا آلَامٌ تَصِلُ إِلَى الْقَلْبِ .

(اثر الاذكار الشرعية : ص ٤) شیخ عبدالرزاق البدر حفظہ اللہ کہتے ہیں ”علماء نے کہا ہے : وہ درد جو دل کو پہنچتا ہے، اگر وہ کسی گزری ہوئی چیز سے متعلق ہو تو وہ حزن ہے، اگر وہ آنے والی کسی چیز سے متعلق ہو تو وہ ھم ہے اور اگر وہ انسان کے موجودہ حال سے متعلق ہو تو وہ غم ہے۔ یہ تینوں (حزن، ھم اور غم) وہ درد ہیں جو دل تک پہنچتے ہیں۔“

﴿قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْ﴾ 86

الْبَثُّ : أَشَدُّ الْحُزْنِ ، وَسُمِّيَ كَذٰلِكَ لِأَنَّ مِنْ صُعُوْبَتِهِ لَا يُطِيْقُ حَمْلَهُ فَيَبُثُّهُ أَيْ يَنْشُرُهُ . (”بث“ انتہائی شدید غم کو کہتے ہیں۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کی شدت کی وجہ سے انسان اسے برداشت نہیں کر پاتا بلکہ اسے بث کر دیتا ہے، یعنی اسے پھیلا دیتا ہے۔)

﴿اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ﴾ 87

(سوال) مَا الْفَرْقُ بَيْنَ التَّحَسُّسِ وَالتَّجَسُّسِ ؟ (تجسس اور تحسس میں کیا

فرق ہے؟)

(جواب) اَلتَّحَسُّسُ : تَتَبُّعُ اَخْبَارِ النَّاسِ بِالْخَیْرِ ، نَحْوُ : فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ ، وَالتَّجَسُّسُ هُوَ مَعْرِفَةُ اَخْبَارِ النَّاسِ بِالشَّرِّ ، نَحْوُ : وَّلَا تَجَسَّسُوْا . (تحسس کا مطلب ہے، لوگوں کی خبریں اچھائی کی نیت سے معلوم کرنا، جیسے ''یوسف علیہ السلام کو ڈھونڈو۔'' تجسس کا مطلب ہے، لوگوں کی خبریں برائی کی نیت سے معلوم کرنا۔ ''اور ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو۔'')

اَلْبَحْثُ عَنْ مَفْقُوْدٍ : تَحَسُّسٌ ، وَالْبَحْثُ عَنْ اَسْرَارِ الْعَدُوِّ : تَجَسُّسٌ ، وَالْبَحْثُ عَنِ الْاَخْبَارِ : تَبَیُّنٌ وَالْبَحْثُ عَنْ نَفِیْس : تَنْقِیْبٌ . (کسی گم شدہ چیز کی تلاش تحسس کہلاتی ہے۔ دشمن کے رازوں کی تلاش تجسس کہلاتی ہے۔ خبروں) کی چھان بین تبیین کہلاتی ہے۔ کسی قیمتی چیز کی تلاش تنقیب کہلاتی ہے۔

﴿وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ﴾ 91

خاطی اور مخطی میں فرق : خاطی وہ ہے جو قصداً خطا کرے، جبکہ مخطی وہ ہے جس سے خطا سرزد ہو جائے۔

بھائیوں نے اپنے آپ کو خاطی کہا کیونکہ انھوں نے یوسف علیہ السلام پر مظالم عمداً کیے تھے۔

﴿قَالَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ﴾ 92

هِیَ تَعْنِی الْمُبَالَغَةَ فِی الْعِتَابِ وَتَذْكِیْرَ الشَّخْصِ بِاَخْطَائِهِ اَوْ ذُنُوْبِهِ بِشَكْلٍ یُؤْذِیْهِ وَیُحْزِنُهُ ، اَوْ وَصْفَ فِعْلِهِ بِالْقُبْحِ وَالتَّوْبِیْخَ عَلَیْهِ بِقَسْوَةٍ . (تثریب کا مطلب ہے، ملامت میں مبالغہ کرنا اور کسی شخص کو اس کی غلطیوں یا گناہوں کو اس طرح یاد دلانا جو اسے تکلیف پہنچائے اور غمگین کرے، یا اس کے فعل کو برا قرار دینا اور اس پر سختی سے ڈانٹ ڈپٹ کرنا۔)

خلاصۂ معنی تثریب : ﴿ تَثْرِيْبَ ﴾ کا معنی ہے، کسی کو اس کا برا کام یاد دلا کر ملامت کرنا یا عار دلانا۔

100 ﴿ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّداً ﴾

﴿ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ﴾ یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا اسی طرح ہے جیسے فاطمہ رضی اللہ عنہا آتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہو جاتے۔

﴿ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ ﴾ یہاں قَدْ اَحْسَنَ اِلَيَّ نہیں کہا بلکہ اَحْسَنَ بِیْ کہا، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یوسف علیہ السلام اقرار کر رہے ہیں کہ اللہ عز وجل کا احسان زندگی کے ہر ہر قدم پر ان کے ساتھ رہا ہے۔ ﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ میں بھی اِلَى الْوَالِدَيْنِ نہیں کہا تاکہ اس بات کی طرف اشارہ کیا جائے کہ انسان کا اپنے والدین کے ساتھ احسان زندگی کے ہر ہر لمحے میں ہونا چاہیے۔

101 ﴿ تَوَفَّنِيْ مُسْلِماً وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴾

موت کی دعا : کھانے کی لذت عارضی ہے۔ آدمی جتنی دیر لقمہ چباتا ہے، لذت باقی رہتی ہے۔ حلق کے نیچے اترتے ہی اس کی لذت باقی نہیں رہتی۔ لذت جماع بھی عارضی ہے۔ اس کے نتیجے میں بال بچوں کی ذمے داری پوری کرنے میں انسان تاحیات مشقت میں مبتلا رہتا ہے۔ حکومت و اقتدار کی لذت بھی عارضی ہے کیونکہ اس کے بعد ان گنت مسائل، پریشانیاں اور خطرات درپیش ہوتے ہیں۔ ہر صاحب عقل، زندگی کے مقابلے میں موت کو ترجیح دے گا کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں زائل ہونے والی ہیں۔

یوسف علیہ السلام کی دعا مرنے کی دعا نہیں بلکہ تاحیات اسلام پر جینے کی دعا ہے۔ یعنی موت کا فرشتہ روح قبض کرے تو حالت اسلام پر قبض کرے۔

نکتہ : انسان مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر دعا کرنی ضروری ہو تو یوں دعا کرے "اے اللہ! جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہے تو مجھے زندہ رکھ اور جب موت میرے لیے بہتر ہو تو مجھے اٹھا لے۔" (بخاری : ۵۶۷۱، ومسلم : ٦٨١٦، عن انس)

110 ﴿حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ …﴾

یاس اور استیئاس میں فرق :

…… یاس کا معنی ہے : مکمل مایوس ہو جانا، امید بالکل چھوڑ دینا۔

…… استیئاس کا معنی ہے : مکمل مایوسی نہیں بلکہ ایسی مایوسی جس میں امید کی ہلکی سی کرن موجود ہو۔

انبیاء علیہم السلام یاس سے نہیں، استیئاس سے دوچار ہوتے ہیں۔

سورۂ رعد

اس سورۂ کریمہ میں بتیس ظَاهِرَةٌ مُتَنَاقِضَةٌ فِیْ طَبِیْعَتِهَا ، یَسْتَحِیْلُ عَلٰی اَحَدٍ اَنْ یَجْمَعَ بَیْنَهُمَا . (اپنی نوعیت میں ایک متضاد مظاہر ہیں۔ کسی کے لیے ناممکن ہے کہ وہ ان دونوں کو اکٹھا کرے۔)

2 ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا …﴾

آسمانوں کو بغیر عمد (ستون) کھڑا کیا۔

(سوال) اگر ستون نہیں ہیں تو آسمان کیسے کھڑے ہیں؟

(جواب) اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا . (اللہ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں۔)

خَلَقَ الْاَرْضَ اَوَّلًا فِیْ یَوْمَیْنِ ، ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَاءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَخَلَقَهَا فِیْ یَوْمَیْنِ ، ثُمَّ عَادَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِلَی الْاَرْضِ دَحَاهَا وَقَدْ قَدَّرَ فِیْهَا اَقْوَاتَهَا . (اللہ نے زمین کو پہلے دو دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ اس وقت دھواں تھا۔ پس آسمان کو بھی دو دنوں میں پیدا کیا۔ پھر اللہ نے زمین کو پھیلایا اور اس میں مخلوقات کی خوراک (اور ضرورت کی چیزیں) مقرر فرمائیں۔)

آسمانوں میں دروازے ہیں۔ تُصْعَدُ اَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَمَّا الْکُفَّارُ

فَلَا تُفْتَحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ .... (ایمان والوں کی روحیں اوپر چڑھتی ہیں، لیکن کافروں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔)

3 ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

ایمان لانے میں دو چیزوں کا دخل: ① حق میں غور کرتا ہے۔ ② توفیق الٰہی سے صحیح نتیجے پر پہنچتا ہے۔

(سوال) توفیق نہ ہونے پر غلط نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ توفیق نہ ہو تو بندے کا کیا قصور؟

(جواب) توفیق کا معنی ہے، اسباب خیر مہیا کر دینا۔

اللہ نے ہر انسان میں یہ استعداد رکھی ہے کہ عقل سلیم سے کام لے کر اچھائی اور برائی میں تمیز کرے۔ اسی استعداد و صلاحیت کو فطرت کہا جاتا ہے۔

4 ﴿وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ ...﴾

﴿قِطَعٌ﴾ اس کا معنی ہے: کُلُّ شَیْءٍ یَنْقَسِمُ اِلٰی اَجْزَاءٍ. (ہر وہ چیز جو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔) جیسے قصاب کسی جانور کے ٹکڑے کرے۔ اَلذَّبِیْحَةُ وَاحِدَةٌ. (ذبیحہ ایک ہی ہے۔) مگر پاؤں الگ، سر الگ، کتف (شانہ) الگ وغیرہ۔

اَلْمُؤَثِّرُ الْبِیْئِیُّ وَاحِدٌ. (ماحولیاتی موثر ایک ہے۔) زمین ایک، پانی ایک۔ سورج کی روشنی، چاند کی روشنی، ہوا، گرمی، سردی، سب ایک، لیکن کہیں زمین میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ ایک جڑ سے دو یا زیادہ تنے نکل آتے ہیں اور زمین کے ٹکڑے قریب قریب ہونے کے باوجود حمراء (لال)، سوداء (کالے)، سمراء (گندمی)، مالحہ (نمکین)، عذبہ (شیریں)، سبخہ (دلدلی)، خصبہ (زرخیز)۔

﴿مُّتَجٰوِرٰتٌ﴾ اَیْ مُتَقَارِبَاتٌ، یَقْرُبُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَهِیَ مُخْتَلِفَةٌ، هٰذِهٖ طَیِّبَةٌ تُنْبِتُ وَهٰذِهٖ سَبْخَةٌ لَا تُنْبِتُ. (تفسیر البغوی: ۳/ ۶) ''یعنی زمین کے یہ ٹکڑے قریب قریب ہیں، لیکن وہ مختلف (الگ الگ نوعیت کے) ہیں۔ یہ (زمین) اچھی (زرخیز) ہے جو اگاتی ہے اور یہ (دوسری زمین) کھاری

(بنجر) ہے جو نہیں اگاتی۔''

﴿ صِنْوَانٌ ﴾ ایک جڑ سے دو تنے۔

﴿ غَيْرُ صِنْوَانٍ ﴾ ایک جڑ سے ایک ہی تنا، جیسے کھجور کا درخت۔

﴿ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ﴾ يَتَصَعَّدُ الْمَاءَ عُلُوًّا عُلُوًّا وَلَيْسَ مِنْ طَبْعِهِ اِلَّا السُّفْلُ يَتفرَّقُ ذٰلِكَ الْمَاءُ فِى الْوَرَقِ وَالْاَغْصَانِ وَالثَّمَرِ بِقَدْرِ مَا فِيْهِ صَلَاحُهُ. (پانی اونچائی کی طرف بلند ہوتا رہتا ہے، حالانکہ اس کی فطرت میں نیچے کی طرف ہی رہنا ہے۔ پھر وہی پانی پتوں، شاخوں اور پھلوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، اس مقدار میں جس میں اس کی نشوونما ہو۔)

درختوں سے توحید پر استدلال : بیج زمین میں جاتا ہے، کونپل نکلتی ہے۔ جڑ نیچے چلی جاتی ہے، تنا اوپر چلا جاتا ہے اور شاخیں دائیں بائیں پھیل جاتی ہیں۔ جڑ، تنا، شاخیں، سب لکڑی ہیں اور لکڑی کی ایک ہی طبیعت ہے۔ طبیعت کا تقاضا ایک ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اس لکڑی کے طبعی افعال نہیں ہیں بلکہ ان مختلف افعال کا کوئی خارجی فاعل اور مرجح و مخصص ہے کہ جس حصے کو چاہتا ہے زمین کے اندر داخل کر دیتا ہے، جس حصے کو چاہتا ہے بلند کر دیتا ہے اور جس حصے کو چاہتا ہے دائیں بائیں پھیلا دیتا ہے۔

نظام کی وحدت تقاضا کرتی ہے کہ اس نظام کا خالق واحد ہو۔ زمین کی ماہیت اور حقیقت ایک ہے۔ قطعات مختلف ہیں۔ بعض قطعات زرخیز، بعض قطعات بنجر ہیں۔ بعض قطعات کے نیچے سے کھارا پانی نکلتا ہے۔ بعض کے نیچے سے میٹھا پانی نکلتا ہے۔ بعض قطعات ایسے ہیں کہ چند فٹ کھودو تو پانی نکل آتا ہے۔ بعض زمینوں کو سیکڑوں فٹ کھودو تو پانی نکلتا ہے۔ پس اس اختلاف کا کوئی سبب اور کوئی مخصص و مرجح ہونا چاہیے۔

5 ﴿ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ ... هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ﴾

① وَقَدْ عَلِمَ كُلُّ عَالِمٍ اَوْ عَاقِلٍ اَنَّ خَلْقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ. (ہر عالم یا عاقل شخص جانتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی

تخلیق، لوگوں کی تخلیق سے کہیں زیادہ بڑی ہے۔)

② وَاِنَّ مَنْ بَدَاَ الْخَلْقَ فَالْاِعَادَةُ عَلَيْهِ اَسْهَلُ . (جس نے پہلی بار تخلیق کی ابتدا کی تو اس کے لیے اسے دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے۔)

③ فَكَيْفَ يُنْكِرُوْنَ هٰذَا وَقَدْ خُلِقُوْا مِنْ تُرَابٍ ، وَلَمْ يَكُوْنُوْا شَيْئاً . (وہ اس کا انکار کیسے کر سکتے ہیں، جبکہ انھیں مٹی سے پیدا کیا گیا تھا اور وہ کچھ بھی نہ تھے؟)

6

﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ ... لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ○﴾

﴿ اَلْمَثُلٰتُ ﴾ یہ مَثُلَةٌ کی جمع ہے۔ سزا اور جرم میں مماثلت اور مشابہت کی وجہ سے بھی جرم کی سزا کو مَثُلَةٌ کہتے ہیں۔ سزا، جرم کا سایہ ہے۔

﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ﴾ يُفِيْدُ مِلْكِيَّةَ اللّٰهِ لِلْمَغْفِرَةِ مَعَ قُدْرَتِهِ عَلَى مَنْعِهَا اَوْ مَنْحِهَا ، اَمَّا التَّعْبِيْرُ : اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ، فَيُفِيْدُ الْجَدَارَةَ وَالْاِسْتِحْقَاقَ لِهٰذَا الْوَصْفِ . (یہ اللہ کی مغفرت پر مکمل ملکیت کو ظاہر کرتا ہے، اس کی اس قدرت کے ساتھ کہ وہ مغفرت کو روک بھی سکتا ہے اور عطا بھی کر سکتا ہے، جبکہ اهل المغفرة کی تعبیر اس صفت (مغفرت) کے لیے اہلیت اور استحقاق کو ظاہر کرتی ہے۔)

عَلَتِ الْمَغْفِرَةُ عَلَى الظُّلْمِ ، فَالظُّلْمُ يَتَطَلَّبُ الْعِقَابَ ، وَلٰكِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ لَمْ تُعَامِلِ الظَّالِمَ بِمَا يَسْتَحِقُّ لِاَنَّ رَحْمَتَهُ سَبَقَتْ غَضَبَهُ . (مغفرت، ظلم پر غالب ہے کیونکہ ظلم، سزا کا متقاضی ہوتا ہے، لیکن اللہ کی رحمت نے ظالم کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جس کا وہ مستحق تھا، اس لیے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی۔)

﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ قَرَنَ هٰذَا الْحُكْمَ بِاَنَّهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ، لِيَعْتَدِلَ الرَّجَاءُ وَالْخَوْفُ . (تفسير ابن كثير : ٤ / ٤٣٣) ”عفوو

درگزر کے ذکر کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس کا عذاب بھی بہت سخت ہے تاکہ امید وخوف میں توازن پیدا کیا جاسکے۔''

10 ﴿ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴾

اَلسُّكُوْنُ فِى اللَّيْلِ وَالْحَرَكَةُ فِى النَّهَارِ ، فَعَكَسُوا الْاَمْرَ .

(رات میں سکون اور دن میں حرکت ہوتی ہے، لیکن انھوں نے معاملہ الٹ دیا۔)

11 ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ ﴾

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : قَالَ : مَلَائِكَةٌ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ ، فَاِذَا جَاءَ قَدَرُهٗ خَلَّوْا عَنْهُ . (تفسیر الطبری : ۱۳ / ٤٥٨) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''فرشتے، انسان کی اگلی اور پچھلی جانب سے حفاظت کرتے ہیں، لیکن جب اس کی تقدیر (موت) آجاتی ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتے ہیں۔''

12 ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ﴾

قوانین القدر الکونی والقدر الشرعی میں ربط : اگر انسان اللہ کے شرعی قوانین کے سامنے جھک جائے تو اللہ اس کے لیے قوانین کونیہ کو جھکا دیتا ہے۔

مثال : اگر آدمی استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ موسلا دھار بارش بھیج دیتا ہے۔ ﴿ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ ﴾ (نوح : ۷۱ / ۱۰-۱۱) ''چنانچہ میں نے کہا، تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ بے شک وہ بڑا ہی بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا۔''

﴿ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ ، وَلَا يَزِيْدُ فِى الْعُمْرِ اِلَّا الْبِرُّ ﴾ (جامع الترمذی : ابواب القدر ، حدیث ۲۱۳۹ ، حکم الالبانی : حسن) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دعا کے سوا کوئی چیز تقدیر کو نہیں ٹالتی اور نیکی کے سوا کوئی چیز عمر میں اضافہ نہیں کرتی۔''

قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ -: مَا نَزَلَ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ ، وَلَا رُفِعَ اِلَّا بِتَوْبَةٍ . (الداء والدواء لابن القيم : ١ / ٧٤) علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "نہ کوئی بلا (مصیبت) گناہ کے بغیر نازل ہوتی ہے اور نہ کوئی بلا توبہ کے بغیر دور ہوتی ہے۔"

اِنَّ النِّعَمَ اِذَا شُكِرَتْ قَرَّتْ وَزَادَتْ ، وَاِذَا كُفِرَتْ فَرَّتْ . (بے شک نعمتوں پر جب شکر کیا جاتا ہے تو وہ قائم رہتی ہیں اور بڑھتی ہیں اور جب ان سے ناشکری کی جاتی ہے تو وہ چلی جاتی ہیں۔) فرمایا: ﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴾ (ابراهيم : ١٤ / ٧) "اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں تمھیں مزید دوں گا اور اگر تم کفر کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب بہت شدید ہے۔"

13 ﴿ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ ﴾

حَتَّى الرَّعْدُ فِيْهِ مُتَنَاقِضَاتٌ ، اِنَّهُ مُوْجِبٌ وَسَالِبٌ ، وَاِنَّهُ عَلَى ظَاهِرِهِ الْمُخِيْفِ يَحْمِلُ الْخَيْرَ وَالْمَطَرَ الَّذِيْ يُنْبِتُ الزَّرْعَ وَيَسْقِي النَّاسَ وَالْبَهَائِمَ . (یہاں تک کہ بادل کی گرج میں بھی تضادات ہیں۔ یہ مثبت اور منفی دونوں ہے اور یہ اپنی خوف ناک ظاہری شکل کے باوجود خیر اور بارش لاتا ہے جو کھیتی کو اگاتی ہے اور انسانوں اور جانوروں کو سیراب کرتی ہے۔)

اَلرَّعْدُ : اَلصَّوْتُ الَّذِيْ يُسْمَعُ مِنَ السَّحَابِ الْمُزْعِجِ الْمُخِيْفِ لِلْعِبَادِ . (رعد وہ آواز ہے جو بادلوں سے سنائی دیتی ہے اور جو بندوں کے لیے پریشان کن اور خوف ناک ہوتی ہے۔)

14 ﴿ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ... اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ ﴾

﴿ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ ﴾ یہاں نکرہ تحت النفی ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اَيْ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِاَيِّ شَيْءٍ ، اَيًّا كَانَ . (یعنی کفار انھیں (اپنے معبودوں کو) کسی بھی چیز میں جواب نہیں دیتے، خواہ وہ کچھ بھی ہوں۔)

﴿ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ﴾ وَالتَّعْلِيْقُ عَلَى الْمُحَالِ مِنْ اَبْلَغِ مَا يَكُوْنُ فِيْ نَفْيِ الشَّيْءِ . (اور محال پر کسی چیز کو معلق کرنا، کسی چیز کی نفی میں سب سے بلیغ طریقہ ہوتا ہے۔)

15 ﴿ وَظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴾

ظِلَالٌ سَاجِدَةٌ ، وَاَجْسَادٌ جَاحِدَةٌ . (سجدہ کرنے والے سائے اور انکار کرنے والے جسم۔)

قَالَ مُجَاهِدٌ : ظِلُّ الْمُؤْمِنِ يَسْجُدُ طَوْعاً وَهُوَ طَائِعٌ ، وَظِلُّ الْكَافِرِ يَسْجُدُ طَوْعًا وَهُوَ كَارِهٌ . (تفسير الطبرى : ١٣ / ٤٩٣) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''مومن کا سایہ خوشی سے سجدہ کرتا ہے، حالانکہ وہ فرماں بردار ہوتا ہے۔ کافر کا سایہ خوشی سے سجدہ کرتا ہے، حالانکہ وہ ناپسند کرتا ہے۔''

28 ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾

﴿ وَكَذٰلِكَ الْعَبْدُ لَا يَنْجُو مِنَ الشَّيْطَانِ اِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (مسند ابى داود الطيالسى : ١٢٥٧ ، الترغيب والترهيب : ٢٢٩٩ ، عن الحارث الاشعرى)

''اسی طرح بندہ، شیطان سے نجات نہیں پاسکتا، مگر اللہ کے ذکر کے ذریعے۔''

فَاِذَا اضْطَرَبَ الْقَلْبُ وَقَلِقَ ، فَلَيْسَ لَهُ مَا يَطْمَئِنُّ بِهٖ سِوَى ذِكْرِ اللّٰهِ . (مدارج السالكين لابن القيم : ٢ / ٤٨٠) ''جب دل بے چین ہو اور گھبرائے تو اسے اللہ کے ذکر کے سوا کسی چیز سے سکون نہیں ملتا۔''

سِرٌّ عَظِيْمٌ مِنْ اَسْرَارِ التَّوْحِيْدِ وَهُوَ اَنَّ الْقَلْبَ لَا يَسْتَقِرُّ وَلَا يَطْمَئِنُّ وَيَسْكُنُ اِلَّا بِالْوُصُوْلِ اِلَيْهِ . (الفوائد الامام ابن القيم : ص ٢٠٢) ''توحید کے عظیم رازوں میں سے ایک راز یہ ہے کہ دل نہ قرار پکڑتا ہے، نہ اطمینان پاتا ہے اور نہ سکون ہی حاصل کرتا ہے، مگر اللہ تک رسائی کے ذریعے۔''

عَنِ ابْنِ عَوْنٍ قَالَ : ذِكْرُ النَّاسِ دَاءٌ وَذِكْرُ اللّٰهِ دَوَاءٌ . (شعب

الایمان للبیهقی : حدیث ۷۰۳) امام ابن عون رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''لوگوں کا ذکر بیماری ہے، جبکہ اللہ کا ذکر دوا ہے۔''

قَالَ الْحَافِظُ الذَّهَبِیُّ مُعَلِّقاً : قُلْتُ : اِیْ وَاللّٰهِ ! فَالْعَجَبُ مِنَّا ، وَمِنْ جَهْلِنَا ، كَيْفَ نَدَعُ الدَّوَاءَ ، وَنَقْتَحِمُ الدَّاءَ ؟ (سیر اعلام النبلاء : ٦ / ٣٦٩) امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''میں نے کہا : ہاں، اللہ کی قسم! پس ہم پر اور ہماری جہالت پر تعجب ہے کہ ہم کیسے دوا کو چھوڑ دیتے ہیں اور بیماری میں کود پڑتے ہیں؟''

نکتہ : عِنْدَمَا يَعْتَرِضُكَ اَمْرٌ فَيَضْطَرِبُ قَلْبُكَ ، وَاسْتَعْمِلْهُ فِی الْحَالِ : اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ . (جب تمھیں کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس سے تمہارا دل گھبرا جائے تو فوراً اللہ کے ذکر کو استعمال کرو۔)

32
﴿ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴾

کافروں کے مصائب اور مسلمانوں کے مصائب میں فرق :

① کفار پر دنیا میں مصائب آتے ہیں جو ان کے حق میں سزا ہیں۔
② مسلمان گنہگاروں پر مصائب ان کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں۔
③ مسلمان نیکوکاروں پر مصائب پر صبر، درجات کی بلندی کا باعث ہیں۔

38
﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً ... لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ○ ﴾

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ شادیاں کیں۔ انتقال کے وقت نو بیویاں زندہ تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد شادیوں کی وجہ نفسانی خواہش نہ تھی۔ حکمت، اسلام کی تبلیغ تھی۔ دلیل یہ ہے کہ آپ نے پچاس سال تک ایک بیوہ کے ساتھ شادی کر کے زندگی گزاری۔

نکتہ : اسلام نے عورت کو فکر معاش سے آزاد کر رکھا ہے۔ یہ شوہر کی ذمے داری ہے کہ وہ سارے خرچ پورے کرے۔ فکر معاش سے بڑا کوئی دنیوی بوجھ نہیں۔ اللہ نے عورت کو

اس سے آزاد رکھا ہے۔

﴿ اَجَلٍ ﴾ هُوَ الْوَقْتُ الْمُوَقَّتُ لِحُصُوْلِ مَوْعُوْدٍ اَوْ اَمْرٍ مِنَ الْاُمُوْرِ . (کسی وعدے یا کسی معاملے کے وقوع پذیر ہونے کے لیے مقررہ کیا ہوا وقت اجل کہلاتا ہے۔)

39 ﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتَابِ ○ ﴾

اِذْ مَا مِنْ شَيْءٍ مِنَ الذَّاهِبِ وَالثَّابِتِ اِلَّا وَهُوَ مَكْتُوْبٌ فِيْهِ كَمَا هُوَ . (چونکہ جانے والی اور باقی رہنے والی کوئی بھی چیز ایسی نہیں، مگر یہ کہ وہ اسی طرح لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔)

﴿ وَيُثْبِتُ ﴾ مِنَ الْاِثْبَاتِ وَهُوَ جَعْلُ الشَّيْءِ ثَابِتاً قَارًّا فِيْ مَكَانٍ مَا . (یہ اثبات سے مشتق ہے اور اثبات کا معنی ہے، کسی چیز کو کسی خاص جگہ میں ثابت کرنا اور جمانا۔)

﴿ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴾ كِتَابٌ : اَيْ مَكْتُوْبٌ مُحَدَّدٌ ، لَا يَتَقَدَّمُهٗ وَلَا يَتَاَخَّرُ عَنْهُ . (یعنی وہ لکھا ہوا ہے اور متعین ہے۔ مقررہ حکم سے کوئی چیز پہلے ہو سکتی ہے نہ بعد میں۔)

قضائے معلق، قضائے مبرم : تقدیر معلق میں محو و اثبات ہوتا رہتا ہے۔ تقدیر مبرم، اللہ کے علم سے عبارت ہے۔ یہ اللہ کا آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

مثال : ایک شخص کے اولاد نہیں ہے۔ یہ تقدیر معلق ہے۔ اس نے دعا کی تو اولاد ہو گئی۔ اسے لاولد کی جگہ باولد (صاحب اولاد) لکھ دیا گیا۔ یہ تقدیر مبرم ہے۔

﴿ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴾ یہاں ''ام الکتاب'' سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی تقدیر مبرم کی طرف اشارہ ہے۔

دوسری مثال : ایک شخص کی عمر پچاس لکھی ہوئی ہے۔ اس نے رشتے داروں کے ساتھ نیکی کی تو اس کی عمر پچاس سال مٹا کر ساٹھ سال لکھ دی جاتی ہے۔ اگر نیکی نہ کرے تو اسی

طرح پچاس سال لکھی رہتی ہے، لیکن اللہ کو معلوم ہے کہ وہ ان کے ساتھ نیکی کرے گا یا نہیں۔ انجام کار اس کی عمر پچاس یا ساٹھ سال ام الکتاب میں لکھی رہتی ہے۔ یہی تقدیر مبرم ہے۔ اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

سورۂ ابراہیم

اکثر لوگوں سے سوال کیا جاتا ہے: مَا هِيَ اَعْظَمُ نِعَمِ اللّٰهِ عَلَيْكَ ؟ سَيُجِيْبُ بِالْاُمُوْرِ الْمَادِّيَّةِ : اَلزَّوْجَةِ ، الْاَوْلَادِ ، الْبَيْتِ ، الْمَالِ . (آپ پر اللہ کی سب سے بڑی نعمتیں کیا ہیں؟ وہ مادی چیزوں کے بارے میں جواب دے گا: بیوی، بچے، گھر، مال۔)

وَاِذَا سُئِلَ بِالْمُقَابِلِ عَنْ اَعْظَمِ مُصِيْبَةٍ ، سَيَذْكُرُ الْمَشَاكِلَ الدُّنْيَوِيَّةَ ، كَخَسَارَةِ الْمَالِ وَضَيَاعِ التِّجَارَةِ . (اگر اس کے برعکس سب سے بڑی مصیبت کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ دنیاوی مشکلات کا ذکر کرے گا، جیسے مال کا نقصان اور تجارت کا تباہ ہونا۔)

سورۂ ابراہیم بتاتی ہے کہ اِنَّ اَعْظَمَ نِعْمَةٍ فِي الْوُجُوْدِ هِيَ نِعْمَةُ الْاِيْمَانِ ، وَاِنَّ اَسْوَاَ مُصِيْبَةٍ هِيَ مُصِيْبَةُ الْكُفْرِ وَالْبُعْدِ عَنِ اللّٰهِ . (وجود میں سب سے بڑی نعمت ایمان کی نعمت ہے، جبکہ سب سے بدترین مصیبت کفر اور اللہ سے دوری کی مصیبت ہے۔)

5 ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ اللّٰهِ﴾

''ایام اللہ'' یعنی جن دنوں میں اللہ نے پچھلی قوموں پر عذابات نازل کیے، یا جن دنوں میں کسی قوم پر خاص نعمتیں نازل فرمائیں۔

7 ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾

فائدة تكتب بماء العين : ذَكَرَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ اللّٰهَ اسْتَثْنَى فِي الْقُرْآنِ وُعُوْداً كَثِيْرَةً وَعَلَّقَهَا بِالْمَشِيْئَةِ ، كَالْاِغْنَاءِ وَالْاِجَابَةِ

وَالرِّزْقِ : فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ، وَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ، اَمَّا وَعْدُهُ لِمَنْ شَكَرَ فَقَدْ ذَكَرَهُ بِلَا اسْتِثْنَاءٍ ، فَقَالَ : لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ .. (بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بہت سے وعدوں میں استثناء رکھا ہے اور انھیں اپنی مشیت پر معلق کیا ہے، جیسے غنی کرنا، دعا قبول کرنا اور روزی دینا۔ فرمایا ''پھر اگر اللہ چاہے گا تو تمھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔'' اور ''وہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے۔'' جبکہ شکر کرنے والوں کے لیے وعدے کو بغیر کسی استثناء کے ذکر کیا ہے اور فرمایا ''اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں تمھیں زیادہ دوں گا۔'')

18 ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ﴾

کفار کے اعمال کی راکھ سے تشبیہ : وجہ مشابہت یہ ہے کہ آندھی، راکھ کو اڑا لے جاتی ہے۔ اس کے ذرات منتشر ہو جاتے ہیں اور اس کا کوئی اثر، نشان اور خبر باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح کفار کے اعمال کو باطل کر دیا اور ان کا کوئی نشان نہ رہا۔

18-22 ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○﴾

کفار کے تین گمانوں کی تردید :

① ہم نے بھی تو دنیا میں بہت اچھے کام کیے ہیں۔ ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ﴾ (ابراهيم : ١٤ / ١٨) ''جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، ان کے (نیک) اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے جس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلی۔''

② ہمارے اکابر ہمیں عذاب الٰہی سے بچا لیں گے۔ ﴿وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ○﴾ (ابراهيم : ١٤ / ٢١) ''اور وہ سب (لوگ) اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو کمزور لوگ ان لوگوں سے کہیں گے جو (دنیا میں) تکبر

کرتے تھے، بے شک ہم تو تمہارے تابع تھے، پھر کیا تم ہم سے اللہ کا کچھ عذاب دور کر سکتے ہو؟ وہ کہیں گے، اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمھیں بھی ہدایت دیتے۔ اب ہمارے لیے برابر ہے، خواہ ہم روئیں پیٹیں یا صبر کریں۔ ہمارے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔''

③ کافر کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر جن ہستیوں کی پوجا کرتے تھے، وہ کام آئیں گے۔ ﴿ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾ (ابراهيم : ١٤ / ٢٢) ''اور جب (جنت یا جہنم کے) معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان کہے گا، بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا، اس کی میں نے خلاف ورزی کی اور میرا تم پر کوئی زور نہ تھا، مگر یہ کہ میں نے تمھیں دعوت دی تو تم نے میری بات مان لی، چنانچہ تم مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہارا فریاد رس ہوں اور نہ تم میرے فریاد رس ہو۔ بلاشبہ میں تو اس کا انکار کرتا ہوں جو تم اس سے پہلے مجھے (اللہ کا) شریک ٹھہراتے تھے۔ بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

جھوٹے معبودوں کی عبادت کا اصل محرک، ابلیس ہے۔ وہی صاف جواب دے دے گا۔

24 ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً ... ﴾

مِثْلَمَا يُثْمِرُ شَجَرُ الدُّنْيَا بِاَطْيَبِ الثِّمَارِ نَاكُلُهَا ، فَاِنَّ التَّوْحِيْدَ يُثْمِرُ فِي الْآخِرَةِ جَنَّةً وَنَعِيْمًا خَالِدًا . (جس طرح دنیا کے درخت انتہائی عمدہ پھل دیتے ہیں جو ہم کھاتے ہیں، اسی طرح توحید آخرت میں جنت اور

ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کا سبب بنے گی۔)

﴿كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ﴾ قَالَ الرَّبِيْعُ بْنُ اَنَسٍ هِيَ النَّخْلَةُ لِاَنَّ ثَمَرَهَا يُؤْكَلُ اَبَداً لَيْلًا وَنَهَاراً فَوَصَيْفاً وَشِتَاءً فَيُؤْكَلُ مِنْهَا الْجِمَارُ وَالطَّلْعُ وَالْبَلَحُ وَالْبُسْرُ وَالْمُنَصِّفُ وَالرُّطَبُ ، وَبَعْدَ ذٰلِكَ يُؤْكَلُ التَّمْرُ الْيَابِسُ اِلَى حِيْنِ الطَّرِيِّ الرَّطْبِ فَاَكْلُهَا دَائِمٌ فِيْ كُلِّ وَقْتٍ . (اعراب القرآن وبيانه : ٥ / ١٨٧-١٨٨) ''ربیع بن انس رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ (کلمہ طیبہ) کھجور کا درخت ہے کیونکہ اس کا پھل ہمیشہ کھایا جاتا ہے...... دن، رات، گرمی، سردی۔ اس سے جمار (کھجور کا گودا)، طلع (گابھا)، بلح (کچی کھجور)، بسر (پکی ہوئی قدرے سخت کھجور)، منصف (آدھی پکی اور آدھی کچی کھجور) اور رطب (نرم پکی ہوئی کھجور) کھائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد خشک کھجور بھی اس وقت تک کھائی جاتی ہے جب تک تازہ اور نرم کھجور نہ آجائے۔ پس اس کا کھانا ہر وقت جاری رہتا ہے۔''

25

﴿تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾

اَنَّ الشَّجَرَةَ لَا تَكُوْنُ شَجَرَةً اِلَّا بِثَلَاثَةِ اَشْيَاءَ : عِرْقٌ رَاسِخٌ ، وَاَصْلٌ قَائِمٌ ، وَفَرْعٌ عَالٍ ، كَذٰلِكَ الْاِيْمَانُ لَا يَتِمُّ اِلَّا بِثَلَاثَةِ اَشْيَاءَ : تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ ، وَقَوْلٌ بِاللِّسَانِ ، وَعَمَلٌ بِالْاَبْدَانِ . (تفسير البغوى : ٢ / ٥٥٦) ''تین چیزوں کے بغیر درخت، درخت نہیں بنتا : ① مضبوط جڑ، ② قائم تنا، ③ بلند شاخیں۔ اسی طرح ایمان بھی تین چیزوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا : ① دل سے تصدیق، ② زبان سے اقرار، ③ اعضاء سے عمل۔''

26

﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ ... مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ﴾

مَثَلُ الشِّرْكِ بِاللّٰهِ ، وَهِيَ الْكَلِمَةُ الْخَبِيْثَةُ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ ، اخْتَلَفَ اَهْلُ التَّاْوِيْلِ فِيْهَا اَيُّ شَجَرَةٍ هِيَ ؟ فَقَالَ اَكْثَرُهُمْ : هِيَ الْحَنْظَلُ . (تفسير الطبرى : ١٣ / ٦٥٢) ''اللہ کے ساتھ شرک کی مثال جو کلمہ خبیثہ

ہے جو ایک خبیث درخت کے مانند ہے۔ اہل تاویل نے اس میں اختلاف کیا کہ وہ کون سا درخت ہے؟ ان میں سے اکثر نے کہا کہ وہ حنظل (اندرائن کا پودا) ہے۔"

﴿مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ﴾ لَيْسَ لَهَا اَصْلٌ وَلَا فَرْعٌ ، وَلَيْسَتْ لَهَا ثَمَرَةٌ ، وَلَيْسَ فِيْهَا مَنْفَعَةٌ ، كَذٰلِكَ الْكَافِرُ لَيْسَ يَعْمَلُ خَيْراً وَلَا يَقُوْلُهُ ، وَلَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ فِيْهِ بَرَكَةً وَلَا مَنْفَعَةً . (الطبری : ۱۳ / ٦٥٧)

"اس درخت کی نہ تو کوئی جڑ ہوتی ہے اور نہ کوئی شاخ۔ نہ اس کا کوئی پھل ہوتا ہے اور نہ اس میں کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح کافر نہ کوئی خیر کا کام کرتا ہے اور نہ اسے کہتا ہے۔ اللہ نے اس میں کوئی برکت اور کوئی فائدہ نہیں رکھا۔"

35 ﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِناً ...﴾

(سوال) امن کو ایمان پر مقدم کیوں کیا؟

(جواب) قَدَّمَ طَلَبَ الْاَمْنِ عَلَى سَائِرِ الْمَطَالِبِ الْمَذْكُوْرَةِ بَعْدَهُ ، وَذٰلِكَ يَدُلُّ عَلَى اَنَّهُ اَعْظَمُ اَنْوَاعِ النِّعَمِ وَالْخَيْرَاتِ ، وَاَنَّهُ لَا يَتِمُّ شَيْءٌ مِنْ مَصَالِحِ الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا اِلَّا بِهِ ، فَاِنَّهُ اِذَا انْتَفَى الْاَمْنُ لَمْ يَفْرَغِ الْاِنْسَانُ لِشَيْءٍ آخَرَ مِنْ اُمُوْرِ الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا . (یہاں امن کے مطالبے کو اس کے بعد ذکر کیے گئے تمام مطالبات پر مقدم رکھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امن تمام نعمتوں اور بھلائیوں میں سب سے عظیم ہے اور یہ کہ دین و دنیا کے کسی بھی معاملے کا فائدہ امن کے بغیر مکمل نہیں ہوتا کیونکہ جب امن ختم ہو جاتا ہے تو انسان دین اور دنیا کے کسی دوسرے کام کے لیے فارغ نہیں ہو پاتا۔)

﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾ اور ﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾ میں فرق :

- سورۂ بقرہ میں ﴿بَلَدًا اٰمِنًا﴾ ہے۔ قَبْلَ عِمْرَانِ الْبَلَدِ ، لِلْمَكَانِ الْخَالِي الَّذِيْ تَرَكَ فِيْهِ زَوْجَتَهُ وَوَلَدَهُ . (شہر کے آباد ہونے سے پہلے

ہے، یعنی اس خالی جگہ کے لیے جہاں انھوں نے اپنی بیوی اور بچے کو چھوڑا تھا۔)

• ﴿ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا ﴾ سورۂ ابراہیم میں بعد عمران البلد (شہر کے آباد ہونے کے بعد) ہے۔

(سوال) امن افضل ہے یا صحت؟

(جواب) امن افضل ہے۔ بکری کے پاؤں ٹوٹ جائیں تو وہ چرے گی اور زندہ رہے گی، مگر اسے صحت کے ساتھ باندھ دیا اور بغل میں بھیڑیا باندھ دیا جائے تو وہ کھانے سے رک جائے گی اور مر جائے گی۔

صنم اور وثن میں فرق : اَلصَّنَمُ مَا جُعِلَ عَلَى صُوْرَةِ اِنْسَانٍ يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ، وَالْوَثَنُ مَا عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عَلَى اَیِّ وَجْهٍ كَانَ ، فَالْوَثَنُ اَعَمُّ مِنَ الصَّنَمِ . (صنم وہ ہے جو انسان کی شکل پر بنایا گیا ہو اور اللہ کے سوا پوجا جاتا ہو، جبکہ وثن وہ ہے جس کی اللہ کے سوا کسی بھی شکل میں پوجا کی جاتی ہو۔ پس وثن، صنم سے زیادہ عام ہے۔)

﴿ رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ... لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ○ ﴾ 37

﴿ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ اللہ کے نزدیک توحید کے بعد سب سے محبوب عمل نماز ہے۔ اسی وجہ سے اسے مقدم کیا۔

﴿ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیٓ اِلَيْهِمْ ﴾ خُذْ بِقُلُوْبِ النَّاسِ اِلَيْهِمْ ، فَاِنَّهُ حَيْثُ يَهْوَى الْقَلْبُ يَذْهَبُ الْجَسَدُ ، فَلِذٰلِكَ لَيْسَ مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَقَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِحُبِّ الْكَعْبَةِ . (ابن ابی حاتم : ۷ / ۲۲۵۰)
"لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف لے جاؤ کیونکہ دل جس چیز کی طرف جھکتا ہے، جسم وہیں جاتا ہے۔ اسی وجہ سے کوئی ایسا مومن نہیں جس کا دل کعبہ کی محبت سے معلق نہ ہو۔"

اگر یہاں اَفْئِدَةَ النَّاسِ کہا جاتا تو حج سب پر فرض ہو جاتا، لیکن اَلْحَجُّ لَا يَجِبُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ ، اِنَّمَا يَجِبُ عَلَى كُلِّ مَنْ كَانَ قَادِرًا . (حج

ہر ایک پر فرض نہیں ہے بلکہ یہ صرف اس پر فرض ہے جو اس کی قدرت رکھتا ہو۔)

48 ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ﴾

ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی آیا۔ اس نے پوچھا ''جب یہ زمین دوسری زمین سے بدلی جائے گی، اس وقت لوگ کہاں ہوں گے؟'' آپ نے فرمایا ''پل صراط کے ایک اندھیرے میں۔'' (مسلم : الحيض ، حديث ۳۱۵)

ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری نے جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن یہ زمین اس طرح کھینچی جائے گی جیسے چمڑے کو کھینچا جاتا ہے جس سے اس کی سلوٹیں اور شکنیں نکل جائیں گی۔ (مستدرک حاکم : العلم ، حديث ۸۷۰۱)

35-41 ﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِناً ... يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ○﴾

ابراہیم علیہ السلام نے یہاں سات دعائیں کیں :

① مکہ کو امن والا بنا۔
② اولاد کو توحید پر قائم رکھ۔
③ گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے لیے دعا کی۔
④ دنیا کی سہولت، پھلوں سے روزی دے وغیرہ۔
⑤ حوادث و مصائب سے محفوظ رکھ۔
⑥ ان دعاؤں کو قبول کر۔ (دعاؤں کے بعد ان کی قبولیت کی دعا کی۔)
⑦ اپنے لیے دعا بھی کی، جبکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔
⑧ والدین اور مسلمانوں کے لیے دعا کی۔ (یعنی پہلے اپنے لیے دعا کرے۔)

پارہ نمبر ۱۴

سورۂ حجر

حجر سے مراد وہ علاقے ہیں جہاں صالح علیہ السلام کی قوم، قوم ثمود آباد تھی۔

نکتہ : اس سورت میں کل ۹۹ آیات ہیں اور اللہ کے اسمائے حسنیٰ بھی ۹۹ ہیں۔

2 ﴿ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... ﴾

لفظ ﴿ رُبَمَا ﴾ قرآن میں صرف ایک بار آیا ہے۔

علمائے کرام رُبَّ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ صرف اسم پر داخل ہوتا ہے۔ جب یہ فعل پر داخل ہوتا ہے تو درمیان میں مَا آتا ہے۔ رُبَّمَا دراصل رُبَّ کی مخفف شکل ہے۔

بعض کوفیوں نے اسے بہ تخفیف الباء رُبَمَا پڑھا ہے، جبکہ کوفہ اور بصرہ کے عام قاریوں نے اسے بہ تشدید الباء رُبَّمَا پڑھا ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ دونوں مشہور لغتیں ہیں اور قاری ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ قراءت کرلے تو وہ مصیب (صحیح پڑھنے والا) ہوگا۔ (تفسیر الطبری : ١٤ / ٦)

کبھی رُبَّ فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے، لیکن یہاں یہ فعل مضارع پر اس کے وقوع کو یقینی بنانے کے لیے داخل ہوا ہے، لہٰذا اللہ کے نزدیک یہ معنی میں فعل ماضی کی طرح ہے اور ﴿ كَانُوْا ﴾ میں ماضی کا معنی لفظاً موجود ہے۔ رُبَّمَا کبھی تقلیل کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی تکثیر کے لیے بھی استعمال ہوسکتا ہے۔ یہاں یہ تکثیر کے معنی میں ہے جس کا معنی یہ ہے کہ بہت سارے اوقات میں کافر شدید تمنا کریں گے کہ کاش!......

سوال وہ کیا تمنا کریں گے؟

جواب يَتَمَنَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا : لَوْ كَانُوْا مُوَحِّدِيْنَ . (الطبری : ١٤ / ٩)

”کافر تمنا کریں گے کہ کاش! وہ موحد ہوتے۔“

سوال کافر کب تمنا کریں گے؟

جواب اس آیت اور دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمنا کئی مواقعوں پر ظاہر ہوگی جن میں سے کچھ اہم مواقع درج ذیل ہیں :

① موت کے وقت اور عالم برزخ میں

② قیامت کے دن اور حساب کتاب کے وقت

③ جہنم میں داخل ہوتے وقت یا وہاں عذاب کا سامنا کرتے وقت

④ جب گنہگار موحدین کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

3 ﴿ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ﴾

﴿وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ﴾ لہو کا معنی ہے، کسی ایسے غیر مفید کام میں مشغول ہونا جس کی وجہ سے مفید کام ترک ہو جائے۔

قَالَ الْحَسَنُ : مَا اَطَالَ عَبْدٌ الْاَمَلَ اِلَّا اَسَاءَ الْعَمَلُ . (حلية الاولياء : ۸ / ۹۹) امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”جس بندے نے اپنی آرزوئیں دراز کیں، اس کا عمل خراب ہو گیا۔“

6 ﴿اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ﴾

اس شبہ کا جواب بدیہی ہے کہ آپ نے ایسا حکیمانہ کلام پیش کیا ہے جو کسی ہوش مند انسان سے متصور نہیں، چہ جائیکہ وہ مجنون ہو۔

7 ﴿لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○﴾

سوال آپ کی تائید میں فرشتہ کیوں نہیں اترا؟

جواب اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آتا تو وہ نہ دیکھ سکتے تھے اور نہ اس کا کلام سن سکتے تھے۔ اگر انسانی پیکر میں آتا تو پھر شبہ پڑ جاتا کہ یہ تو انسان ہے۔ یہ فرشتہ کیسے ہو سکتا ہے؟

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ○﴾ 9

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : تَكَفَّلَ اللّٰهُ لِمَنْ قَرَاَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اَنْ لَا يَضِلَّ فِي الدُّنْيَا وَلَا يَشْقٰى فِي الْآخِرَةِ . (تفسير من آيات القرآن الكريم لمحمد بن عبد الوهاب : ١ / ٢٦٥-٢٦٦) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے ضمانت دی ہے جو قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے کہ وہ دنیا میں کبھی گمراہ نہیں ہوگا اور آخرت میں بدبخت نہیں ہوگا۔“

مَحْفُوْظٌ عَنِ التَّحْرِيْفِ ، وَمَحْفُوْظٌ عَنِ النَّقْصِ ، وَصَفَ اللّٰهُ الْقُرْآنَ بِوَصْفَيْنِ . (قرآن تحریف سے محفوظ ہے اور نقص سے محفوظ ہے۔ اللہ نے قرآن کو ان دو صفات سے موصوف فرمایا ہے۔)

حفاظت کے تین طریقے ہیں :

① حفظ ② کتابت ③ تسجیل (ریکارڈنگ)

﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ ... لَهٗ سَاجِدِيْنَ ○﴾ 29

﴿وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ﴾ وَاَصْلُ النَّفْخِ : اِجْرَاءُ الرِّيْحِ فِيْ تَجْوِيْفِ جِسْمٍ آخَرَ . (نفخ کی اصل ہے، کسی دوسرے جسم کے خالی حصے میں ہوا داخل کرنا۔)

﴿فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ﴾ مَعْنَاهُ خَرُّوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ ، وَهٰذَا سُجُوْدُ تَحِيَّةٍ وَتَكْرِيْمٍ ، لَا سُجُوْدُ عِبَادَةٍ ، فَالْعِبَادَةُ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ . (اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر گئے۔ یہ تحیت اور تکریم کا سجدہ تھا، نہ کہ عبادت کا! کیونکہ عبادت صرف اللہ کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔)

اَنَّ هٰذَا اِخْبَارٌ عَنْ اَحْوَالِ الْعَالَمِ الْعُلْوِيِّ ، وَلَا تُقَاسُ اَحْكَامُهٗ عَلٰى تَكَالِيْفِ عَالَمِ الدُّنْيَا . (التحرير والتنوير : ١٤ / ٤٥) ”بے

شک یہ (فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا) عالم علوی (بالائی دنیا) کے احوال کے بارے میں خبر ہے۔ اس کے احکام کو دنیاوی عالم (زمین) کی تکالیف پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔"

44 ﴿لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ﴾

صحیح بات تو یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا کام فقط استسلام ہے۔ کیوں، اگر، مگر نہیں۔

کچھ فقہاء اور علماء نے اس کا جواب دیا ہے۔

جہنم کے سات دروازے مکلف اعضائے انسانیہ کے گناہوں کے باعث ہیں۔

وَأَعْضَاءُ التَّكْلِيفِ هِيَ : اَلسَّمْعُ ، وَالْبَصَرُ ، وَاللِّسَانُ ، وَالْيَدَانِ ، وَالْقَدَمَانِ ، وَالْفَرْجُ ، وَالْبَطْنُ . (مکلف ہونے کے اعضاء یہ ہیں: کان، آنکھ، زبان، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، شرم گاہ اور پیٹ۔)

ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ جَعَلَ ثَمَانِيَةَ أَبْوَابٍ لِلْجَنَّةِ ، لِأَنَّ الْجَنَّةَ فَضْلٌ مِنَ اللّٰهِ وَالنَّارُ عَدْلٌ ، وَالْفَضْلُ أَكْثَرُ مِنَ الْعَدْلِ ، وَالْجَنَّةُ مِنَ الرَّحْمَةِ ، وَالنَّارُ مِنَ الْغَضَبِ ، وَالرَّحْمَةُ سَابِقَةٌ وَغَالِبَةٌ عَلَى الْغَضَبِ . (اللہ نے جنت کے آٹھ دروازے بنائے ہیں کیونکہ جنت اللہ کا فضل ہے اور دوزخ اس کا عدل ہے۔ فضل، عدل سے زیادہ ہوتا ہے۔ جنت، رحمت سے بنی ہے اور دوزخ، غضب سے۔ رحمت، غضب پر سبقت اور غالب ہے۔)

46 ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ آمِنِيْنَ ○﴾

﴿عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ الْجَنَّةُ : اللّٰهُمَّ أَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ﴾ (سنن الترمذی : ابواب صفة الجنة ، حديث ٢٥٧٢ ، حكم الالبانی : صحيح) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو اللہ تعالیٰ سے تین بار جنت مانگتا ہے تو جنت کہتی ہے: اے اللہ! اسے جنت میں

داخل کر دے۔ جو بھی تین مرتبہ جہنم سے پناہ مانگتا ہے تو جہنم کہتی ہے: اے اللہ! اسے جہنم سے نجات دے۔''

47 ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ ... عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ ○﴾

وہ ایک دوسرے کے مقابل اور آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ وہ ایک دوسرے کی طرف پشت کر کے نہیں بیٹھے ہوں گے کیونکہ ایک دوسرے کے خلاف ان کے دلوں میں کینہ اور بغض نہ ہوگا۔

48 ﴿لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ﴾

وَصَبٌ اور نَصَبٌ میں فرق: اَلْوَصَبُ: شِدَّةُ الْمَرَضِ، النَّصَبُ: شِدَّةُ التَّعَبِ. (وصب سے مراد شدید بیماری ہے اور نصب سے مراد شدید تھکاوٹ ہے۔)

49-50 ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ ... هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○﴾

تاکہ انسان کا دل ہمیشہ خوف اور رجاء کے درمیان رہے۔ جب اللہ کی رحمت پر نظر کرے تو امید پیدا ہو اور جب اپنے گناہوں کو دیکھے تو خوف پیدا ہو۔

65 ﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ ... حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ○﴾

﴿وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ﴾ وَاَنْ يَكُوْنَ لُوْطٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَمْشِيْ وَرَاءَهُمْ، لِيَكُوْنَ اَحْفَظَ لَهُمْ. (تفسير ابن كثير: ٤ / ٥٤١) ''(فرشتوں نے فرمایا) کہ لوط علیہ السلام ان سب کے پیچھے پیچھے چلیں تاکہ یہ امر ان کے لیے زیادہ موجب حفاظت ہو۔'' جبکہ عام طور پر بڑے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ مصیبت کے وقت سب سے زیادہ انھیں اپنی فکر ہوتی ہے، نہ کہ قوم کی۔

﴿وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ﴾ پیچھے مڑ کر دیکھنے والے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو اسے یقین نہیں کہ عذاب آئے گا یا نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ہلاک ہونے والوں کے لیے اپنے دل میں کوئی نرم گوشہ رکھتا ہو۔

72 ﴿لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝﴾

لِلْهَوَى سُكْرٌ اَشَدُّ مِنْ سُكْرِ الْخَمْرِ ، وَمَا اَكْثَرَ مَخْمُوْرِي الْعُقُوْلِ بِالْاَهْوَاءِ وَالشَّهَوَاتِ . (خواہشات کا نشہ، شراب کے نشے سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔ ہوس پرستیوں اور خواہشات کے سبب کتنے ہی لوگ ہیں جن کی عقلیں نشے میں دھت ہیں!)

سلف میں سے کسی کا بھی اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ یہ نبی ﷺ کا امتیازی وصف ہے جو کسی دوسرے نبی کے حصے میں نہیں آیا۔ اللہ کا آپ ﷺ کی عمر کی قسم کھانا آپ کی عظمت کو چار چاند لگا دیتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : مَا خَلَقَ اللّٰهُ وَمَا ذَرَاَ وَمَا بَرَاَ نَفْساً اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَمَا سَمِعْتُ اللّٰهَ اَقْسَمَ بِحَيَاةِ اَحَدٍ غَيْرِهِ . (تفسیر ابن ابی حاتم : ۷ / ۲۲۶۹) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ”اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی جان پیدا نہیں کی، نہ کوئی چیز (زمین میں) اگائی اور نہ کوئی مخلوق بنائی جو محمد ﷺ سے زیادہ اس کے نزدیک معزز ہو۔ میں نے اللہ تعالیٰ کو کسی کی زندگی کی قسم کھاتے ہوئے نہیں سنا، سوائے آپ ﷺ کی زندگی کی۔“

آپ ﷺ نے ایسی زندگی گزاری جو اللہ کو محبوب ہے۔ کسی رسول کی پوری زندگی اور سیرت محفوظ نہیں ہے۔ یہ صرف آپ ﷺ کا امتیاز ہے کہ پیدائش سے لے کر موت تک آپ کی زندگی کا ہر ہر باب محفوظ ہے۔

76 ﴿وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝﴾

سدوم : حجاز سے شام جاتے ہوئے اور عراق سے مصر جاتے ہوئے یہ علاقہ راستے میں پڑتا ہے۔ یہ بحیرۂ مردار کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے۔ خصوصاً اس کے جنوبی حصے کے متعلق جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ یہاں اس درجہ ویرانی پائی جاتی ہے جس کی نظیر

روئے زمین پر کہیں نہیں دیکھی گئی۔

80 ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ○﴾

﴿الْحِجْرِ﴾ اسی سے حِجَارَۃٌ ہے۔ یہ پہاڑ کے پتھروں سے گھر تراشتے تھے۔ حجر کے معنی ''روک'' کے ہیں۔ یعنی ہم ہر طرح محفوظ ہیں۔ کوئی آفت ہم تک نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ نے ہوا کا عذاب بھیج دیا کیونکہ ہوا تو ہر جگہ پہنچتی ہے۔

اَلْحِجْرُ: هُوَ مَكَانٌ سَكَنَتْ فِيْهِ ثَمُوْدَ. (حجر وہ جگہ ہے جہاں قوم ثمود آباد تھی۔)

ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء علیہم السلام کی تکذیب ہے، اس لیے ان کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے رسولوں کو جھٹلا دیا۔ (روح المعانی : ۷ / ۳۱۸)

وادیٔ حجر : عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ (سفر کرنے والے) لوگ حجر میں ٹھہرے جو قوم ثمود کی سرزمین ہے۔ مسلمانوں نے اس کے کنویں سے پانی پیا اور آٹا گوندھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ انھوں نے اس کنویں سے جو پانی نکالا ہے، اسے انڈیل دیں اور گندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیں، نیز انھیں حکم دیا کہ وہ اس کنویں سے پانی نکالیں جہاں (صالح علیہ السلام کی) اونٹنی آیا کرتی تھی۔ (مسلم : کتاب الزهد، حديث ۲۹۸۱)

نکتہ : حتی الامکان رزق اور مال کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

85 ﴿وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾

عُشَّاقُ الْاٰخِرَةِ لَا وَقْتَ لَدَيْهِمْ لِلْعَدَاوَاتِ وَالضَّغَائِنِ وَتَوَافِهِ الْاُمُوْرِ. (آخرت سے محبت کرنے والوں کے پاس دشمنیوں، کینوں اور فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ہوتا۔)

قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ: اَلصَّفْحُ الْجَمِيْلُ صَفْحٌ لَا تَوْبِيْخَ فِيْهِ وَلَا حِقْدَ بَعْدَهُ. (سراج الملوک للطرطوشی : ص ۷۸) علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

"خوب صورت معافی وہ ہے جس میں نہ کوئی سرزنش ہو اور نہ اس کے بعد کوئی کینہ ہو۔"

87 ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ ○﴾

جسے قرآن مجید جیسی نعمت مل جائے، اسے دنیا کی زینت کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں۔

88 ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى ... وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○﴾

اسلام میں دین اور دنیا کا امتزاج ہے۔

﴿عَنْ اَنَسٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : حُبِّبَ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيْبُ ، وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ﴾ (سنن النسائی : کتاب عشرة النساء ، حدیث ۳۹۳۹ ، حکم الالبانی : حسن صحیح) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دنیا میں سے میرے نزدیک عورت اور خوشبو کی محبت ڈالی گئی ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔"

عورتوں کی طرف رغبت ڈالی گئی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کریں، آپ کی زندگی میں شوہر کا نمونہ ملے اور امت تک آپ کی گھریلو زندگی کا نمونہ پہنچے۔

آپ کا مزاج نفیس تھا۔ آپ خوشبو لگاتے تھے تو بدن خوشبو دار تھا۔ آپ کی آنکھیں اس وقت ٹھنڈی ہوتیں جب آپ مولیٰ سے مناجات کر رہے ہوتے۔

عورت سے بدن کو سکون، خوشبو سے دماغ کو سکون اور نماز سے روح کو سکون ملتا ہے۔

انسان نہ تو دنیا کی زیب و زینت میں مستغرق ہو کر اللہ کو بھول جائے اور نہ جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل کر دنیاوی ذمے داریوں کو یکسر فراموش کر دے۔

﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ اس کے تین معانی ہو سکتے ہیں :

① لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ : لِكَوْنِهِمْ لَمْ يُؤْمِنُوْا . (ان کے ایمان نہ لانے کی

وجہ سے ان پر غم نہ کرو۔)

② لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ : لِمَا مَتَّعْنَاهُمْ بِهِ مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ، فَاِنَّ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَكَ الآخِرَةُ . (ان پر غم نہ کرو، اس پر جو ہم نے انھیں دنیاوی زندگی میں فائدہ دیا ہے کیونکہ ان کے لیے دنیا ہے اور تمہارے لیے آخرت ہے۔)

③ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ : لِاَنَّهُمْ صَائِرُوْنَ اِلَى الْعَذَابِ ، لِاَنَّهُمْ اَهْلُ الْعَذَابِ . (ان پر غم نہ کرو کیونکہ وہ عذاب کی طرف جانے والے ہیں، اس لیے کہ وہ عذاب کے حق دار ہیں۔)

﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

90 ﴿ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ○ ﴾

مشرکین مکہ نے مکہ کی گھاٹیوں اور راستوں کو آپس میں تقسیم کر لیا تھا۔ وہ ان راستوں سے مکہ کی طرف آنے والے لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی باتوں سے دھوکا نہ کھانا کیونکہ وہ دیوانہ ہے۔ کبھی کہتے کہ وہ جادوگر ہے۔ کبھی کہتے کہ شاعر ہے۔ کبھی کہتے کہ کاہن ہے۔

91 ﴿ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِيْنَ ○ ﴾

﴿ عِضِيْنَ ﴾ باب نَصَرَ سے ہے۔ یہ عَضَّيْتُ الشَّيْءَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی چیز کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا کے ہیں۔ ہر ٹکڑا عِضَةٌ (اَیْ قِطْعَةٌ) کہلاتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ﴿ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِيْنَ ﴾ سے مراد اہل کتاب ہیں جنھوں نے اپنی کتاب کو کئی اجزاء میں تقسیم کر دیا اور ان میں سے بعض کے ساتھ تو ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا۔ (صحيح البخاري : كتاب التفسير ، حديث ٤٧٠٥)

قرآن کو کفار کبھی سحر، کبھی جنون اور کبھی کہانت وغیرہ کہتے۔

95 ﴿اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝﴾

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اس کی نظیر وہ ہے جو ہمیں متعدد عادل، فقیہ اور تجربہ کار مسلمانوں نے بیان کیا ہے، اس بارے میں جو انھوں نے شام کے ساحلوں پر واقع قلعوں اور شہروں کے محاصرے کے دوران میں بارہا تجربہ کیا۔ جب ہمارے زمانے میں مسلمانوں نے بنی اصفر (رومیوں) کو ان میں گھیر لیا تھا تو انھوں نے بتایا: ہم قلعے یا شہر کا ایک مہینے یا اس سے زیادہ عرصے تک محاصرہ کرتے تھے اور وہ قلعہ فتح نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ ہم تقریباً ناامید ہو جاتے تھے۔ پھر جب اس کے مکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتے اور آپ کی عزت پر حملہ کرتے تو ہمارے لیے فتح آسان ہو جاتی اور اس میں ایک یا دو دن سے زیادہ تاخیر نہیں ہوتی تھی...... انھوں نے کہا: یہاں تک کہ ہم تو فتح کی تعجیل پر خوشیاں مناتے تھے جب ہم انھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایسی باتیں کرتے سنتے تھے، حالانکہ ہمارے دل ان کی کہی ہوئی باتوں پر غصے سے بھرے ہوتے تھے۔'' (الصارم المسلول : ۱ / ۱۱۷)

97 ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ ... مِّنَ السَّاجِدِيْنَ ۝﴾

دل گھبرائے تو نماز پڑھیے۔

ضیق صدر (سینے کی تنگی) کا علاج: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝﴾ (الحجر : ۱۵ / ۹۸) ''آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور سجدہ گزاروں میں سے ہو جائیے۔''

ہارٹ پیشنٹس (دل کے مریض) تسبیح اور تحمید کریں۔

سورۂ نحل

سورۂ نحل کو ''سورۃ النعم'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں اللہ کی بے شمار نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

سورۂ نحل کے آغاز میں ہے: ﴿ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ﴾ ''اللہ عزوجل کا حکم آ پہنچا، لہٰذا تم اسے عجلت سے نہ مانگو۔'' جبکہ اس کے آخر میں ہے: ﴿ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ ... ﴾ ''اگر تم صبر کرو......'' اور صبر، عدم استعجال (جلدی نہ کرنا) کے مناسب ہے۔

شروع میں آیا: ﴿ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴾ ''اس بات سے آگاہ کر دو کہ بلاشبہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں، لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرو۔''

کیسے آگاہ کیا جائے؟ یہ آخر میں آیا ہے: ﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دیجیے اور ان سے احسن طریقے سے گفتگو کیجیے۔''

یہ سورت تقوے سے شروع ہوتی اور تقوے پر ختم ہوتی ہے۔

نکتہ: اللہ کی محبت بڑھانے کا پہلا راستہ تذکر نعم اللہ (اللہ کی نعمتوں کو یاد کرنا) ہے کیونکہ فَالنُّفُوْسُ جُبِلَتْ عَلَى حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهَا. (انسانوں کی فطرت اس طرح بنائی گئی ہے کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان پر احسان کرتے ہیں۔)

مزید نکات:

① اس سورت میں ۹۹ آیات ہیں اور اللہ کے ۹۹ اسمائے حسنیٰ ہیں۔

② اس سورت میں سب سے اطول کلمہ آیا ہے جو ﴿ فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ﴾ ہے۔

③ پورے قرآن میں لفظ ﴿ رُبَمَا ﴾ (تخفیف کے ساتھ) آتا ہے۔

④ یہ واحد سورت ہے جس میں آیت حفظ آئی ہے۔

⑤ ﴿ عِضِيْنَ ﴾ صرف اسی سورت میں آیا ہے۔

⑥ ﴿ لَعَمْرُكَ ﴾ کے ذریعے اس میں اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔

1 ﴿اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ﴾

اتی اور جاء کا فرق : اَتٰی : جَاءَ مِنْ مَكَانٍ قَرِيْبٍ ، وَجَاءَ : جَاءَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيْدٍ . (''اتی'' کا معنی ہے، قریب جگہ سے آیا، جبکہ ''جاء'' کا معنی ہے، دور جگہ سے آیا۔)

﴿اَتٰی﴾ کہہ کر ڈرایا گیا کہ قیامت قریب ہے۔

2 ﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ ...﴾

اَلْقُرْآنُ رُوْحٌ وَبِهٖ حَيَاةُ الرُّوْحِ ، كَمَا اَنَّ الرُّوْحَ حَيَاةُ الْبَدَنِ . (قرآن روح ہے اور اسی سے روح کو زندگی ملتی ہے، جیسے روح بدن کی زندگی ہے۔)

4 ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾

خَلَقَ اللّٰهُ الْاِنْسَانَ وَدُنْيَاهُ ثُمَّ يَقُوْلُ لِرَبِّهٖ : لَا يَدْخُلْ دِيْنُكَ فِيْ دُنْيَانَا . (اللہ نے انسان اور اس کی دنیا کو پیدا کیا، پھر انسان اپنے رب سے کہتا ہے کہ تیرا دین ہماری دنیا میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔)

11 ﴿يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ ...﴾

مِنَ اللَّطِيْفِ اَنَّ مَمْلَكَةَ النَّخْلِ قَائِمَةٌ عَلَى الْاِنَاثِ وَلَيْسَ عَلَى الذُّكُوْرِ ، وَكَذٰلِكَ فِى الْمُجْتَمَعِ تَلْعَبُ الْاُمَّهَاتُ الدَّوْرَ الْاَسَاسِيَّ فِيْ اِقَامَةِ الْحَضَارَةِ وَبُنْيَانِهَا . (یہ ایک لطیف بات ہے کہ کھجوروں کی مملکت مادہ درختوں پر قائم ہے، نہ کہ نر درختوں پر۔ اسی طرح معاشرے میں بھی مائیں تہذیب کی بنیاد رکھنے اور اسے پروان چڑھانے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔)

14 ﴿وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْماً طَرِيًّا﴾

اَلتَّسْخِيْرُ : تَمْكِيْنُ الْبَشَرِ مِنَ التَّصَرُّفِ فِيْهِ وَتَذْلِيْلِهٖ بِالرُّكُوْبِ ، فَلَوْ شَاءَ سَلَّطَهُ عَلَيْنَا وَاَغْرَقَنَا . (تسخیر کا مطلب ہے،

انسان کو اس میں تصرف کرنے پر قادر بنانا اور سواری کے لیے اسے تابع بنانا۔ اگر وہ چاہتا تو اسے ہم پر مسلط کر دیتا اور وہ ہمیں غرق کر دیتا۔)

سمندر کا پانی سخت کھاری اور کڑوا ہوتا ہے۔ اس میں پلنے والی مچھلی کے گوشت میں کڑواہٹ کا شائبہ نہیں ہوتا۔ پس پاک ہے وہ ذات جو ضدین کو جمع کرنے پر قادر ہے۔

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو ساحل سمندر پر عنبر مچھلی ملی۔ وہ ایک ماہ تک وہ مچھلی کھاتے رہے، یہاں تک کہ خوب موٹے ہو گئے۔ (صحیح البخاری : کتاب الالشرکة ، حدیث ۲٤۸۳)

اتفاق : اتفاق میں دوام، ربط اور تسلسل نہیں ہوتا۔ سیب کے درخت میں ہمیشہ سیب ہی لگتا ہے، آم یا امرود کیوں نہیں لگتا؟

15 ﴿وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ﴾

میل اور مید میں فرق : اَلْمَیْلُ یَكُوْنُ فِیْ جَانِبٍ وَاحِدٍ ، وَالْمَیْدُ هُوَ اَنْ یَمِیْلَ مَرَّةً یَمْنَةً وَمَرَّةً یَسْرَةً ، وَمِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالٰی : وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ، اَیْ لِكَیْلَا تَضْطَرِبَ یَمْنَةً وَیَسْرَةً . (معجم الفروق اللغوية للعسكری) ''میل ایک ہی جانب ہوتا ہے، جبکہ مید یہ ہے کہ کوئی چیز ایک بار دائیں اور ایک بار بائیں جھکے۔ اسی سے اللہ کا یہ فرمان ہے (اور ہم نے پہاڑ بنائے تاکہ وہ ان کے ساتھ جھکنے نہ پائے۔) یعنی تاکہ وہ دائیں بائیں نہ جھکے۔''

18 ﴿وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللهِ ... لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾

یَرْضَی مِنْكُمْ بِالْیَسِیْرِ مِنَ الشُّكْرِ مَعَ اِنْعَامِهِ الْكَثِیْرِ . (اللہ عز وجل تم سے اپنے بہت زیادہ انعامات کے باوجود تھوڑے سے شکر پر خوش ہو جاتا ہے۔)

نعمت و مغفرت میں ربط : نعمتیں غیر متناہی ہیں تو ان کا شکر بھی غیر متناہی ہونا چاہیے۔ انسان متناہی وقت میں غیر متناہی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت و رحمت کا ذکر فرمایا۔ اگر اس کی نعمتوں کا کما حقہ شکر ادا نہ کر سکو تو وہ غفور رحیم ہے۔

23 ﴿لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ ... يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝﴾

مَرَّ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَى مَسَاكِيْنَ يَأْكُلُوْنَ فَدَعَوْهُ فَأَجَابَهُمْ وَأَكَلَ مَعَهُمْ ، وَتَلَا : إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ، ثُمَّ دَعَاهُمْ إِلَى مَنْزِلِهِ فَأَطْعَمَهُمْ وَأَكْرَمَهُمْ . (تفسير ابن رجب : ٢ / ١٩٢) حسن بن علی رضی اللہ عنہما کچھ مسکینوں کے پاس سے گزرے جو کھانا کھا رہے تھے۔ انھوں نے آپ کو دعوت دی تو آپ نے قبول فرمائی، ان کے ساتھ کھانا کھایا اور یہ آیت تلاوت فرمائی : ﴿ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴾ ”بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔“ پھر آپ نے انھیں اپنے گھر بلایا، انھیں کھانا کھلایا اور ان کی عزت افزائی کی۔

25 ﴿لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ ...﴾

اَلْخُسْرَانُ : اَنْ تَجْرِيَ عَلَيْكَ سَيِّئَاتُ غَيْرِكَ وَاَنْتَ فِيْ قَبْرِكَ ، صَاحِبُ الضَّلَالِ يَحْمِلُ خَطِيْئَةَ نَفْسِهِ وَخَطِيْئَةَ مَنِ اقْتَدَى بِهِ . (خسران یہ ہے کہ تم اپنی قبر میں ہو اور تم پر دوسروں کی بھی برائیاں جاری ہوں۔ گمراہی پھیلانے والا اپنے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھاتا ہے اور ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی جنھوں نے اس کی پیروی کی۔)

26 ﴿فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ﴾

”ان پر ان کے اوپر سے چھت گر پڑی۔“

اگر یہاں صرف ﴿ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ ﴾ کہا جاتا اور ﴿ مِنْ فَوْقِهِمْ ﴾ نہ لایا جاتا تو گمان کیا جا سکتا تھا کہ یہ اس قول کی طرح ہے : قَدْ خَرِبَتْ عَلَيْهِمْ دَارُهُمْ وَقَدْ هَلَكَتْ عَلَيْهِمْ مَوَاشِيْهِمْ . (ان کے گھر تباہ ہو گئے ہیں اور ان کے مویشی ہلاک ہو گئے ہیں۔) لیکن جب ﴿ مِنْ فَوْقِهِمْ ﴾ کہہ دیا گیا تو یہ محتمل معنی زائل ہو گیا اور اس کا معنی ہوا کہ اَنَّهُ سَقَطَ وَهُمْ مِنْ تَحْتِهِ . (وہ چھت گری اور وہ چھت کے نیچے تھے۔)

30 ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ﴾

مَا تَرَاهُ فِيْ حَيَاتِكَ هُوَ انْعِكَاسٌ لِاَفْعَالِكَ ، اِفْعَلْ حَسَناً تَرَى حَسَناً . (جو کچھ تم اپنی زندگی میں دیکھتے ہو، وہ تمہارے افعال کا عکس ہے۔ اچھا کرو گے تو اچھا دیکھو گے۔)

مومن سے اللہ تعالیٰ کا حیات طیبہ عطا کرنے کا وعدہ ہے۔

32 ﴿اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ...﴾

طَابَتْ حَيَاتُهُمْ فَطَابَتْ وَفَاتُهُمْ . (جن کی زندگیاں اچھی ہوتی ہیں، ان کی وفات اچھی ہوتی ہیں۔)

48 ﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّئُوْا ظِلٰلُهُ﴾

ہر چیز کے سجدہ ریز ہونے کا محل۔

سجدے کی دو قسمیں ہیں :

① سجدۂ عبادت جو مسلمان اللہ کو کرتے ہیں۔

② سجدۂ اطاعت جس معنی میں کائنات کی ہر شے اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔

51 ﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ﴾

﴿اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ دو کو عبادت کا مستحق نہ بناؤ۔ جب فرمایا کہ دو الٰہ نہ بناؤ تو پتہ نہیں چلا کہ مقصود الوہیت کی نفی ہے یا تعدد کی نفی مقصود ہے؟ پھر جب ''دو عدد'' فرمایا تو واضح ہو گیا کہ اس آیت میں تعدد کی نفی ہے۔

مثال : چند طالب علموں پر ایک استاذ، چند اساتذہ پر ایک ہیڈ ماسٹر، چند سپاہیوں پر ایک ہیڈ کانسٹیبل، چند ہیڈ کانسٹیبل پر ایک سب انسپکٹر، چند انسپکٹروں پر ایک ڈی ایس پی مقرر ہوتا ہے۔

66 ﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِيْ ... خَالِصاً سَآئِغاً لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝﴾

جانور کے دودھ سے اچھو نہیں لگتا۔

یہاں ﴿ بُطُوْنِهٖ ﴾ کہا گیا، جبکہ سورۂ مومنون میں ﴿ بُطُوْنِهَا ﴾ ہے۔

﴿ فِيْ بُطُوْنِهٖ ﴾ میں یہ اشارہ ہے کہ بعض چوپایوں میں عبرت ہے۔

﴿ بُطُوْنِهَا ﴾ سے معلوم ہوا کہ تمام چوپایوں میں عبرت ہے۔

قاعدہ : اِنَّ الْكَثْرَةَ نَسْتَخْدِمُ مَعَهَا التَّانِيْث وَاَمَّا الْقِلَّةَ نَسْتَخْدِمُ مَعَهَا التَّذْكِيْر . (ہم کثرت کے ساتھ تانیث استعمال کرتے ہیں، جبکہ قلت کے ساتھ مذکر استعمال کرتے ہیں۔)

نکتۂ عظیمہ : مَنَافِعُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَكْثَرُ مِنْ مَنَافِعِ النَّحْلِ . (مومنوں کے فائدے، شہد کی مکھیوں کے فائدوں سے زیادہ ہیں۔)

﴿ خَالِصًا ﴾ جس چیز میں ملاوٹ ہو، وہ ملاوٹ دور کردی جائے۔

68 ﴿ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ... وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ﴾

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہاں ترتیب افضل اور اکمل کے لحاظ سے آئی ہے، پھر ادنیٰ کے لحاظ سے۔ یعنی اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ جو شہد پہاڑوں میں ہوتا ہے، وہ اس شہد سے بہتر ہے جو درختوں میں ہوتا ہے۔ پھر وہ شہد ہے جو صندوقوں میں یا بیلوں پر ہوتا ہے۔

﴿ وَ اَوْحٰى رَبُّكَ ﴾ وحی، فطری اشارے کو کہتے ہیں۔ جیسے بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتی کی طرف لپکتا ہے۔ یہ مَعَارِفٌ مُكْتَسَبَةٌ (کسبی معلومات) نہیں۔

﴿ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا ﴾ شہد کی مکھی کا گھر سداسی (چھ پہلو والا) ہوتا ہے جس میں میٹریل (موم) کم لگتا ہے۔ اس کے تمام ضلعے مساوی لمبائی کے ہوتے ہیں۔ دیواریں موم کی ہوتی ہیں۔ یہ گھر اس طرح بنایا جاتا ہے کہ اس میں کوئی جگہ خالی نہیں رہتی۔

(Drone Bee) جفتی کرتے ہیں۔ جفتی کے دس دن بعد مادہ شہد کی مکھی انڈے دینا شروع کرتی ہے اور روزانہ تین ہزار انڈے دیتی ہے۔

کوئی شہد کی مکھی اگر کسی پھول سے رس چوس کر جا چکی ہو تو بعد میں آنے والی مکھی کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔ وہ اس پھول کو چھوڑ دیتی ہے۔

کارکن مکھیاں مادہ ہوتی ہیں جو اپنی ملکہ کو جواب دہ ہوتی ہیں جسے ''یعسوب'' کہا جاتا ہے۔ یہ بات اس جدید تحقیق سے معلوم ہوئی جو تین سو سال سے جاری تھی۔

ٹھنڈے دودھ میں شہد ملا کر پینے کے بے شمار فوائد ہیں۔

جانور کا دودھ موسم کے لحاظ سے رنگ نہیں بدلتا، مگر موسم کے لحاظ سے شہد کا رنگ مختلف ہوتا ہے۔

﴿وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ! اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَکَمَثَلِ الْقِطْعَةِ مِنَ الذَّهَبِ ، نَفَخَ عَلَیْهَا صَاحِبُهَا فَلَمْ تَغَیَّرْ ، وَلَمْ تَنْقُصْ ، وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ! اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَکَمَثَلِ النَّحْلَةِ ، اَکَلَتْ طَیِّبًا ، وَوَضَعَتْ طَیِّبًا ، وَوَقَعَتْ فَلَمْ تُکْسِرْ وَلَمْ تَفْسِدْ﴾ (مسند احمد : حدیث ٦٨٧٢ ، صحیح لغیرہ) ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! مومن کی مثال سونے کی ڈلی جیسی ہے جسے زرگر بھٹی میں ڈالتا ہے، مگر اس میں نہ کوئی تبدیلی ہوتی ہے نہ کمی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! مومن کی مثال تو شہد کی مکھی جیسی ہے جس نے پاکیزہ چیز کھائی اور پاکیزہ چیز (شہد) پیدا کی۔ جب کہیں بیٹھی تو نہ اسے توڑا اور نہ اسے خراب کیا۔''

69 ﴿ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ... لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾

﴿مِنْۢ بُطُوْنِهَا﴾ بطون کہا۔ شہد کی مکھی کے تین پیٹ ہوتے ہیں۔ جب وہ کوئی پھول چوستی ہے تو ایک پیٹ میں اس کا رس جاتا ہے۔ دوسرے پیٹ میں شہد بنتا ہے۔ پھر وہ شہد تیسرے پیٹ میں جاتا ہے۔ وہاں سے وہ اسے منہ کے ذریعے شہد کے چھتے میں ڈالتی ہے۔

﴿ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ قرآن کے بارے میں کہا کہ ''شفا'' ہے، جبکہ شہد کے بارے میں کہا کہ ''اس میں شفا'' ہے۔ یعنی قرآن سراپا شفا ہے۔

لِمَاذَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنِ الْقُرْآنِ : فِيْهِ شِفَآءٌ ، وَلَمْ يَقُلْ : دَوَاءٌ ؟ لِاَنَّ الدَّوَاءَ قَدْ يَشْفِيْ وَقَدْ لَا يَشْفِيْ ، اَمَّا الْقُرْآنُ فَهُوَ شِفَاءٌ لِكُلِّ دَاءٍ . (اللہ نے قرآن کے بارے میں شفا کیوں فرمایا اور ''دوا'' کیوں نہیں فرمایا؟ اس لیے کہ دوا کبھی شفا دیتی ہے اور کبھی نہیں دیتی، لیکن قرآن ہر بیماری کے لیے مکمل شفا ہے۔)

مسئلہ : اگر بندہ داغ لگوانے اور شرعی دم کروانے کو صرف اسباب و وسائل سمجھے اور اس کے ساتھ یہ اعتقاد رکھے کہ حقیقی شفا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور یہ طریقے محض ایک ذریعہ ہیں تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔

مگر بندہ داغ لگوانے اور دم کروانے ہی کو شفا میں موثر جانے اور اسی پر اعتماد کرے تو یہ عقیدے کی کمزوری اور توکل کے منافی ہوگا۔

امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے کہا ''داغ لگوانے کی دو قسمیں ہیں : ① صحت کے وقت داغنا تاکہ وہ بیمار نہ ہو۔ یہ وہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جس نے داغا، اس نے توکل نہیں کیا کیونکہ وہ تقدیر کو ٹالنا چاہتا ہے اور تقدیر ٹالی نہیں جا سکتی۔ ② زخم کو داغنا جب وہ خراب ہو جائے، یا عضو کو کاٹ دیا جائے تو اسے داغنا۔ یہ وہ ہے جس میں علاج جائز ہے۔'' (فيض القدير للمناوى : ٦ / ٨٢)

فَالْقُرْآنُ شِفَاءٌ لِلرُّوْحِ ، وَالْعَسَلُ شِفَاءٌ لِلْاَبْدَانِ . (قرآن روح کے لیے شفا ہے اور شہد جسموں کے لیے شفا ہے۔)

قرآن میں ''عسل'' (شہد) کا ذکر دو ہی بار آیا ہے۔

70 ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ ... ﴾

﴿ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ ﴾ جوں جوں انسان کی عمر زیادہ ہوتی

جاتی ہے، اس کی تمام جسمانی صلاحیتیں کمزور ہوتی جاتی ہیں۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ بالکل بچے کے مانند ہو جاتا ہے اور اس کی عقل جاتی رہتی ہے۔

رَذُلَ الشَّيْءُ : إِذَا ذَهَبَ جَيِّدُهُ وَبَقِيَ رَدِيئُهُ . (رذل الشیء کا مطلب ہے، جب اس کا اچھا ختم ہو جائے اور صرف برا حصہ باقی بچے۔)

عَنْ عِكْرِمَةَ ، قَالَ : كَانَ يُقَالُ : مَنْ قَرَءَ الْقُرْآنَ لَمْ يُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ . (تفسير الطبرى : ٢٤ / ٥١٧) عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا ''کہا جاتا تھا کہ جو شخص (زیادہ) قرآن پڑھتا ہے، وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔''

نکتۂ عجیبہ : موت بھی نعمت ہے۔ ارذل العمر، لوگوں پر بوجھ بن جاتا ہے۔ حَتَّى لَا تَزِيْدَ آلَامُهُ وَأَحْزَانُهُ . (تاکہ اس کے دکھوں اور غموں میں اضافہ نہ ہو۔)

﴿لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا﴾ کا معنی یہ ہے کہ جن چیزوں کا اسے پہلے علم تھا، بڑھاپے کی شدت کی وجہ سے اس کا وہ علم زائل ہو جائے۔

71 ﴿وَاللهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾

وَهٰذِهِ الْآيَةُ الْكَرِيْمَةُ نَصٌّ صَرِيْحٌ فِيْ إِبْطَالِ مَذْهَبِ الْإِشْتِرَاكِيَّةِ الْقَائِلِ بِأَنَّهُ : لَا يَكُوْنُ أَحَدٌ أَفْضَلَ مِنْ أَحَدٍ فِي الرِّزْقِ . (تفسير اضواء البيان للشنقيطى : ٢ / ٤١١) ''یہ آیت، سوشلزم کے اس نظریے کو باطل کرنے میں ایک واضح دلیل ہے جو کہتا ہے کہ رزق میں کوئی، کسی سے افضل نہیں ہو سکتا۔''

75 ﴿ضَرَبَ اللهُ مَثَلاً عَبْداً مَّمْلُوْكاً ...﴾

جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر نہیں قرار دیتے تو میری مخلوق کو میرے برابر کیوں کرتے ہو؟ تم غلاموں کو اپنے اموال میں شریک نہیں کرتے تو میرے بندوں کو میری عبادت میں کیوں شریک کرتے ہو؟

79 ﴿اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۝﴾

قرآن کوئی Aerodynamics کی ٹیکسٹ بک تو ہے نہیں کہ اس میں فلائٹس بنانے یا اڑانے کا طریقہ بیان کیا جائے، البتہ اللہ کی خلقت پرندوں کے زمین سے اوپر کی طرف ٹیک آف کرنے، فضا میں توازن بنائے رکھنے اور پھر زمین پر لینڈنگ تک کا ایک ایک مرحلہ ہوبہو جہاز کے مماثل ہے اور بتلاتا ہے کہ پوری ایروڈائنامکس پرندوں ہی سے مستعار ہے۔

90 ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ واجب ہے تو عدل ہے۔ واجب سے زیادہ ہے تو احسان ہے۔

﴿بِالْعَدْلِ﴾ هُوَ اِعْطَاءُ كُلِّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ، وَهُوَ ضِدُّ الظُّلْمِ. (عدل یہ ہے کہ ہر حق دار کو اس کا حق دیا جائے۔ یہ ظلم کی ضد ہے۔) عدل واجب ہے۔

﴿وَالْاِحْسَانِ﴾ هُوَ اِعْطَاءٌ فَوْقَ حَقِّهِ. (احسان یہ ہے کہ کسی کو اس کے حق سے زیادہ دیا جائے۔) احسان مستحب، تطوع ہے۔

هُوَ اَمْرٌ بِكُلِّ مَنْدُوْبٍ فَضْلًا عَنِ الْفَرْضِ. (یہ ہر مستحب کام کا حکم ہے، فرض کے علاوہ۔)

خلاصہ یہ کہ عدل یہ ہے کہ کسی کو اتنا دیا جائے جتنا دینا اس پر واجب ہے، جبکہ احسان یہ ہے کہ جتنا اس پر واجب ہے، اس سے زیادہ دے۔

یہاں عدل کو مقدم کیا گیا کیونکہ عدل واجب ہے اور احسان واجب بھی ہے اور مستحب بھی۔

﴿وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى﴾ يَاْمُرُ بِصِلَةِ الْاَرْحَامِ. (یہ رشتے داروں سے تعلق جوڑنے کا حکم دیتا ہے۔)

﴿وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ﴾ اَلْفَحْشَاءُ وَهُوَ كُلُّ ذَنْبٍ اسْتَفْحَشَتْهُ

الشَّرَائِعُ وَالْفِطَرُ . (فحشاء ہر وہ گناہ ہے جسے شریعتوں اور فطرتوں نے قبیح قرار دیا ہو۔) جیسے زنا وغیرہ۔

الْفَحْشَاءُ : هُوَ مَا يَفْعَلُهُ الْاِنْسَانُ فِىْ نَفْسِهِ مِنَ الْقَبِيْحِ مَا لَا يُظْهِرُهُ . (فحشاء وہ قبیح کام ہے جو انسان اپنے دل میں کرتا ہے اور اسے ظاہر بھی نہیں کرتا۔)

هِىَ الْاِفْرَاطُ فِىْ مُتَابَعَةِ الْقُوَّةِ الشَّهْوِيَّةِ كَالزِّنَا . (یہ شہوانی قوتوں کی پیروی میں حد سے تجاوز کرنا ہے، جیسے زنا۔)

......حسی ہو، جیسے شراب، جوا، زنا۔

......معنوی ہو، جیسے بخل وغیرہ۔

﴿ وَالْمُنْكَرِ ﴾ كُلُّ مَا اَنْكَرَهُ الشَّرْعُ . (ہر وہ چیز جسے شریعت نے ناپسند کیا ہو، وہ منکر ہے۔)

هُوَ مَا يُظْهِرُهُ مِنَ الْقَبِيْحِ مِمَّا يَجِبُ عَلَيْهِمْ اِنْكَارُهُ . (منکر وہ برا کام ہے جسے وہ ظاہر کرتا ہے اور جس پر ان کا انکار واجب ہے۔) جیسے لوگوں کے سامنے ننگا ہونا۔

اَلْمُنْكَرُ اَعَمُّ مِنَ الْفَحْشَاءِ . (منکر، فحشاء سے زیادہ عام ہے۔)

﴿ وَالْبَغْيِ ﴾ هُوَ الْاِعْتِدَاءُ عَلَى النَّاسِ . (لوگوں پر زیادتی کرنا بغی کہلاتا ہے۔) جیسے سفک دم (خون بہانا)، اکل اموال الناس ظلماً (لوگوں کا مال ظلماً کھانا)، انتہاک حرمۃ (کسی کی عزت سے کھیلنا) وغیرہ۔

......تین چیزوں کا حکم دیا۔ اس میں تمام خیر جمع ہو گئے۔

......تین چیزوں سے روکا۔ اس میں تمام شر جمع ہو گئے۔

﴿ يَعِظُكُمْ ﴾ اَلْوَعْظُ هُوَ الْكَلَامُ الَّذِىْ تَلِيْنُ لَهُ الْقُلُوْبُ . (وعظ وہ کلام ہے جس سے دل نرم پڑ جائیں۔)

ذُكِرَتْ مَادَّةُ وَعْظٍ فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيْمِ فِيْ خَمْسٍ وَعِشْرِيْنَ مَوْضِعًا . (وعظ کا مادہ قرآن میں پچیس مقامات پر ذکر ہوا ہے۔)

وعظ کا معنی : اَلتَّذْكِيْرُ بِالْخَيْرِ فِيْمَا يَرِقُّ لَهُ الْقَلْبُ . (نیکی کی یاددہانی کرانا اس چیز میں جس سے دل نرم پڑ جائیں۔)

عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ ، يَقُوْلُ : اِنَّ اَجْمَعَ آيَةٍ فِي الْقُرْآنِ فِيْ سُوْرَةِ النَّحْلِ : اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى ، اِلٰى آخِرِ الْآيَةِ . (الطبری : ١٤ / ٣٣٧) شتیر بن شکل سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا، میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن میں سورۂ نحل کی سب سے جامع آیت یہ ہے ''بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور وہ بے حیائی، برے کام اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔وہ تمھیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔''

قَالَ الْحَسَنُ : اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ جَمَعَ لَكُمُ الْخَيْرَ كُلَّهُ ، وَالشَّرَّ كُلَّهُ فِيْ آيَةٍ وَاحِدَةٍ . (شعب الایمان للبیهقی : ١٣٨) امام حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اللہ نے تمہارے لیے ساری بھلائی اور ساری برائی ایک ہی آیت میں جمع کردی ہے۔''

ترتیب حسن : عدل واجب، احسان مندوب۔ان دونوں کا پہلا محل قریبی رشتے دار۔ یہ تینوں چیزیں اجتماعی عمارت کو بناتی ہیں اور تین چیزیں اجتماعی عمارت کو منہدم کردیتی ہیں۔

91 ﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ ...﴾

یہاں عہد و پیمان کے پورا کرنے اور قسموں کی حفاظت کا حکم دیا گیا۔

عہد، عقد اور وعد :

- العهد : وَقَّعَ مُدِيْرُ اِحْدَى الشَّرِكَاتِ مُعَاهَدَةً مَعَ شَرِكَةٍ اُخْرٰى

تَقْضِیْ بِشُرُوْطٍ مُعَيَّنَةٍ ، وَفِیْ حَالِ عَدَمِ الْوَفَاءِ بِالْمُعَاهَدَةِ يَتِمُّ دَفْعُ مَبْلَغٍ مِنَ الْمَالِ . (ایک کمپنی کے منیجر نے دوسری کمپنی کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط کیا جس معاہدے میں کچھ خاص شرائط تھیں۔ اس میں ایک شرط یہ تھی کہ معاہدے کی خلاف ورزی کی صورت میں ایک مخصوص رقم کی ادائیگی کرنا پڑے گی۔)

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ ، هٰذَا عَهْدُ اللّٰهِ اِلَى آدَمَ بِعَدَمِ الْاَكْلِ مِنَ الشَّجَرَةِ ، وَفِیْ حَالِ الْاَكْلِ مِنَ الشَّجَرَةِ سَيَكُوْنُ الْعِقَابُ الْخُرُوْجَ مِنَ الْجَنَّةِ . (''اور یقیناً ہم نے آدم علیہ السلام سے عہد لیا تھا۔'' یہ اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام سے وہ عہد تھا کہ وہ اس درخت سے نہ کھائیں اور درخت سے کھانے کی سزا میں جنت سے نکال دیا جانا ہوگا۔)

- الوعد : وعدا سے کہتے ہیں جس میں کوئی شرط نہ ہو۔ مِثَالُ ذٰلِكَ اَنْ وَعَدَ الْاَبُ الطِّفْلَ بِاِحْضَارِ لُعْبَةٍ لَهُ ، لِاَنَّهُ غَيْرُ مُرْتَبِطٍ بِشَرْطٍ مُعَيَّنٍ . (اس کی مثال یہ ہے کہ باپ نے بچے سے اس کے لیے کوئی کھلونا لانے کا وعدہ کیا کیونکہ یہ کسی خاص شرط سے منسلک نہیں ہے۔)

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا ...﴾ 92

کاتنے کے بعد سوت ایک نیا استحکام اور تکامل اختیار کر لیتا ہے۔ اسے ادھیڑنا ایک رجعت پسندانہ عمل ہے۔ کامل چیز کو پھاڑ دینا ظلم ہے اور محنت کو ضائع کر دینا حماقت و جہالت ہے۔

اللہ کے وجود کی دلیل : ایک بوڑھی عورت چرخہ چلا رہی تھی۔ اس سے پوچھا گیا ''اللہ ہے؟'' اس نے کہا ''ہاں۔'' کہا ''دلیل کیا ہے؟'' کہا ''جب تک میں اس چرخے کو نہیں چلاتی، یہ نہیں چلتا۔'' یہ بات تو وجود کی ہے۔ پھر پوچھا گیا ''کیا وہ چلانے والا ایک ہے؟'' کہا ''ہاں۔'' اگر اس چرخے کو دو آدمی چلائیں، میں اپنی طرف چلاؤں اور دوسرا آدمی دوسری طرف چلائے تو چرخہ کیسے چلے گا اور کپڑا کیسے تیار ہوگا؟

97 ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً ... مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○﴾

تَشْمَلُ وُجُوْهَ الرَّاحَةِ مِنْ اَیِّ جِهَةٍ كَانَتْ . (یہ راحت کے سارے پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے، خواہ وہ کسی بھی سمت سے ہو۔)

ہمیں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حیات طیبہ کیا ہے، اس لیے کہ ہم ایک نیک مومن کو دیکھتے ہیں کہ وہ بڑی تنگی میں زندگی گزار رہا ہے۔

جواب یہ ہے کہ حیات طیبہ سے مراد ہے: فِی الدُّنْیَا هِیَ الرِّضَا بِقَضَاءِ اللّٰهِ تَعَالَى وَقَدْرِهِ . (اللہ تعالیٰ کے قضا وقدر پر راضی ہونا۔)

موجود پر قانع ہو اور مفقود پر غم نہ کرے۔

عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ ، قَالَ : الْحَیَاةُ الطَّیِّبَةُ : الْقَنَاعَةُ .

(تفسير الطبری : ١٤ / ٣٥٢) امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”حیات طیبہ سے مراد قناعت ہے۔“

قناعت کا مفہوم : ﴿وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ﴾ (جامع الترمذی : ابواب الزهد ، حدیث ٢٣٠٥ ، حکم الالبانی : حسن) ”اللہ تعالیٰ کے تقسیم شدہ رزق پر راضی رہو، لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے۔“

105 ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾

یعنی جھوٹ بولنا ان کی دائمی اور مستمر عادت ہے، اسی لیے انھوں نے اللہ پر بھی جھوٹ باندھنے کی جرأت کی۔

جو کام دائماً ہو تو اسے اسم سے اور جو کام عارضی ہو تو اسے فعل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ جملہ اسمیہ ہے۔

125 ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ ...﴾

﴿اُدْعُ﴾ کا مفعول یہاں مذکور نہیں ہے کہ کسے دعوت دے، لہٰذا مراد عام ہوگا۔

یعنی غیر مسلم اور مسلم سب کو دعوت دے۔

﴿ بِالْحِكْمَةِ ﴾ فَالْحِكْمَةُ إِذاً : فِعْلُ مَا يَنْبَغِيْ ، عَلَى الْوَجْهِ الَّذِيْ يَنْبَغِيْ ، فِي الْوَقْتِ الَّذِيْ يَنْبَغِيْ . (مدارج السالكين : ٢ / ٤٤٩)

"حکمت یہ ہے کہ جو کام مناسب ہو، اسے مناسب طریقے سے اور مناسب وقت پر کیا جائے۔"

﴿ وَالْمَوْعِظَةِ ﴾ هُوَ الْقَوْلُ الَّذِيْ يُلِيْنُ نَفْسَ الْمَقُوْلِ لَهُ لِعَمَلِ الْخَيْرِ . (وعظ وہ بات ہے جو مخاطب کے دل کو نیکی کے کام کے لیے نرم کر دے۔)

یہ وعظ ترغیب کے ذریعے ہو، یا ترہیب (ڈرانے) کے ساتھ ہو۔

﴿ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ ﴾ احسن طریقے سے بحث کی جائے۔

جِدَالٌ أَحْسَنُ بِأَنْ تُوْقِظَ الْقُلُوْبَ وَلَا تُسَفِّهَ الْعُقُوْلَ . (جدال احسن وہ ہے جو دلوں کو بیدار کرے، نہ کہ عقلوں کو بے وقوف بنائے۔)

یعنی مقصد دلوں کو بیدار کرنا ہو۔ مخاطب کو کم عقل ٹھہرانے کے لیے نہ ہو۔

پارہ نمبر ۱۵

سورۂ بنی اسرائیل

سوال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا اور اس کے بعد معراج کا سفر آسمانوں کی بلندیوں تک ہوا۔ پھر اس سورت کا نام ''سورۃ المعراج'' کیوں نہیں رکھا گیا اور اس سورت کو ''بنی اسرائیل'' یا ''الاسراء'' کے نام سے موسوم کرنے کے پیچھے کیا راز پنہاں ہے؟

جواب اس سورت کا نام ''اسراء'' اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس میں دو سفر ہیں :

① زمین سے زمین (مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ) تک جسے ''اسراء'' کہتے ہیں۔

② زمین سے آسمانوں تک جسے ''معراج'' کہتے ہیں۔

چونکہ یہاں پہلے سفر کا بیان ہے، لہٰذا اسے سورۂ اسراء کہا گیا۔ معراج کی طرف اشارہ سورۂ نجم میں ہے اور اس کی تشریح وتفصیل حدیثوں میں ہے۔

اس رات میں بنی اسرائیل کو کرامت وفضیلت کے اسٹیج سے اتار کر امت مسلمہ کو اسی اسٹیج پر لایا گیا کیونکہ بنی اسرائیل نے اپنی کتاب (تورات) کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

﴿ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ (آل عمران : ۳ / ۱۸۷)

''پھر انھوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اسے تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا۔'' پس تم بھی قرآن کے ساتھ یہ معاملہ مت کرنا۔

نکتہ : سورۂ اسراء وہ سورت ہے جس میں قرآن کا سب سے زیادہ ذکر ہوا ہے۔ یہ سورت قرآن حکیم کی قدر و قیمت کا احساس کراتی ہے کہ یہ کتنی باعظمت نعمت ہے جو امت محمدیہ کو دی جارہی ہے۔

فَاسْتَشْعِرُوْا قِيْمَةَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُفَرِّطُوْا فِيْهِ كَمَا فَعَلَتِ الْاُمَمُ

السَّابِقَةُ . (پس قرآن کی قدر و قیمت کو محسوس کرو اور خبردار! اسے ضائع نہ کرنا، جیسے پچھلی امتوں نے کیا۔)

نکتہ : اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سے مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ (پردے کے پیچھے سے) کلام کیا۔ ایک سے دنیا میں اور دوسرے سے آسمان پر۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۲۰ سے آیت نمبر ۳۷ تک چھبیس احکام بیان کیے گئے ہیں جن میں سے بارہ خصلتیں منہیات ہیں اور تیرہ خصلتیں اوامر ہیں۔ آخر میں تَحْرِيْمُ التَّكَبُّرِ وَالْخُيَلَاءِ (تکبر اور خود پسندی کی ممانعت) ہے۔

﴿ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ توحید ماننے اور شرک نہ کرنے کا حکم ہے۔

﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ﴾ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا گیا اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا گیا۔

یہ تین احکام ہوئے۔ پھر والدین کے ساتھ حسن سلوک، یہ چوتھا حکم ہے۔

والدین کے ساتھ نیکی سے فارغ ہو گئے تو باقی رشتے داروں کے ساتھ درجہ بدرجہ نیکی کرو۔ پھر مسکینوں اور مسافروں کے احوال کی اصلاح کرو، بشرطیکہ وہ تنگ دست ہوں۔ اگر تمہارا ہاتھ تنگ ہو اور رشتے دار اور مذکورہ لوگ تم سے سوال کریں تو نرمی سے معذرت کر دو۔ جھڑکنے اور بداخلاقی سے پیش آنے سے احتراز کرو۔

میانہ روی سے خرچ کیا جائے۔ ہاتھ بالکل کھول نہ دو کہ بھیک مانگتے نظر آؤ۔ بخل نہ کرو کیونکہ یہ کام شرعاً مذموم ہے۔

اولاد کو قتل نہ کرو۔ اگر انھیں کھلانے کی وجہ سے قتل کر رہے ہو تو یہ اللہ کی رزاقیت کے ساتھ بدگمانی ہے۔ اولاد تو ماں باپ کا جزو ہوتی ہے۔ اولاد کو قتل کرنا طبعی محبت کے خلاف ہے۔

زنا کے قریب نہ جاؤ۔ اس میں اجنبی عورتوں سے تعلق پیدا کرنا، ہنسی دل لگی کی باتیں کرنا، ہاتھ ملانا، بوس و کنار کرنا، خلوت میں ملنا، سب شامل ہیں۔ اگر پردہ قید ہے تو

عورتوں کا مقید رہنا اس سے بہتر ہے کہ وہ محض جانوروں کی طرح ہوس پوری کرنے کا آلہ بن جائیں۔

کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے تو مقتول کے ولی کو اللہ تعالیٰ نے پورا اختیار دیا ہے کہ چاہے تو قصاص لے لے، چاہے دیت لے لے، یا دیت کے بغیر معاف کر دے۔

نکتہ : ان چھبیس احکام شرعیہ کی ابتدا بھی توحید سے اور انتہا بھی توحید سے ہوئی۔ اس میں متنبہ کیا گیا کہ ہر قول وعمل کی انتہا توحید اور شرک سے اجتناب پر ہونا چاہیے۔

نکتہ : پہلے (آیت نمبر ۲۲ میں) فرمایا کہ شرک کرنے والا مذمت کیا ہوا اور ناکام ہے۔ آخری آیت (آیت نمبر ۳۹) میں فرمایا کہ مشرک ملامت کیا ہوا اور جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

ہمیں مذمت اور ملامت کے فرق کو سمجھنا چاہیے۔

...... مذمت کا معنی ہے : دنیا میں مشرک سے کہا جائے گا کہ تم نے جو کام کیا ہے، وہ قبیح اور برا ہے۔

...... ملامت کا معنی ہے : آخرت میں مشرک سے کہا جائے گا کہ شرک کے نقصان کے سوا تمھیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : اِنَّ التَّوْرَاةَ كُلَّهَا فِیْ خَمْسَ عَشْرَةَ آيَةً مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ . (تفسير الطبرى : ۱۵ / ۱۳۸) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "پوری تورات کے احکام بنی اسرائیل کی پندرہ آیات میں جمع کر دیے گئے ہیں۔"

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی ... السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○﴾ 1

اُسْرِیَ بِنَبِيِّهٖ بِجُزْءٍ قَلِيْلٍ مِنَ اللَّيْلِ مِنْ مَكَّةَ اِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ ، ثُمَّ اِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ، ثُمَّ اِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ ، ثُمَّ اِلَى مَكَّةَ فِیْ جُزْءٍ قَلِيْلٍ مِنَ اللَّيْلِ . (اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے

تھوڑے سے حصے میں مکہ سے بیت المقدس تک سیر کرائی۔ پھر وہاں سے آپ سدرۃ المنتہیٰ تک گئے۔ پھر وہاں سے بیت المقدس واپس آئے۔ پھر رات کے تھوڑے سے حصے میں مکہ واپس آئے۔)

فَاللَّيْلُ اَفْضَلُ مِنَ النَّهَارِ مِنْ حَيْثُ الْاِجْمَالِ . (پس رات مجموعی طور پر دن سے افضل ہے۔)

یہاں ﴿ بِعَبۡدِهٖ ﴾ کہا۔ بِمُحَمَّدٍ یا بِالرَّسُوْلِ نہیں کہا۔ لِيَدُلَّ عَلَى اَنَّ الْاِنْسَانَ مَهْمَا عَظُمَ وَمَهْمَا كَبُرَ فَلَا يَعْدُوْ اَنْ يَكُوْنَ عَبْدَ اللّٰهِ ، هٰذَا مَقَامُ تَشْرِيْفٍ . (یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان خواہ کتنا بھی عظیم اور بڑا ہو جائے، وہ اللہ کا بندہ ہی رہتا ہے۔ بندگی ایک عزت اور شرف کا مقام ہے۔)

﴿ لَيۡلًا ﴾ یہ نکرہ ہے جو مدت کی تقلیل کے لیے ہے۔ مکہ سے بیت المقدس کا سفر جو چالیس راتوں کا ہے، وہ رات کے ایک قلیل حصے میں ہوا۔

اللہ نے معراج کے لیے رات کو چنا کیونکہ اللہ ہر رات آسمان دنیا پر نزول کرتا ہے۔ پس رات کی عبادات سے ہمیں غافل نہیں ہونا چاہیے۔

رحلت سے قبل ایک رات نبی ﷺ کا سینۂ مبارک چاک کر کے زمزم سے دھویا گیا۔ عقل اگر چہ اس کا انکار کرے، مگر نقل صحیح (قرآن وسنت) موجود ہے۔ وَالنَّقْلُ الصَّحِيْحُ مُقَدَّمٌ عَلَى الْعَقْلِ . (نقل صحیح، عقل پر مقدم ہے۔)

یہ نکتہ بھی ملا کہ ماء زمزم، ماء مبارک ہے۔ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں کھڑے ہو کر ماء زمزم پیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ضرورت کی وجہ سے پیا۔ هٰذِهِ مَسْئَلَةٌ خِلَافِيَّةٌ . (یہ اختلافی مسئلہ ہے۔)

﴿ مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا ﴾ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ پہنچانے کا مقصود آپ ﷺ کا امام الانبیاء ہونا واضح کرنا تھا، جبکہ بیت المقدس سے آسمانوں کا سفر اس مقصد کے لیے تھا کہ جنت وجہنم کے کوائف جو دیگر انبیائے کرام علیہم السلام نے سن کر

اپنی امتوں کو اطلاع دی، وہ سب کوائف شنیدہ تھے، مگر نبی ﷺ نے جو کوائف بیان کیے، وہ دیدہ تھے۔

اس میں دوسرا عظیم واقعہ یہ ہوا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء موجود تھے۔ كَانَ اَعْظَمَ اجْتِمَاعٍ فِيْ تَارِيْخِ الْبَشَرِيَّةِ. (یہ انسانی تاریخ کا سب سے عظیم اجتماع تھا۔) پوری مسجد بھری ہوئی تھی۔ سب انتظار کر رہے تھے کہ محمد ﷺ آئیں اور نماز پڑھائیں۔

﴿ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ ﴾ اِذَا كَانَتِ الْبَرَكَةُ تُحِيْطُ بِخَارِجِهٖ ، فَمَا هِيَ الْعَظَمَةُ الَّتِيْ تَسْكُنُ دَاخِلَهٗ . (اگر اس کے باہر برکتیں چھائی ہوئی ہیں تو پھر ان برکتوں کی عظمت کا کیا کہنا جو اس کے اندر موجود ہے۔) یعنی دین اور دنیا کی برکتیں، کیونکہ یہ وحی نازل ہونے کی جگہ ہے۔

بیت المقدس، شام و فلسطین کی فضیلت :

① بیت المقدس، مساجد ثلاثہ میں سے ایک ہے جس کے لیے شد رحال جائز ہے۔

﴿ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ قَالَ : سَمِعْتُ اَبَا سَعِيْدٍ وَذُكِرَتْ عِنْدَهُ الصَّلَاةُ فِي الطُّوْرِ ، فَقَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُصَلِّيْ اَنْ يَشُدَّ رِحَالَهٗ اِلَى مَسْجِدٍ تُبْتَغَى فِيْهِ الصَّلَاةُ غَيْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ، وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصَى ، وَمَسْجِدِيْ ﴾ (فتح الباری لابن حجر : ۳ / ٦٥) شہر بن حوشب سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو سنا جب ان کے پاس کوہ طور پر نماز پڑھنے کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''کسی بھی نمازی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ نماز کے لیے اپنا سامان کسی مسجد کی طرف باندھے، سوائے مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد (مسجد نبوی) کے۔''

② کعبہ میں ایک نماز دوسری مساجد کی ایک لاکھ نمازوں کے برابر، مسجد نبوی میں ایک

ہزار نمازوں کے برابراور بیت المقدس میں ڈھائی سونمازوں کے برابر ہے۔

﴿عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ ، عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ : تَذَاكَرْنَا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا اَفْضَلُ : مَسْجِدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، اَوْ مَسْجِدُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : صَلَاةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ اَفْضَلُ مِنْ اَرْبَعِ صَلَوَاتٍ فِيْهِ ، وَلَنِعْمَ الْمُصَلّٰى ، وَلَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَكُوْنَ لِلرَّجُلِ مِثْلُ سِيَةِ قَوْسِهِ مِنَ الْاَرْضِ حَيْثُ يَرَى بَيْتَ الْمَقْدِسِ خَيْرًا لَهُ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا﴾ (المعجم الاوسط للطبرانی : حدیث ۸۲۳۰) عبد اللہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے اور اس بات کا تذکرہ کرنے لگے کہ کون سی مسجد افضل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد (مسجد نبوی) یا بیت المقدس؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں ایک نماز (کا ثواب) بیت المقدس میں پڑھی جانے والی چار نمازوں سے افضل ہے اور وہ (بیت المقدس) بھی کتنی اچھی نماز کی جگہ ہے! عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا کہ کسی شخص کے پاس زمین کا ایک کمان کی تانت کے برابر حصہ جہاں سے بیت المقدس کو دیکھے، اس کے لیے دنیا وما فیہا سے بہتر ہوگا۔“

③ قرآن میں فلسطین کا ذکر ”ارض مقدسہ“ سے کیا گیا ہے۔

④ قَالَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ : وَقَدْ دَلَّ الْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ عَلَى بَرَكَةِ الشَّامِ فِیْ خَمْسِ آيَاتٍ : قَوْلُهُ : ﴿وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا﴾ (الاعراف : ۷ / ۱۳۷) ، وَاللّٰهُ تَعَالَى اِنَّمَا اَوْرَثَ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ اَرْضَ الشَّامِ ، وَقَوْلُهُ : ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ

بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ ، وَقَوْلُهُ : وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا (سورة الانبياء : ۲۱ / ۷۱) ، وَقَوْلُهُ : وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا (الانبياء : ۲۱ / ۸۱) ، وَقَوْله تَعَالَى : وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً (سبا : ۳۴ / ۱۸) ... الْآيَةُ ، فَهٰذِهِ خَمْسُ آيَاتٍ نُصُوْصٍ . (مجموع الفتاوى : ۲۷ / ٤٤) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”قرآن عظیم نے شام کی برکت پر پانچ آیات ذکر فرمائی ہیں : ① اللہ کا قول ہے ”اور ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے، اس زمین کے مشرق اور مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی ۔“ اور اللہ نے بنی اسرائیل کو ارض شام ہی کا وارث بنایا تھا۔ ② اور اس کا یہ قول ”پاک ہے وہ (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے۔“ ③ اس کا یہ قول ”اور ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو اور لوط علیہ السلام کو اس زمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی ۔“ ④ اور اس کا یہ قول ”اور (ہم نے) سلیمان کے لیے تند و تیز ہوا (مسخر کر دی)، وہ اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی ۔“ ⑤ اور اللہ کا یہ قول ”اور ہم نے ان (اہل سبا) کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں برکت رکھی تھی، کئی بستیاں باہم متصل (سرراہ آباد) رکھی تھیں ۔“

2

﴿وَآتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ ...﴾

یہاں ﴿الْكِتٰبَ﴾ سے مراد تورات ہے۔

اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ كَرَامَةً ، آتَاهُ الْكِتَابَ اِنْزَالاً اَوْ حِفْظاً اَوْ فَهْماً اَوْ تَدَبُّراً اَوْ عَمَلاً اَوْ تِلَاوَةً . (تاملات قرآنية : على الفيفى) ”جب اللہ کسی بندے کو عزت دینا چاہتا ہے تو اسے قرآن عطا کرتا ہے، خواہ وہ نازل کرنا ہو یا حفظ کرانا ہو، یا اس کا فہم دینا ہو، یا تدبر کرانا ہو، یا عمل کرانا ہو، یا تلاوت کرانا ہو۔“

3 ﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْداً شَكُوْراً ○﴾

اَلَّتِیْ تَنُصُّ عَلَی اَنَّ مَا بَقِیَ عَلَی الْاَرْضِ هُمْ ذُرِّيَّةُ نُوْحٍ. (یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو لوگ زمین پر باقی رہے، وہ نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔)

نکتہ: شکر کتنی باعظمت صفت ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ اكْتَفَی بِهَا لِوَصْفِ لِنَبِيِّهِ نُوْحٍ. (اللہ نے اسی کو اپنے نبی نوح علیہ السلام کی تعریف کے لیے کافی سمجھا۔)

4 ﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ...﴾

یہودیوں کے دو فساد، قتل انبیاء اور ﴿عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ بہت بڑی سرکشی تھے۔

5 ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلَاهُمَا ... وَعْداً مَّفْعُوْلاً ○﴾

پہلی آیت میں لفظ ﴿بِعَبْدِهٖ﴾ میں اضافت تشریفی (محبوب بندے) ہے، جبکہ ﴿عِبَادًا لَّنَآ﴾ میں اضافت تملیک (مملوک بندے) ہے۔

﴿اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ ...﴾ بیت المقدس کے اطراف میں بہت سے انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں۔ اللہ نے جب ان پر دشمنوں کو مسلط کیا تو وہ مسجد میں گھس گئے، گھروں میں گھس گئے۔ ہزاروں کو قتل کیا، مگر یہ قبریں انھیں نہ بچا سکیں۔

یہود کی تباہی کے ذکر کے بعد قرآن کا ذکر ہے کہ یہ قرآن تمھیں ان تمام مصیبتوں سے بچائے گا جن مصائب میں یہود گرفتار ہوئے۔

7 ﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ...﴾

اطاعت کرنے میں بندے ہی کا فائدہ ہے، نہ کہ اللہ کا۔

﴿وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ﴾ روئے زمین پر عبادت کرنے والوں کے لیے دو مسجدوں کو قبلہ قرار دیا گیا، مگر قانون الٰہی دونوں کے لیے الگ ہے۔ مسجد حرام کی حفاظت کی ذمے داری اللہ نے خود لی ہے۔ جب اصحاب الفیل نے اسے ڈھانا چاہا تو چڑیوں کے ذریعے انھیں ہلاک کر دیا۔ یہ قانون بیت المقدس کے لیے نہیں ہے۔ مسلمان معاصی میں گرفتار

ہوں گے تو یہ قبلہ ان سے چھین لیا جائے گا۔

9 ﴿إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ﴾

قرآن ہر معاملے مثلاً عقائد، اعمال، اخلاق وغیرہ میں اعدل واقوم وافضل طریقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پس قرآن کو پکڑو، یہ تمہیں سیدھے راستے سے ہٹنے نہیں دے گا۔

13 ﴿وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِيْ عُنُقِهِ﴾

اَلطَّائِرُ : اَلْعَمَلُ الصَّادِرُ مِنَ الْاِنْسَانِ . (انسان سے صادر ہونے والا عمل طائر کہلاتا ہے۔)

ایک سوال : مَا هُوَ الطَّائِرُ الَّذِيْ لَا يَأْكُلُ وَلَا يَشْرَبُ وَلَا يَمُوْتُ وَذُكِرَ فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيْمِ . (وہ کون سا طائر ہے جو نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ مرتا ہے اور اس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے؟)

طائر کی تعبیر، عادت عرب کے مطابق لائی گئی ہے۔ پرندہ دائیں جانب اڑتا تو تَفَاءَلُوْا . (نیک شگون لیتے۔) بائیں طرف اڑتا تو تَشَاءَمُوْا . (برا شگون لیتے۔) عمل اچھا یا برا، گردن میں، گلے میں ہار کی طرح یا طوق کی طرح ہے۔

14 ﴿اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْباً ○﴾

اِقْرَأْ كِتَابَكَ بَعْدَ أَنْ انْتَهَيْتَ مِنْ طِبَاعَةِ كِتَابِكَ الضَّخْمِ الْمَرْقُوْمِ بِحُرُوْفِ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ، وَقْتُ قِرَاءَتِهِ وَالْمُشْكِلَةُ أَنَّهُ لَا مَحَالَ لِلتَّنْقِيْحِ . (کتاب کی پروف ریڈنگ اس کے چھپنے سے پہلے ہوتی ہے۔ کتاب اگر چھپ جائے تو پروف ریڈنگ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔)

15 ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلاً﴾

أَصْحَابُ فَتْرَةٍ ، وَلَمْ تَبْلُغْهُمُ الدَّعْوَةُ أَمْثَالُهُمْ فِي الْجُزُرِ

النَّائِيَةِ ، وَالْمَجْنُوْنُ وَاَوْلَادُ الْكُفَّارِ مَاتُوْا وَهُمْ صِغَارٌ نَاجُوْنَ .
(اصحاب فترت اور جن تک دعوت نہیں پہنچی ، جیسے دور دراز جزیروں میں رہنے والے لوگ ، مجنون اور کافروں کے وہ بچے جو بچپن ہی میں فوت ہو گئے ، وہ نجات پانے والے ہیں۔)

16 ﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا﴾

﴿ قَرْيَةً ﴾ سے معلوم ہوا کہ صرف مترفین ہلاک نہیں ہوں گے بلکہ ملک بھی تباہ ہو جائے گا۔

﴿ مُتْرَفِيْهَا ﴾ امیر ، وزیر ، صاحب مال اگر گناہ میں مبتلا ہو جائیں تو انھیں ہلاکت کی بشارت دے دو۔

اِذَا غَزَا الْفِسْقُ الْاُمَرَاءَ وَالْوُزَرَاءَ وَاَصْحَابَ الْاَمْوَالِ فَبَشِّرْ دَوْلَتَهُمْ بِالْهَلَاكِ (جب بے حیائی اور فسق و فجور بادشاہوں ، وزیروں اور مال داروں میں پھیل جائے تو ان کی ریاست کو ہلاکت کی خوش خبری سنا دو۔)

18 ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا ...﴾

اعمال کی قبولیت تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے :

① اَلْاِيْمَانُ (ایمان)
② اَلنِّيَّةُ الطَّيِّبَةُ الْحَسَنَةُ (نیک اور اچھی نیت)
③ اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ الَّذِيْ يُرْضِي اللّٰهَ (نیک عمل جو اللہ کو راضی کرے)

22 ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾

﴿عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اِنِّيْ اَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيْمًا فَهَلْ لِيْ تَوْبَةٌ ؟ قَالَ : هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ ؟ قَالَ : لَا ، قَالَ : هَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ : فَبِرَّهَا﴾ (جامع الترمذی : ابواب البر والصلة ، حديث ١٩٠٤م)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ سے بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ کیا میرے لیے توبہ کی گنجائش ہے؟'' آپ نے پوچھا ''کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟'' اس نے کہا ''نہیں۔'' آپ نے پوچھا ''کیا تمہاری کوئی خالہ ہے؟'' اس نے کہا ''ہاں۔'' آپ نے فرمایا ''اس کے ساتھ حسن سلوک کرو۔''

﴿اِحْسٰنًا﴾ اِنَّ الْمَصْدَرَ لَا يَكُوْنُ مُرْتَبِطًا اَبَداً بِزَمَانٍ اَوْ مَكَانٍ. (مصدر کبھی زمان یا مکان سے مربوط نہیں ہوتا۔) یعنی ہر جگہ اور ہر وقت ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

23 ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا ... لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيْماً ○﴾

حقیقت توحید چار اصولوں پر مبنی ہے :

① اَلْبَرَاءَةُ عَنِ الشِّرْكِ وَاَهْلِهِ (شرک اور مشرکوں سے بے زاری)
② اِخْلَاصُ الدُّعَاءِ (دعا میں اخلاص)
③ اِخْلَاصُ الْمَحَبَّةِ (محبت میں اخلاص)
④ اِخْلَاصُ الطَّاعَةِ (اطاعت میں اخلاص)

﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾ عربی حروف ہجاء میں سب سے قوی حرف طاء (ط) ہے اور سب سے کمزور حرف فاء (ف) ہے۔ پس اللہ نے جب ماں باپ کے حق میں کمزور حرف استعمال کرنے سے منع کر دیا تو اقویٰ اور قوی حرف کا استعمال تو بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہو گا۔

31 ﴿كَانَ خِطْاً كَبِيْراً﴾

خِطَاٌ اور خَطَاٌ کے درمیان فرق :

- اَلْخَطَأُ هُوَ مُجَانَبَةُ الصَّوَابِ عَنْ غَيْرِ عَمَدٍ. (بغیر جانے بوجھے صحیح راستے سے ہٹ جانا خطا ہے۔)

اَلْخِطْأُ يُقَالُ لِمَنْ تَعَمَّدَ الْخَطَأَ . (خطء اس شخص کے لیے کہا جاتا ہے جو جان بوجھ کر خطا کرے۔)

جیسے ﴿ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴾ (الاسراء : ۳۱) ''بے شک ان کا قتل گناہ کبیرہ ہے۔''

• اَلْخَطَأُ يُقَالُ لِمَنِ اجْتَهَدَ فِى الْفِعْلِ وَلَمْ يَتَعَمَّدْ اَنْ يُخْطِئَ . (لفظ خطا اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جس نے کسی کام میں کوشش کی ہو اور اس کا ارادہ خطا کرنے کا نہ ہو۔)

جیسے ﴿ لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ (البقرة : ۲ / ۲۸۶) ''اگر ہم سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کر۔''

32 ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ ﴾

﴿ فَاحِشَةً ﴾ فِعْلَةٌ قَبِيْحَةٌ ظَاهِرَةُ الْقُبْحِ . (فاحشہ سے مراد ایسا قبیح عمل ہے جس کی قباحت ظاہر ہو۔)

كُلُّ فِعْلٍ تَعْظُمُ كَرَاهِيَتُهُ فِى الْاَنْفُسِ وَيَقْبُحُ ذِكْرُهُ فِى الْاُنْسِ . (ہر وہ کام جس سے نفوس میں شدید نفرت پیدا ہو اور انسانوں میں اس کا ذکر کرنا برا سمجھا جائے، اسے فاحشہ کہتے ہیں۔)

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اس (زنا) کا فاحشہ ہونا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس میں خاندانوں کی تباہی شامل ہے جو دنیا کی بربادی کا سبب بنتی ہے اور اس میں باہمی قتل وغارت اور ناموس پر حملے بھی شامل ہیں اور یہ بھی دنیا کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔'' (تفسیر الرازی : ۲۰ / ۳۳۲)

فَاِنَّ الزَّانِيَةَ تَصِيْرُ مَمْقُوْتَةً مَكْرُوْهَةً حَتّٰى فِى الْاَوْسَاطِ الْمُتَحَلِّلَةِ ، وَاَنْ لَا يَعْتَمِدَ الْاِنْسَانُ عَلَيْهَا فِىْ شَىْءٍ مِنْ مُهِمَّاتِهِ وَمَصَالِحِهِ . (زانیہ عورت گھناؤنی اور ناپسندیدہ ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ بے حیا

معاشروں میں بھی۔ انسان کسی بھی اہم کام اور مفاد میں اس پر بھروسا نہیں کرسکتا۔)

﴿ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴾ اَیْ بِئْسَ طَرِيْقاً هُوَ. (کتنا برا راستہ ہے یہ!)

لِاَنَّهٗ يُؤَدِّيْ اِلَى النَّارِ. (کیونکہ زنا جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔)

34 ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ... ﴾

اَلطِّفْلُ الَّذِيْ مَاتَ اَبُوْهُ يُقَالُ لَهُ : الْيَتِيْمُ ، وَالَّذِيْ مَاتَتْ اُمُّهُ يُقَالُ لَهُ : الْعَجِيُّ ، وَالَّذِيْ تُوُفِّيَ اَبَوَاهُ فَهُوَ : اللَّطِيْمُ. (وہ بچہ جس کا باپ مر گیا ہو، اسے یتیم کہتے ہیں۔ جس کی ماں مر گئی ہو، اسے عجی کہتے ہیں۔ جس کے ماں باپ دونوں مر گئے ہوں، اسے لطیم کہتے ہیں۔)

49 ﴿ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَاماً وَّرُفَاتاً ... ﴾

ابوصالح نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے دو مرتبہ صور پھونکنے کا زمانہ مراد ہے جو چالیس سال ہے۔ اس عرصے میں عذاب منقطع رہے گا، اس لیے وہ سمجھیں گے کہ وہ بہت کم عرصہ رہے۔ (زاد المسیر : ۳ / ۳۰)

59 ﴿ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيَاتِ ... ﴾

فرمائشی معجزات پورا نہ کرنے کی وجہ :

① معجزہ نازل کیے جانے کے بعد قوم ایمان نہ لائے تو اس قوم پر عذاب آجاتا ہے۔

② اللہ کو علم تھا کہ ان کا مطالبہ تلاش حق کے لیے نہیں بلکہ عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر ہے۔ ان کی فرمائش پوری کردی جائے، پھر بھی وہ ایمان نہ لائیں گے۔

③ جتنے معجزات کی ضرورت تھی، اللہ نازل کر چکا۔

④ اگر تمام حجابات اٹھا دیے جائیں تو ثواب وعذاب دینے کی حکمت باطل ہو جاتی۔

60 ﴿ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ﴾

شجرۂ ملعونہ : اس درخت کو کھاتے ہوئے کفار اس پر لعنت کریں گے۔ ہر وہ طعام جس کا ذائقہ مکروہ یا نقصان دہ ہو، عرب اسے ''ملعون'' کہتے ہیں۔

62 ﴿لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗ اِلَّا قَلِيْلًا﴾

یعنی اپنے پیچھے پیچھے چلاؤں گا۔

64 ﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ ...﴾

﴿وَاسْتَفْزِزْ﴾ اَيِ اسْتَزِلَّ وَاسْتَخِفَّ ، وَاَصْلُهٗ : الْقَطْعُ ، وَمِنْهُ تَفَزَّزَ الثَّوْبُ اِذَا انْقَطَعَ . (تفسير القرطبی : ۱۰ / ۲۸۸) ''یعنی پھسلا دے اور بے وقوف بنا کر اپنے تابع کر لے۔ اس کی اصل قطع (کاٹنا) ہے۔ اسی سے تفزز الثوب (کپڑا پھٹ گیا) ہے جب وہ کٹ جائے۔''

جو اللہ کی معصیت سواری سے یا پیدل کرے، وہ ابلیس کا سوار اور پیادہ ہے۔

﴿وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴾ جس کام میں یا جس کے ساتھ شیطان کی اطاعت کی جائے تو وہ شیطان کی طرف سے مشارکت ہے۔

اموال میں شرکت : اموال میں شیطان کی شرکت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے بہکانے سے لوگ چوری، ڈاکا، سود اور رشوت جیسے گناہوں کا ارتکاب کریں، تنخواہ پوری لیں مگر کام نہ کریں، بغیر صلاحیت، بغیر میرٹ، جعلی سندوں اور سفارشوں سے ملازمت حاصل کریں، شراب و افیم کی اسمگلنگ سے مال کمائیں، نقلی دوائیاں فروخت کریں، ناقص سامان لگا کر بلڈنگیں، سڑکیں اور پل بنائیں، اس طرح عوام کے پیسے ہڑپ لیں۔

اولاد میں شرکت : اولاد میں شیطان کی شرکت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے ورغلانے سے بچوں کو دینی تعلیم نہ دیں، ان کی صحیح تربیت نہ کریں، ان کی ہر جائز ناجائز مانگیں پوری کریں۔

68 ﴿اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ ...﴾

خسف کا معنی ہے، ایک چیز کا دوسری چیز میں داخل کرنا۔

70 ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾

نکتہ : ہر مخلوق کھاتے وقت اپنا منہ کھانے تک لے جاتی ہے اور انسان کھانے کو منہ تک

لے جاتا ہے۔ ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ؀ ﴾ (التين : ٩٥ / ٤)
”یقیناً ہم نے انسان کو بہترین شکل صورت میں پیدا کیا ہے۔“

71 ﴿ یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ﴾

اَیْ بِكِتَابِ اَعْمَالِهِمْ ، اَلْقَوْلُ الْاَرْجَحُ عِنْدَ ابْنِ كَثِيْرٍ ، اَوْ بِقَائِدِهِمُ الَّذِیْ يَاْتَمُّوْنَ بِهٖ . (یہاں امام سے مراد لوگوں کے اعمال نامے ہیں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ یا ان کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں۔)

قرآن میں امام کے چار معنی ہیں :

① قائد فی الخیر، مقتدا : ﴿ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ﴾ (البقرة : ٢ / ١٢٤)
”اللہ نے کہا، بے شک میں تمھیں سب لوگوں کے لیے امام بنانے والا ہوں۔“

② کتاب (نامہ اعمال) : ﴿ یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ ﴾ (الاسراء : ١٧ / ٧١) ”جس دن ہم تمام انسانوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔“

③ لوح محفوظ : ﴿ وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴾ (یاسین : ٣٦ / ١٢)
”اور ہم نے ہر شے کو واضح کتاب میں محفوظ کر رکھا ہے۔“

④ طریق (شاہراہ، اوپن ہائی وے) : ﴿ وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴾ (الحجر : ٧٩) ”بے شک وہ دونوں (تباہ شدہ بستیاں) کھلی شاہراہ پر ہیں۔“

78 ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ... كَانَ مَشْهُوْدًا ؀ ﴾

﴿ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ﴾ اَیْ مَيْلُهَا اِلَى الْاُفُقِ الْغَرْبِیِّ بَعْدَ الزَّوَالِ ، فَيَدْخُلُ فِیْ ذٰلِكَ صَلَاةُ الظُّهْرِ وَصَلَاةُ الْعَصْرِ . (یعنی سورج کا زوال کے بعد مغربی افق کی طرف مائل ہونا۔ پس اس میں ظہر اور عصر کی نمازیں داخل ہیں۔)

﴿ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ ﴾ يَعْنِیْ ظُلْمَتُهٗ ، فَيَدْخُلُ فِیْ ذٰلِكَ صَلَاةُ الْمَغْرِبِ وَصَلَاةُ الْعِشَاءِ . (یعنی اندھیرا چھا جانا۔ پس اس میں مغرب اور عشاء

کی نمازیں شامل ہیں۔)

﴿ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ﴾ اَیْ صَلَاةُ الصُّبْحِ (اَلْفَجْرِ) . (یعنی نماز فجر۔)

﴿ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴾ فَتَشْهَدُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ ، يَنْزِلُ هٰؤُلَاءِ وَيَصْعَدُ هٰؤُلَاءِ . (چنانچہ رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ یہ فرشتے اترتے ہیں اور یہ فرشتے اوپر جاتے ہیں۔)

علامہ سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا ''نماز فجر کا نام قرآن اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں قرآن کی لمبی قراءت مشروع ہے۔ یہ قراءت دوسری نمازوں کی قراءت سے زیادہ لمبی ہوتی ہے، نیز فجر کی نماز میں قراءت کی فضیلت ہے کیونکہ اس میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔'' (تفسیر السعدی : ٤ / ٩٣٥ ، اردو : ص ١٤٨٢)

نکتہ : اِنَّ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ يُجْمَعَانِ ، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ كَذٰلِكَ لِلْعُذْرِ ، لِاَنَّ اللّٰهَ جَمَعَ وَقْتَهُمَا جَمِيْعاً . (عذر کی وجہ سے ظہر اور عصر کو جمع کیا جاسکتا ہے، اسی طرح مغرب اور عشاء کو بھی، کیونکہ اللہ نے ان دونوں کے وقت کو اکٹھا ذکر فرمایا ہے۔)

79 ﴿ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ... ﴾

نَاسَبَ الْاِنْبِعَاثُ مِنَ النَّوْمِ الْاِنْبِعَاثَ مِنَ الْمَوْتِ ، وَالْقِيَامُ بِاللَّيْلِ الْمَقَامَ فِى الْحَشْرِ جَزَاءً وَعَطَاءً . (نیند سے اٹھنے کی مناسبت بعث بعد الموت سے ہے، جبکہ قیام اللیل کی مناسبت حشر میں انعام اور عطیے کے لیے کھڑا ہونا ہے۔)

سعد بن ہشام نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا ''کیا تم نے سورۂ مزمل نہیں پڑھی؟'' کہا ''جی، پڑھی ہے۔'' فرمایا ''اس سورت کی ابتدا میں اللہ نے قیام اللیل فرض قرار دیا ہے۔ یہ سورت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم ایک سال (بارہ ماہ) تک قیام کرتے رہے۔ اس کی آخری آیات نازل نہ

ہوئیں۔ بالآخر آخری حصہ نازل ہوا جس میں تخفیف کا حکم تھا۔ رات کا قیام جو پہلے فرض تھا، اب نفل ہے۔'' (مسلم : کتاب صلاة المسافرین قصرها ، حدیث ٧٤٦)

سوال کیا ہمیشہ تین وتر پڑھنا جائز ہے؟

جواب ﴿عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ ، اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : الْوِتْرُ حَقٌّ ، فَمَنْ شَاءَ اَوْتَرَ بِسَبْعٍ ، وَمَنْ شَاءَ اَوْتَرَ بِخَمْسٍ ، وَمَنْ شَاءَ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ ، وَمَنْ شَاءَ اَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ﴾ (سنن النسائی : قیام اللیل وتطوع النهار ، حدیث ١٧١٠ ، حکم الالبانی : صحیح) ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وتر حق ہے۔ جو چاہے سات پڑھ لے، جو چاہے پانچ پڑھ لے، جو چاہے تین پڑھ لے اور جو چاہے ایک پڑھ لے۔''

وتر حق ہے۔ سات پڑھیں، پانچ پڑھیں، تین پڑھیں یا ایک پڑھیں۔

سوال ایک شخص وتر پڑھے بغیر سو گیا۔ اب وہ اسے کیسے ادا کرے؟

جواب اِذَا نَامَ عَنِ الْوِتْرِ فَاِنَّهُ یَقْضِیْهِ شَفْعاً ، یَعْنِیْ : اِذَا کَانَ مِنْ عَادَتِهِ اَنْ یُوْتِرَ بِثَلَاثٍ یُصَلِّیْ اَرْبَعاً ، وَاِنْ کَانَتْ عَادَتُهُ اَنْ یُصَلِّیْ خَمْسًا یُصَلِّیْ سِتًّا ، لِحَدِیْثِ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : (کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا غَلَبَهُ وَجَعٌ اَوْ نَوْمٌ صَلّٰی مِنَ النَّهَارِ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ رَکْعَةً) یُصَلِّیْ هٰذِهِ الرَّکَعَاتِ بَعْدَ ارْتِفَاعِ الشَّمْسِ مِنَ الْیَوْمِ التَّالِیْ ، یَعْنِیْ : بَعْدَ الْاِرْتِفَاعِ بِمِقْدَارِ رُمْحٍ .

(لقاء الباب المفتوح لابن عثیمین : ٧ / ٤٢) ''جب کوئی شخص سو جائے اور وتر کی نماز نہ پڑھ سکے تو وہ اسے جفت (دو، چار، چھ) پڑھے۔ یعنی اگر اس کی عادت تین رکعات وتر پڑھنے کی تھی تو وہ چار رکعت پڑھے گا اور اگر اس کی عادت پانچ رکعات پڑھنے کی تھی تو وہ چھ رکعات پڑھے گا۔ یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی رو سے ہے جس میں انھوں نے فرمایا (جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری یا نیند غالب آجاتی تو آپ دن میں بارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔)

یہ رکعتیں آپ ﷺ اگلے دن سورج طلوع ہونے اور ایک نیزے کے برابر بلند ہونے کے بعد پڑھتے تھے۔"

مقامِ محمود کیا ہے؟ :

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ، قَالَ : هُوَ الْمَقَامُ الَّذِیْ اَشْفَعُ لِاُمَّتِیْ فِیْهِ﴾ (مسند احمد : حدیث ۱۰۸۳۹ ، حسن لغیرہ) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے "مقامِ محمود" کی تفسیر میں فرمایا "یہ وہی مقام ہے جہاں کھڑے ہو کر میں اپنی امت کی سفارش کروں گا۔"

82 ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ﴾

قرآن، قلب اور بدن دونوں کے لیے شفا ہے۔

84 ﴿قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ﴾

ہر ایک اپنے طریقے پر چلتا ہے۔ بندے کا طریقہ ہے گناہ کرنا اور اللہ کا طریقہ ہے معاف کرنا۔

نفس اگر طیب ہے تو اس سے اعمال طیبہ صادر ہوں گے اور نفس اگر خبیث ہے تو اس سے اعمال خبیثہ صادر ہوں گے۔

ارشاد ہے : ﴿وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ﴾ (الاعراف : ۷ / ۵۸) "اور جو ستھری زمین ہوتی ہے، اس کی پیداوار اپنے رب کے حکم سے (خوب) نکلتی ہے۔ اور جو خراب ہوتی ہے، اس کی پیداوار ناقص ہی نکلتی ہے۔"

وَیُقَالُ : رَجُلٌ نَكِدٌ وَنَكَدٌ (اَیْ بِفَتْحِ الْكَافِ وَكَسْرِهَا) ، وَنَاقَةٌ نَكْدَاءُ ، طَفِیْفَةُ الدَّرِّ صَعْبَةُ الْحَلْبِ . (تفسیر المنار : ۸ / ۴۲۸)

"کہا جاتا ہے : رَجُلٌ نَكِدٌ وَنَكَدٌ . جس کا مطلب ہے، بد قسمت اور بد بخت۔ ایسی

اونٹنی کو بھی نکداء کہتے ہیں جو کم دودھ دینے والی ہو اور اس کا دودھ دوہنا مشکل ہو۔“
نیت کی جو شکل ہوگی، وہی عمل کی شکل ہوگی۔

فَقَالَ اَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : قَرَاْتُ الْقُرْآنَ مِنْ اَوَّلِهِ اِلَى آخِرِهِ فَلَمْ اَرَ فِيْهِ آيَةً اَرْجَى وَاَحْسَنَ مِنْ قَوْلِهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى : قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ، فَاِنَّهُ لَا يُشَاكِلُ بِالْعَبْدِ اِلَّا الْعِصْيَانُ وَلَا يُشَاكِلُ بِالرَّبِّ اِلَّا الْغُفْرَانُ . (تفسير القرطبى : ١٠ / ٣٢٢)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”میں نے قرآن کو اول سے آخر تک پڑھا، مگر مجھے اس میں اس آیت سے زیادہ امید افزا اور عمدہ کوئی آیت نظر نہ آئی جس میں اللہ فرماتا ہے ”کہہ دیجیے، ہر کوئی اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے۔“ کیونکہ بندے کے مناسب نافرمانی ہے اور اللہ کے مناسب مغفرت ہے۔“

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ 85

تَارِكاً تَفْصِيْلَهُ . (اس کی تفصیل چھوڑے ہوئے۔)

حِكْمَةُ ذٰلِكَ تَعْجِيْزُ الْعَقْلِ عَنْ اِدْرَاكِ مَخْلُوْقٍ مُجَاوِرٍ لَهُ لِلدَّلَالَةِ عَلَى اَنَّهُ عَنْ اِدْرَاكِ خَالِقِهِ اَعْجَزُ . (اس میں حکمت یہ ہے کہ عقل اپنے قریب موجود ایک مخلوق کو سمجھنے سے قاصر ہے تو وہ خالق کا ادراک کرنے سے بدرجۂ اولیٰ قاصر ہے۔)

وَبِذٰلِكَ ثَبَتَ اَنَّ اَكْثَرَ الْمَاهِيَاتِ وَالْحَقَائِقِ مَجْهُوْلَةٌ لِلْاِنْسَانِ ، وَلٰكِنْ لَا يَلْزَمُ مِنْ كَوْنِهَا مَجْهُوْلَةً نَفْيُهَا . (اس سے یہ ثابت ہوا کہ اکثر ماہیتیں اور حقیقتیں انسان کے لیے نامعلوم ہیں، لیکن ان کے نامعلوم ہونے سے ان کی نفی لازم نہیں آتی۔) جیسے روح کی حقیقت و ماہیت کا ہمیں علم نہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح موجود ہی نہیں ہے۔ یعنی عدمِ علم، عدمِ وجود کو مستلزم نہیں۔

سوال روح کیسی ہے؟

(جواب) سَارَ فِيْهِ سَرَيَانَ الْمَاءِ فِي الْوَرْدِ. ”وہ (روح) اس (بدن انسانی) میں ایسے سرایت کیے ہوئے ہے جیسے پھول میں پانی سرایت کیے ہوئے ہوتا ہے۔“

قرآن حکیم کے ذکر کے بعد روح کا تذکرہ ہے۔ اَنَّ الْاُمَّةَ اُوْتِيَتْ عِلْماً وَمُنِعَتْ عِلْماً. (التحریر والتنویر : ۱۵ / ۲۰۰) ”یقیناً اس امت کو کچھ علم دیا گیا اور کچھ علم سے روک دیا گیا۔“

وَقَدْ حَكَى بَعْضُ الْمُحَقِّقِيْنَ : اَنَّ اَقْوَالَ الْمُخْتَلِفِيْنَ فِي الرُّوْحِ بَلَغَتْ اِلَى ثَمَانِيَةَ عَشَرَ وَمِائَة قَوْلٍ. (فتح القدير شوكانی : ج ۳ ص ۳۰۲) ”بعض محققین نے بیان کیا ہے کہ روح کے بارے میں اختلاف رکھنے والوں کے اقوال ۱۱۸ تک پہنچ گئے ہیں۔“

اِنَّ اللّٰهَ قَدِ اسْتَاْثَرَ بِعِلْمِهِ. (اللہ نے روح کے علم کو اپنے لیے خاص کرلیا ہے۔)

بدن کا مادہ معلوم ہے کہ وہ مٹی (تراب) ہے، مگر روح کا مادہ غیر معلوم ہے۔

نفس اور روح : نفس کا اطلاق، روح اور روح و بدن کے مجموعے پر ہوتا ہے، جبکہ روح کا اطلاق نہ صرف بدن پر ہوتا ہے اور نہ دونوں کے مجموعے پر۔

نفس کی قسمیں : اس کی تین قسمیں ہیں :

① نفس امارہ : دل کو سفلی جانب کھینچتی ہے۔

② نفس لوامہ : برائی سرزد ہوجائے تو اپنے آپ کو ملامت کرتی ہے۔

③ نفس مطمئنہ : صفات مذمومہ سے مجرد اور اخلاق محمودہ سے متصف ہوتی ہے۔

(سوال) روح مرتی ہے یا نہیں؟

(جواب) روح کی موت یہ ہے کہ وہ جسم سے نکل جائے۔ ارشاد ہے : ﴿ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ﴾ (البقرة : ۲ / ۲۸) ”حالانکہ تم مردہ تھے، پھر اس نے تمھیں زندہ کیا۔“

﴿ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾ بعض علماء نے کہا کہ عالم خلق وہ ہے جس میں اللہ

کسی چیز کو مادے سے پیدا کرتا ہے اور عالم امر وہ ہے جس میں اللہ کسی چیز کو لفظ ''کن'' سے پیدا کرتا ہے۔

100 ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْراً﴾

﴿لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِثاً ، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ ، وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَى مَنْ تَابَ﴾ (صحيح البخاری : كتاب الرقاق ، حديث ٦٤٣٦) ''اگر ابن آدم کے پاس مال و دولت کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوگا۔ انسان کا پیٹ تو قبر کی مٹی ہی بھرے گی اور اللہ ہر اس شخص کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔''

انسان کی اصل بخل ہے۔ کیا آپ ایک شیر خوار بچے کی طرف نہیں دیکھتے کہ اس کی طرف کوئی خوب صورت چیز بڑھائیں تو وہ لے لے گا اور اگر اس کے ہاتھ سے کوئی چیز لینا چاہیں تو نہیں دے گا؟

106 ﴿وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلاً﴾

قرآن کے بتدریج نزول کی حکمت : کتاب اگر یکبارگی نازل ہوتی تو تمام احکام یکبارگی فرض ہو جاتے اور لوگوں کے لیے یکبارگی ان پر عمل کرنا اور پرانی عادتوں کا یکبارگی ترک کرنا مشکل ہوتا۔

سورۂ کہف

فوائد و نکات :

وَقِصَصُ هٰذِهِ السُّوْرَةُ كَكُلٍّ تَتَحَدَّثُ عَنْ اِحْدَى هٰذِهِ الْفِتَنِ ثُمَّ تَأْتِيْ بَعْدَهُ تَعْقِيْبٌ بِالْعِصْمَةِ مِنَ الْفِتَنِ . (سورۂ کہف میں ذکر کردہ قصے مجموعی طور پر ان چار فتنوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بات کرتے ہیں، پھر ان کے بعد فتنوں سے بچاؤ کی بات آتی ہے۔)

① **فتنة الدين** (دین کا فتنہ) : قِصَّةُ الْفِتْيَةِ الَّذِيْنَ هَرَبُوْا بِدِيْنِهِمْ مِنَ

الْمَلِكِ الظَّالِمِ . (ان نوجوانوں کا قصہ جنھوں نے اپنے دین کی خاطر ظالم بادشاہ سے فرار اختیار کیا۔) آیات نمبر ۹ تا ۲٦ میں اس کا ذکر ہے۔

عِصْمَةُ الْفِتْنَةِ مِنَ الدِّيْنِ تَكُوْنُ بِالصُّحْبَةِ الصَّالِحَةِ ، وَتَذَكُّرِ الْآخِرَةِ ، وَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَتَدَبُّرِهِ . (دین کے فتنے سے بچاؤ، نیک لوگوں کی صحبت، آخرت کی یاد اور قرآن کی تلاوت وتدبر سے ہوتا ہے۔)

② فتنة المال (مال کا فتنہ) : قِصَّةُ صَاحِبِ الْجَنَّتَيْنِ . (دو باغات والے شخص کا قصہ۔) آیات ۳۲ تا ۴۴ میں اس کا ذکر ہے۔

عِصْمَةُ الْفِتْنَةِ مِنَ الْمَالِ تَكُوْنُ فِىْ فَهْمِ حَقِيْقَةِ الدُّنْيَا وَالْاِنْشِغَالِ بِالْآخِرَةِ . (مال کے فتنے سے بچاؤ، دنیا کی حقیقت کو سمجھنے اور آخرت کی فکر کرنے سے ہوتا ہے۔)

③ فتنة العلم (علم کا فتنہ) : قِصَّةُ مُوْسَى مَعَ خَضِرٍ . (موسیٰ علیہ السلام اور خضر کا قصہ۔) آیات ٦٠ تا ۸۲ میں اس کا ذکر ہے۔

عِصْمَةُ الْفِتْنَةِ مِنَ الْعِلْمِ هِىَ التَّوَاضُعُ وَعَدَمُ الْغُرُوْرِ بِالْعِلْمِ . (علم کے فتنے سے بچاؤ، عاجزی اور علم پر غرور نہ کرنے سے ہوتا ہے۔)

④ فتنة السلطة (اقتدار کا فتنہ) : قِصَّةُ الْمَلِكِ ذِىْ الْقَرْنَيْنِ . (بادشاہ ذوالقرنین کا قصہ۔) آیات ۸۳ تا ۸۹ میں اس کا ذکر ہے۔

عِصْمَةُ الْفِتْنَةِ مِنَ السُّلْطَةِ هِىَ الْاِخْلَاصُ لِلّٰهِ فِى الْعَمَلِ ، وَتَذَكُّرُ الْآخِرَةِ . (اقتدار کے فتنے سے بچاؤ، عمل میں اخلاص اور آخرت کو یاد کرنے سے ہوتا ہے۔) آیات ۱۰۳ تا ۱۰۴ میں اس کا ذکر ہے۔

اَلدَّعْوَةُ اِلَى اللّٰهِ ذُكِرَتْ فِى السُّوْرَةِ الْمُبَارَكَةِ بِجَمِيْعِ مُسْتَوَيَاتِهَا . (دعوت الی اللہ کا ذکر اس بابرکت سورت میں اس کے تمام پہلوؤں کے ساتھ لیا گیا ہے۔)

- فِتْيَةٌ يَدْعُوْنَ مَلِكَ الْقَرْيَةِ . (چند نوجوان شہر کے بادشاہ کو دعوت دے رہے ہیں۔)
- صَاحِبٌ يَدْعُوْ صَاحِبَهُ . (ایک دوست اپنے دوست کو دعوت دے رہا ہے۔)
- مُعَلِّمٌ يَدْعُوْ تِلْمِيْذَهُ . (ایک استاذ اپنے شاگرد کو دعوت دے رہا ہے۔)
- مَلِكٌ يَدْعُوْ رَعِيَّتَهُ . (ایک بادشاہ اپنی رعایا کو دعوت دے رہا ہے۔)

موسیٰ علیہ السلام پر تین حالات گزرے :

① موسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں تابوت میں ڈال کر حوالۂ دریا کر دیا گیا تھا تاکہ وہ فرعون کے ظلم سے محفوظ رہ سکیں۔ (حضرت خضر کے ساتھ وہ کشتی میں سوار ہوئے تو حضرت خضر نے کشتی کو توڑ دیا تاکہ وہ ظالم بادشاہ کے قبضے میں آنے سے بچ جائے۔)

② موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی کا قتل ہو گیا تھا۔ (حضرت خضر سے بھی ایک بچے کا قتل ہوا۔)

③ بلا اجرت مدین میں دو لڑکیوں کے مویشیوں کو پانی پلایا۔ (حضرت خضر نے بھی بلا اجرت دو یتیم بچوں کی گرتی ہوئی دیوار سیدھی کر دی۔)

4 ﴿وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ○﴾

اللہ کے لیے اولاد ماننے والے تین قسم کے گروہ تھے :

① کفار عرب جو کہتے تھے کہ فرشتے، اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

② نصاریٰ جو کہتے تھے کہ مسیح (عیسیٰ علیہ السلام)، اللہ کے بیٹے ہیں۔

③ یہود جو کہتے تھے کہ عزیر علیہ السلام، اللہ کے بیٹے ہیں۔

7 ﴿لَهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

(سوال) امتحان لینا تو عدم علم کو مستلزم ہے۔ امتحان وہ لیتا ہے جسے امتحان دینے والے کی قابلیت کا علم نہیں ہوتا، جبکہ اللہ تو علام الغیوب ہے۔

جواب وہ امتحان اپنے لیے نہیں لیتا بلکہ دوسروں کے لیے لیتا ہے۔ وہ قیامت میں دکھانا چاہتا ہے کہ کسی بندے کو اجر دیا جا رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آزمائش کی بھٹی سے سلامتی سے گزرا، جبکہ جسے عذاب دیا جا رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امتحان میں ناکام ہو گیا تھا اور دنیا کی زیب و زینت میں ڈوب گیا تھا۔

8 ﴿وَإِنَّا لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْداً جُرُزاً ۝﴾

یہ دنیا اپنی تمام دل فریبیوں کے ساتھ ختم ہونے والی ہے، لہٰذا اس سے دل نہ لگاؤ۔

نہ لائق بود عیش با دلبرے

کہ ہر بامدادش بود شوہرے

"ایسی محبوبہ کے ساتھ عیش و عشرت مناسب نہیں ہے جس کا ہر صبح ایک نیا شوہر ہو۔"

9 ﴿اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ...﴾

کہف (غار) : اس کا دروازہ شمال کی طرف تھا اور عرض (چوڑائی) قبلے کی طرف تھی۔ گرمیوں کے زمانے میں سورج کے طلوع کی پہلی شعاعیں غار کے مغربی جانب پڑتی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ وہ شعاعیں غار سے باہر نکلتی تھیں اور جب سورج غروب کی جانب مائل ہوتا تو شعاعیں غار کی مشرقی جانب داخل ہوتیں۔ مقصد یہ تھا کہ غار کی ہوا خراب نہ ہو۔

10 ﴿اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ﴾

اس میں فتنے کے زمانے میں عزلت گزینی کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں جب فتنے بڑھ گئے تو سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ربذہ کا رخ کیا۔ (ربذہ، سعودی عرب میں مدینہ منورہ سے ۱۷۰ کلومیٹر مشرق کی جانب واقع ہے۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ وہاں مدفون ہیں۔)

فِيْ قِصَّةِ الْفِتْيَةِ لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهُ اَسْمَاءَهُمْ بَلْ خَلَّدَ اَفْعَالَهُمْ ،

وَذٰلِكَ لِاَنَّ قِيْمَةَ الْاِنْسَانِ فِىْ عَمَلِهِ ، وَلَيْسَ فِى اسْمِهِ اَوْ شَكْلِهِ اَوْ نَسَبِهِ اَوْ مَرْتَبَتِهِ . (نوجوانوں کے قصے میں اللہ نے ان کے ناموں کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ ان کے اعمال کو ہمیشہ کے لیے زندہ رکھا۔ یہ اس لیے ہے کہ انسان کی قدر و قیمت اس کے عمل میں ہے، نہ کہ اس کے نام، اس کی شکل، اس کے حسب ونسب یا اس کے مرتبے میں۔)

11

﴿ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى آذَانِهِمْ ... ﴾

نیند کا کانوں سے گہرا تعلق : کانوں میں کسی آواز کے پہنچنے سے نیند منقطع ہو جاتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ صبح تک پڑا سوتا رہا اور فرض نماز (فجر) کے لیے بھی نہیں اٹھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا ہے۔'' (صحيح البخاری : كتاب التهجد ، حديث ١١٤٤)

12

﴿ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ ... ﴾

تاکہ ہم اس چیز کو بحیثیت موجود بالفعل جان لیں، ورنہ اللہ کو پہلے سے علم ہے۔

علم یہاں بمعنی ظہور ہے۔ اللہ تو ازل سے ہر چیز کا عالم ہے، لیکن اللہ اس علم کو لوگوں پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ دو جماعتوں میں سے کون سی جماعت کو ان کے مدت قیام کا زیادہ علم ہے۔

13

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ... ﴾

۲۴۸ء کے اواخر میں دقیانوس جسے رومی زبان میں Decius کہتے ہیں، روما کے تخت پر متمکن ہوا۔ یہ پہلا فرماں روا تھا جس نے مسیحیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کا ایک جامع منصوبہ بنایا۔ ایک دفعہ دقیانوس کا گزر ایشیائے کوچک کی بستی افیسس (Ephesus) پر ہوا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ڈائنا کا مندر تھا۔ اس نے عیسائیوں کی پکڑ

دھکڑ شروع کی تو چند نوجوان اپنی دولت ایمان کو بچانے کے لیے وہاں سے بھاگ گئے۔ قریب ہی ایک غار تھا جس میں انھوں نے پناہ لے لی۔

16 ﴿ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴾

اَلرِّفْقُ : التَّوَاضُعُ . (رفق سے مراد تواضع ہے۔)

17 ﴿ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ ... ﴾

﴿ تَّزٰوَرُ ﴾ ایک جانب مائل ہونا، کترا کر نکل جانا۔

سورج طلوع کے وقت غار کی دائیں جانب ہوتا اور غروب کے وقت بائیں جانب ہوتا۔ دھوپ غار کے اندر نہ پہنچتی، ورنہ اجسام میں فساد ہوجاتا، بلکہ خوش گوار اور ٹھنڈی ہوا غار کے اندر پہنچتی۔

﴿ تَّقْرِضُهُمْ ﴾ دھوپ ان کے جسموں کو مس نہیں کرتی۔

18 ﴿ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ﴾

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مویشیوں کے لیے، یا شکاری کتے، یا کھیتی کے سوا کسی نے کوئی کتا رکھا تو اس کے اجر سے روزانہ ایک قیراط کم ہوجائے گا۔" (بخاری ومسلم)

یعنی تین قسم کے کتے رکھنا جائز ہے :

① کلب الصید (شکاری کتا)

② کلب حراسة الماشية (مویشیوں کی حفاظت کرنے والا کتا)

③ کلب حراسة الزرع (الحرث) (کھیتی وغیرہ کی حفاظت کرنے والا کتا)

19 ﴿ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ ﴾

اگر یہ سوال ہو کہ اللہ نے ﴿ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ ﴾ کیوں فرمایا اور وَاحِدَكُمْ کیوں نہیں فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ اس کا مقصد ان میں سے کسی ایک فرد کو بھیجنا تھا، وہ کوئی بھی ہوسکتا تھا۔ اگر وَاحِدَكُمْ فرمایا جاتا تو یہ ان کے سردار یا رہنما کو بھیجنے پر دلالت کرتا،

کیونکہ عرب کہتے ہیں: رَاَیْتُ وَاحِدَ الْقَوْمِ. ''میں نے ان لوگوں میں سے ایک فرد کو (کسی ایک کو) دیکھا۔'' وہ یہ نہیں کہتے: رَاَیْتُ وَاحِدَ الْقَوْم. کیونکہ اس سے مراد قوم کا کوئی محترم شخص ہوتا ہے۔

اگر یہ سوال ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ﴿نَسِيَا حُوْتَهُمَا﴾ کیوں فرمایا، حالانکہ بھولنے والا تو صرف نوجوان تھا جس کی دلیل اس کا موسیٰ علیہ السلام سے معذرت کرتے ہوئے یہ ﴿فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ﴾ کہنا ہے۔ ہم جواب دیں گے کہ یہاں بھولنے کا فعل مجازاً دونوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور مراد ان میں سے کوئی ایک ہے۔ فراء نے کہا ہے کہ اس کی نظیر اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۚ﴾ ''ان دونوں سمندروں سے موتی اور مرجان (مونگے) نکلتے ہیں۔'' جبکہ موتی اور مرجان صرف کھارے پانی کے سمندر سے نکلتے ہیں، میٹھے پانی سے نہیں۔ مفسرین کی اکثریت اور سائنسی حقائق بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ موتی اور مرجان صرف کھارے پانی یعنی سمندر سے حاصل ہوتے ہیں۔

﴿قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ اَلدُّنْيَا كُلُّهَا ثَلَاثُ سَاعَاتٍ: سَاعَةٌ مَضَتْ لَا تَرْجِعُ اَبَداً، وَسَاعَةٌ قَادِمَة لَا تَدْرِیْ هَلْ سَتَصِلُ اِلَيْهَا اَمْ لَا، وَسَاعَةٌ اَنْتَ فِيْهَا هِیَ حَقِيْقَةُ الدُّنْيَا فَاتَّقِ عَزَّ وَجَلَّ فِيْهَا. (دنیا ساری کی ساری تین گھڑیوں پر مشتمل ہے: ① ایک گھڑی جو گزر گئی اور کبھی واپس نہیں آئے گی۔ ② ایک گھڑی جو آنے والی ہے، تمھیں نہیں معلوم کہ تم اس تک پہنچ پاؤ گے یا نہیں۔ ③ ایک گھڑی جس میں تم ابھی ہو۔ یہی دنیا کی حقیقت ہے، پس اس میں اللہ سے ڈرو۔)

23-24 ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ ... وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ﴾

﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شاء اللہ نہیں کہا تو پندرہ دن تک وحی نازل نہ ہوئی۔ معلوم ہوا کہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں نہیں اور قرآن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

کلام نہیں۔

سہو ونسیان : انسان کو کسی چیز کا علم ہوتا ہے۔ اس کی صورت، قوت مدرکہ میں بھی ہوتی ہے اور قوت حافظہ میں بھی۔ اگر مشغولیت کی وجہ سے اس کی صورت، قوت مدرکہ سے نکل جائے تو اسے ''سہو'' کہتے ہیں اور اگر دونوں (مدرکہ وحافظہ) سے نکل جائے تو ''نسیان'' کہتے ہیں۔

خلاصہ : یاددلانے سے یاد آجائے تو سہو ہے۔ نہ یاد آئے تو نسیان ہے۔

رُشد اور رَشد میں فرق : اَلرُّشْدُ يَكُوْنُ فِيْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، وَالرَّشَدُ يَكُوْنُ فِيْ اُمُوْرِ الْآخِرَةِ . (رُشد کا تعلق دنیاوی اور اخروی امور دونوں سے ہوتا ہے، جبکہ رَشد کا تعلق صرف اخروی امور سے ہوتا ہے۔)

25 ﴿وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعاً ○﴾

غار میں مدت قیام : شمسی تقویم کے اعتبار سے تین سو سال اور قمری تقویم کے اعتبار سے تین سو نو سال ہے۔

29 ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَاراً اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا﴾

اَلسُّرَادِقِ : وَهُوَ كُلُّ مَا اَحَاطَ بِشَيْءٍ مِنْ حَائِطٍ اَوْ مَضْرَبٍ اَوْ خِبَاءٍ . (النهاية في غريب الحديث والاثر : ۲ / ۳۵۹) ''سرادق سے مراد ہر وہ چیز ہے جو کسی شے کا احاطہ کیے ہو، خواہ چاردیواری ہو یا شامیانہ ہو۔''

یہ چاردیواری دوزخیوں کو محیط ہوگی۔ دوزخ سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔

31 ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ ... وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقاً ○﴾

جنت میں ستر پوشی کا لباس بھی پہنایا جائے گا اور بناؤ سنگار کا بھی انتظام ہوگا۔ اس کے علاوہ نشست گاہیں بھی موجود ہوں گی۔

واضح رہے کہ ﴿وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ﴾ میں لباس کا، ﴿يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ﴾ میں بناؤ سنگار کا اور ﴿مُّتَّكِـِٕيْنَ

فِيهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ﴾ میں نشست گاہوں کا ذکر ہے۔

39 ﴿اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾

حول اور قوت میں فرق : اَلْحَوْلُ هُوَ التَّحَوُّلُ مِنْ حَالٍ اِلَى حَالٍ ، وَالْقُوَّةُ فَهِيَ الْقُدْرَةُ وَالْاِسْتِطَاعَةُ عَلَى ذٰلِكَ التَّحَوُّلِ . (حول کا مطلب ہے، ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا۔ قوت سے مراد ہے، اس تبدیلی پر قدرت واستطاعت ہونا۔)

45 ﴿فَاَصْبَحَ هَشِيْماً تَذْرُوْهُ الرِّيَاحُ﴾

﴿هَشِيْمًا﴾ هَشَمَ الشَّيْءَ هَشْماً ، اَیْ كَسْرُ الشَّیْءِ خَاصَّةً اِذَا كَانَ اَجْوَفًا اَوْ يَابِسًا . (کھوکھلی یا خشک چیز کو توڑنا۔) جیسے ناک کو توڑنا، ہڈیوں کو توڑنا۔

فَمَثَلُ الدُّنْيَا كَمَثَلِ هٰذَا النَّبَاتِ الَّذِیْ حَسُنَ اسْتِوَاؤُهُ بِهٰذَا الْمَطَرِ ثُمَّ انْقَطَعَ عَنْهُ فَعَادَ هَشِيْمًا . (الهداية الى بلوغ النهاية : ٦ / ٤٣٩٢)

”دنیا کی مثال اس پودے کی طرح ہے جو اس بارش سے خوب بڑھا اور اس کا تنا مضبوط ہو گیا، پھر جب بارش اس سے رک گئی تو وہ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا۔“

49 ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ﴾

اس کی اصل صورت مَا لِهٰذَا ہونی چاہیے۔ امام بقاعی رحمہ اللہ نے رسم عثمانی میں لام جارہ کو الگ لکھنے کا ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ مجرم اتنے خوف زدہ ہوں گے کہ وہ بعض کلمات پر رک جایا کریں گے۔ علامہ قاسمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بقاعی رحمہ اللہ کے لطیف نکتوں میں سے ایک ہے۔ (محاسن التاويل للقاسمی : ٧ / ٤١)

50 ﴿وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ﴾

نکتہ : اَلْمُحَرِّكُ الْاَسَاسِیُّ وَالرَّئِيْسِیُّ لِكُلِّ فِتْنَةٍ وَشَرٍّ عَلَى الْاَرْضِ هُوَ اِبْلِيْسُ ، بِسَبَبِ عَدَاوَتِهِ الْقَدِيْمَةِ لِبَنِیْ آدَمَ . (زمین پر

ہر فتنے اور شر کا اصل محرک ابلیس ہے کیونکہ بنی آدم سے اس کی دیرینہ دشمنی ہے۔)

عتاب لطیف : شیطان تمہارے باپ کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے میرا دشمن ہوا تو میری اس سے دشمنی تمہاری وجہ سے ہوئی۔ اب تم نے اور اس نے مصالحت کا عقد کرلیا۔

56 ﴿لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾

دَحَضَتْ رِجْلُهُ . (اس کا پاؤں پھسل گیا۔)

دَحَضَتِ الشَّمْسُ . (سورج نصف النہار سے زائل ہوگیا۔)

﴿قِيْلَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! وَمَا الْجِسْرُ ؟ قَالَ : دَحْضٌ مَزِلَّةٌ﴾

(صحیح مسلم : کتاب الایمان ، حدیث ۱۸۳) پوچھا گیا ''اے اللہ کے رسول! پل کیا ہے؟'' آپ نے فرمایا ''بہت پھسلنی، ڈگمگا دینے والی چیز ہے۔ (جہاں پاؤں پھسل جائے۔)''

59 ﴿وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنَاهُمْ ...﴾

(سوال) ''القریٰ'' جماد ہے اور اس کی طرف صیغۂ جمع کی ضمیر نہیں لوٹتی۔ مثلاً ہم یہ نہیں کہہ سکتے : هٰذِهِ الْبُيُوْتُ عَمَّرْنَاهُمْ . بلکہ کہیں گے : هٰذِهِ الْبُيُوْتُ عَمَّرْنَاهَا . پس تِلْكَ الْقُرَى اَهْلَكْنَاهَا کہنا چاہیے، نہ کہ اَهْلَكْنَاهُمْ .

(جواب) کیونکہ ہلاک ہونے والے گاؤں والے (اہل القریٰ) ہیں۔ اس سے ادب کا ایک نکتہ یہ بھی ملا کہ ''القریٰ'' سے مراد کبھی گاؤں ہوتا ہے اور کبھی گاؤں والے۔ یعنی اَلْمُجْتَمَعُ يُسَمَّى قَرْيَةً . (معاشرے کو قریہ کہا جاتا ہے۔) یہاں گاؤں والے مراد ہیں۔

اللہ جو چاہے کرتا ہے۔ اگر چاہے تو جلد سزا دے، چاہے تو سزا میں تاخیر کرے، لیکن وقت جب آجائے تو ٹلتا نہیں۔

﴿لَمَّا ظَلَمُوْا﴾ ان کے ظلم کی وجہ سے۔ ظلم انھوں نے کیا۔ اللہ نے ظلم نہیں کیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہلاکت کی علت اور سبب، ظلم ہے۔

﴿ مَّوْعِدًا ﴾ عذاب میں ڈھیل کی وجہ سے ظالم کو مغرور نہیں ہونا چاہیے۔

60 ﴿ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ﴾

﴿ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ ﴾ وہ ہے جہاں خلیج عقبہ اور خلیج سوئز ملتے ہیں۔ یہ سیناء کے جنوب میں واقع ہے۔

61 ﴿ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا ﴾

لَا يُقَالُ نَفَقٌ اِلَّا اِذَا كَانَ لَهُ مَنْفَذًا وَاِلَّا فَهُوَ سَرْبٌ ، وَلَا يُقَالُ عِهْنٌ اِلَّا اِذَا كَانَ مَصْبُوْغًا ، وَاِلَّا فَهُوَ صُوْفٌ . (اسے نفق (سرنگ) نہیں کہا جاتا جب تک اس کا دوسرا کنارہ نہ ہو، ورنہ اسے سرب کہا جائے گا۔ عھن اس اون کو کہا جاتا ہے جو رنگا ہوا ہو، ورنہ اسے صوف کہا جائے گا۔)

69 ﴿ قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا ... ﴾

﴿ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ امت کو یہ بتانے کے لیے ہے کہ مستقبل میں کوئی کام کرنا ہو تو اسے اللہ کی مشیت کی طرف مفوض (حوالے) کر دو۔

﴿ وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴾ یعنی اپنے قصد و ارادے سے معصیت نہیں کریں گے، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ بھول جائیں یا ان سے خطا سرزد ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ امر کا مقتضیٰ، وجوب ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "میں آپ کے امر کی معصیت نہیں کروں گا۔"

......متعلّم پر معلم کا احترام لازم ہے اور معلم اگر ضرورت متقاضی ہو تو متعلّم پر سختی کر سکتا ہے۔

......ضرورت کے وقت سوال کرنا جائز ہے اور اسی سائل کو دیا جائے جو مستحق ہو۔

مکتبہ أثریہ سے مطبوعہ کتب کا مختصر تعارف

- **الياقوت و المرجان فی حل صيغ القرآن:** قرآنی صیغہ جات کے مکمل حل کے لیے بہترین کتاب، کل صفحات 608۔
- **مختار النحو:** نحو کے موضوع پر انتہائی مفید اور مقبول عام کتاب، عام فہم عبارت، قرآنی امثلہ اور تمرینات سے مزین، کل صفحات: 270
- **مختار الصرف:** علم صرف کے موضوع پر بہت مفید، عام فہم عبارت، قرآنی امثلہ کا اہتمام، تمرینات سے مزین، کل صفحات: 308
- **شرح عقيده واسطيه:** اردو ترجمہ کے ساتھ ساتھ سوالا جوابا کتاب کو سمجھنے اور امتحانی تیاری کے لیے بہترین کتاب: کل صفحات: 687
- **توضيح الحديث و المحدثين:** اس میں حدیث کے بنیادی مسائل، اصطلاحات اور کتب ستہ کے مصنفین کا تعارف پیش کیا گیا ہے، کل صفحات: 398
- **تبصير شرح ابن عقيل حصه (اول، دوم):** اس میں شرح ابن عقیل کا ترتیب وار خلاصہ اور اشعار کا ترجمہ اور محل استشہاد کی وضاحت کی گئی ہے، کل صفحات: 421
- **تبصير شرح ابن عقيل حصه سوم و چهارم:** اس میں شرح ابن عقیل کا ترتیب وار خلاصہ اور اشعار کا ترجمہ اور محل استشہاد کی وضاحت کی گئی ہے، کل صفحات: 541
- **مباحث فی علوم القرآن:** علوم قرآن کے موضوع پر شاندار کتاب اسے آسان پیرائے میں اردو میں سوالا جوابا ترتیب دیا گیا ہے: کل صفحات: 400
- **اعراب احاديث سيد الأنام فی بلوغ المرام:** اس میں بلوغ المرام کے مشکل اعراب کو مختصر اور سہل انداز میں حل کیا گیا ہے، کل صفحات: 317

أثریہ اسلامک ریسرچ سنٹر

ایک خالص علمی اور تربیتی پلیٹ فارم ہے، رمضان المبارک میں دورہ نحو وصرف کروایا جاتا ہے جس میں انتہائی آسان اسلوب میں نحو اور صرف کے قواعد سمجھائے جاتے ہیں اور ان کا اجراء بھی کروایا جاتا ہے، اسی طرح دوران سال مختلف اوقات میں دینی مدارس کے طلبہ کے لیے مختلف علمی محاضرات کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس میں سینکڑوں طلباء کو ماہرین فنون سے بھرپور استفادے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔